ماہنامہ
کرن
جون 2016
June 2016

MEMBER
APNS
CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ------ 700 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 6000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 7000 روپے

مستقل سلسلے

جون 2016
جلد 39 شمارہ 3
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ
کرن
37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اُردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابنِ حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی
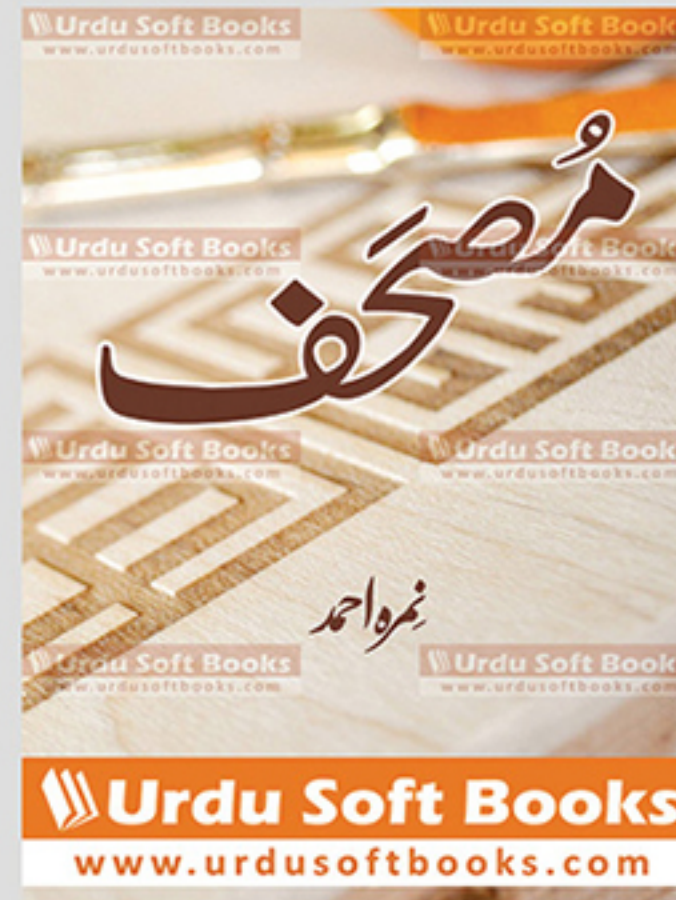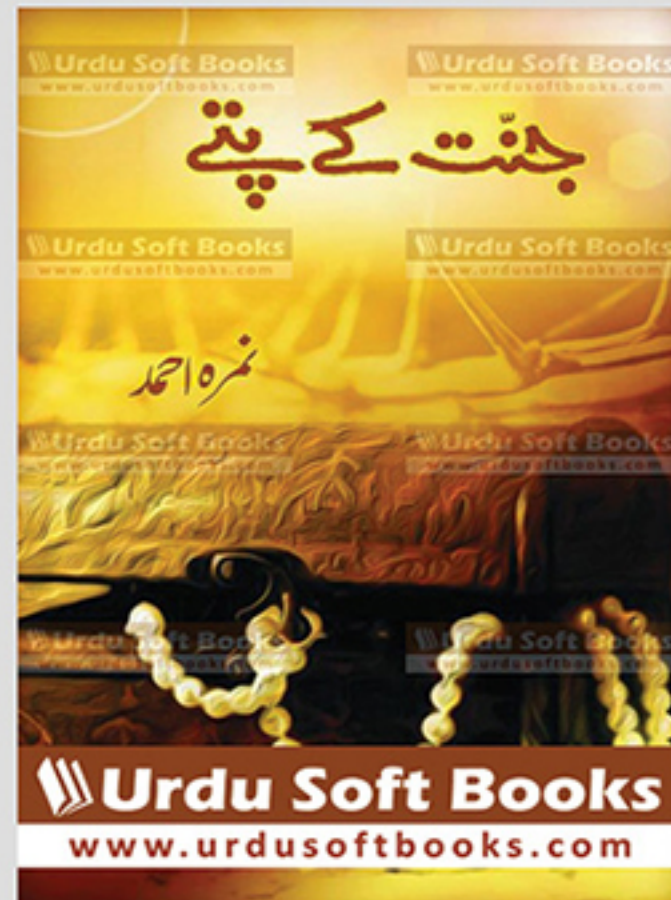
Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ
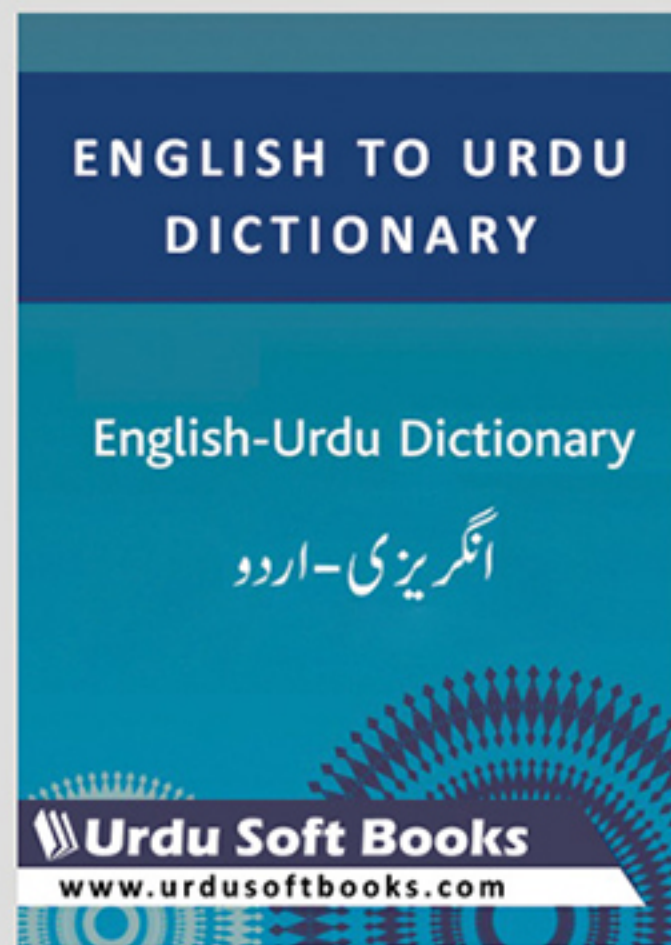
رمضان المبارک کا مقدس مہینہ سایہ فگن ہے۔

اس مہینہ میں رحمت خداوندی عروج پر ہوتی ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں سنتوں کا ثواب فرض کے برابر ملتا ہے۔ جس کی ایک رات کی عبادت اللہ تعالیٰ نے ہزار راتوں سے افضل قرار دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک میں ایک ایک دانہ اور ایک ایک پیسہ صدقہ و خیرات کرنے پر ساٹھ سو گنا اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ نیکیوں کا موسم بہار ہے۔ اس مہینہ میں گناہ پت جھڑ میں پتوں کی مانند جھڑتے چلے جاتے ہیں۔ اس مہینے کی برکتوں سے فیض یاب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے دل کا آئینہ شفاف کرلیں۔ دلوں سے کدورت اور رنجشیں ختم کرلیں۔ جس قوم میں تعصب، نفرت اور ظلم ہو، اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں ہی عذاب کا مزا چکھا دیتے ہیں۔ اپنے رشتہ داروں، احباب سے حسن و سلوک کی بدولت اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل کرتا ہے۔

اس ماہ مبارک کی برکتوں سے فیض یاب ہونے کے لیے اپنے رشتہ داروں اور اردگرد کے لوگوں کا خیال رکھیں۔ اگر وہ مستحق ہیں تو زکوٰۃ، صدقہ، خیرات میں پہلا حق ان کا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری عبادتوں کو قبول کرکے ہمیں اپنے ہدایت یافتہ بندوں میں شامل فرمالے۔ آمین۔

اس شمارے میں،

مفت ،

کرن کتاب "رمضان المبارک سحر و افطار" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

یہ جرأت سخن ہے یہ اظہار حال ہے
لکھوں میں تیری حمد یہ دل میں خیال ہے

رحمٰن ہے رحیم ہے تو ذوالجلال ہے
تیری ہو کیا مثال کہ تو بے مثال ہے

کہتا ہوں لا الٰہ تو کہتا ہوں یہ یقین
اک رب کائنات ہے جو لازوال ہے

ذرّہ ہوں کائنات کا بندہ ہوں رب ترا
میں جو بھی کہہ رہا ہوں یہ تیرا کمال ہے

تیرے سوا کسی پہ بھروسا نہیں خدا
مجھ کو یقین ہے تجھے میرا خیال ہے

رہتی ہے تیرے ذکر میں معروف یہ زباں
کرتا ادا یہ شکر مرا بال بال ہے

محسن علوی

کونین میں شہرت ہے سرکار دو عالمؐ کی
چھائی ہوئی رحمت ہے سرکارِ دو عالمؐ کی

مومن کی نگاہوں میں فردوس سے بھی بڑھ کر
آغوشِ محبت ہے سرکارِ دو عالمؐ کی

انوار تجلّی سے ہیں دونوں جہاں روشن
کیا شمعِ رسالت ہے سرکارِ دو عالمؐ کی

تا حشر رہے یارب محفوظ حوادث سے
دل میں جو امانت ہے سرکارِ دو عالمؐ کی

لازم ہے جسے رہنا سرتاج امم بن کر
وہ خاص جماعت ہے سرکارِ دو عالمؐ کی

کہتے ہوئے مرقد سے محشر میں حمید آئے
مجھ کو تو ضرورت ہے سرکارِ دو عالمؐ کی

حمید صدیقی لکھنوی

گوہر رشید سے ملاقات

شاہین رشید

اداکار گوہر رشید کی یہ بڑی خوبی ہے کہ وہ اداکاری بہت محو ہو کر اور کردار میں ڈوب کر کرتے ہیں۔ ڈائجسٹ رائٹر سے شہرت پانے والے گوہر رشید نے اپنی بہترین پرفارمنس کی وجہ سے اپنی جگہ بنائی ہے آج کل آپ انہیں من مائل کے علاوہ دیگر چینلز سے ٹیلی کاسٹ ہونے والے سیریلز میں بھی دیکھ رہے ہیں ... تھوڑے سے شرمیلے مگر اچھے انداز میں بات کرنے والے گوہر رشید سے آج آپ کی بھی ملاقات کرواتے ہیں۔

★ "آج کل کیا ہو رہا ہے اور کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

✻ "الحمدللہ مزاج بالکل ٹھیک ہیں... ماشاءاللہ سے کام ہو رہا ہے۔ کچھ آن ایئر ہیں اور کچھ انڈر پروڈکشن ہیں... بس انتظار کیجئے ان کے آن ایر آنے کا۔"

★ "بالکل انتظار کریں گے... ڈائجسٹ رائٹر سے آپ کو شہرت ملی کچھ اس کے بارے میں بتائیں۔ کوئی مشکل ہوئی؟؟"

✻ "جی... بالکل آپ نے ٹھیک کہا کہ "ڈائجسٹ رائٹر" سے ہی مجھے شہرت ملی... اور یہی میرا پہلا سیریل بھی تھا... اور اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اپنے پہلے ہی سیریل سے بہت شہرت ملی... اور مشکل اس لیے نہیں ہوئی کہ ایک اداکار کا کام ہی یہی ہے کہ وہ ہر طرح کے رول کرنے میں مہارت رکھے اور اپنے اردگرد کے ماحول سے کردار کو observe (آبزرو) کرے اور ہمارے معاشرے میں شوکت جیسے (ڈائجسٹ رائٹر کا کردار) لوگ موجود ہیں اور اس کردار کے لیے میری سب سے زیادہ مدد ڈائریکٹر احمد کامران نے کی' سلطانہ آپا نے اور صبا قمر نے بھی بہت کچھ سکھایا... تو بس اللہ تعالیٰ نے عزت دے دی۔"

★ "زندگی کے نزدیک کون سا ڈرامہ آپ کو لگا اور اپنا کردار بھی؟؟"

✻ "ڈراموں کا تو کچھ نہیں کہہ سکتا... البتہ اپنے کرداروں کے بارے میں ضرور بات کر سکتا ہوں... اور ابھی تک جتنے بھی ڈرامے کیے ہیں ان میں کوئی بھی کردار ایسا نہیں تھا کہ جس سے میری شخصیت کی عکاسی ہوتی ہو۔ ہاں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ کچھ کردار میں نے ایسے ضرور کیے جو مجھے نبھانے میں یا پرفارم کرنے میں بہت مزا آیا... ان میں ایک تو انور مقصود کا تھیٹر پلے "سوا 14 اگست" تھا اس میں ضیاء الحق کا کردار میں نے کیا تھا اور اسے پرفارم

کرنے میں مجھے بہت مزا آیا تھا۔۔۔ پھر میرا ایک ڈرامہ سیریل تھا "گویا" اس میں میرے کردار کا نام "عدنان" تھا اگرچہ کردار مختصر تھا مگر مجھے بہت پسند آیا تھا۔۔۔ اور ڈائجسٹ رائٹر کے شوکت کا کردار بھی بہت عمدہ تھا اور مجھے پرفارم کرکے اچھا لگا۔۔۔ بس تو وہی کردار بہت اچھے ہو جاتے ہیں جو میرے دل کو پسند آجائے۔"

★ "اس فیلڈ میں کیسے آئے۔۔۔ مگر اس سے پہلے آپ اپنے بارے میں کچھ بتائیں؟"

✱ "جی۔۔۔ میرا نام گوہر رشید ہے اور پکارا بھی گوہر کے نام سے ہی جاتا ہوں۔۔۔ 2 مئی کو لاہور میں پیدا ہوا اسٹار ٹورس ہے اور ماشاء اللہ چھ فٹ ہائیٹ ہے میری۔۔۔ لاہور سے ہی میرا اور والدین کا تعلق ہے اور لاہور میں ہی پرورش ہوئی۔۔۔ والدہ ہاؤس وائف ہیں اور والد صاحب بزنس مین ہیں۔۔۔ ہم تین بہن بھائی ہیں۔ بڑے بھائی، پھر بہن اور میرا آخری نمبر ہے۔۔۔ دونوں بڑوں کی شادی ہو چکی ہے اور میں ماموں بھی ہوں اور چاچو بھی ہوں۔"

★ "اب آپ کا نمبر ہے؟"

✱ "جی۔۔۔ بالکل میرا نمبر ہے۔۔۔ مگر ابھی اسٹیبلش ہونا چاہتا ہوں پھر شادی کروں گا۔۔۔ اور تعلیمی لحاظ سے گریجویٹ ہوں جرنلزم بھی میرا سبجیکٹ رہا ہے۔"

★ "اچھا۔۔۔ تو آج کل جرنلزم پڑھ کر اینکر یا ہوسٹ بن جاتے ہیں تو آپ کا اس طرف کوئی رجحان نہیں ہے کیا؟"

✱ "نہیں۔۔۔ اتنا خاص نہیں۔۔۔ جرنلزم اس لیے پڑھا کہ مجھے پسند تھا۔ کرنٹ افیرز کے بارے میں اپ ڈیٹ رہنا اچھا لگتا ہے۔"

★ "بچپن میں کیا سوچا تھا کہ بڑے ہو کر کیا بننا ہے؟"

✱ "بچپن کے تو دو چار خواب ہوتے ہیں کہ ڈاکٹر بنوں گا، انجینئر بنوں گا یا پائلٹ بنوں گا۔۔۔ ابو کو دیکھتا تھا تو سوچتا تھا کہ ابو کی طرح بزنس مین بنوں گا۔۔۔ مگر جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا خیالات بدلتے گئے اور اس فیلڈ کی طرف آگیا۔۔۔ شاید یہی نصیب میں لکھا تھا۔"

★ "تو آمد کیسے ہوئی؟"

✱ "اداکاری کے حوالے سے میرا کوئی بیک گراؤنڈ نہیں ہے۔۔۔ لاہور میں جب میں نے اپنی پڑھائی مکمل کی تو اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیا تو اندازہ ہوا کہ بزنس کے حوالے سے حالات کچھ سازگار نہیں ہیں۔۔۔ اور کراچی میں اس حوالے سے حالات کافی سازگار نظر آئے۔۔۔ تو بس پھر دل میں یہ ٹھان لی کہ کراچی جانا چاہیے۔۔۔ کام شروع کرنا چاہیے، باقی جو اللہ کو منظور ہو گا ہو جائے گا۔۔۔ کوشش کریں گے شوبز میں بھی جگہ بنانے کی، تو جب کراچی آیا تو میں کسی کو بھی نہیں جانتا تھا۔۔۔ تو بالکل "زیرو" سے شروعات کی۔۔۔ محنت اور اللہ کے بھروسے پہ چلتے گئے اور وہ کامیابیاں دیتا گیا۔۔۔ تو پہلے تو میں نے ہر جگہ اپنا CV ڈراپ کیا۔۔۔ تو سلطانہ صدیقی صاحبہ نے اپروچ کیا اور مجھے میرٹ کی بنا پر ہم چینل پہ جاب دی۔ ساتھ ہی میں نے تھیٹر کا ایک پلے بھی کیا۔ وہ پلے ہمایوں سعید نے دیکھا۔۔۔ اور بس سب کا ساتھ ملتا گیا اور کارواں بنتا گیا۔۔۔ اور شہرت کا باعث "ڈائجسٹ رائٹر" کا کردار شوکت بنا۔۔۔"

★ "اتنی محنت کی اور جگہ بنائی۔۔۔ کوئی پچھتاوا؟"

✱ "نہیں۔۔۔ بالکل نہیں اور مجھے کوئی برائی بھی نظر نہیں آتی اس فیلڈ میں۔۔۔ حالانکہ باتیں بہت سی

تھیں مگر ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب میں کراچی آیا تو میں نے کافی ٹف ٹائم گزارا۔۔۔ اور بڑی مشکل سے اپنی جگہ بنائی۔۔۔"

★ "کافی معروف آرٹسٹوں کے ساتھ کام کر چکے ہیں۔۔۔ مگر پھر بھی کسی خاص آرٹسٹ کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں؟"

✻ "بالکل جی۔۔۔ میری خواہش ہے کہ میں بشریٰ انصاری کے ساتھ کام کروں۔۔۔ وہ رائٹر بھی بہت اچھی ہیں۔۔۔ اور کبھی کبھی میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میں کچھ لکھوں۔۔۔ اور شاید کبھی میں کچھ لکھ بھی لوں۔"

★ "کیا دل چاہتا ہے کہ کس قسم کے رول کریں؟"

✻ "میں ایسی کوئی خواہش نہیں رکھتا۔۔۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جب مجھے آفرز آتی ہیں تو میں بہت دیکھ بھال کر کردار لیتا ہوں۔۔۔ اور یہ دیکھتا ہوں کہ یہ کردار میرے لیے کتنا چیلنجنگ ہے۔ میں کوئی بھی کردار کر کے پچھتانا نہیں چاہتا۔"

★ "آپ نے تھیٹر کیا۔۔۔ ڈراما کیا۔۔۔ فلم سے پیش کش ہوئی؟"

✻ "میری ذاتی خواہش تو یہ ہے کہ میں ایک فیچر فلم بناؤں۔۔۔ اور میں تین فلموں میں کام کر چکا ہوں اور "میں ہوں شاہد آفریدی" اس میں کام کیا جو کہ ریلیز ہو چکی ہے اور مزید دو فلمیں "یلغار" اور "کم بخت" ریلیز ہونے کو تیار ہیں۔"

★ "گڈ۔۔۔ پھر تو آپ عوامی جگہوں پر نظر نہیں آئیں گے کیونکہ شہرت جو بہت ہو جائے گی؟"

✻ ہنستے ہوئے "۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہو گا اور نہ ہی ہوتا ہے۔ میں اب بھی ہر جگہ جاتا ہوں۔۔۔ لوگ مجھے پہچان لیتے ہیں۔ مجھ سے عزت کے ساتھ اور پیار کے ساتھ ملتے ہیں۔۔۔ تعریف بھی کرتے ہیں، کچھ لوگ تنقید بھی کرتے ہیں اور تنقید بھی کرتے ہیں تو بڑے پیار سے اور صحیح والی تنقید کرتے ہیں جسے سن کر مجھے اچھا لگتا ہے۔"

★ "بالکل۔۔۔ جائز تنقید تو رہنمائی کا کام کرتی ہے۔۔۔ کبھی مارننگ شو میں جانے کا اتفاق ہوا؟"

✻ "نہیں۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔ اور اب تو مارننگ شو بہت برے ہو گئے ہیں کسی زمانے میں اچھے ہوا کرتے تھے اور ابھی بات کی آپ نے پہچان کی تو جب ہم کچھ نہیں ہوتے تو ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم جہاں بھی جائیں پہچانے جائیں اور جب اللہ ہمیں سب کچھ دے دیتا ہے تو پھر ہم پر عوام کا حق زیادہ ہو جاتا ہے تو ہمیں ہر دم اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔"

★ "پیسہ کمانا آسان کام ہے یا مشکل؟"

✻ "سچ بتاؤں۔۔۔ میرے نزدیک پیسہ کمانا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا عزت کمانا۔۔۔ اور پھر جب عزت بن جائے تو اسے برقرار رکھنا آپ کا کام ہے۔۔۔ پھر غلطی کی گنجائش نہیں رہتی۔۔۔ ہماری ذرا سی غلطی ہماری بنی بنائی عزت کو خراب کر دیتی ہے۔"

★ "سونے کا نوالہ لے کر دنیا میں آئے؟"

✻ "نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ بہت محنت کی، بہت جدوجہد کی تب کہیں جا کر یہ مقام ملا ہے۔"

★ "پھر آپ کہتے ہیں کہ پیسہ کمانا مشکل نہیں؟"

✻ "بالکل ٹھیک کہا میں نے۔۔۔ میں نے آپ سے کہا ناکہ اعلا مقام بنانے کے لیے بہت جدوجہد کی ہے۔"

★ "زندگی میں جھوٹ کتنا ہے اور سچ کتنا ہے؟"

✻ "زندگی دونوں کا مکسچر ہے۔۔۔ میں زندگی میں بہت کم جھوٹ بولتا ہوں۔۔۔ عام لوگوں کی طرح یہ نہیں کہوں گا کہ میں جھوٹ بولتا ہی نہیں، میں جھوٹ بولتا ہوں۔۔۔ مگر اس صورت میں کہ سچ سامنے آجانے پر اس کا دل نہ دکھے۔"

★ "آپ کراچی میں اکیلے ہوتے ہیں کیونکہ آپ کی فیملی لاہور میں ہوتی ہے۔۔۔ تو کام سے فارغ ہو کر گھومتے پھرتے ہیں یا گھر کی راہ لیتے ہیں؟"

✻ "گھر کی راہ لیتا ہوں۔۔۔ اور بس گھر آ کر دل چاہتا ہے کہ جلدی سے فریش ہو کر بستر پہ چلا جاؤں۔ اور یا تو سو جاؤں یا پھر مزے سے ٹی وی دیکھوں۔"

★ "کوئی بری عادت کہ جو نشے کی حد تک ہو۔۔۔ جیسے چائے پینا سگریٹ پینا۔۔۔ وغیرہ وغیرہ؟"

✻ "نہیں۔۔۔ ایسی کوئی عادت نہیں مجھے تو بس اپنا کام

نشے کی حد تک پسند ہے۔۔۔ فالتو بیٹھنا تو مجھے پسند ہی نہیں ہے۔۔۔ آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے۔۔۔"

★ "اچھا۔۔۔ موبائل ہے یا فیس بک سے دلچسپی نہیں ہے کیا؟"

✻ "بہت کم۔۔۔ موبائل ضرورت کے تحت استعمال کرتا ہوں اور یقین جانیے کہ جب موبائل سروس آف ہوتی ہے تو مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوتی' بلکہ سکون محسوس کرتا ہوں۔۔۔ اور فیس بک سے بھی بہت زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔"

★ "فیوچر کے بارے میں پلاننگ کرتے ہیں؟"

✻ "نہیں۔۔۔ میرے نزدیک فیوچر پلاننگ وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے اس لیے فیوچر پلاننگ نہیں کرتا۔"

★ "وقت ضائع کرنا۔۔۔ لوگ تو بہت پلاننگ کرتے ہیں؟"

✻ "ارے نہیں۔۔۔ اگلے دن کا پتا نہیں ہے تو لمبی پلاننگ کیا کرنا اور آپ کتنے بھی پلان کرلیں۔۔۔ ہوتا وہ ہی ہے جو اللہ چاہتا ہے' کیونکہ ہمارے لیے اللہ بہت بڑا پلانر ہے۔"

★ "اداکاری کرتے وقت ایزی کس میں رہتے ہیں' رومانٹک رول میں' پوزیٹو رول میں یا نگیٹو رول میں؟"

✻ "بات یہ ہے کہ میں کوئی بھی کردار نبھاتے وقت ایزی نہیں ہوتا بہت ٹینشن رہتی ہے کہ جو کردار میں کررہا ہوں وہ صحیح بھی کررہا ہوں یا نہیں۔۔۔ اس لیے ہر کردار کی ادائی سے پہلے بہت تیاری کرتا ہوں۔۔۔ ریسرچ کرتا ہوں اور جب مطمئن ہوتا ہوں تب پرفارم کرتا ہوں۔۔۔ میرے لیے کوئی بھی کردار آسان نہیں ہوتا' مجھے اس کے لیے بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔"

★ "کوئی ایسا سین جو آپ نے بہت مشکل سے ریکارڈ کروایا ہو؟"

✻ "نہیں۔۔۔ الحمدللہ ابھی تک ایسا نہیں ہوا۔۔۔ اور میں نے بتایا نا آپ کو کہ میں ہر کردار کو کرنے سے پہلے بہت محنت کرتا ہوں۔"

★ "سیاست سے دلچسپی ہے؟"

✻ "نہیں جی [illegible] کہ سیاست کی طرف دیکھوں۔۔۔ [illegible] محسوس کرتا ہوں کہ ملک سے باہر جب جاتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ ہمارے ملک کا امیج اچھا نہیں ہے۔۔۔ بڑی خواہش ہے کہ میں اپنے ملک کا اچھا امیج اپنی زندگی میں دیکھوں۔"

★ "ڈراموں میں آپ نے بہت سی حسین لڑکیوں کے ساتھ کام کیا ہے۔ کس کے ساتھ کام کرکے مزا آیا؟"

✻ "مجھے سب کے ساتھ کام کرکے اچھا لگا' میری جتنی بھی ساتھی فنکارائیں ہیں' ماشاء اللہ سب بہت اچھی ہیں۔۔۔ چاہے وہ اریج ہو' ثنا جاوید ہو' صبا قمر ہو۔۔۔ سب بہت کوآپریٹو ہیں۔۔۔ یہ سب میری بہت اچھی دوست بھی ہیں۔"

★ "ماڈلنگ کی آپ نے۔۔۔ جیسے کمرشلز وغیرہ؟"

✻ "نہیں جی۔۔۔ لیکن اگر اچھی پیشکش ہوتی تو ان شاء اللہ ضرور کروں گا۔"

★ "مزاجاً۔۔۔؟"

✻ "میں تو یہی کہوں گا کہ میں بہت اچھے مزاج کا ہوں مگر صحیح بات تو آپ کو دوسروں سے ہی پتا چلے گی' کیونکہ دوسرے لوگ زیادہ اچھے جج ہوتے ہیں۔"

★ "غصہ ہے طبیعت میں؟"

✻ "بالکل ہے۔۔۔ مگر اظہار نہیں کرتا۔۔۔ کہ الفاظ پکڑے نہ جائیں۔ اس لیے غصے کے وقت خاموش ہو جاتا ہوں اور گھر سے باہر چلا جاتا ہوں۔"

✡ ✡

میری بھی سنیے

مریم کمال انصاری

شاہین رشید
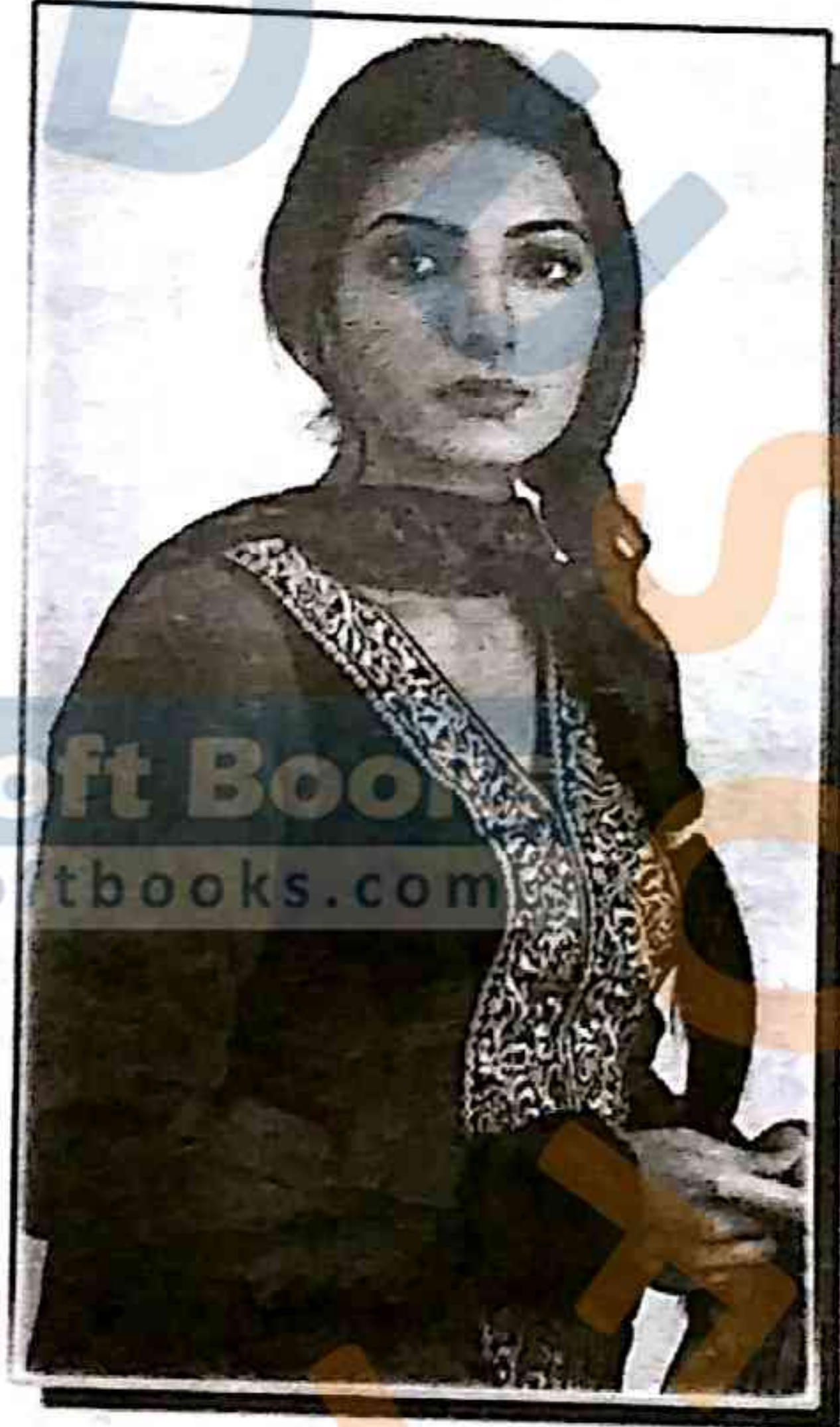
1 "نام؟"
"مریم کمال انصاری۔"
2 "پیار کا نام؟"
"گھر کے مرد حضرات جیسے میرے ابو' چاچا اور میرا بڑا بھائی مجھے "میمو" کہتے ہیں جبکہ گھر کی واحد خاتون یعنی میری امی مجھے پیار سے بےبی کہتی ہیں۔"
3 "جنم سال/ تاریخ/ ستارہ؟"
"1991ء/ یکم مارچ/ Pices اور سعودی عرب میں پیدا ہوئی۔"
4 "میری فیملی؟"
"میرے پیارے امی ابو اور میرا بہت ہی پیارا بڑا بھائی علی انصاری ہے اور اس کی وجہ سے میں اس فیلڈ میں ہوں۔"
5 "والدین کیا کرتے ہیں؟"
"ابو میرے طارق کمال انصاری بزنس مین ہیں اور میری امی تہمینہ کمال فیشن ڈیزائنر ہیں۔"
6 "مادری زبان؟"
"پنجابی۔"
7 "تعلیم؟"
"A لیول کیا ہے... فلم میکنگ پڑھنے ملک سے باہر جاؤں گی ان شاء اللہ۔"
8 "شادی؟"
"ابھی نہیں... جب اللہ کو منظور ہو گا ہو جائے گی مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔"
9 "گھر میں کون سی زبان بولتی ہوں؟"
"امی لاہور کی پنجابی بولتی ہیں۔ ابو آدھے عربی ہیں آدھے پنجابی... اور میں دونوں کا مکسچر... تو کبھی پنجابی کبھی اردو اور کبھی ایک زبان میں ساری زبانیں مکس کرتی ہوں۔"
10 "اس فیلڈ سے وابستہ ہوں جب میں؟"
"جی... جب میں دس سال کی تھی... اور اس طرح پروگرام کرتی تھی کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں دس سال کی بچی ہوں۔ میں ریڈیو کی بات کر رہی ہوں۔"

11 "پہلا معاوضہ ملا تو؟"
"تو کوئی تاثرات نہیں تھے' دس سال کی بچی کو پیسوں کا اتنا سینس نہیں ہوتا جتنا اپنی تعریف سننے کا ہوتا ہے تو جب پروگرام شروع کیا اور حوصلہ افزائی ہوئی تو بس۔ کیا بتاؤں بہت اچھا لگا۔"

12 "شوقیہ کام شروع کیا یا مجبوراً"؟"
"نہ شوقیہ نہ مجبوراً"۔ بھائی نے کہا کہ تمہاری آواز ریڈیو کے لیے بہت اچھی ہے۔ تمہیں بولنا بھی آتا ہے چلو میرے ساتھ اور میں چلی گئی پھر سب سیٹ ہوگیا۔"

13 "پہلا سیریل؟"
"آئی لو یو بنٹی" بہت ہٹ ہوا تھا۔ یہی پہچان بنا۔"

14 "پہلی فلم؟"
"آئینہ۔ سید کھوسٹ کی ڈائریکشن میں کی۔"

15 "آج کل میرے آن ایئر ڈرامے؟"
"تیرے میرے بیچ میں" ہم ٹی وی سے آن ایئر ہے۔ "دل لگی" اور "اب کر میری رفوگری" یہ دونوں اے آر وائی سے آن ایئر ہیں۔"

16 "آنے والے سیریلز؟"
"سیریلز تو نہیں ہیں فی الحال تو سیریل ہے "مشرق" کے نام سے جو کہ "اردو ون" سے آن ایئر ہوگا۔"

17 "گھر والے حوصلہ افزائی کرتے ہیں؟"
"شروع شروع میں بہت کرتے تھے تب کہتے ہیں کہ بس کرو وبس۔ بس کرو وبس' (قہقہہ) بہت کمالیا۔ اب شادی کرو اور گھرداری۔ ویسے میرے ڈرامے دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔"

18 "میرے ابو کی ایک پیاری عادت؟"
"جب میں کہتی ہوں کہ آج میں سب کو ڈنر پہ لے جاتی ہوں اور سب تیار ہو کر اچھا سا کھانا کھا لیتے ہیں تو جب میں بل دینے لگتی ہوں تو ابو ہاتھ روک کر کہتے ہیں "بیٹیوں سے پیسے نہیں لیتے" اور پھر خود بل کے پیسے دے دیتے ہیں۔"

19 "میرے مشہور ڈرامے؟"
"شناخت" "سسرال میرا" "چادر" "بنٹی آئی لو یو" "دل کا دروازہ" "میری زندگی ہے تو" اور جو آج کل آن ایئر ہیں وہ ماشاء اللہ سب ہی ہٹ جا رہے ہیں۔"

20 "ایک کھانا جو بہترین پکاتی ہوں؟"
"کڑاہی خواہ وہ مٹن کی ہو یا چکن کی بہت اچھی پکاتی ہوں۔"

21 "کھانے کے لیے پسندیدہ جگہ؟"
"کہیں بھی بٹھا دیں۔ بس کھانا مزے دار ہونا چاہیے۔"

22 "کھانے کے وقت احتیاط کرتی ہوں کہ؟"
"جب ابو کے ساتھ ہوں تو چھری کانٹے کا استعمال کروں۔ کیونکہ انہیں پسند نہیں کہ ہاتھ سے کھانا کھایا جائے۔ جب کہ مجھے ہاتھ سے کھانا پسند ہے۔"

23 "کب بستر چھوڑنا مشکل ہوتا ہے؟"
"کبھی بھی نہیں۔ جس ٹائم مجھے اٹھنا ہوتا ہے۔ اٹھ جاتی ہوں۔ سستی نہیں دکھاتی۔"

24 "شارٹ ٹمپر ہوں؟"
"ہرگز نہیں۔ مگر کوئی تیلی لگا دے تو بس پھر غصہ

ناقابل برداشت ہو جاتا ہے۔"

25 "رد عمل؟"

"ہائے... کچھ نہ پوچھیں... دروازے پٹکتی ہوں ... بولتی کچھ نہیں... غصے میں اس بات کا بہت خیال رکھتی ہوں کہ کوئی غلط جملہ نہ بول دوں یا کوئی بدتمیزی نہ کر بیٹھوں۔"

26 "فیوچر میں شادی کے علاوہ کیا کرنا ہے؟"

قہقہہ۔ "فلم میکنگ میں ڈگری لوں گی تو خود ہی سوچنے کہ کیا بنوں گی... ایک اچھی ڈائریکٹر بننا چاہتی ہوں۔"

27 "اپنی ہی ایک عادت، جو پسند ہے؟"

"کہ میں رات کو تسبیح پڑھ کر سوتی ہوں۔ ایسا نہ کروں تو پھر نیند نہیں آتی۔"

28 "فیلڈ میں آکر پچھتاوا ہوا؟"

"کبھی کبھی ہوتا ہے... جب میں اپنے گھر والوں کو ٹائم نہیں دے سکتی۔"

29 "مجھ میں نخرا ہے؟"

"توبہ کریں... یہ کس چیز کا نام ہے میں نہیں جانتی۔"

30 "آسانی سے مان جاتی ہوں؟"

"جب کوئی غلطی کرتی ہوں تو اس کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کوشش نہیں کرتی بلکہ اپنی غلطی کا اعتراف آسانی سے کر لیتی ہوں۔"

31 "لوگ کہتے ہیں؟"

"مریم تم بہت بولتی ہو... سچ میں میں زیادہ نہیں بولتی مگر لوگ کہتے ہیں تو ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔"

32 "بہترین کک کون ہوتے ہیں؟"

"گھر میں عورت... گھر سے باہر مرد... دونوں کے ہاتھ میں ذائقہ ہوتا ہے... تب ہی تو یہ دنیا چل رہی ہے۔"

33 "دماغ کب خراب ہوتا ہے؟"

"جب انسان کو اچانک شہرت ملتی ہے... میں اس لیے نہیں بگڑ سکتی کہ مجھے بچپن سے یہ سب کچھ دیکھنے کی عادت ہے۔"

34 "دھوپ برداشت نہیں یا بھوک؟"

"دونوں برداشت کر لیتی ہوں۔ دھوپ میں نکلتی ہوں تو سن بلاک لگا کر نکلتی ہوں اور بھوک پہ بھی اچھا خاصا کنٹرول کر لیتی ہوں۔"

35 "مجھے انتظار ہے؟"

"ایک خاص دن کا... مگر بتانے کی نہیں ہو رہی وہ دن جب آئے گا تو سب کو ہی پتا چل جائے گا۔"

36 "گھر آتے ہی کسے دیکھنا پسند کرتی ہوں؟"

"اپنی ماں کو... گلے لگتی ہوں' پیار کرتی ہوں۔ تب سکون ملتا ہے۔"

37 "مردوں کے بارے میں میری رائے؟"

"(خود پسند) Arrogant ہوتے ہیں۔"

38 "اپنے لیے ایک لفظ؟"

"بہت (لونگ) Loving ہوں۔"

39 "فرصت کا مشغلہ؟"

"امی کے ساتھ واک کرنا... امی کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی کے پروگرام دیکھنا۔"

40 "تھکن میں کیا چیز سکون دیتی ہے؟"

"نہ چائے نہ کافی... صرف اور صرف اپنا بستر۔"

41 "اپنی بری بات؟"

"ضدی بہت ہوں... جو چاہیے بس چاہیے۔ جو کام کرنا ہے وہ کرنا ہے۔ جو دل میں ٹھان لیتی ہوں وہ کر کے رہتی ہوں۔"

42 "فیس بک سے دلچسپی؟"

"بہت زیادہ... فری ٹائم میں فیس بک پہ ہی پائی جاتی ہوں۔"

43 "موڈ فریش ہو جاتا ہے؟"

"جب اپنے گھر کے باغ میں چہل قدمی کرتی ہوں۔ پھولوں کی خوشبو تازگی کا احساس دلاتی ہے۔"

44 "گھر میں بھی اداکاری چلتی ہے؟"

"ہرگز نہیں... گھر میں ایک سادی سی معصوم سی لڑکی نظر آؤں گی۔ بالکل ایک گھریلو لڑکی کی طرح۔"

45 "کھانا گھر کا پسند ہے یا باہر کا؟"

"دونوں... گھر سے باہر کھانے کا مزا فیملی کے ساتھ

ہے۔ عام دنوں میں اکیلی نہیں کھاتی... گھر کو ترجیح دیتی ہوں۔"

46 "میرا دل چاہتا ہے؟"

"کہ جب میں گھر آؤں تو میرے لیے کھانا تیار ہو' سب میرا انتظار کر رہے ہوں اور میں کھانے کے دوران سارا دن کی روداد بتاؤں۔"

47 "ریکارڈنگ میں دیر ہو تو؟"

"تو پھر اپنے آپ کو بوریت سے بچانے کے لیے گھر سے ایک کتاب ضرور لے جاتی ہوں۔ تاکہ مطالعہ کر سکوں۔"

48 "اچھی میزبان ہیں یا اچھی مہمان؟"

"دونوں... جب کسی کے گھر جاتی ہوں تو بالکل بھی کسی کو تکلفات میں پڑنے نہیں دیتی اور جب ہمارے گھر میں کوئی آتا ہے جلدی جلدی کچھ نہ کچھ بنا کر اور کولڈ ڈرنک کے ساتھ خاطر مدارات کرتی ہوں۔"

49 "کیا جمع کرنے کا شوق ہے؟"

"تصاویر... اپنی' اپنی فیملی کی دوستوں کی۔"

50 "مجھے برا لگتا ہے؟"

"نہ... نہ مجھے کچھ برا نہیں لگتا... چھوٹی چھوٹی باتوں کو مائنڈ نہیں کرتی... بہت فرینڈلی ہوں۔"

51 "کس کو سب سے زیادہ SMS کرتی ہوں؟"

"اپنے ابو کو... کیونکہ وہ سعودی عرب میں ہوتے ہیں۔"

52 "خدا کا بہترین تحفہ؟"

"والدین... اس سے بڑھ کر کوئی تحفہ ہو ہی نہیں سکتا۔"

53 "کون سے سین مشکل لگتے ہیں؟"

"رومانٹک سین... ہنسی آجاتی ہے۔"

54 "شاپنگ شوق یا ضرورت؟"

"دونوں... اور ایسے ہی خریداری نہیں کرلیتی' پہلے پورا مال گھومتی ہوں' پھر کچھ پسند آتا ہے تو خرید لیتی ہوں۔"

55 "کتنی بولڈ ہوں؟"

"اپنے تحفظ کے لیے بہت زیادہ... کوئی جملہ کسے' کوئی گھورے تو ڈرتی نہیں ہوں... بولڈ ہو کے پوچھتی ہوں کہ مسئلہ کیا ہے۔"

56 "پسندیدہ ملک؟"

"گھومنے کے لیے پوری دنیا اور رہنے کے لیے صرف اور صرف اپنا پاکستان۔"

57 "جس دن چیک ملتا ہے؟"

"سوچتی رہتی ہوں کہ اس کا کیا کروں... کچھ خرید لوں... انہیں جمع کرا دوں... یا کچھ اچھا مزیدار کھانا کھالوں۔"

58 "فون نمبر بدلتی رہتی ہوں؟"

"ہرگز نہیں... بس جو ایک ہے وہی آج تک ہے۔"

59 "میرا دل چاہتا ہے کہ...؟"

"اپنے ابو کے ساتھ ایک شام گزاروں... ان کے ساتھ شاپنگ کروں۔ گھوموں اچھا سا کھانا کھاؤں... خوب انجوائے کروں۔"

60 "پسندیدہ سیاسی شخصیت؟"

"قائداعظم اور عمران خان۔"

61 "میرے بیگ میں کیا چیزیں لازمی ہوتی ہیں؟"

"فون' چارجر' پیسے اور پرفیوم۔"

آواز کی دنیا سے

سید محفوظ الحسن

شاہین رشید

سید محفوظ الحسن کا نام FM سننے والوں کے لیے نیا نہیں ہے۔ سامعین کے پسندیدہ آر جے، پریزنٹر، شاعر اور ایک اچھے انسان... بھی ہیں۔

محفوظ الحسن 2001ء سے ایف ایم 100 سے وابستہ ہوئے اور آج تک وابستہ ہیں... آواز کی دنیا سے اس بار آپ کی ملاقات انہی سے کروا رہے ہیں۔

★ "کیا حال ہیں آپ کے؟"

✲ "جی اللہ کا شکر ہے۔"

★ "کچھ اپنے بارے میں بتائیے... اپنے نام کے بارے میں؟... اپنی فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں؟"

✲ "میرا نام محفوظ، میرے دادا نے رکھا تھا... اور وہ مجھ سے بے انتہا پیار کرتے تھے اور محفوظ نام رکھنے کی شاید وجہ یہ تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ میرا پوتا زمانے کی ہر بلا سے محفوظ رہے... میں 17 اپریل کو روشنیوں کے شہر کراچی میں پیدا ہوا... یا شاید میرے آنے کے بعد اس شہر کا نام "روشنیوں کا شہر" پڑا۔ (ہنستے ہوئے)... ہم ماشاء اللہ چھ بھائی تھے، جن میں ایک بھائی کا انتقال ہو چکا ہے۔ اب ہم پانچ ہیں... اور میں سب میں بڑا ہوں... اللہ تعالیٰ نے بہن سے نہیں نوازہ لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں جگت بھیا ہوں... اور اس شہر میں لاتعداد میری فینز میری بہنیں ہیں... والدین حیات ہیں ماشاء اللہ اور گھر پر ہی ہوتے ہیں اور انہی کے دم سے گھر میں رحمتیں اور برکتیں ہیں... پوتے پوتیاں ان کا سرمایہ حیات بھی ہیں... میری شادی 2004ء میں ہوئی اور ماشاء اللہ سے میری ایک بیٹی جو کہ 10 سال کی ہے اور ایک بیٹا 6 سال کی ہے... تعلیمی قابلیت کچھ یوں ہے کہ آئی آر میں ماسٹرز کیا ہے اور

کمپیوٹر میں ڈپلومہ ہولڈر ہوں۔"

★ "100 FM سے کب سے وابستہ ہیں؟... اور کس کس ایف ایم کا سفر کیا۔ آپ... اور ایف ایم پہ آمد کیسے ہوئی؟"

✲ "میں ایف ایم 100 سے 2001ء سے وابستہ ہوں۔ اس چینل سے میں نے اپنے carrier (کیریئر) کا آغاز کیا اور اب میں اس چینل پر سینئر (پروڈکشن انجینئر) Production eng ہوں اور سینئر آر جے بھی ہوں... تو جناب کسی چینل کا سفر نہیں کیا میں نے۔ ایف ایم پہ آمد اس طرح ہوئی کہ میرے اندر گلوکاری کے جراثیم تھے اور ہیں اور گلوکاری کا شوق ہی مجھے ایف ایم 100 تک کھینچ کر لایا... اور یہاں میں نے اس چینل کو بہ حیثیت پروڈکشن انجینئر کے جوائن کیا... یہاں سب آر جے ز

کو پروگرام کرتے دیکھتا تھا تو میرا بھی دل چاہتا تھا کہ میں بھی پروگرام کروں اور لوگوں سے باتیں کروں۔ گلوکاری کی وجہ سے میری آواز خاصی اچھی تھی اور ایک آر جے کے لیے بھی آواز کا اچھا ہونا بہت ضروری تھا۔ تو میں خود سے پریکٹس کرتا رہتا تھا بولنے کی۔ مگر کسی سے اظہار نہیں کیا اپنے شوق کا... بلکہ Demos (ڈیموز) ریکارڈ کرتا تھا اور سب کو سناتا تھا تو اس وقت کے پروگرام منیجر کو میرا demo (ڈیمو) اچھا لگا تو انہوں نے مجھے چانس دیا رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور یہ بات ہے 2001ء کی اور وہ شو مجھے آج بھی اس لیے یاد ہے کہ اس کو کرتے وقت میرے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے اور میں تھوڑا خوفزدہ بھی تھا۔ مگر اسٹاف کی اور سامعین کی حوصلہ افزائی اور پسندیدگی نے ہمت دی کہ آہستہ آہستہ مجھ میں اعتماد آتا گیا... اور یوں مجھے پسند کرنے والوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔"

★ "آپ کے شوز کی کوئی خاص نوعیت ہوتی تھی... یا ہر طرح کے شوز کرتے تھے آپ؟"

⁕ "میں نے ایف ایم 100 سے ہر طرح کے شوز کیے ہیں اور لاتعداد شوز کیے ہیں۔ ان میں آؤٹ ڈور اور ان ڈور' دونوں کے شوز شامل ہیں۔ روڈ شو اور ہر طرح کے تہوار کے پروگرام بھی شامل ہیں جیسے "مدرز ڈے"' "فادرز ڈے"' "چلڈرن شو"' "لیبر شو" وغیرہ وغیرہ... اگرچہ مجھے اپنے کیے ہوئے تمام پروگرامز ہی اچھے لگتے ہیں کیونکہ میں بھرپور محنت کے ساتھ کرتا ہوں... مگر اس کے باوجود جس پروگرام کو کرکے مجھے روحانی سکون ملتا ہے وہ "نعتوں" کے پروگرام ہیں جو میں پورے رمضان المبارک میں کرتا ہوں۔ رمضان میں میں میوزک شو نہیں کرتا... بلکہ ایک ہی پروگرام کرتا ہوں "عقیدتوں کا سفر" کے عنوان سے اور اس میں نئے نعت خوانوں کو چانس بھی دیتا ہوں۔ 12 ربیع الاول کو محفل نعت کا انعقاد بھی کرتا ہوں اپنے پروگرام میں۔"

★ "گڈ... ہفتے میں کتنے دن آپ کے شو ہوتے ہیں؟"

⁕ "میں ہفتے میں ایک ہی دن پروگرام کرتا ہوں۔ اتوار کے دن جو کہ تین سے پانچ بجے تک ہوتا ہے اور اس پروگرام کا نام "میوزک مستی اور محفوظ" ہے۔ یہ پروگرام میں گزشتہ دس سال سے کر رہا ہوں۔ اس میں سامعین سے نہ صرف مختلف موضوعات پہ بات چیت ہوتی ہے بلکہ ان کی فرمائش پہ ان کے پسندیدہ گانے بھی سنواتا ہوں اور میرے اس پروگرام کو پسند کرنے والے سامعین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔"

★ "ریڈیو ہی آپ کا ذریعہ معاش ہے؟"

⁕ "جی... بالکل... ریڈیو اور میری آواز میرا ذریعہ معاش ہے۔ اس طرح کہ میں ریڈیو پہ تو پروگرام کرتا ہی ہوں' اس کے علاوہ ریڈیو پہ میری جاب بھی ہے بہ حیثیت پروڈکشن انجینئر کے... پھر میں وائس اوور بھی کرتا ہوں... اور کافی سالوں سے کر رہا ہوں۔ بیشتر کمرشلز میں میری آواز ہوتی ہے... مجھے آوازیں بنا کر بولنے کا ہنر بھی آتا ہے' جو کہ میری بچپن کی عادت کا ثمر ہے۔"

★ "شکل بھی اچھی ہے اور آواز بھی... ٹی وی پہ آزمائش کی آپ نے...؟"

* "خود سے کیا آزمائش کرنی۔۔۔ یہاں تو کسی کی نظر کرم ہوگی تو ہی کام بنے گا۔۔۔ کیونکہ یہاں جب تک کسی کی نظر کرم نہ ہو کوئی اپنی جگہ نہیں بنا سکتا۔۔۔ مجھے اگر ٹی وی سے آفر آئی تو ضرور کروں گا۔۔۔ لیکن ریڈیو کو کبھی نہیں چھوڑوں گا، کیونکہ ریڈیو تو میرا جنون ہے۔"

★ "ریڈیو آپ کا جنون ہے۔۔۔ کیا کشش ہے ریڈیو میں؟"

* "ریڈیو میں سب سے بڑی کشش ریڈیو کے Listener (لسنر) ہیں، یقین مانیے بہت پیارے ہیں ہمارے ریڈیو کے سامعین، میں نے اپنے فینز سے ان سالوں میں بہت کچھ سیکھا ہے اور سیکھ رہا ہوں میرے سامعین میرے بہترین ٹیچر ہیں جو نہ صرف مجھے سنتے ہیں میری تعریف کرتے ہیں اور میری اصلاح بھی کرتے ہیں۔۔۔ سوا اپنے فینز سے باتیں کرنا، ان کی فرمائش کو پورا کرنا، ان کے میسجز کا جواب دینا، یہی سب سے بڑی کشش ہے ریڈیو کی اور یہی کشش مجھے ریڈیو سے دور نہیں ہونے دیتی۔۔۔"

★ "آپ کے سننے والوں میں کس کی تعداد زیادہ ہے نوجوانوں کی یا بزرگوں اور خواتین کی؟"

* "سننے والوں کی تعداد تو نہیں بتا سکتا۔ البتہ میرا شو ہر عمر کے خواتین و حضرات بہت شوق سے سنتے ہیں۔۔۔ لیکن میری فینز خواتین کی تعداد زیادہ ہے۔۔۔ 15 سال ہو گئے ہیں مجھے پروگرام کرتے ہوئے تو کل تک جو بچے تھے وہ اب جوان ہو گئے ہیں۔ 15 سال بہت بڑا عرصہ ہوتا ہے۔۔۔ تو بچے بڑے ہو گئے اور جوان بزرگ ہو گئے تو ماشاء اللہ سے سب ہی مجھے بہت پسند کرتے ہیں۔"

★ "کبھی لائیو کالز میں کوئی گڑبڑ ہوئی؟"

* "لائیو کالز میں گڑبڑ اس لیے نہیں ہوتی کہ میں پہلے کالر سے آف ایئر بات کر لیتا ہوں کہ ان کے سوال ان کی باتیں آن ایئر لانے والی ہیں یا نہیں پھر ہی انہیں آن ایئر لاتا ہوں۔۔۔ ویسے لڑکیاں اتنی مداح ہیں کہ مجھے کئی بار شادی کی پیشکش کر چکی ہیں اور میرا نمبر بھی مانگتی

ہیں۔"

★ "بیگم شوق سے سنتی ہیں آپ کو۔۔۔ آپ کے پروگرام پسند کرتی ہیں اور کیا کرتی ہیں وہ؟"

* "بیگم کو جب میں پسند ہوں تو انہیں میری ہر چیز پسند ہے۔ بیگم کو جب ٹائم ملتا ہے وہ میرا پروگرام ضرور سنتی ہیں۔۔۔ کیونکہ عام طور پر وہ بچوں میں ہی اتنی مصروف رہتی ہیں کہ انہیں کبھی کبھار ہی ٹائم ملتا ہے۔ میری لائف پارٹنر میری بہت اچھی دوست بھی ہیں۔۔۔ اور میری زندگی ہیں۔ زندگی کی ہر اونچ نیچ میں وہ میرا حوصلہ بڑھاتی رہتی ہیں۔ ان کے لیے میں نے ایک شعر کہا ہے کہ۔"

میری نیکیوں کی اگر کوئی سند مجھ کو ملے
میرا شریک سفر ہی مجھے جنت میں ملے!

★ "کمبائن شو بھی کیے آپ نے۔۔۔؟"

* "میں سولو شو کرتا ہوں اور مجھے SOLO (سولو) شو کرنے میں ہی مزا آتا ہے۔ البتہ جب کوئی ایونٹ ہوتا ہے تو پھر میں کمبائن شو کرتا ہوں اور شو کی تیاری کے لیے نیٹ پہ چیزیں سرچ کرتا ہوں اور فی البدیہہ بھی بولتا ہوں۔۔۔ ایونٹ پہ جو پروگرام کرتا ہوں اس میں

زندگی کے ہر شعبے جیسے شوبز' فیشن' اسپورٹس' ہر قسم کی معلومات سب کو کور کرتا ہوں اور کالرز سے بات چیت کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔۔۔ SOLO پروگرام میں ہر ایک سے بات کر کے اچھا لگتا ہے مجھے خوشیاں بانٹنا اچھا لگتا ہے اور میں اپنے پروگرام کے ذریعے خوشیاں بانٹتا ہوں۔۔۔ اب رمضان المبارک اور عید کے پروگراموں کی تیاری ہے۔"

★ "اتنے چاہنے والے سامعین آپ کو کس طرح پہچان پاتے ہوں گے؟ آواز سنتے ہی پہچانتے ہیں یا کوشش کرتے ہیں؟"

✳ "دیکھیں جہاں تک آواز سن کر پہچاننے کی بات ہے تو اب زمانہ بہت آگے نکل چکا ہے۔ اب سوشل میڈیا کا دور ہے۔ یعنی فیس بک اور ٹوئیٹر کا دور ہے۔ اور اب ہم آر جے زاتی تصویر فیس بک پہ لگاتے رہتے ہیں۔ اس لیے لوگ اب ہمیں بائے فیس بھی پہچان لیتے ہیں اور میرے ساتھ تو بہت بار ایسا ہوا ہے کہ میں اگر مارکیٹ گیا ہوں۔۔۔ کسی مال میں گیا ہوں یا شادی کی کسی تقریب میں۔۔۔ لوگ مجھے دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں۔ میرے پاس آتے ہیں' مجھ سے بات کرتے ہیں۔ سیلفیاں بنواتے ہیں' آٹو گراف لیتے ہیں۔۔۔ اور مجھے بہت اچھا لگتا ہے جب آپ کے چاہنے والے آپ کے فینز آپ کو پہچان کر آپ کی تعریف کرتے ہیں۔"

★ "یہ کامیابیاں محنت سے ملتی ہیں یا قسمت سے ملتی ہیں؟"

✳ "یہ شہرت اور یہ کامیابیاں۔۔۔ اس کے لیے تو میں یہی کہوں گا کہ محنت کرنا انسان کا کام ہے اور رزلٹ دینا اللہ کا کام ہے۔"

★ "بالکل۔۔۔ یہ بتائیں کہ کبھی گھر سے ناراض موڈ میں نکلے' یا کسی سے راستے میں توں توں میں میں ہو گئی۔۔۔ یا کوئی بھی وجہ موڈ خراب کی ہوئی تو پروگرام پر کیا اثر پڑتا ہے؟"

✳ "اللہ کا بڑا کرم ہے کہ ہمارے گھر میں بڑا سکون ہے۔۔۔ بہت اچھے موڈ میں گھر سے نکلا ہوں اب یا کہ ضروری ہو آپ کہ راستے میں ٹریفک جام ہو اور شور کرنی بھی ہو تو پھر موڈ تھوڑا خراب ہو جاتا ہے اور مزاج میں گرمی آجاتی ہے۔۔۔ لیکن اللہ کا بڑا کرم ہے کہ میرے خراب موڈ کا اثر میرے پروگرام پر نہیں پڑتا۔ جب میں پروگرام کرتا ہوں تو مکمل طور پر انجوائے کرتا ہوں بلکہ "کر بے منقوط" ہوتا ہوں اس سے سوچ کر پروگرام کرتا ہوں کہ میں اچھے موڈ کے ساتھ پروگرام میں لوگوں کو خوشیاں بانٹنے آیا ہوں' لوگوں کو ٹینشن دینے نہیں آیا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار میں پروگرام کرنے آیا تھا تو راستے میں گن پوائنٹ پہ میرا موبائل اور والٹ چھین لیا گیا تھا۔۔۔ مگر میں نے بھرپور طریقے سے شو کیا اور لوگوں کو بتایا بھی نہیں کہ میرے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔"

★ "مزاج کے کیسے ہیں اور کھانے پینے میں کیا پسند ہے؟"

✳ "میں نرم مزاج کا بندہ ہوں۔۔۔ مگر کبھی کبھی غصہ بھی آجاتا ہے۔۔۔ لیکن جلدی اتر بھی جاتا ہے اور نارمل ہو جاتا ہوں۔۔۔ اور غصے میں کوئی غلط بات کہہ دوں یا ویسے ہی کوئی غلطی ہو جائے تو معافی مانگنے میں دیر نہیں لگاتا۔۔۔ اور جہاں تک کھانے کی بات ہے تو مجھے "چکن بریانی" "کڑھی چاول" "باربی کیو" اور چائنیز وغیرہ پسند ہیں اور میٹھے میں مجھے گرم گرم جلیبیاں پسند ہیں۔"

★ "پکانا آتا ہے۔۔۔ سیاست سے کتنا لگاؤ ہے؟"

✳ "جی بالکل۔۔۔ چائے بہت اچھی بنا لیتا ہوں اور انڈا بھی ابال لیتا ہوں۔۔۔ سیاست سے ذرا بھی لگاؤ نہیں ہے اور کسی بھی قسم کی سیاست مجھے پسند نہیں۔۔۔ اور نہ ہی مجھ میں سیاسی پن ہے۔۔۔ ان چیزوں سے دور رہتا ہوں۔"

★ "مشاغل۔۔۔ اور شاعری بھی تو کرتے ہیں آپ؟"

✳ "مشاغل یہی ہیں کہ گانے کا بہت شوق ہے۔

شاعر بھی ہوں اور شاعری کی صلاحیت تو خداداد ہوتی ہے۔۔۔ گانے کا شوق بچپن سے ہے اور میں نے گانا کسی سے سیکھا نہیں ہے۔۔۔ جب چھوٹا تھا تو گنگناتا رہتا تھا، مگر باقاعدہ کسی کے سامنے نہیں گاتا تھا۔۔۔ میرے اس ٹیلنٹ کو میرے والد بہت سمجھتے تھے وہ گھر میں اکثر مجھ سے گانے سنتے رہتے تھے، پھر خاندانی تقریبات میں مجھے گانے کے لیے کہتے تھے اور شاعری میرا جنون ہے اور 100 سے زیادہ لکھی میری غزلیں فیس بک پہ میرے Page پہ موجود ہیں۔ جس کا لنک یہ ہے۔"

rj / mahfooz

WWW.Facebook.Com

★ "نئے لوگوں کے لیے کیا کہیں گے؟"

☆ "نئے لوگوں کو ضرور آنا چاہیے۔۔۔ لیکن ایک بات یاد رکھیں کہ دنیا کا ہر شخص ہر کام نہیں کر سکتا۔۔۔ ہمارے یہاں سب کو شوق ہے آر جے بننے کا۔۔۔ لیکن یہ دیکھ لیں کہ آپ اس فیلڈ کے قابل ہیں یا نہیں۔۔۔ میں نے بہت سے لوگوں کے آڈیشن کیے ہیں اور ایسے ایسے لوگوں کے آڈیشن کیے ہیں جو ساری عمر بھی لگے رہیں تو اچھے آر جے نہیں بن سکتے۔ تو میں ایسے لوگوں کو سمجھاتا ہوں کہ آپ کسی اور کام میں اپنا وقت لگائیں۔۔۔ تو کامیاب ہو سکتے ہیں اور ریڈیو کے شوز سنیں آپ کو بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا۔ کیونکہ میں نے بھی سن سن کر ہی سیکھا ہے اور اپنے ٹیلنٹ سے ہی اس فیلڈ میں آیا ہوں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے محفوظ الحسن سے اجازت چاہی۔

☆ ☆

کھولے پنکھ یادوں نے

الحمدللہ "کرن" کی کامیابی کا ایک اور سال مکمل ہوا۔ کامیابی کے اس سفر میں ہماری مصنفین اور قارئین بھی ہمارے ہم قدم ہیں۔ قاری کا مصنف سے دلی و جذباتی تعلق ہوتا ہے۔ ایسا تعلق جو ان کے دلوں کو جکڑے رکھتا ہے۔ ہماری قارئین مصنفین سے ایسی ہی وابستگی رکھتی ہیں۔ قارئین مصنفین کے بارے میں ہمیشہ جاننا چاہتی ہیں۔ لہٰذا "کرن" کی سالگرہ کے موقعے پر مصنفین سے ایک خصوصی سروے کا اہتمام کیا ہے۔ سروے کے سوالات درج ذیل ہیں۔

1 ۔ آپ کا اور کرن کا ساتھ کتنے سالوں پر محیط ہے؟
2 ۔ آپ کی سالگرہ کا دن گھر والوں اور احباب میں کون لوگ یاد رکھتے ہیں اور آپ کو مبارک باد دیتے ہیں؟
3 ۔ لکھنا بہت وقت اور ذہنی فراغت چاہتا ہے۔ لکھنے کے علاوہ آپ کی دیگر مصروفیات کیا ہیں؟
4 ۔ کوئی ایسا واقعہ ہے؟ جس کا مشاہدہ آپ نے بہت قریب سے کیا، لیکن کوشش کے باوجود لکھ نہ پائیں۔

کھولے پنکھ یادوں نے

ادارہ

قرۃ العین خرم ہاشمی۔۔۔ لاہور

سب سے پہلے کرن ڈائجسٹ کے سب سجانے اور سنوارنے والوں کو کامیابی کا ایک اور سال مبارک ہو۔ سالگرہ کا ذکر آتے ہی ذہن میں موم بتیوں کیک پھولوں اور رنگ رنگ کے خواب اور امیدوں کا ایک جہاں آباد ہو جاتا ہے۔ میری دعا ہے کہ ہر دیکھنے اور پڑھنے والی آنکھیں اس روشن جہاں سے ہمیشہ آباد و شاد رہے۔ (آمین)

1۔ کرن ڈائجسٹ کو بحیثیت ایک قاری کے کئی سال سے پڑھ رہی ہوں۔ اسی لیے جب لکھنے کا آغاز کیا۔

2014ء میں تو یہاں بھی قسمت آزمائی تھی، مگر شعاع، خواتین کی نسبت یہاں چانس نہیں ملا اور یہ چیز میرے لیے کافی مایوس کن تھی، مگر میری ایک عادت اچھی کہہ لیں یا بری، میں ہار نہیں مانتی اور نہ ہی کسی ناکامی سے دل برداشتہ ہوتی ہوں۔ مجھے ایسے لگتا ہے کہ ناکامی کے بعد ہم زیادہ اچھے طریقے سے اپنی خامیوں پر قابو پا کر آگے بڑھ سکتے ہیں۔ کیونکہ خود کو پرفیکٹ "سمجھنا" اور "ہونا" میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اور مجھے ویسے بھی منزلوں سے زیادہ اچھے راستے لگتے ہیں۔ خیر اس ناکامی نے مجھے ایک نیا حوصلہ دیا اور میں نے کرن کے لیے پہلا ناول "زندگی خاک نہ تھی" لکھ کر جنوری 2015ء میں پوسٹ کردیا۔ ان دنوں ہی کرن میں ——— بات ہوئی اور جس طرح انہوں نے محبت اور خلوص سے رہنمائی کی اور حوصلہ افزائی کی۔ میرے کرن میں ہونے کی وجہ ——— بنی ہیں۔

میرے ہاتھ میری آنکھیں ہیں
تم ان پر دھوپ اور چھاؤں کے
سارے منظر لکھ سکتی ہو
بینائی کا لمس
بدن کے ہر موسم میں کھلتا ہے
دیکھنے والے ہاتھ۔۔۔
کسی خوش قسمت کی جانب اٹھتے ہیں
دوست انہیں بے توقیر نہیں کرتے
تھام لیا کرتے ہیں

ہر لکھاری کے ہاتھ ایسے ہی بینائی سے مالا مال ہوتے ہیں، مگر انہیں تھامنے اور راہ دکھانے والے بہت کم لوگ ملتے ہیں اور کرن کا معیار پہلے سے بہتر ہونے کی وجہ بھی یہ

ہی ہے۔
2۔ میری سالگرہ کا دن میرے، بہت سے دوست، میرے اپنے یاد رکھتے ہیں اور وش بھی ضرور کرتے ہیں۔ میرے ہزبینڈ، سرپرائز وش کرنا اور کیک دینا کبھی بھی نہیں بھولتے ہیں۔ (اور نہ میں بھولنے دیتی ہوں۔)
دوستوں میں سے میری کالج لائف کی فرینڈ آمنہ زاہد (جو شادی کے بعد دبئی میں رہائش پذیر ہے۔) وہ اپنی مصروفیت میں بھی میری سالگرہ کا دن نہیں بھولتی ہے۔ رات بارہ بجتے ہی سب سے پہلے میری چھوٹی بہن فرحت کے میسجز آتے ہیں۔ سب بہن بھائی وش کرتے ہیں۔ امی اور ابو فون کرکے دعائیں دیتے ہیں۔ (اس دن میں "خاص" ہوتی ہوں نا۔) اس کے علاوہ.... سعدیہ بتول اعوان، انیلا سجاد، منزہ ریاض، فریحہ ندیم، عاصمہ بتول، ہانیہ حیدر، یہ وہ سب دوست ہیں، جو میری سالگرہ کبھی بھی نہیں بھولے ہیں۔ میرے لیے ان کی محبت انمول ہے۔
3 ۔ ہک ہا.... یہ کیا پوچھ لیا آپ نے۔
دیا ہے تونے وہ ذوق تماشا
میں جل کر طور ہوتا جارہا ہوں
اور اسی عمل کیمیا میں زندگی کے شب و روز اپنی مخصوص رفتار سے گزر رہے ہیں۔ بحیثیت ایک ہاؤس وائف کے گھر کی ذمہ داریاں نبھانے کے ساتھ ساتھ.... تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ، کہیں سے بھی علم کی تھوڑی سی بھی روشنی ملے، میری پوری کوشش ہوتی ہے کہ اس سے استفادہ کرسکوں۔ جیسے اپنے سبجیکٹ سے متعلق کوئی ورکشاپ یا سرٹیفکیٹ کورسز میں ضرور اٹینڈ کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ ویسے میں گوسپ وغیرہ کے معاملے میں کافی بور ہوں اور کبھی بھی فون پیکجز پہ لمبی لمبی گفتگو نہیں کرتی ہوں۔ مجھے بولنے سے زیادہ سننا پسند ہے اور ان سب سے بڑھ کر وہ "خاموشی" جو خود بولتی ہے اور بے تحاشا بولتی ہے۔
4 ۔ میں نے تھوڑا بہت جتنا بھی لکھا ہے مشاہدے کی بنا پر ہی لکھا ہے۔ میری Observation بہت Strong ہے۔ اس لیے کوئی بھی بات، کوئی بھی جملہ کوئی بھی چیز مجھے کلک کرجاتی ہے اور میں اس پر کچھ لکھنے پر مجبور ہوجاتی ہوں۔ مگر یہ سوال کہ کوشش کے باوجود کس ٹاپک پہ لکھ سکتی ہوں تو ابھی ایسے بہت سے ٹاپک ہیں، جو قلم کی نوک کے نیچے ابھی تک نہیں آئے ہیں۔ ابھی ان لفظوں میں معنی کی روح نہیں پھونکی گئی ہے۔ ابھی وہ لفظ، کہانی کی لڑی میں پرونے ہیں۔

ندا حسین

1۔ یوں تو میں بچپن سے کرن کی قاری رہ چکی ہوں۔ پر جہاں تک بات ہے لکھاری کی بطور لکھاری میرا اور کرن کا ساتھ کم و بیش ڈیڑھ سال کے مختصر مگر انتہائی خوب صورت عرصے پر محیط ہے۔ دعاگو ہوں کہ میرا اور کرن کا خوب صورت ساتھ یونہی سلامت رہے اور کرن ہر گزرتے دن کے ساتھ یونہی ترقی کے منازل طے کرتا رہے۔ آمین
2۔ لکھنے کے علاوہ میری مصروفیات مکمل طور پر گھریلو قسم کی ہیں۔ ان کے علاوہ میری کوشش ہوتی ہے کہ میرا زیادہ تر وقت میرے بھتیجے محمد ہادی حسنین کے ساتھ گزرے۔ کتابیں پڑھنے کا شوق ہے اور اسکیچنگ کا، فارغ اوقات میں یہ مشغلہ بھی اختیار کرلیتی ہوں۔
3۔ میری سالگرہ کا دن گھر والوں کو بھی یاد رہتا ہے اور احباب کو بھی.... گھر میں ہی سیلیبریٹ کرتے ہیں مگر جب کزنز ساتھ ہوں تو مزا دوبالا ہوجاتا ہے۔ میرے قریبی دوست بھی مبارک باد کی کال اور پیغامات بھیجتے ہیں۔
4۔ آپ کو سچ بتاؤں.... ہمارے خاندان سے منسوب ایک داستان ہے جو میرے نانا کے حوالے سے ہے اور یہ داستان ہم بچپن سے سنتے آرہے ہیں۔ درحقیقت میرے لکھنے کی ایک بڑی وجہ بھی یہی داستان ہے.... میں اس

داستان کو رقم کرنے کی خواہش رکھتی ہوں۔ مگر ابھی تک اس پر ایک حرف بھی نہیں لکھ پائی۔ میں مناسب وقت اور بہترین معلومات کے انتظار میں ہوں۔
آخری میں کرن کو سالگرہ کے موقع پر مبارک باد دیتی ہوں۔

ام ایمان قاضی

سب سے پہلے تو کرن کو اپنی سالگرہ کے موقع پر بہت ساری مبارک باد اور ان گنت دعائیں کہ یہ یونہی روشنی کی شعاعیں بکھیرتا ہوا ترقی کا سفر جاری رکھے۔ کرن کی روز افزاوں ترقی اور مقبولیت میں یقیناً" ادارہ' اسٹاف رائٹرز اور قارئین مبارک باد کے مستحق ہیں کیونکہ ان سب اہم ستونوں پر کرن کی پر شکوہ عمارت استوار ہے۔ حسب معمول کرن نے سالگرہ کے خوب صورت موقع پر رائٹرز سے سروے کا اہتمام کیا ہے۔ جوابات کے ساتھ حاضر ہوں۔

1۔ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لیے تھوڑی دور جانا پڑا جہاں آٹھویں کلاس کی طالبہ اپنا جیب خرچ بچا بچا کر رکھتی ہے تاکہ مہینے میں اتنا ہو جائے کہ وہ تین ڈائجسٹ لے سکے اور آج میں تین بچوں کی ماں ہوں تب بھی ذوق و شوق کا عالم ویسے ہی جواں ہے تو سالوں کے ساتھ کا اندازہ خود کرلیں۔

2۔ سالگرہ کا دن گھر والے تو نہیں' ہاں گھر والا ضرور یاد رکھتا ہے جی ہاں میرے شوہر میری سالگرہ کا دن یاد رکھتے ہیں۔ اس دن کال کرکے وش کرتے ہیں اور میری پسند کا گفٹ بھی بھجواتے ہیں کیونکہ یہاں نہیں رہتے۔ کبھی پرفیوم' کبھی کوئی سوٹ اور کبھی کوئی کتاب۔۔ اپنی پسندیدہ کتابیں میں نے ان سے اپنی برتھ ڈے کے گفٹ کے طور پر منگوائی ہیں' ایک دوبار ذکر کردیتی ہوں کتاب اور رائٹر کا نام' پھر لے کر بھجوانا ان کا کام ہے۔

3۔ جی ہاں لکھنا بہت وقت اور ذہنی فراغت مانگتا ہے مگر وہی فراغت ہی نصیب میں نہیں ہے۔ جب بے فکری کا دور تھا تب صرف پڑھا' پڑھا اور پڑھا لکھنے کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ اب جب تین چھوٹے بچوں کی ماں ہوں جن کی عمریں بالترتیب سات' پانچ اور تین سال ہیں۔ کے ساتھ ساتھ ٹیچر بھی ہوں اور اپنے بچوں کو پڑھانے کے علاوہ قرآن پاک بھی خود ہی پڑھاتی ہوں تو ایسے میں کیسی فراغت اور کہاں کی فراغت' اس بات کا اندازہ یہیں سے لگالیں کہ اسکول میں بریک ٹائم میں لکھ رہی ہوں یہ سروے کے جوابات' جب آس پاس بچوں کا شور دماغ گھما رہا ہے اور آپ کو اس میں کٹنگ بھی نظر آرہی ہوگی۔ میں نے بہت کم لکھا مگر جتنا بھی لکھا وہ اسی قسم کے حالات میں لکھا اسکول کے بریک ٹائم میں رات کو بچوں کے سونے کے بعد جب جسم بستر اور آنکھیں نیند کی چاہ میں ہوتی ہیں' ڈاکٹر کے پاس جاکر اپنا نمبر آنے تک ویٹ کرنے کے بجائے پرس سے مسودہ نکال کر لکھنا شروع' کاغذیں ہمیشہ بیگ میں رکھتی ہوں کہ نجانے کب ضرورت پڑجائے۔ نعتیں بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ کچھ نعتیں لکھیں بھی ہیں شائع بھی ہوئیں۔ ان کی آمد ہوئی بھی تو کب' اسکول جاتے ہوئے سفر میں انہیں تب ہی کاغذ پر اتار لیا۔ بس انتظار میں ہوں کہ کبھی حسب منشا فراغت ملی تو ہوسکتا ہے کچھ بہتر تخلیق ہو جائے ورنہ اپنا کتھارسس تو ہو ہی رہا ہے۔

4۔ میرے جیسا کوئی حساس ذہن ہے جس نے یہ سوالنامہ ترتیب دیا۔ کیونکہ یہ سوال تو اکثر میرے ذہن میں بھی گردش کرتا ہے جس کا جواب میں چاہنے کے باوجود نہیں ڈھونڈ پاتی ہوں۔ کئی ایسے مشاہدات ہیں جنہیں زیر تحریر لانے کو دل اور ہاتھ سب سے زیادہ قلم مچلتا ہے مگر ہائے یہ مجبوری حلقہ احباب میں سب ہی تو ہیں زیادہ تر لوگ پڑھنے پڑھانے سے متعلق ہیں سو اگر قصہ طشت ازبام ہوجائے تو اپنی خیر نہیں۔ اس کے علاوہ اسکول جاتے ہوئے راستے میں خانہ بدوشوں کی جھونپڑیاں دیکھ کر روزانہ ہی خیال آیا ہے کہ کسی دن فرصت سے جاکر ان کی زندگی کا بغور مشاہدہ کیا جائے۔

سحرش فاطمہ.....

1۔ کرن مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے میں کالج میں تھی اور اپنی بڑی بہن کے کچھ جمع شدہ شمارے پڑھتی تھی اس کے بعد باقاعدہ مجھے ۸۔۹ سال ہوگئے ہیں لیکن اس زمانے میں بس پڑھنے کی حد تک شوق تھا کبھی کسی رائٹر کا نام یا کہانی یاد نہیں رہتی تھی' اب ۲۔۳ سال سے پڑھ رہی ہوں کرن نئے لکھنے والوں کو نراش نہیں کرتا' بہت اچھے سے حوصلہ افزائی کرتا ہے اس لیے میں تو یہی چاہوں گی کہ کرن سے ساتھ میرا جڑا رہے۔

2۔ میری سالگرہ آنے سے پہلے ہی بلکہ مہینہ شروع ہوتا ہے نہیں کہ گھر والوں سمیت بچے بھی جوش و خروش سے منانے کی پلاننگ شروع کر دیتے ہیں اور جونہی سالگرہ کا دن آتا ہے بھانجے بھانجیاں بھتیجے خوش ہو جاتے ہیں اور گفٹس لے کر آتے ہیں۔ دوستوں میں بہت سے لوگ ہیں جو پورا مہینہ ہی مبارکبادیں دیتے رہتے ہیں اور اب تو فیس بک کی بدولت کافی احباب یاد رکھنے لگے ہیں۔

3۔ سچ بات ہے لکھنے کے لیے باقاعدہ موڈ ماحول بنانا پڑتا ہے مجھے تو۔ جب لکھنے کا موڈ نہیں ہوتا تو اپنے آپ کا تھکانے اور ذہنی تناؤ دینے کے بجائے موویز خاص کر کارٹون موویز دیکھتی ہوں، بھتیجے، بھتیجیوں کے ساتھ کھیلتی ہوں، کبھی کبھار کوئی کہانی پڑھ لیتی ہوں، اور زیادہ تر اپنی بھابھو کے ساتھ ہوتی ہوں، کھانے پکانے کا شوق ہے لیکن وہی بات کہ موڈ پر منحصر ہے زیادہ تر جب موڈ ہو کچن کی شکل دیکھ لیتی ہوں۔

4۔ کافی ایسے واقعات ہوئے ہیں جنہیں لکھنے کی کوشش کرتی رہتی ہوں ان میں سے اکثر تو لکھے بھی ہیں۔ نہ لکھنے کی خاص وجہ تو ایک یہی ہوتی ہے کہ کہیں اسی بندے نے پڑھ لیا تو؟ چلیں یہ تو ایک مذاق کی بات تھی لیکن واقعی میں ان کا ذکر تو نہیں کروں گی لیکن کوشش کرتی رہوں گی کہ جتنا ہو سکتا ہے لکھوں اور اس میں سبق بھی شامل ہو۔

عابدہ احمد

1۔ میرا اور کرن کا ساتھ ابھی صرف کچھ مہینے پرانا ہے کہ لکھنے کا آغاز پچھلے سال ہی کیا ہے۔

2۔ سالگرہ منانے پہ یقین ہے نہ کوئی دلچسپی اس لیے سالگرہ کا دن کوئی یاد رکھے نہ رکھے فرق نہیں پڑتا۔

3 میرے لیے لکھنا بس ایک ٹیلنٹ کی مار ہے (روبینہ جی متوجہ ہوں)۔ جب لکھنے کی تحریک ملتی ہے تو بس کچھ گھنٹوں میں لکھ ڈالتی ہوں۔ ورنہ آدھے ادھورے کتنے پراجیکٹس لیپ ٹاپ اور فون کی فائلز میں پڑے منہ تک رہے ہیں میرا۔ لکھنے کے علاوہ ماشاءاللہ بچوں کی ذمہ داری، شوہر نامدار، پڑھائی، آن لائن بزنس (جو ابھی افتتاحی مراحل میں ہے) ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔

4۔ بہت سے ایسے واقعات، حقائق ہیں۔ جن پہ قلم لکھنے کو مچل رہا ہے اور کچھ زیر تحریر بھی ہیں اور جہاں تک نہ لکھ سکنے کا سوال ہے تو یہ میری اپنی صوابدید پر ہے کہ کیسے اور کب لکھوں؟ اور ان سب ٹاپکس پہ لکھنا ضرور ہے ان شاءاللہ اگر زندگی اور ہمت سلامت رہی تو۔

نادیہ احمد

1۔ کرن سے تعلق بنے اتنا ہی وقت ہوا ہے جتنا کہ میرے قلمی سفر کا دورانیہ ہے یعنی ایک سال لیکن ان شاءاللہ یہ سفر جاری رہے گا۔

2۔ میری سالگرہ کا دن بہن کو تو لازمی یاد ہوتا ہے اس کی طرف سے اکثر مبارک باد رات بارہ بجے ہی موصول ہو جاتی ہے اس کے علاوہ بھائی، مما، ابو اور ہزبنڈ بھی یاد رکھتے ہیں اور مبارک باد دیتے ہیں اب تو ماشاء اللہ بچوں کو بھی یاد رہتی ہے۔

3۔ لکھنے کے علاوہ پڑھنا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے، جن دنوں میں لکھ نہیں رہی ہوتی تو میں پڑھ رہی ہوتی ہوں۔ اپنے پسندیدہ مصنفین کی پسندیدہ کتابیں مجھے بار بار پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بیکنگ کا بہت شوق ہے اکثر اسی پہ ہاتھ صاف کرتی رہتی ہوں۔

4۔ بہت سے ایسے واقعات ہیں۔ اردگرد کے حالات جن پہ قلم اٹھانے کو دل چاہتا ہے لکھ اس لیے نہیں پائی کیونکہ ابھی تو آغاز سفر ہے اور میری خواہش ہے کہ ان کو لکھتے ہوئے ان کے ساتھ انصاف کر سکوں۔ ان شاللہ جلد ان پہ کام شروع کروں گی۔

امت العزیز شہزاد

سب سے پہلے تو کرن اور اسے ان تھک محنت سے سجانے سنوارنے والے کرن کے اسٹاف کو اشاعت کا ایک اور کامیاب سال گزر جانے اور نئے سال میں داخل ہونے کی بے حد مبارک باد اور دعائیں!

1۔ کرن اور میرا ساتھ کتنے برسوں پر محیط ہے اس سوال کا جواب دینے کے لیے مجھے سالوں کا حساب لگانا پڑے گا (جو کہ میرے لیے ازحد مشکل ہے۔ مگر میں پھر بھی لگاؤں گی) سن مجھے یاد نہیں شاید 99ء تھا یا پھر 2000ء ہاں ان دنوں شگفتہ بھٹی صاحبہ کا ناول "مڑ آکر مول نہ جائیں" کرن میں شائع ہو رہا تھا۔ تب امی نے کرن بھی باقاعدہ منگوانا شروع کر دیا۔ میرے لیے ان دنوں "نونہال اور پھول وغیرہ" آیا کرتے تھے۔ (یقین کریں.... میں کبھی کم عمر بھی ہوا کرتی تھی) تو پھر ایک روز میں نے امی کے سرہانے لگے خواتین، شعاع اور کرن کے انبار کو اٹھا کر ان کا آخری صفحے سے مطالعہ شروع کر دیا۔ (جی ہاں میں ہر کتاب آخری صفحے سے کھول کر دیکھنا شروع کرتی ہوں) یوں میرا اور کرن کے ساتھ کا بطور قاری آغاز ہوا.... پھر اس کے تقریباً" آٹھ، نو سال بعد میں نے ایک کہانی یونہی شوقیہ لکھی اور کرن ہی کو بھجوائی.... وہ آٹھ اور یہ آٹھ.... یہ بنے تقریباً" سولہ سال تو جناب میرا اور کرن کا ساتھ بس اتنے ہی سالوں پر محیط ہے باقی زندگی بخیر تو ساتھ سلامت....!

2۔ واقعہ یہ ہے کہ اپنی عمر عزیز کے اٹھارویں سن تک تو میں اپنی سالگرہ کا دن میں کسی کو بھولنے ہی نہیں دیتی تھی تو ان بے چاروں کے یاد رکھنے کا کیا سوال۔ بڑے اہتمام سے کیک دیک کاٹ کر تحائف وصول کیا کرتی تھی۔ امی، ابو کے علاوہ بہن، بھائی، کزنز وغیرہ سب یاد رکھتے ہی تھے.... پھر زندگی آگے بڑھ گئی اور بہت کچھ پیچھے چھوٹ گیا۔ مگر شاید زندگی اسی کا نام ہے۔

تو اب صورت حال کچھ یوں ہے کہ شوہر نامدار شہزاد احمد دسمبر شروع ہوتے ہی مجھے چھیڑنا اور چڑانا شروع کر دیتے ہیں کہ "بیس دسمبر کو کچھ ہوا تھا نا.... کیا ہوا تھا یار کچھ یاد نہیں آرہا.... اور انیس دسمبر کی رات بارہ بجتے ہی انہیں اچانک سب کچھ یاد آجاتا ہے.... اور وہ پھولوں کے ساتھ مجھے وش کیا کرتے ہیں۔

ان کے علاوہ امی جان اور چھوٹی بہن جویریہ بھی مجھے رات بارہ بجتے ہی مبارک باد دے دیتے ہیں.... یوں تو فیس بک پر بھی کافی لوگ سالگرہ کی مبارک باد دے دیتے ہیں مگر کچھ ساتھی رائٹرز اور دوستیں جب پرسنلی وش کرتی ہیں تو یقین جانیے بہت خوشی محسوس ہوتی ہے کیونکہ میرا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو خود سے وابستہ لوگوں سے متعلق ہر اہم دن یا واقعہ وغیرہ نا صرف یاد رکھتے ہیں بلکہ انہیں بڑی اچھی طرح سے وش بھی کیا کرتے ہیں تو فطری طور پر دل چاہتا ہے کہ وہ لوگ بھی میرے ساتھ یہی سلوک کریں۔

3۔ دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن!

بڑے شوق سے میں یہ گانا سنا کرتی تھی مگر ان اشعار میں چھپے درد کا صحیح معنوں میں اندازہ مجھے میری پیاری سی بیٹی "زینب" کے اس سال دنیا میں وارد ہونے کے بعد جا کر ہوا۔ تو جناب آج کل تو میری مصروفیات کا محور صرف اور صرف یہی ہیں۔ ان کے ساتھ ہی ساتھ گھریلو امور کی انجام دہی بھی میری ہی ذمے داری ہے۔ ان سب کے بعد اگر کچھ وقت بچ جاتا ہے تو میں کچھ لکھنا یا پڑھنا شروع کر دیتی ہوں اور اگر کچھ زیادہ ہی وقت میسر آجائے تب میں آئینہ دیکھ کر اپنے الجھے بالوں کو سلجھانے کی کوشش کرتی ہوں.... اور اپنا ابتر حلیہ درست کرنے کی بھی.... اور اس کے بعد ایک آزادی محسوس کرتا سانس لے ہی رہی ہوتی ہوں کہ....

جی! آپ نے درست سمجھا۔ زینب اس اثنا میں جاگ چکی ہوتی ہیں.... (اب ہنسیں مت)

4۔ واقعہ نہیں۔ واقعات ہیں مگر ان میں سے ایک بھی میں یہاں نہیں لکھوں گی..... کیونکہ چاہنے کے باوجود میں لکھ نہیں پائی.... مگر بے فکر رہیں بہت جلد ان شاءاللہ لکھ لوں گی.... نہ لکھ پانے کی وجہ یہ رہی کہ جلد بازی میں لکھ کر میں ان موضوعات کو برباد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پورے اطمینان، سکون اور محنت سے لکھنا چاہتی ہوں۔ آپ کی دعائیں اور محبت رہی تو مجھے امید ہے کہ بہت جلد ہی وہ ادھورے مسودے مکمل کرلوں گی ان شاءاللہ.....!

تمثیلہ زاہد

1۔ جنوری 2014ء میں ماہنامہ کرن میں میری پہلی کہانی کی اشاعت ہوئی۔ دو برس کا یہ ساتھ نہایت خوشگوار گزرا۔

2۔ سوائے میرے شوہر کے سب ہی یہ دن یاد رکھتے ہیں اور مبارک باد دیتے ہیں۔

3۔ فراغت مجھے میسر نہیں میرے ذمے بہت سے کام ہیں۔ جنہیں میں صبح چھ بجے اٹھ کر جو کرنا شروع کرتی ہوں تو رات کے ساڑھے دس بجے نیند کی گود میں اپنا سر رکھ دیتی ہوں۔ اس دوران بہت سے کردار، مکالمے، منظر، مجھ سے ملنے آتے ہیں پھر دن بھر کے بہت سے کاموں کی طرح یہ کام بھی میں کرلیتی ہوں۔

4۔ یہ چوتھا سوال جب میں نے پڑھا تو بہت سے منظر میری آنکھوں کے آگے لہرا گئے۔ میرا قلم کم ہی چلتا ہے۔ اس سوال نے تو میرے قلم کو جیسے تھام ہی لیا تھا۔ کتنی دیر میرا قلم ساکت رہا میں نے زندگی کے سفر پر گامزن اپنے چھوٹے بھائی شیخ محمد طلحہ کو سفر آخرت کی طرف روانہ ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ C.A کا اسٹوڈنٹ تھا۔ خوش مزاج مضبوط جسامت اور اونچے قد کاٹھ کا مالک تھا۔ ایک میگزین کے ایڈیٹر نے فرمائش کی کہ اپنے ان جذبات کو تحریری شکل دوں..... مگر کوشش کے باوجود نہ لکھ سکی۔

خود کو چنتے ہوئے دن سارا نکل جاتا ہے
پھر ہوا شام کے چلتے ہی بکھر جاتا ہوں

مریم عزیز

1 ۔ میں نے لکھنے کا آغاز کرن سے ہی کیا تھا۔ اور آج ماشاءاللہ لکھتے ہوئے گیارہ سال ہوگئے ہیں۔

2 ۔ میری سالگرہ جو میرے لیے خاص ہیں ان کو یاد رہتی ہے۔ میرا بھائی پورے بارہ بجے فون کرکے مذاق اڑا کے وش کرتا ہے۔ اگر وہ وش نہ کرے تو سارا دن بے کار جاتا ہے، اب سالگرہ میں میری بھابھی، میری بیسٹ فرینڈ یاسمین شامل ہیں اور دو، تین کزنز، امی کے نزدیک گھر کی مرغی دال برابر۔

3 ۔ لکھنے کے علاوہ ٹی۔ وی دیکھنا اور گھر کو صاف ستھرا رکھنا کا مجھے بہت شوق ہے۔

4 ۔ دو تین ایسے ٹاپک ہیں جن کو بہت سوچا ہے لیکن لکھ نہیں سکی امید ہے جلد لکھ لوں گی۔

سویرا فلک

رسالوں سے دوستی تو بچپن میں ہی ہوگئی تھی کیونکہ ابو اور بھائی بھی کتب بینی کا شوق رکھتے ہیں۔ پھر جب بچپن کی دہلیز عبور کی تو رسالوں کی نوعیت بھی بدل گئی۔ تقریباً "تمام ماہنامے ہی ہر ماہ آتے تھے اب بھی سب پر نظر رہتی ہے پڑھنے کا وقت البتہ کم ملتا ہے۔ ہاں البتہ اگر یہ پوچھا جائے کہ میں کرن کی قاری سے لکھاری کب بنی تو یہ بات ہے جون 2014 کی۔ سو سفر جاری ہے اور دعا ہے کہ جاری و ساری رہے۔ آمین۔

2 ۔ پہلے امی لازمی یاد رکھتی تھیں۔ مبارکباد دیتی تھیں اور نقد رقم دیتی تھیں کہ اس سے اپنا من پسند تحفہ خرید لاؤ۔ بھائی اور بھتیجا بھی شروع سے یاد رکھتے ہیں۔ سسرال میں بڑی نند فوزیہ باجی میری کیا سب کی سالگرہ یاد رکھتی ہیں اور سب سے پہلا فون ان کا ہی آتا ہے۔ البتہ جسے یاد رکھنا چاہیے یا یوں کہیں کہ ہر بیوی کی طرح میری بھی خواہش ہے کہ میاں جی سالگرہ یاد رکھیں اور اسے بڑے اہتمام سے منائیں وہ بھی سرپرائز دے کر تو اس معاملے میں میرا حال بلی کے خواب میں چھیچھڑوں والا ہی ہے۔

3 ۔ میرے خیال میں ایک لکھنے پر ہی کیا عبث، ہر کام توجہ اور محنت چاہتا ہے کیونکہ ان دونوں لوازمات کی عدم موجودگی میں کاموں کا تکمیل تک پہنچنا اور بخیر و خوبی انجام پانا ناممکن ہوجاتا ہے۔ میں ایک لکھاری ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خاتون خانہ ہوں۔ دو چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے بچوں کی امی جان ہوں تو پہلی مصروفیت کا اندازہ تو آپ کو بخوبی ہوگیا ہوگا۔ اس کے علاوہ میں نے حال ہی میں

ایک میگزین (کوکنگ خزانہ) کو بطور ایڈیٹر جوائن کیا ہے۔ ساتھ میں حال ہی میں گھر پر ہی انگلش لینگویج اینڈ کنور سیشن کلاسز کا آغاز کیا ہے۔ الحمدللہ سارے کام بخوبی رواں دواں ہیں۔ لکھنے کے لیے خاموشی اور تنہائی بلکہ یکسوئی درکار ہوتی ہے اس کے لیے میرا انتخاب عموماً" دوپہر کا وقت ہوتا ہے جب بچے سوجاتے ہیں۔

4 - میں اپنی امی کے حالات زندگی پر لکھنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے بہت کٹھن زندگی گزاری۔ ان کی دشوار گزاریوں کو قلم بند کرنا پہلے تو تکلیف دہ امر تھا ہی مگر اب ان کے انتقال کے بعد اس لیے زیادہ تکلیف دہ ہے کہ ان کی یادیں جب تازہ ہو کر دماغ میں امڈتی ہیں تو ان کے نہ ہونے کا احساس دوچند ہوجاتا ہے اور پھر لکھنے کے لیے نہ دماغ ساتھ دیتا ہے نہ ہاتھوں میں طاقت رہتی ہے۔ امی کی زندگی میں بہت پہلے میں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں ان کی زندگی پر ایک ناول لکھنا چاہتی ہوں تو وہ بہت خوش ہوئی تھیں۔ ان کا وہ مسکراتا چہرہ مجھے ہمیشہ یاد دلاتا ہے کہ مجھے اس کام کو کرنا ہے اور ہر حال میں کرنا ہے مگر کب اور کیسے؟ اس کا مجھے علم نہیں۔ اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ کچھ سبب بنائے آپ بھی میرے حق میں دعا کیجیے گا۔

بنت سحر

1 کورا کاغذ سامنے رکھے، قلم ٹھوڑی سے ٹکائے یادداشت کا "خانہ" کھولتی ہوں میرا خیال ہے کہ کچھ پل کے رشتے بھی کبھی کبھی صدیوں پر محیط ہوتے ہیں اور ان رشتوں کی قدر آپ کے وجود پر لازم کردی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرا اور کرن کا رشتہ، تعلق دسمبر 2015ء میں جڑا... اور اس ساتھ کا عرصہ صرف اور صرف "تین ماہ" پر محیط ہے... اللہ اس ساتھ کو تاعمر میرے ساتھ رکھے آمین۔

2 کبھی کبھی آسان سوالوں کے جوابات بھی بہت مشکل ہوتے ہیں۔

"ہائے ربا... میں کتھے جاواں...؟"

اس سوال پر رونا آرہا ہے... میرے رشتہ داروں، احباب کی فہرست میں صرف اور صرف دو "نفوس" ایسے ہیں جو میری سالگرہ "ازبر" رکھتے ہیں... دونوں میرے بھانجے محسن، قاسم ہیں... یہ شہری چونچلے شہری لوگوں پر ہی سجتے ہیں... اگر گاؤں میں سالگرہ کا کسی کو بھی پتا چلا تو دونوں انگلیاں دونوں کانوں کو چھو آئیں گی... اور پھر... ہاں پھر...

"لیکچر جنم دن سے شروع ہوگا اور عذاب قبر پر ختم ہوگا..."

اسی لیے میرے بھانجے ہی اس شہری "رسم" کو از سرنو تازہ کیے رکھتے ہیں اللہ دونوں کو ہمیشہ کامیاب کرے آمین۔

3 چار سوالوں میں سب سے زیادہ مجھے یہی سوال پسند آیا ہے۔ میری زندگی میں میرا قلم میرے لیے آکسیجن کی طرح ہے... اور میں اس آکسیجن کے لیے اپنے اللہ کی شکر گزار ہوں... لکھنے کے علاوہ میرے گھر کے کام ہوتے ہیں۔

جھاڑو، ناشتا، اپلے تھاپنا، مویشیوں کی دیکھ بھال کرنا اور شہر سے "منگائی" منگوا کر کھانا اور جامن کی اونچی چوٹی پر بیٹھ کر کھاتے ہوئے مطالعہ کرتے رہنا... گھر میں ہم تین بندے ہی ہیں... میں، ابو... بھائی۔ میں نے انسانوں سے زیادہ پودوں، پرندوں کو دوست بنا رکھا ہے... بولتے نہیں ہیں سنتے تو ہیں ناں..." وجود تو رکھتے ہیں... میرے گھر کے آنگن میں لگی پیلی بیل اور میرے درمیان "راز" کی باتیں ہیں... جو میں اور وہ بیل روز دہراتے ہیں... میرے رازداں بھی عجیب سے... اور میں بھی عجیب سی... سرسوں کے زرد پھولوں کی مہک آنگن میں اڑتی پھرتی ہے اور میں مہک سانسوں میں بھرے "واک" کرتی رہتی ہوں... اس کے علاوہ اپنی تعلیم کو بھی مناسب وقت دیتی ہوں...

آٹھ بجے کا ڈرامہ دیکھنا اور ٹوٹی کھڑکی سے نظر آتے چاند کی ہلکی روشنی میں "کہانیاں" سوچنا بھی میرا روز کا قصہ ہے... کہاں تک سنو گے... کہاں تک سنائیں...

4 - میرے گاؤں کے ہر گھر، ہر آنگن میں قصے ہیں... بالوں میں چاندنیاں اترنے کے خواب، جینے کے، حوصلوں کے، صبر کے، برداشت کے، عشق کے، حقارتوں کے، نفرتوں کے، سب کو لکھنا ہے... ہر گھر کا "قرض" ہے میری ذات پر... میرے قلم پر... قرض اتارنے میں زمانے نہیں لگاؤں گی... جلد "ادا" کروں گی، قلم میرا "غرور" ہے جو مجھے میرے اللہ نے عطا کیا ہے... کچھ غرور شکر سکھاتے ہیں... میں بھی سیکھ گئی ہوں۔

☆ ☆

عباد گیلانی بلڈ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہے۔ وہ اپنی بیوی مومنہ کو چھوڑ کر اپنے بیٹے حازم کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور دوسری شادی عاظمہ سے کرلیتا ہے۔ حازم اپنی سوتیلی ماں عاظمہ اور بھائی بابر کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہا ہوتا ہے مگر اپنے باپ عباد گیلانی کی بیماری کی وجہ سے فکر مند رہتا ہے جبکہ عاظمہ اور بابر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔
حوریہ مومنہ کی بھتیجی اپنی پھوپھو اور اپنی دوست فضا سے بہت محبت کرتی ہے۔ فضا کی ایک امیر زادے سے دوستی ہے اور وہ گھر والوں سے چھپ کر ملتی رہتی ہے۔ حوریہ کو اس بات سے اختلاف ہے، وہ فضا کو سمجھانے کی کوشش کرتی رہتی ہے کہ وہ اس راستے پر نہ چلے۔
عباد گیلانی جب موت کو اپنے قریب دیکھتا ہے تو مومنہ کے باپ یاور علی کو بلاتا ہے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہے۔ حازم کو خاص طور سے اس کے نانا یاور علی سے ملواتا ہے مگر حازم اپنے نانا سے مل کر اچھے تاثرات کا اظہار نہیں کرتا۔
(اب آگے پڑھیے)

چھٹی قسط

"چلو یہ تو بہت اچھا ہو گیا کہ مجھے فارمیلٹی نہیں نبھانا پڑے گی۔" بابر اپنے اعصاب بڑی چابکدستی سے سنبھال کر اپنے مخصوص انداز میں ہنس رہا تھا۔

"بدنام ہوئے تو کیا نام نہ ہو گا۔"

"مجھے کال کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی آپ کو میرا کانٹیکٹ نمبر یقیناً "فضا نے دیا ہو گا۔" وہ چیخی تھی۔

"خاصی سمجھ دار معلوم ہوتی ہیں۔" بابر نے اسے سراہا۔

"مجھے کال کرنے کا مقصد۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔

"آپ کی پارسائی پر حرف لانے کے لیے ہرگز نہیں کیا ہے۔" وہ ہلکے سے ہنسا۔ حوریہ کو تو ایسا ہی لگا، تاہم وہ چپ رہی وہ بولا۔

"ایکچوئلی فضا بہت ڈسٹرب ہے آپ نے اس سے سارے رابطے ہی ختم کر لیے ہیں۔ وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ میں آپ سے ریکویسٹ (درخواست) کروں کہ آپ اس سے کانٹیکٹ کر لیں۔" وہ جلدی سے بات بناتے ہوئے بولا۔

"آخر وفاداری تو ہونی چاہیے نا۔۔۔ برسوں کی دوستی توڑ ڈالی آپ نے تو۔"

"میں نے اس سے یہ رابطہ آپ کی وجہ سے ہی توڑا ہے مسٹر اور یہ بات فضا اچھی طرح جانتی ہے۔ اگر نہیں جانتی تو اسے یہ سمجھا دیجئے گا کہ۔۔۔ جہاں عزت پر حرف آنے کا اندیشہ ہو۔ وہاں رابطے سمیٹ لینا عقل مندی ہے اور ختم کر دینا اور بھی عقل مندی۔"

"اوہ۔۔۔" وہ بھنویں اچکا کر رہ گیا۔ مگر وہ لائن ڈس کنیکٹ (منقطع) کر چکی تھی۔

بابر نے اپنے موبائل کو گھورا پھر لب بھینچ کر موبائل ایک طرف پھینک دیا۔

"ہوں! کافی ٹیڑھی معلوم ہوتی ہے۔" اس نے کشن گود میں دبایا اور ترچھا لیٹ گیا۔ ہر لڑکی فضا نہیں ہوتی جس کا حصول بے حد آسان ہوتا ہے۔

کچھ سیپ میں بند موتی کی مانند ہوتی ہیں مضبوط خول میں بند۔

اور بابر کو جانے کیوں یکدم سے ضد ہونے لگی کہ۔۔۔ اسے یہ خول توڑنا چاہیے۔

☼ ☼ ☼

بابر کے فون نے حوریہ کو ڈپریشن میں مبتلا کر دیا۔ وہ موبائل ایک طرف رکھ کر بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اسے فضا پر غصہ آ رہا تھا جس نے بابر کو اس کا کانٹیکٹ نمبر دے دیا۔

اس نے کچھ سوچ کر موبائل اٹھا کر فضا کا نمبر ڈائل کیا۔ مگر پاور آف آ رہا تھا۔ اس نے سوچا آج فضا نے اس کا سیل فون نمبر دے دیا کل ایڈریس دے گی۔ تو کیا وہ اس کے گھر تک پہنچ جائے گا اس خیال ہی سے اسے وحشت ہونے لگی۔ آخر وہ اس سے رابطہ کیوں کر رہا تھا۔

وہ موبائل پکڑے مختلف سوچوں کے تانے بانے بننے میں لگی ہوئی تھی۔

اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ فضا جب بابر سے بات کر سکتی تھی اسے کہہ سکتی تھی کہ مجھ سے رابطہ کرے۔ تو وہ خود بھی تو اسے ایک فون کر سکتی تھی۔

یقیناً "وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ اسے فضا نے ہرگز نہیں کہا ہو گا۔

تاہم اس کے سیل فون کا نمبر تو فضا نے ہی یقیناً "اسے دیا ہے۔

اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ فضا کے گھر جائے گی اور اس کی اچھی طرح سے خبر لے گی۔

"نوری پلیز چائے بنا دو۔" وہ کمرے سے باہر آ کر نوری سے کہہ کر خود صحن کی طرف چلی گئی۔ اسے کھلی فضا کی شدت سے خواہش ہونے لگی۔

☆ ☆ ☆

"آج تم بہت دیر تک سوئیں۔" یاور علی نے رقیہ بھابھی کے ہاتھ سے چائے کا مگ تھامتے ہوئے مومنہ سے پوچھا۔ جو ابھی نماز سے فارغ ہو کر یاور علی کے کمرے میں آکر بیٹھی تھی۔

"ہاں بس نیند زیادہ ہی آگئی۔" یاور علی نے اسے دیکھا پھر جواباً" کہا۔

"رات دیر تک جاگتی رہی ہوں نا۔" مومنہ یکدم نظریں چرا کر مسکرائی۔

"جی ایک کتاب ہاتھ لگ گئی۔ پڑھنے میں وقت کا پتا ہی نہ چلا۔" یاور علی فقط اسے دیکھ کر رہ گئے پھر رقیہ بھابھی سے بولے۔

"تم بھی بیٹھو۔ مجھے کچھ بات کرنی ہے تم دونوں سے۔" مومنہ نے ذرا سا چونک کر یاور علی کو دیکھا۔ جن کے چہرے پر کچھ غیر معمولی پن تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھے جیسے بات شروع کرنے کے لیے لفظوں کا چناؤ کر رہے ہوں۔

"کیا ہوا ابا جی! کیا بات کرنی ہے۔" کوئی خاص بات ہے کیا رقیہ بھابھی بولیں۔

"ہاں.... حوریہ کے سلسلے میں، میں تم دونوں سے مشورہ لینا چاہتا ہوں۔" یاور علی گویا ہوئے پھر لحہ توقف کے بعد بولے۔

"عباد کا فون آیا تھا میرے پاس۔" مومنہ کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ تاہم وہ چپ رہی اور ان کے آگے بولنے کی منتظر رہی۔

"وہ دراصل حازم کی شادی کرنا چاہتا ہے۔" یاور علی بولے... تو مومنہ بے اختیار ایک ہلکی سانس بھر کر رہ گئی پھر سر ہلکے سے اثباتی انداز میں ہلاتے ہوئے بولی۔

"ہاں وہ باپ ہے اس کا ہر فیصلہ کر سکتا ہے۔"

"نہیں وہ یہ فیصلہ اکیلا نہیں کرنا چاہتا ہے۔" یاور علی اس کی دلی کیفیت جان کر وضاحت کی۔

"وہ حازم کی شادی حوریہ سے کرنا چاہتا ہے اور اس نے باقاعدہ پیام دیا ہے۔"

"حوریہ.... سے! مومنہ کے لیے یہ دھچکا ہی تھا۔ رقیہ بھابھی کے لیے بھی یہ جملہ قطعی غیر متوقع ثابت ہوا.... وہ دونوں یکدم چپ رہ گئیں۔

"وہ کہہ رہا تھا کہ وہ حوریہ کو اپنی بہو بنا کر بہت خوشی محسوس کرے گا۔ اور یہ خواہش فقط اس کی ہی نہیں ہے.... حازم کی بھی یہی خواہش ہے۔"

"مگر یہ کیسے ممکن ہے ابا جی!" رقیہ بھابھی سسر کا چہرہ تکنے لگیں۔ پھر مومنہ کی طرف دیکھا۔ مگر وہ اس دھچکے سے بالکل چپ ہو کر رہ گئی تھی۔ شاید اس کے ذہن کے گوشے میں یہ بات کہیں بھی نہیں تھی۔

"میری صبح عادل سے بھی بات ہوئی ہے اس سلسلے میں۔"

"اچھا.... پھر وہ کیا کہہ رہے تھے۔" رقیہ بھابھی نے بے چینی کا اظہار کیا۔

"وہ جلدی میں تھا آفس جانا تھا اسے کہہ رہا تھا رات کو تفصیلی بات کریں گے۔ میں نے سوچا تم دونوں کی بھی رائے معلوم کر لوں۔" پھر مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم کچھ کہو گی نہیں۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" وہ عام سے انداز میں بولی۔ مگر اس کی آنکھوں میں افسردگی سی تھی۔
"وہ باپ ہے اس کو پالا پوسا ہے۔ جوان کیا ہے۔ وہ اس کا ہر فیصلہ کرنے کا پورا حق رکھتا ہے۔ وہ اس کے بارے میں اچھا ہی سوچے گا۔" اس کی بھوری آنکھوں کے پار ایک گہری اداسی گھلنے لگی۔ دوسرے پل وہ ہلکے سے ہنس دی۔
"حازم... بچہ تو نہیں ہے۔ ہاں اس کی شادی ہونی چاہیے اب۔"
یاور علی سر کو ہلکے سے جنبش دے کر چائے کا مگ ایک طرف رکھتے ہوئے اسے سمجھایا۔
"حازم تمہارا بیٹا ہے۔ اس کی زندگی کا یہ بہت اہم سفر ہے' تم ماں ہونے کے ناطے اپنی رائے دینے بلکہ فیصلہ کرنے کا حق رکھتی ہو۔" مومنہ نے کچھ کہنا چاہا کہ وہ جلدی سے بولے۔
"یہ حق تمہیں عباد دے چکا ہے۔ وہ خود یہ کہہ رہا تھا کہ میں اور حازم مومنہ کے ہر فیصلے کو تسلیم کریں گے اسے مقدم جانیں گے۔"
یاور علی کی بات پر مومنہ یکدم مضطرب سی دکھائی دینے لگی۔
"آپ... آپ کی کیا رائے ہے اس بارے میں!" وہ الجھی نظروں سے یاور علی کو دیکھنے لگی۔
"وہی جو تمہاری ہوگی۔"
"میری مگر میں..." وہ متعجب ہوئی پھر ہلکی سانس بھر کر رقیہ بھابھی کی طرف اشارہ کیا۔
"حوریہ کی ماں ہونے کے ناطے تو یہ فیصلہ بھابھی کا ہونا چاہیے اور عادل بھائی کا..."
"نہیں مومنہ ایسا مت کہو۔" رقیہ بھابھی نے فوراً "اسے ٹوکا۔
"میں بے شک حوریہ کی ماں ہوں۔ مگر حوریہ کو تم نے ماں سے بڑھ کر پیار دیا ہے۔ اسے پالا ہے اس سے بے حد محبت کرتی ہو ہم سب جانتے ہیں یہ بات۔" مومنہ مبہم انداز میں مسکرائی۔
"محبت کرتی ہوں اسی لیے فیصلہ نہیں کرپاؤں گی۔" وہ کرسی سے اٹھنے لگی۔
"کیا مطلب ہے تمہارا..." یاور علی نے الجھ کر اسے دیکھا۔
"اباجی... مجھے حوریہ بے حد عزیز ہے اور حازم میرا بیٹا ہے تو کیا ہوا۔ میں حوریہ کے لیے خود غرضانہ فیصلہ نہیں کرسکتی۔ میں نہیں جانتی کہ گیلانی ہاؤس میں حوریہ کو کیا ماحول ملے گا۔ ایک بار میں اس گھر سے بہت بڑی چوٹ کھا کر نکالی گئی ہوں۔"
"مگر اب وقت بدل گیا ہے مومنہ۔" یاور علی کچھ مضطرب دکھائی دینے لگے۔ انہیں مومنہ کی یہ سرد مہری کاٹنے لگی' بے چین کرنے لگی۔
"کسے پتا ہے گیلانی ہاؤس میں وقت بدل گیا ہے یا نہیں۔ یہ تو مبہم ہے' محض قیاس پر مبنی۔ ستائیس سال پہلے بھی بہت خوش نما اور دلکش دکھائی دیا تھا۔ مگر نزدیک آنے پر پتا چلا کہ... وہ نخلستان نہیں صحرا تھا۔" یاور علی کو اپنے اعصاب کھنچتے ہوئے محسوس ہوئے' جیسے الاسٹک کو کوئی دو طرف سے کھینچ کر چھوڑ دے۔ انہیں مومنہ کے اس رد عمل کی توقع نہیں تھی وہ تو سوچ رہے تھے کہ وہ اس خبر پر خوش ہوجائے گی۔
"تو کیا تمہارے نزدیک حازم حوریہ کے قابل نہیں۔ تم حوریہ کے لیے اسے مسترد کرتی ہو۔" وہ نڈھال سے انداز میں ہلکی سانس بھرتے ہوئے بولے۔
"نہیں میں نے یہ تو نہیں کہا اباجی۔" وہ نرمی سے بولی۔ مگر اس نرمی میں نرمی کے ساتھ ایک سرد مہری رچی ہوئی تھی۔
"حازم کو جہاں تک میں نے سمجھا ہے وہ گیلانی ہاؤس میں پلنے بڑھنے کے باوجود ایک قابل بھروسا لڑکا ہے۔"

"تو پھر...." یاور علی الجھ رہے تھے۔ رقیہ بھابھی بھی خاموش تھیں۔
"میں گیلانی ہاؤس کے ماحول کی بات کر رہی ہوں ابا جی۔"
"ہاں مگر بائیس سالوں میں بہت کچھ بدل گیا ہے مومنہ۔ نہ ٹوٹنے والا آج تمہارے سامنے ٹوٹا ہوا دکھائی دے رہا ہے.... عباد جیسا شخص بدل گیا ہے تو۔ ماحول کا کیا ہے وہ تو انسانوں کے اپنے رویوں کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ انسان بدل جائے رویے بدل جائیں تو ماحول بھی بدل جاتا ہے۔ دیواریں وہی رنگ پیش کرتی ہیں جوان پر پھیرا گیا ہو۔" یاور علی کا لہجہ دفاعیہ سا تھا۔ مومنہ ہلکے سے مسکرائی۔ مگر اس مسکراہٹ میں خوشگواریت نہ تھی ایک یاسیت تھی۔
"ٹوٹنے اور بدلنے کے لیے بائیس سالوں کا سفر کرنا پڑا ہے۔ بہت کچھ کھونا پڑا ہے ایک صحرا کا سفر کرنا پڑا ہے۔ خدا نہ کرے کہ حوریہ کے لیے ایسی کوئی آزمائش آئے۔" وہ ایک دم گھبرا کر بولی۔
"آپ اور عادل بھائی کو فیصلے کا اختیار ہے۔ میں حازم کی ماں ہوں اس کے لیے سوچوں گی تو مجھے حوریہ سے بہتر کوئی اور لڑکی نظر نہیں آئے گی۔ بہتر یہ ہے کہ آپ خود فیصلہ کریں۔" اس مرتبہ اس نے رقیہ بھابھی کو مخاطب کر کے کہا اور ان کا جواب سنے بغیر کمرے سے نکل گئی یاور علی کا دل کبیدہ سا ہونے لگا وہ افسردگی سے رقیہ بھابھی سے مخاطب ہوئے۔
"کیا تم بھی مجھ سے اتفاق نہیں کرو گی۔"
"آپ کا حکم آپ کا فیصلہ سر آنکھوں پر ابا جی مگر مجھے کچھ ڈر سا لگ رہا ہے کہیں مومنہ کا وہم اور اندیشے...."
"نہیں رقیہ۔" یاور علی اس کی بات کاٹ گئے۔ "وہ وہم نہیں کر رہی ہے۔ وہ دراصل اپنے حالات کی اذیت کو ان دنوں نئے سرے سے سہ رہی ہے۔
وہ ابھی یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں ہے۔ چند دن اور گزریں گے وہ اس ادھیڑبن سے نکل آئے گی۔ ہاں بس تم اور عادل کوئی بھی فیصلہ کرنے میں جلدی مت کرنا۔"
"جی بہتر۔" رقیہ بھابھی سرہلا گئیں۔ اور خالی مگ ٹرے میں ترتیب سے رکھ کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔
یاور علی نے ایک اضمحلال سا محسوس کرتے ہوئے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔

☆ ☆ ☆

عباد گیلانی یاور علی سے بات کرنے کے بعد اتنے مضطرب تھے کہ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کسی طرح خود جا کر مومنہ کے آگے جھولی پھیلا دیں۔
انہیں لگ رہا تھا وہ حازم اور حوریہ کو نہیں بلکہ خود کو اور مومنہ کو نئے سرے سے جوڑ رہے ہوں۔
بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ سوچ رہے تھے تڑپ رہے تھے کہ شکستگی موت سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ اس میں انسان بار بار مرتا ہے۔
پچھتاوا روح کا آزار ہے۔ روح اس میں بیسوں بار مرتی ہے۔
اے کاش وقت پیچھے دوڑ جائے۔ کچھ لمحے حرالوں اپنے لیے اسی احساس سے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے۔
"اے خدا....! سب کچھ اپنے ہاتھوں سے کھو دینے کا دکھ مار ڈالتا ہے آدمی کو۔
تم نے مرجھائے ہوئے پھول کبھی دیکھے ہیں
دل کی قبروں پہ پڑے
ہجر کی لاش آنکھوں پہ دھرے

تم نے اکتائے ہوئے خواب کبھی دیکھے ہیں
درد کی پلکوں سے لپٹے ہوئے
گھبرائے ہوئے
تم نے بے چین دعائیں کبھی دیکھی ہیں
محبت کے کناروں پہ
بھٹکتی پھرتی
تم نے دیکھا ہے مجھے
کیا کبھی دیکھا ہے مجھے؟

وہ تکیے پر سر رکھے بے بسی کی زنجیر میں بندھا محسوس کر رہے تھے خود کو۔ امیر علی ان کے لیے پھل کاٹ کر رکھ گیا تھا' جوس دے گیا تھا مگر سب یونہی رکھا تھا۔ عاظمہ حسب عادت کچھ الجھی جھنجلائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔

"اس امیر علی کو تو عقل نام کو نہیں ہے۔ دل چاہتا ہے اس کوٹھی کے سارے ملازموں کو نکال باہر کروں۔"

عباد نے اپنے خیالات سے نکل کر آنکھیں کھولیں۔

"یہ دیکھو ذرا۔" عاظمہ کی نظریں ٹرالی پر رکھے کٹے ہوئے فروٹس پر پڑیں تو وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے انتہائی غصے کے ساتھ امیر علی کو آواز دینے لگیں۔

"امیر علی۔"

"امیر علی۔"

امیر علی بھاگتا ہوا آیا۔

"یہ کیا ہے؟ اس طرح فروٹ کاٹ کر رکھ کر چلے جاتے ہیں۔ جانتے ہو تمہارے صاحب نہیں کھاتے اس طرح۔"

"وہ جی صاحب نے خود کہا تھا۔"

"اٹھا کر لے جاؤ۔ حازم آئے گا تو خود اپنے ہاتھوں سے کھلائے گا۔" انہوں نے حکم دیا۔ امیر علی جلدی سے ٹرالی گھسیٹتا ہوا باہر نکل گیا۔

"تم بھی مجھے اپنے ہاتھ سے کھلا سکتی ہو۔" عباد اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولے۔

عاظمہ نے ان کی طرف دیکھا پھر سر جھٹکا۔

"اب یہ چونچلے تو نہ کریں۔ بیماری میں تو آپ بالکل بچے بن کر رہ گئے ہیں۔ حازم ہی یہ ناز نخرے اٹھاتا پھرے۔"

وہ وارڈ روب سے اپنا نائٹ گاؤن نکال کر باتھ روم میں جا گھسیں۔

عباد گیلانی ایک ہلکی سانس بھر کر باتھ روم کے بند دروازے کو دیکھتے رہ گئے۔

ماضی کی کوئی چاپ ہلکے ہلکے ذہن پر دستک دینے لگی۔ مومنہ کی نرم میٹھی آواز۔۔۔ دلبرانہ انداز۔

"عباد۔۔۔ آپ فروٹ کھائیں گے۔"

"کھالوں گا۔ موڈ ہوگا تو۔" ٹائی کی گرہ ٹھیک کرتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"میں کاٹتی ہوں۔"

"اوہو۔۔۔ ان چونچلوں کا میں عادی نہیں ہوں۔ ملازموں کی کمی ہے کیا۔"

"بیوی کے ہاتھ اور ملازم کے ہاتھ سے کھانے میں بہت فرق ہے۔" مومنہ سیب کی نفاست سے قاشیں کرتے ہوئے بولی۔ کتنے جتن کر رہی تھی وہ عباد کے بگڑے تیوروں کو ٹھیک کرنے کی۔ اس کے دل پر بے رحمی کے بادل کاٹنے کی۔

"ملازم کے ہاتھ کا کٹا ہوا یا بیوی کے کیا فرق پڑتا ہے سیب تو سیب رہے گا کوئی اور شے تو نہیں بن جائے گی۔" اس نے برش اٹھا کر آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر بالوں کو سنوارتے ہوئے تمسخرانہ مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

اس کی آنکھوں کے بھورے کانچ پر یکدم دھند سی چھا گئی۔

چھری پلیٹ پر رکھتے ہوئے وہ مدھم لہجے میں بولی۔

"ہاں... کیا فرق پڑے گا۔ سیب تو سیب ہی رہے گا نا۔"

"او کے..." وہ پرفیوم کا اسپرے خود پر کرتا آئینے میں ایک نظر خود پر ڈالتا۔ کمرے سے نکل گیا۔

"عباد میں بابر کی طرف سے بے حد پریشان ہوں۔" عاظمہ باتھ روم سے باہر آکر لوشن اٹھا کر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ اپنے خیالات سے چونک کر انہوں نے عاظمہ کو دیکھا۔

"کیوں؟ کیا ہوا ہے بابر کو۔"

"وہ بے حد لاپروا ہے اپنی اسٹڈیز (تعلیم) سے بھی اور بزنس سے بھی۔ ہزار بار کہا ہے حازم اکیلا ساری ذمہ داریاں اٹھائے ہوئے ہے تم بھی جایا کرو آفس۔"

"ابھی وہ چھوٹا ہے آجائے گی عقل بھی اور سمجھ داری بھی۔"

"اب کہاں چھوٹا ہے۔" وہ لوشن ہاتھ پر ملتے ہوئے بولیں۔ "میں چاہ رہی ہوں عباد کہ اسے اسلام آباد ہی بھیج دوں۔ وہ وہاں کا آفس سنبھال لے گا۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی اسے کہیں بھیجنے کی۔" وہ خفگی سے عاظمہ کی بات کاٹ گئے۔

"ان دونوں کو میری نظروں کے سامنے رہنے دو۔"

"مگر یہ بھی تو دیکھیں۔ سارا بزنس اکیلے حازم نے سنبھال رکھا ہے۔"

"تم جو کہنا چاہتی ہو۔ وہ کھل کر کہو۔" عباد انہیں بغور دیکھنے لگے۔ تو عاظمہ نظریں چرا کر چپ ہی رہ گئیں۔

"تمہیں شاید یہ ٹینشن ہے کہ میرے مرنے کے بعد تمہارا سوتیلا بیٹا۔ پورے بزنس پر قابض نہ ہو جائے۔"

عاظمہ کھسیا سی گئیں مگر بظاہر۔ چڑنے کا تاثر دیتے ہوئے شوہر کو دیکھا۔ تاہم دل ہی دل میں شوہر کی ذہانت کو سراہے بغیر نہ رہ سکیں۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا بے فکر رہو۔ حازم اس نیچر کا نہیں ہے۔ وہ خود نہیں کھائے گا بابر کو نوالہ پہلے کھلائے گا۔"

"اوہو... یہ آپ کیا الٹے سیدھے اندازے لگائے جا رہے ہیں۔ میں یہ کب کہہ رہی ہوں۔ حازم تو مجھے بابر سے بھی زیادہ عزیز ہے۔"

"ہاں ہونا بھی چاہیے۔ وہ تمہاری بے حد عزت کرتا ہے۔" وہ دھیرے سے بولے وہ کہنا چاہتے تھے کہ ہاں بس محبت نہیں کرتا۔ اس لیے کہ ہر شخص محبت کے قابل نہیں ہوتا۔

"خیر چھوڑیں اس بات کو... میں تو سوچ رہی ہوں حازم کی شادی کرنی چاہیے اب۔" وہ کلائیوں میں پڑے کنگن اتارتے ہوئے اپنے اصل مقصد پر آتے ہوئے بولیں۔ عباد نے متعجب ہو کر انہیں دیکھا۔

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے اس کی عمر تو شادی کی ہی ہے نا۔"

"میں دراصل حیران اس بات پر ہو رہا ہوں کہ تم اتنا اچھا اچھا کیسے سوچنے لگی ہو۔"

"اچھا اب طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ براماں کر بولیں۔ پھر بیڈ سے اتر کر سنگھار میز کے پاس جا کر ٹشو سے چہرہ صاف کر کے کریم لگانے لگیں۔ چند لمحے کی خاموشی کے بعد گویا ہوئیں۔

"دراصل لائبہ کا بھی گریجویشن مکمل ہو چکا ہے' آپ کہیں تو میں سبینہ سے بات کروں۔ یوں بھی وہ سبینہ اور مسعود کی اکلوتی بیٹی ہے ہمارے اسٹیٹس سے میل کھاتے ہیں۔ اور پھر سب سے بڑی بات دیکھی بھالی لڑکی ہے اور حازم کے ساتھ تو بے حد سوٹ کرے گی۔" وہ اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھیں ساتھ ساتھ ٹشو سے گردن بھی پونچھ رہی تھیں۔ یکدم عباد کی طرف مڑ گئیں۔

"آپ جواب کیوں نہیں دے رہے۔ میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔"

"سن تو رہا ہوں۔ مگر سمجھنے سے قاصر ہوں تمہارا مقصد۔"

"کیا مطلب۔" عاظمہ نے آنکھیں پھیلائیں۔ "میں کسی اور زبان میں بات کر رہی ہوں کیا۔ بھئی حازم اور لائبہ کے رشتے کی بات کر رہی ہوں۔" عباد گیلانی ہلکے سے کھنکار کر سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولے۔

"نہیں.... حازم کسی اور میں انٹرسٹڈ ہے۔" وہ تکیہ ٹھیک کر کے لیٹتے ہوئے بولے۔ عاظمہ کے لیے یہ جملہ یقیناً "غیر متوقع اور اعصاب شکن تھا۔

"کیا.... مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حازم نے مجھے تو نہیں بتایا۔"

"تم نے کبھی پوچھا۔" عاظمہ ایک لمحے چپ سی رہ گئیں ان کی ساری گرم جوشی جھاگ کی طرح بیٹھنے لگی۔ وہ خود بھی بیڈ کے کنارے آ کر بیٹھ گئیں۔

"آپ کو اس نے بتایا ہے کیا' کون ہے وہ لڑکی میرا مطلب ہے کہاں ہے۔ کیسی ہے کس خاندان سے تعلق ہے۔"

"جب حازم کی پسند کا معاملہ آجائے تو ساری باتیں بے معنی ہو جاتی ہیں۔ پسند کو اولیت دینا ہے نا کہ خاندان نام نمود اور جائداد کو۔"

وہ عاظمہ کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔ ان کے لہجے میں اتنی سختی تھی کہ عاظمہ نے مزید کچھ کہنا عبث جانا۔

☆ ☆ ☆

حوریہ فضا کی طرف بے حد غصے اور ناراضی کے جذبات کے ساتھ آئی تھی۔ مگر جس طرح فضا اس سے لپٹ کر روئی۔ تڑپ تڑپ کر روئی اور اپنی پوری روداد سنائی.... حوریہ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

یہ تو اچھا ہوا جہاں آرا گھر پر موجود نہیں تھیں فضا نے کھل کر اپنی تکلیف اسے بتائی۔

"بابر سے میں نے کہا تھا وہ تم سے کانٹیکٹ کر لے۔" فضا نے بات بنائی۔ "دراصل میں تم سے کس طرح رابطہ کرتی۔ میرا فون تو جہاں آرا نے ہتھیا لیا ہے' بہت مشکل سے میں بابر سے بھی بات کر پائی ہوں۔"

"مگر فضا تمہیں اس سے ملنے نہیں جانا چاہیے تھا۔"

"تو کیا کرتی اس نصیر سے شادی کر لوں۔ اس کے بچوں کو پالوں.... اس کی ماں کی خدمت کروں اس کے گھر کے ہانڈی چولہا کرتے کرتے۔ اپنی عمر گزار دوں۔"

وہ کرب سے چلائی پھر سخت بے بسی سے گلوگیر لہجے میں بولی۔

"میرے خواب سب بکھر رہے ہیں حوریہ میں بابر کو کیسے چھوڑ دوں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ.... انکل تمہاری شادی نصیر سے کیوں کریں گے۔ یہ تو جہاں آرا کا اپنا فیصلہ ہے نا۔ تمہارے ابا کا تو نہیں نا۔"

"حوریہ تم جہاں آرا کو نہیں جانتیں۔ وہ سو طریقے جانتی ہیں ابا کو منٹوں میں راضی کرنے کے۔"
"پھر بھی فضا، وہ باپ ہے تمہارا۔"
"تم کچھ نہیں جانتیں حوریہ! حالات کی سنگینی کو۔ اگر جہاں آرا نے پوری بات کھول دی۔ ان کے سامنے۔"
حوریہ نے گھبرا کر فضا کو دیکھا۔
"پھر وہ خود مجھے نصیر کا ساتھ کل کے بیاہتے آج بیاہ دیں گے۔" حوریہ کی ریڑھ کی ہڈی تک میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ جس طریقے سے فضا نے نصیر کے حلیے اس کے کردار کا نقشہ کھینچا تھا اسے جھرجھری آ گئی۔
وہ دکھ سے سوچنے لگی کہ عورت کا ایک اٹھا ہوا غلط قدم اسے ہر خوش نما منزل سے دور کر دیتا ہے۔
وہ دکھ اور تاسف سے ____ پگھلنے لگی۔ اس کا سارا غصہ جانے کہاں جا سویا تھا۔ اسے فضا سے شدید قسم کی ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔
"کتنی بار مروں گی میں اس سے تو بہتر ہے ایک بار ہی مر جاؤں۔ کچھ کھا کر ہمیشہ کے لیے سو جاؤں ___ یہ جھنجٹ ہی ختم ہو۔" وہ مسہری پر لیٹ گئی اور چھت کے پنکھے کو یوں تکنے لگی جیسے ابھی اس سے لٹک کر جان دینے کا پروگرام مرتب کر رہی ہو۔ حوریہ نے دہل کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"حرام موت مرنا چاہتی ہو۔ پاگل ہو گئی ہو کیا۔"
"تو کیا کروں۔ زندگی بھی تو حرام ہو گئی ہے مجھ پر۔"
"دیکھو مایوسی کفر ہے۔ مرنے کا نہیں سوچو تم کہہ رہی ہو نا کہ بابر نے تمہیں امید دلائی ہے۔ وہ تم سے شادی کا سوچ رہا ہے۔ پھر کیوں مایوس ہو رہی ہو۔" مومنہ نے اسے دلاسا دیا۔
"اونہہ، وہ سوچے گا تب تک جہاں آرا جانے کیا کچھ کر ڈالے گی۔ میں بار بار بابر سے کانٹیکٹ نہیں کر سکتی۔"
پھر کچھ سوچ کر مسہری سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔
"میں تم سے یہ تو نہیں کہہ سکتی کہ تم بابر سے بات کر کے پوچھو، ہاں اتنی ریکویسٹ (درخواست) کر سکتی ہوں کہ مجھے کوئی سستا ہی موبائل ارینج (دستیاب) کر دو پلیز، دیکھو میرے ہاتھ میں تو پیسے بھی نہیں ہیں کہ موبائل لے سکوں۔" اس کی آنکھوں میں منت سماجت کیا کچھ نہ تھا۔ حوریہ ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے اس کی بے بسی سے اپنا دل کٹتا محسوس کرنے لگی۔
"اوکے ___ موبائل تو نہیں، ہاں پیسے دے سکتی ہوں اتنے کہ تم موبائل خرید لو خود ہی۔" فضا کا چہرہ چمک اٹھا، احساس تشکر سے اس نے حوریہ کا ہاتھ دبایا اور کہا۔
"میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی حوریہ۔"
"مگر وعدہ کرو۔ اس موبائل کا غلط استعمال نہیں کرو گی۔ اور یاد رکھنا بابر سے ملنے کی کوشش مت کرنا۔ اب کے اگر پکڑی گئی تو جہاں آرا تمہارا اسی دن نکاح پڑھوا کر نصیر کے ساتھ روانہ کر دیں گی۔" حوریہ نے اٹھتے ہوئے سمجھایا۔ "اسے تم میری نصیحت سمجھ کر پلو سے باندھ لو۔ بابر قطعی قابل بھروسا نہیں ہے۔"
فضا نے اس کی بات کا برا نہیں منایا۔ بلکہ حوریہ کی یہ بات تو خود اس کا دل بھی قبول کر رہا تھا۔ بابر نے اس دن کے بعد سے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش ہی نہ کی تھی اور وہ صبح سے دو تین بار اس سے پی سی او جا کر رابطہ کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی مگر جواب ندارد۔ اس کا دل سخت کبیدہ خاطر ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

حوریہ گھر لوٹی تو رقیہ بھابھی نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

"کہاں چلی گئی تھیں۔"

"امی آپ کو بتایا تو تھا فضا کی طرف جا رہی ہوں۔"

"تم تو گھوڑے پر سوار تھیں۔ رُک بھی نہیں سکی ،یوں بتایا اور بھاگ لیں۔"

حوریہ چادر اتار کر ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے رقیہ بھابھی کو دیکھتے ہوئے ہنسی۔

"کیا بات ہے' آج آپ کو میری فکر کچھ زیادہ ہی نہیں ہونے لگی۔"

"تم فری ہو جاؤ تو میرے پاس دو گھڑی آکر بیٹھو۔ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" رقیہ بھابھی نے فریج سے دہی نکالا۔ ان کے چہرے پر بڑی سنجیدگی اور کسی حد تک سوچ کی لکیریں تھیں۔

"خیریت تو ہے' آپ تو اچھا خاصا سسپنس پھیلا رہی ہیں۔"

"تم اپنے روم میں جاؤ.... میں آتی ہوں۔"

"اوکے میں شاور لیتی ہوں اتنی دیر میں.... اور ہاں بھوک بہت لگ رہی ہے۔ پلیز کھانا بھی لگوا دیں۔" رقیہ بھابھی نے سر ہلا دیا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

کوئی پندرہ منٹ بعد وہ شاور لے کر نہایت تازہ دم محسوس کرتے ہوئے اپنے خوب صورت بال سہلا رہی تھی جب رقیہ بھابھی اس کے پاس آکر بیٹھیں۔ نیلے کڑھائی والے سوٹ میں وہ بے حد نکھری نکھری اور جاذب نظر دکھائی دے رہی تھی۔

رقیہ بھابھی نے اس پر ایک پیار بھری نگاہ ڈالیں پھر بغیر تمہید کے بولیں۔

"بات یہ ہے حوری کہ.... عباد گیلانی نے تمہارے لیے اپنے بیٹے حازم کا پرپوزل بھیجا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم ان کی بہو بنو۔"

مومنہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے رقیہ بھابھی کی بات پر ذرا دیر دروازے پر ہی رک گئی۔ اور بے اختیار حوریہ کے چہرے کے تاثرات جانچنے لگی حوریہ کے لیے یہ بات بالکل غیر متوقع تھی اس کی سمجھ میں فوری طور پر نہیں آیا کہ وہ کیا ردعمل اختیار کرے۔ بس رقیہ بھابھی کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

"دیکھو حوریہ۔ حازم یہاں آتا جاتا ہے۔ تم نے اسے دیکھا ہے۔ بظاہر تو وہ ایک ایکسپٹیبل (قابل قبول) لڑکا ہے مگر وہ فقط مومنہ کا بیٹا نہیں ہے۔ عباد کا بھی بیٹا ہے۔ میں اور تمہارے پاپا بہت اپ سیٹ ہیں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے ہیں۔"

"اور.... پھوپھو۔" وہ یکدم بولی۔ پھر نظریں دروازے پر کھڑی مومنہ پر جا پڑیں تو وہ بیڈ سے میکانکی انداز میں اٹھی اور تحیر آمیز بے یقینی سے مومنہ کی طرف دیکھنے لگی۔

مومنہ اندر آئی اور سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"ہاں حوریہ حازم نے تمہیں پرپوز کیا ہے۔ وہ ذاتی طور پر خود بھی انٹرسٹڈ ہے۔" رقیہ بھابھی کمرے سے چلی گئیں۔ ان کے خیال میں مومنہ بہتر طور پر حوریہ سے بات کر سکتی تھی۔ ان کے خیال میں حوریہ مومنہ کے سامنے کھل کر اپنی رائے کا اظہار کر سکے گی بغیر ہچکچاہٹ کے۔ ادھر حوریہ رائے تو کیا دیتی۔ سوائے حیرت کے وہ کوئی ردعمل نہ دے سکی۔

"پھوپھو مگر یہ سب کیسے.... کیسے ہو سکتا ہے۔"

"کیوں.... ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔" مومنہ نے اس کی ریشمی لٹ کو پیار سے اس کے کان کے پیچھے کیا اور اس کا خوب صورت چہرہ تکا۔

"میں گیلانی ہاؤس کے کسی فرد سے شادی کیسے کر سکتی ہوں۔" وہ یکدم اضطراری انداز میں رخ پھیرتے ہوئے

بولی۔
مومنہ ایک پل جیسے کسی اندرونی خلفشار کا شکار ہو کر اس کی پشت پر آبشار کی مانند پھیلے بالوں کو دیکھتی رہ گئی۔ مگر دوسرے پل مطمئن انداز میں بولی۔
"گیلانی ہاؤس کا یہ فرد۔ میرا بیٹا ہوتا ہے' میں اسے تم کو پسند کرنے سے روک تو نہیں سکتی۔" حوریہ مومنہ کی بات پر یکدم پلٹ کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ جواباً" وہ مسکرائی۔
"ہاں وہ خود بھی یہی چاہتا ہے۔" پھر اپنے اندرونی اضطراب کو چھپاتے ہوئے۔ مسکرا کر بولی۔
"تم نظرانداز کیے جانے کے قابل ہو بھلا۔ بھئی کیا کرے میرے بیٹے کا دل تم پر آگیا نا۔"
"پھوپھو کیا ہو گیا ہے آپ کو۔" وہ جھینپ گئی۔ مومنہ۔ یکدم سنجیدگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تھپکتے ہوئے کہا۔
"رقیہ بھابھی اور عادل بھائی جو بھی فیصلہ کریں۔ مگر تمہاری رائے جاننا بھی ضروری ہے۔ وہ ماں باپ ہیں تمہارے' تمہارے بارے میں بہتر سوچیں گے۔"
"اور آپ۔۔۔ وہ ان کی بات کاٹتے ہوئے ناراضی سے حوریہ نے سوال کیا۔
"ہاں میں بھی۔۔۔ مگر میں نے فیصلہ کا اختیار ان دونوں کو دے دیا ہے۔"
"کیوں؟ کیا آپ میرے لیے بہتر نہیں سوچ سکتیں۔" اس نے شکایتی نظروں سے دیکھا۔
"نہیں شاید میں ان حالات میں بہتر فیصلہ نہ کرپاؤں۔۔۔ بہرحال تم سوچ کر اپنی رائے ضرور دینا۔" پھر وہ بات کو سمیٹتے ہوئے بولی۔ "چلو آؤ کھانا کھالو تم' میں اباجی کے روم میں ہوں۔ تم کھانا کھالو پھر وہیں آجانا۔ اپنے ہاتھ کی عمدہ سی چائے بھی بنا کر۔" وہ اسے تھپکتی کمرے سے نکل گئیں۔
مگر حوریہ کو لگا وہ اس کے اردگرد ایک نامانوس سی فضا تان کر گئی ہوں۔ وہ ڈھیلے انداز میں بیڈ کے کونے پر بیٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

حازم سگریٹ سلگا کر ٹیرس کی ریلنگ سے لگ کر ڈھلتی شام کا منظر یوں دیکھنے لگا جیسے اس میں وہ اپنے جذبات' احساسات کا عکس دیکھ رہا ہو۔ اس کی چمکتی آنکھوں کے بھورے کانچ کا رنگ جیسے ڈوبتے سورج کی شعاعوں میں مل گیا ہو اور ہر شے سنہری سی ہو گئی ہو۔
اس کا شرم و حیا سے سمٹا وجود چاند بن کر دھیرے دھیرے ابھر رہا ہو۔
دھیرے دھیرے اترتے اندھیرے میں اس کا اجلا اجلا وجود ابھر رہا ہو۔
"اوہو۔۔۔ تو یہاں نیچر سے فیسی نیٹ ہوا جا رہا ہے۔" بابر کی آواز اس کے خیالات کے تسلسل کو ایک چھناکے سے توڑ گئی۔
سگریٹ بجھاتے ہوئے وہ پلٹا۔
بابر بلیک ٹراؤزر اور لائٹ بلو ٹی شرٹ میں خاصا فریش دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے پیروں میں لیدر کی سادہ چپلیں تھیں جس کا مطلب تھا وہ گھر میں ہی موجود تھا۔
"کبھی کبھی ایسا سواد اٹھا لینا چاہیے۔" وہ ابرو کو جنبش دے کر خود بھی اس کے ساتھ ریلنگ سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ حازم بے اختیار مسکراہٹ نہ روک سکا۔
"تمہاری اردو روز بروز کچھ زیادہ اچھی نہیں ہوتی جا رہی ہے۔ سواد۔" وہ ابرو کو جنبش دے کر ہنسا "لگتا ہے اردو

لٹریچر پر ان دونوں خاصا زور ہے۔"
"آہ۔۔۔ہا۔۔۔کہاں فرصت ہے بندے کو۔" بابر نے سینے پر بازو لپیٹتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس بھرلی۔
"ہاں۔۔۔بڑی بہت ہو نا شاید۔" وہ ہلکے طنز کے ساتھ ہنسا۔ مگر بڑا محبت بھرا طنز تھا۔ بابر نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔
"بہت زیادہ۔" پھر ایک ٹھنڈی سانس کھینچتے ہوئے بولا۔ "چہرے پڑھ لو بہت کچھ سکھا دیتے ہیں۔"
"ہاں مگر وہ بھی حسینوں کے۔" حازم نے ٹکڑا لگایا بابر بغیر برا منائے ہنسنے لگا۔
"آف کورس۔۔۔اب بابا جی جیسوں کے چہرے تو پڑھنے سے رہا۔ عین جوانی میں، خیر یہ بتاؤ تم آج رومانٹک قسم کے ہیرو بنے ہوئے یہاں کیوں کھڑے ہو۔" پھر اس کے سراپے پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے سراہا۔ "رومانٹک ہیرو لگ بھی رہے ہو ویسے۔"
"تمہاری اسی طرح کی باتیں مما کو اریٹیٹ (چڑاتی ہیں) کرتی ہیں۔" حازم نے بات کو بدلنے کی غرض سے کہا بابر نے جلدی سے جواب دیا۔
"آئی سوئیر میں نے آج تک مما کو کسی رومانٹک فلم کی ہیروئن سے تشبیہ نہیں دی۔" پھر کمینگی سے ایک آنکھ دبا کر اور مسکرا کر کہا۔
"البتہ کسی ڈیٹیکٹو فلم بلکہ ہارر فلم کا کوئی کریکٹر کہہ سکتا ہوں۔"
حازم کے چہرے پر یک بیک سنجیدگی بلکہ کسی حد تک ناراضی پھیل گئی۔
"لنگویج بابر۔۔۔وہ ماں ہیں تمہاری اور ماں کا رشتہ مذاق کا نہیں ہے۔ یہ ایک معتبر رشتہ ہے ریسپکٹبل (قابل احترام) اس کا لہجہ فہمائشی تھا۔ بابر نے خفیف سے انداز میں ابرو اچکائے۔
"مجھے تو لگتا ہے آج کل تم۔۔۔ بزرگوں، صوفیوں کی گیدرنگ میں بیٹھنے لگے ہو بڑی صوفیانہ قسم کی باتیں شروع کردی ہیں۔"
حازم متاسفانہ سانس بھر کر رہ گیا۔ تاہم جواباً" کچھ کہہ نہیں سکا ہاں اس کے ذہن میں یہ خیال ضرور آیا کہ یہ سب ماں کا دیا ہوا اعجاز ہے۔ مومنہ کے سینے سے لگنے کے بعد اسے احساس ہونے لگا تھا کہ ماں کوئی معمولی ہستی نہیں ہوتی۔ یہ سارے رشتوں سے الگ ہی رشتہ ہوتا ہے۔ بے غرض، بے ریا۔
ایسا پاکیزہ جس پر گرد پڑ ہی نہیں سکتی چاہے کتنے برس بیت جائیں، کتنے زمانے کتنے اندوہناک واقعات، کتنے حادثات گزر جائیں۔
یہ چہرہ نہیں بدلتا۔ اس کا رنگ ہمیشہ شفاف ہی دکھائی دیتا ہے۔

☼ ☼ ☼

رات کے کھانے پر عاظمہ حازم سے الجھ رہی تھیں۔ وہ پورے دن عجیب سلگتے احساس سے دوچار رہی تھیں، موقع ملتے ہی گویا حازم پر چڑھ دوڑیں۔
"تم نے مجھے بتایا تک نہیں کہ تم کسی لڑکی میں انوالو ہو۔ کسی کو پسند کرتے ہو۔ عباد کو بتا دیا اور میں اس گھر میں رہتے ہوئے بھی تمہارے لیے ان امپارٹنٹ پرسن (غیر اہم) تھی کہ تم نے مجھے بتانے کی زحمت تک نہ کی۔"
عباد گیلانی اپنی وہیل چیئر پر بیٹھے T.V دیکھ رہے تھے پلٹ کر ڈائننگ ٹیبل کی طرف دیکھا۔۔۔ تاہم ناگواری کے باوجود بولے کچھ نہیں چائے کا گھونٹ بھرنے لگے۔ حازم کے لیے یہ حملہ قطعی اچانک تھا وہ فوری طور پر باپ کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"کتنے افسوس کی بات ہے۔"

"ارے مما۔ یہ کوئی اتنا سیریس میٹر تو نہیں تھا بس میرا پرسنل ایشو ہے۔" بابر نے بھنویں اچکا کر ڈھیرے ڈھیرے فرائڈ چکن لیگ کھاتے ہوئے عاظمہ اور پھر حازم کو دیکھا۔

"تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔ بات یہاں تک پہنچ چکی ہے۔ اس کا مطلب تو یہی ہوا نا کہ تم مجھے اب ماں کا درجہ دینا بھی پسند نہیں کرتے۔ سگی ماں کیا مل گئی۔ ہم تو کھوٹے سکے ہو گئے۔" وہ سخت برا مان کر کھانے سے ہاتھ کھینچ گئیں۔

ان کے کھوٹے سکے کہنے پر بابر کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ تاہم وہ ہنسی روک گیا بس ہلکے سے کھانس کر رہ گیا۔

عاظمہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"ویسے اسے کہتے ہیں اموشنل بلیک میلنگ۔" وہ خود کو بولنے سے نہ روک پایا۔

"تم چپ رہو۔ کوئی (بلیک میلنگ نہیں ہے میں ہرٹ ہوئی ہوں۔" حازم نے کھانا کھاتے ہوئے ان کو دیکھا۔

"میں نے اسے پال پوس کر اتنا بڑا کیا ہے تو ظاہر ہے اس پر اتنا تو حق رکھتی ہوں۔" پھر عباد کو جتاتے ہوئے بولیں جن کے لبوں پر ایک تمسخرانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"کوئی سمجھے نہ سمجھے میں نے تو دل سے بیٹا سمجھا ہے ہمیشہ اور ماں بن کر اسے پالا ہے۔" وہ کرسی دھکیل کر اٹھنے لگیں۔

"آپ کھانا تو کھالیں مما۔ ہم اس ٹاپک پر پھر بات کرتے ہیں۔" حازم انہیں روکا۔

"اب کیا بات کرو گے تم۔ تم باپ بیٹے نے اپنی مرضی کرلی۔ مجھے شامل کرنا گوارا نہیں کیا۔ یہاں تک کہ پرپوز بھی کر چکے ہو تم اسے۔ سب بالا بالا ہو گیا۔ اب ہم کیا بات کریں گے۔" وہ ناراض ناراض سی وہاں سے چلی گئیں۔ حازم ایک ہلکی سانس بھر کر خود بھی کھانے سے ہاتھ کھینچ گیا اور عباد گیلانی کی طرف دیکھا۔

"ایکچوئلی مما کو لائبہ کے ریجیکٹ ہونے کا صدمہ پہنچا ہے وہ انہیں بطور بہو برسوں سے سوچتی آئی تھیں۔" بابر نے سوئٹ ڈش کا باؤل اپنی طرف کھینچتے ہوئے حازم پر انکشاف کیا۔

"ہاں تو ٹھیک ہے لائبہ بھی بری نہیں ہے ہم تمہارے لیے سوچ لیں گے۔" عباد گیلانی وہیل چیئر چلاتے ہوئے میز کی طرف آئے۔ بابر کو یکدم کھانسی آگئی اس نے ٹرائفل کا بھرا ہوا چمچہ منہ میں لے جانے کی بجائے واپس کپ میں رکھا اور باپ کو شکایتی نظروں سے دیکھا۔ حازم نیپکن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بابر کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا۔ تمہاری مام کا یہ خواب بھی پورا ہو جائے گا۔"

"ان کے خوابوں کی لڑکی کو میں اپنے گلے میں کیوں باندھوں پاپا۔ میرا دماغ ابھی اتنا بھی فیل نہیں ہوا۔" وہ دوبارہ ٹرائفل کھانے لگا۔ عباد گیلانی ہنسنے لگے۔

"میرا خیال ہے میں مما کو منا کر لاتا ہوں۔" وہ خفا ہو گئی ہیں حازم اٹھتے ہوئے بولا۔

"ٹائم ضائع کرنا ہے۔ خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔" عباد گیلانی بولے۔ مگر حازم عاظمہ کے روم کی طرف بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

حوریہ ابھی کالج سے نکلی کہ اس کے موبائل پر فضا کی کال آگئی۔ وہ پی سی او سے اسے فون کر رہی تھی اور روتے ہوئے اسے ارجنٹ بلا رہی تھی۔

"مگر تم ہو کہاں۔" فضا اسے ایڈریس بتانے لگی اور کہنے لگی کہ۔ میرا والٹ چوری ہو گیا ہے۔ بس میں سے کسی نے نکال لیا ہے میرے پاس آدھا گھنٹا ہے پھر اماں گھر پہنچ جائے گی۔ پلیز تم آجاؤ موبائل بھی نہیں ہے میرے پاس۔ پلیز حوریہ جلدی سے پہنچو۔" وہ لجاجت سے کہہ رہی تھی۔

"مگر یہ کہاں کا ایڈریس ہے۔"

"میں سمجھا دیتی ہوں۔ تم رکشا والے سے بات کراؤ میری۔"

"عجیب مصیبت ہے اس لڑکی کا جانے کیا ہوگا ساتھ میں میرا بھی۔" حوریہ ابھی ابھی تو رکشا میں بیٹھ گئی۔ خدا خدا کر کے اس جگہ پہنچی جہاں فضا نے اسے رستہ سمجھایا تھا۔ فضا اسے دیکھ کر جلدی سے اس طرف آئی۔

"آؤ میرے ساتھ۔" فضا اس کا ہاتھ پکڑ کر چلنے لگی۔

"کہاں جا رہی ہو۔ یہ کون سی جگہ ہے۔" وہ ارد گرد دیکھنے لگی اکا دکا دکانیں تھیں اور ایک ادھ درمیانے درجے کا کیفے۔ فضا اسے اسی کیفے ٹیریا میں لے آئی۔

"بیٹھو۔" وہ پرانی میز کے گرد رکھی کرسیاں کھینچتے ہوئے بولی۔

"یہ کون سی جگہ ہے۔ اور یہاں تم کیوں آئی تھیں۔ کچھ پتا تو چلے۔"

"تم بیٹھو تو سہی۔ میں سب بتاتی ہوں۔" فضا کے چہرے پر ایسا کوئی پریشان کن تاثر نہ تھا جو وہ فون پر اسے دے رہی تھی۔ حوریہ اسے ناراض نظروں سے دیکھنے لگی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ۔۔۔ گھر سے اتنے پریشر کے باوجود کیسے نکل آئی ہو۔ کیسے جہاں آرا کو چکما دے آتی ہو۔"

"جان پر بند ھی ہو تو ۔۔۔ عقل بھی کام کرنے لگتی ہے۔ جو کبھی نہ کیا ہو وہ کام بھی جرأت سے ہونے لگتے ہیں۔"

"ہاں اچھا فلسفہ ہے۔" حوریہ ڈھیلے ہاتھوں سے اپنا بیگ میز پر رکھ کر کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"کتنے پیسے چاہئیں تمہیں۔" پھر ارد گرد نگاہ ڈالتے ہوئے بولی۔

"یہاں آنے کا کیا مقصد ہے۔ مجھے تو یہ علاقہ بالکل اجنبی اور کسی حد تک خراب لگ رہا ہے۔" وہ اب کچھ ہراساں نظر آنے لگی۔

"میں یہاں دراصل بابر کے ساتھ آئی ہوں۔" فضا نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"کیا ۔۔۔"

"بات تو سنو۔" فضا جلدی سے بولی۔ "دراصل میں اور بابر نکاح کا پلان بنا رہے ہیں وہ مجھ سے اس جمعہ نکاح کر رہا ہے۔ اور بابر کا کہنا تھا کہ یہ ساری باتیں میرا مطلب ہے نکاح کی ساری پلاننگ وغیرہ۔ سب تمہارے سامنے ہوں گی۔"

"مائی گاڈ۔" حوریہ کو اپنی اعصاب یکدم کھنچتے ہوئے محسوس ہوئے۔

"نکاح وہ تم سے کر رہا ہے اور پلاننگ میرے سامنے ہو گی۔ تم ہوش میں تو ہو فضا یہ کیا بکواس ہے۔ یہ میٹر تم دونوں کا ہے۔ میرا نہیں۔"

"ہاں۔" فضا نے نظریں جھکائیں۔ "یہ بابر کی شرط تھی۔"

"وہاٹ ۔۔۔ تم، تم اس گھٹیا آدمی کے ساتھ مل کر مجھے چیٹ کر رہی ہو۔" فضا یکدم بوکھلا گئی۔ اور بے ساختہ اپنا دفاع کرنے لگی۔

"نہیں حوریہ تم غلط سمجھ رہی ہو۔ ہمارا مقصد صرف تمہارے سامنے پروگرام مرتب کرنا تھا اور کچھ نہیں۔"

"تم یہ ساری باتیں مجھے فون پر بھی بتا سکتی تھیں اتنا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔" حوریہ اسے سخت

فہمائشی نگاہوں سے دیکھا اور اپنا بیگ اٹھانے لگی۔
"اس طرح بلاتے تو آپ تو پھر ہرگز نہ آتیں۔" بابر جانے کب ریسٹورنٹ میں آچکا تھا اس کے پیچھے کھڑا تھا یکدم اس کے دائیں جانب آتے ہوئے بولا۔ حوریہ کرسی دھکیل کر اٹھ رہی تھی اس کے اچانک وارد ہونے پہ بوکھلا کر پیچھے ہٹی۔
بابر ہمیشہ کی طرح تیز پرفیوم میں مہکتا ہوا تھا سینے پر بازو باندھے اسے نگاہوں کے حصار میں لیے ہوئے تھا۔ پھر مسکرا کر حوریہ کی تصحیح کی۔
"اسے چیٹ نہیں کہتے۔ سرپرائز کہتے ہیں۔" حوریہ غصے سے بیگ اٹھا کر اس پر ایک چلچلاتی نگاہ ڈالتے ہوئے بولی۔
"میرے نزدیک اسے دھوکا کہتے ہیں۔" پھر فضا کو متاسفانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔
"تم نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے فضا میں تمہارے لیے بے حد مخلص تھی۔ مگر تم نے مجھے اپنی غرض کے لیے استعمال کیا۔"
"نہیں حوریہ پلیز غلط مت سمجھو۔" فضا تڑپ کر کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھی۔
"بس ہم تمہارے سامنے نکاح کا پروگرام ترتیب دینا چاہتے تھے۔ ایکچوئلی (دراصل) بابر کا مقصد تھا کہ تمہیں جو غلط فہمی ہے اس کے بارے میں وہ دور ہو جائے۔" فضا ہڑبڑا کر بے ڈھنگے پن سے وضاحتیں دینے لگی۔
حوریہ کا دل چاہا زوردار قہقہہ لگائے اور اس سے زیادہ دل چاہا کہ زوردار تھپڑ وہ فضا کے منہ پر دے مارے۔
"تو تم اس کی پارسائی مجھ پر ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔" پھر استہزائیہ آمیز انداز میں مسکرائی۔
"حالانکہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا ان سے کیا تعلق۔ میں تو فقط دوستی کی خاطر تمہارا ساتھ دیتی رہی۔" پھر ایک متاسفانہ سانس کھینچ کر بولی۔ "مگر اب افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے ایک غلط لڑکی کا ساتھ دیا۔"
فضا بے بسی کی تصویر بنی کھڑی تھی۔ بابر نہایت اطمینان سے کرسی پر بیٹھا تھا۔ وہ جانے کو پلٹی تو فضا لپک کر اس کے سامنے آگئی۔
"حوریہ کیا ہو گیا ہے اس طرح تو مت جاؤ۔"
"فضا پلیز میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔"
"غصہ تم پر یقیناً سوٹ کر رہا ہے مگر غصہ عقل کو سلب کر دیتا ہے۔" بابر کرسی سے اٹھتا ہوا اس کی طرف گھوما
"یہاں رکشایا کوئی کوئی ٹیکسی نہیں ملے گی۔ آئیے میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔ باقی باتیں گاڑی میں ہوں گی۔"
اس نے عجیب مسکراتی نگاہوں سے دیکھا اور پلٹ کر یوں کیفے کے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا جیسے یہ یقین ہی تو ہو کہ وہ اس کے پیچھے چلی آئے گی۔ حوریہ نے سلگتی نظروں سے فضا کو دیکھا اور اسے سنانے کو بولی۔
"سوری میں نے اپنا رکشا رکوایا ہے میں واپس اسی میں جاؤں گی۔ تم بصد شوق اپنی ہونے والی منکوحہ کے ساتھ جا سکتے ہو۔" فضا اس کے لہجے کی ناراضی اور برہمی پر جیسے تڑپ کر اسے دیکھنے لگی۔ جبکہ بابر رک کر حوریہ کی طرف مڑا۔
"اس رکشے کی میں نے پے منٹ کر دی تھی وہ جا چکا ہے۔" یہ اطلاع دے کر وہ کیفے سے باہر نکل گیا۔ حوریہ کے اعصاب پر گویا چھری پڑا تھا وہ دل ہی دل میں اسے خوب سناتی باہر آگئی۔
وہ گلاسز آنکھوں پہ ٹکائے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا دونوں کا منتظر تھا۔
وہ ناچار پچھلی سیٹ پر فضا کے ہمراہ بیٹھ گئی بابر نے یو مرر سے اس کا تپا تپا چہرہ دیکھا چادر کا کونا اس نے پیشانی تک لٹکا لیا تھا تاہم اس کی بھوری آنکھوں سے چھلکتا غصہ اور ناک کے گرد پھیلی سرخی اس کی دلی کیفیت کا پتا دے رہی

تھی۔
اسی لمحے بابر کا دل چاہا فضا کو گاڑی سے اٹھا کر باہر پھینک دے اور اس کو لے کر کسی دور انجانے جزیرے پر نکل جائے۔
اس کا دل عجیب سے احساسات کا شکار ہو رہا تھا۔
اسے چھونے کا پانے کا۔
اپنے سامنے بٹھا کر بس دیکھتے رہنے کا۔ بہت سی لڑکیاں اس کی زندگی میں آئیں چلی گئیں۔
مگر جانے کیوں اسے لگا حوریہ کے لیے اس کا دل کمینگی کی حد کو چھو رہا ہو۔
"پلیز... بس مجھے یہیں اتار دیں۔"
حوریہ کسی مانوس سڑک کو دیکھ کر جلدی سے بولی۔
فضا نے گھبرا کر اسے دیکھا۔
"یہاں کہاں اترو گی۔ ہم کالج کے روڈ پر اتر جائیں گے نا، تم وہاں سے رکشا لے لینا۔" فضا کی بات پر اس نے رکھائی سے فضا کو دیکھا پھر بابر سے سختی سے بولی۔
"میں نے کہا نا یہیں روک دیں۔ میں یہیں اترنا چاہتی ہوں۔" بابر نے گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے پوچھا۔
"کالج نزدیک ہی ہے۔ میں جانتا ہوں آپ اپنا ایڈریس تو مجھے بتائیں گی نہیں۔"
"سوری میں کالج کے اطراف بھی آپ کے ہمراہ جانا اپنی اور اپنی درسگاہ کی توہین سمجھوں گی، برائے مہربانی یہیں روک دیں گاڑی۔"
اس کا لہجہ آگ اگلتا تضحیک آمیز ہو گیا۔ بابر کو یکدم اپنی کنپٹیاں سلگتی محسوس ہونے لگیں اس کا پیر بے اختیار بریک پر پڑا۔ حوریہ جھٹکے سے دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی اس سے پہلے بابر کچھ کہتا وہ سرعت سے ایک خالی رکشا کی طرف بھاگ لی۔
بابر لب بھینچ کر رہ گیا، پھر فضا کو دیکھتے ہوئے بھنچے بھنچے لہجے میں بولا۔
"تم بھی یہیں اتر جاتیں تو زیادہ بہتر ہوتا اسے اکیلا چھوڑ دیا تم نے۔"
مگر فضا جواب دینے کی بجائے بس حوریہ کو رکشے میں بیٹھتا دیکھتی رہی۔
بابر نے غصے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

☆ ☆ ☆

سب کا خیال تھا وہ تھک کر دن بھر سوتی رہی ہے مگر دن تو کیا اس کی تو رات کی نیند بھی اڑی ہوئی تھی۔
وہ ایک خوف میں مبتلا تھی۔
آج کے اس واقعہ نے اس کے دل کے اردگرد خوف کا ایک نادیدہ جال بن لیا تھا۔ اسے فضا کا بابر کے کہنے پر اسے ایک اجنبی ویران جگہ پر بہانے سے بلانا پھر بابر کا وہاں آجانا اور اسے ایسی ہوس زدہ نظروں سے دیکھنا... اسے ایک دم وحشت اور خوف میں مبتلا کر رہا تھا۔
اس نے ایسے بہت سے قصے سن رکھے تھے کہ اکثر لڑکیاں اپنے بوائے فرینڈ کے ہاتھوں بلیک میل ہو کر اپنی فرینڈز کو دھوکا دیتی ہیں۔
"اوف تو کیا فضا بھی بلیک میل ہو رہی ہے بابر کے ہاتھوں۔ اگر ایسا نہیں تو اسے بلانے کا کیا مقصد تھا نکاح وہ دونوں کر رہے ہیں تو اس کو یہ بات فضا فون پر بھی بتا سکتی تھی۔ ایک اجنبی جگہ پر اسے بلانے کی کیا ضرورت

تھی۔"

اسے یکدم بابر سے شدید نفرت محسوس ہونے لگی۔ بابر اسے مہذب چولے میں ایک بھیڑیا محسوس ہونے لگا۔ اس کی بظاہر خوب صورت آنکھیں اسے کسی شیطان کی آنکھوں سے مشابہ لگنے لگیں۔

"وہ آخر اس کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے۔ وہ فضا تک محدود کیوں نہیں رہتا۔"

وہ اتنے بہت سے مضطرب سوالات کے آکٹوپس میں جکڑی ہوئی بے حد پراگندہ ہو رہی تھی۔ اسے یکدم ہی کسی ہمدردی کی طلب ہونے لگی۔ جس سے وہ یہ سب کچھ شیئر کر سکے۔

بے اختیار اس کی نگاہ مومنہ کے کمرے کی طرف گئی۔ مگر پھر گھبرا کر جیسے وہ یوں نفی میں سر ہلانے لگی گویا اپنے دل میں امڈنے والے کسی خیال کی نفی کر رہی ہو۔

"نہیں۔ بلکہ میرا خیال ہے مجھے آج کے بعد فضا سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لینی چاہیے۔ اس سے کسی قسم کی ہمدردی بھی کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔"

وہ بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر گئی۔ مگر جانے کیوں صبح اسے کالج جانے کے نام سے بے نام سی وحشت ہونے لگی۔

بابر کی نگاہیں اس کے دل کے اردگرد خوف کا جال بن رہی تھیں۔
اس نے زور سے آنکھیں میچ لیں اور قرآنی آیات کا ورد کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼
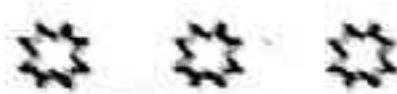
"تم اپنی بیماری سے بہت فائدے اٹھا رہے ہو۔ اب تمہیں کچھ کہہ بھی نہیں سکتی۔" وارڈ روب میں کپڑے ادھر ادھر کرتے ہوئے عاظمہ جھنجلا رہی تھیں۔ ان کا ہدف عباد گیلانی تھے۔ وہ اپنے جہازی سائز بیڈ پر دراز ایک اذیت سے دوچار تھے۔ یہ اذیت ذہنی بھی تھی اور جسمانی بھی۔

صبح سے ہی ان کا پورا جسم ایک درد سے اینٹھ رہا تھا جیسے رگ رگ کو کوئی کند چھری سے کاٹ رہا ہو۔ ہڈیاں الگ اکڑ رہی تھیں۔

صبح آفس جاتے ہوئے حازم کو انہوں نے اپنی طبیعت کا کچھ نہیں بتایا۔ مگر شام ڈھلتے ہی انہیں احساس ہونے لگا کہ وہ بے حد تھک چکے ہیں۔ جسمانی اذیت اور اب گھنٹہ بھر سے یہ ذہنی آزار۔ انہوں نے بے بسی سے عاظمہ کو دیکھا اور نحیف آواز میں بولے۔

"اس وقت میرے پیش نظر بس حازم کی شادی ہے۔ باقی سب بے معنی ہے۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے۔ میں کون سا Objection (اعتراض) کر رہی ہوں۔ تم نے تو یوں بھی بالا بالا سارے پرانے تعلقات استوار کر لیے۔ ایک اور سہی۔ بہو بھی سابقہ بیوی کی بھتیجی لا رہے ہو۔" وہ وارڈ روب زور سے بند کر کے پلٹیں۔

"تم نے تو یہ بھی بتانا گوارا نہیں کیا یہ تو حازم نے مجھے بتایا کہ اس کی کزن ہے۔"

"چلو حازم نے بتا تو دیا نا ایک ہی بات ہے اب اصولاً تو تمہیں ناراض ہونے اور اریٹیٹ (چڑنے) ہونے کی بجائے اس کی شادی کے لیے پرجوش نظر آنا چاہیے۔" عاظمہ ایک لمحے چپ ہو گئیں پھر اپنا غصہ اور جلن دباتے ہوئے تپے تپے لہجے میں بولیں۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ مگر ایک بات میری بھی سن لو عباد۔ مومنہ کسی بھی رشتے سے گیلانی ہاؤس میں قدم نہیں رکھے گی۔"

عباد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا دوسرے پل استہزائیہ آمیز انداز میں مسکرانے لگے۔
"تو تمہیں یہ خوف دامن گیر ہے کہ حازم کی ماں ہو کر وہ کہیں یہاں نہ آجائے۔"
"ہاں' بالکل اس میں کوئی شک نہیں۔" پھر کندھے اچکاتے ہوئے بولیں۔ "اسے آنا بھی نہیں چاہیے۔"
"بڑے افسوس کی بات ہے عاظمہ..... تمہارا دل اور ذہن کسی قدر تنگ ہے' ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حازم کو تم مبارک دیتی اس کے ماں سے تعلقات استوار ہو جانے پر الٹا تمہیں یہ خوف پیدا ہو گیا ہے کہ وہ کہیں گیلانی ہاؤس پر قابض نہ ہو جائے۔" وہ افسردہ سے ہو کر بولے۔
"تم مومنہ سے ابھی واقف نہیں ہو۔ تم اسے گیلانی ہاؤس میں کیا آنے سے روکو گی۔ وہ تو خود پلٹ کر ان راستوں پر دیکھنا بھی گوارا نہ کرے گی۔"
وہ یاسیت زدہ سے ہونے لگے پھر آنکھیں بند کر کے جیسے مومنہ کے تصور میں ڈوبتے ہوئے بولے۔
"تم اسے نہیں سمجھو گی۔ کبھی بھی نہیں سمجھ پاؤ گی۔" پھر جیسے خود سے بولے "میں بھی جب اسے سمجھ پایا تب تک میں اسے کھو چکا تھا۔ جیسے پانی پر لکھی کوئی تحریر مٹ جائے پھر چاہو بھی تو نہ لکھ سکو۔" عاظمہ ان کے دل کی کیفیت سے بے خبر دل ہی دل میں عباد گیلانی کو کوس رہی تھیں۔ اور سوچ رہی تھیں کہ یہ شخص مرتے مرتے بھی اس کے اردگرد اپنے پرانے تعلقات کا جال بچھا کر جائے گا۔ جس کو چاہنے کے باوجود وہ کبھی کاٹ نہ سکے گی۔ بلکہ مکھی کی طرح اس جال میں الجھ کر رہ جائے گی۔ وہ عباد گیلانی پر ایک نفرت بھری نگاہ ڈال کر کمرے سے نکل گئیں۔
اور ادھر عباد گیلانی اپنے ہی خیالات کے خوشبو کے سفر میں گم عاظمہ کے وجود سے بے نیاز تھے ان کے ہمراہ مومنہ تھی۔

☆ ☆ ☆

جہاں آرا ابا کے ساتھ لگی بیٹھی تھیں باتوں باتوں میں وہ فضا کا ذکر لاتے ہوئے بولیں۔
"اب فضا کی شادی کا سوچنا ہے یا نہیں مجھے تو لگتا ہے آپ کو فکر ہی نہیں ہے۔"
"لے فکر کیوں نہیں ہے۔" ابا سگریٹ کی ڈبیا سے آخری سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے بولے۔
"لو پیکٹ بھی خالی ہو گیا۔" وہ خالی پیکٹ سے افسردہ ہو گئے "کہاں ہے زبیر۔ ذرا بلاؤ اسے سگریٹ تو منگوالوں۔"

"اوہو..... میں فضا کی بات کر رہی ہوں۔ آپ کو سگریٹ کی پڑ گئی۔"
"ہاں تو سن تو رہا ہوں۔ اب فکر کرنے سے اس کی شادی تو نہیں ہو جائے گی۔ جب کوئی رشتہ آئے گا تب بات بنے گی نا۔ خود تو رشتہ ڈھونڈنے سے رہا۔"
ابا کو شاید سگریٹ کے خالی پیکٹ نے بدمزا کر دیا تھا۔ فضا کچن کے اندر ہی بیٹھی رہ گئی تھی۔ اماں اور ابا کی آواز یہاں سے صاف سنائی دے رہی تھی۔ اسی پل اس کا دل چاہا ابا سگریٹ کے بہانے جہاں آرا کے پاس سے اٹھ کر چلے ہی جائیں۔ اس کی سانسیں اٹکی ہوئی تھیں۔ خدا جانے اماں آگے کیا کہنے والی تھیں۔
"رشتہ ڈھونڈنے سے ہی ملے گا۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو گے تو بیٹی چوکھٹ پر ہی بیٹھی رہ جائے گی۔"
"لاحول ولا..... کیوں بیٹھی رہ جائے گی۔ ابھی ایسی کون سی عمر نکل رہی ہے۔"
"ہاں ہاں ابھی تو بہت ننھی ہے پانچ دس سال بٹھا سکتے ہو۔" جہاں آرا جھلس کر رہ گئیں۔ ابا سگریٹ کے مرغولے کو ہاتھ سے ادھر ادھر کرتے ہوئے جہاں آرا کو بغور دیکھا۔
"خیر تو ہے۔ آج فضا کی شادی تمہارے سر پر سوار ہو گئی ہے۔ ایسا کیا ہو گیا ہے۔"

"ماں ہوں۔ سوتیلی ہوں تو کیا ہوا۔۔۔ فکر تو کرنی ہے نا اور خاص کر جب ایسی باتیں سننے کو ملیں کہ کلیجہ ہل جائے۔" وہ کھسک کر ابا کے نزدیک آگئیں۔

ادھر فضا کے ہاتھ سے پانی کا گلاس چھوٹتے چھوٹتے بچا اس نے جلدی سے گلاس ایک طرف رکھا اور کھڑکی کی جالی سے لگ کر ساری توجہ ابا اور جہاں آرا کی طرف کر دی۔

"باتیں کیسی باتیں۔" ابا چونکے۔

"آئے محلے کا کوئی لفنگا ہے جو اپنی فضا کے پیچھے پڑ گیا ہے' اے پتا نہیں کیا نام ہے یاد نہیں آرہا۔ نصیر نے ایک دفعہ اسے جالیا اور آپ کو تو پتا ہے نصیر فضا کی بڑی عزت کرتا ہے' بس اس کی غیرت جوش میں آگئی اس نے اس لڑکے کی خوب ٹھکائی کر دی۔" ابا حیرت سے جہاں آرا کا منہ تک رہے تھے۔

"اتنا کچھ ہو گیا اور مجھے خبر تک نہیں۔" ان کے چہرے کے زاویوں میں آہستہ آہستہ کھنچاؤ آنے لگا۔

"کب کی بات ہے۔ تم نے کیوں نہیں بتایا۔۔۔ میں اس لفنگے کی ٹانگیں توڑ دیتا۔"

"آئے ہائے ٹانگیں توڑ کر کیا دشمنی مول لینی ہے۔ بس نصیر نے اسے اچھا خاصا سبق دے دیا ہے۔" فضا رنج سے سن بیٹھی رہ گئی تھی۔

"زیادہ دن نہیں ہوئے دو چار دن پرانی بات ہے۔ بس میرا دل بہت ہی برا ہو گیا ہے اور سچ پوچھیں تو مجھے فضا کے پہننے اوڑھنے کے طور طریقے بھی پسند نہیں ہیں۔ فیشن کرے کون روکتا ہے۔ مگر اب ایسا کیا فیشن کر کے نکلنا گھر سے کہ لفنگے ہی پیچھے لگ جائیں۔"

فضا کو جہاں آرا سے اس حد تک کمینگی کی امید نہیں تھی۔ وہ کھلا اسے آوارہ اور بدچلن ثابت کر رہی تھیں۔ مارے غصے کے اس کے دماغ میں کھولن ہونے لگی تھی مگر اپنی بے بسی پر وہ کڑھ کر رہ گئی اور کچھ نہیں تو وہ گلاس وہاں پٹخ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ابا سخت طیش میں تھے۔

"نصیر آتا رہتا ہے کیا یہاں پر؟" ابا کے لہجے میں کھوج اتر آئی۔

"روز روز تو نہیں' وہ تو اتفاق سے آپا کے گھر میرے کپڑے رہ گئے تھے وہ دینے آیا تھا۔ اور بڑا ہی غصے میں ہو گیا تھا۔ کہہ رہا تھا خالہ فضا کو اکیلے بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے' میں اسے لینا چھوڑنا کر دیا کروں گا۔" جہاں آرا چھالیہ نکال کر منہ میں ڈالتے ہوئے بولیں۔ ابا نے سگریٹ کی خالی ڈبیا ایک طرف پٹخی اور مسہری سے اٹھ کر بیٹھ کر پیروں میں چپلیں ڈالتے ہوئے بولے۔

"فضا کو کالج واج جانے کی ضرورت نہیں ہے' بس پڑھ لیا اس نے اسے کہہ دینا۔ گھر بیٹھے۔"

"ہائے بے چاری کا آخری سال ہے امتحانات سر پر ہیں۔"

"بس۔" ابا ہاتھ اٹھا کر جھڑکتے ہوئے بولے۔

"اسے کہہ دینا چپ چاپ گھر میں بیٹھی رہے اور ہاں تمہاری بتول آپا سے کہہ دو کوئی اچھا رشتہ ہو تو فضا کے لیے لے آئے۔ ان کے پاس تو آتے رہتے ہیں رشتے۔"

ابا کرتا جھٹک کر کھڑے ہو گئے اور بائیک کی چابی پکڑی اور باہر نکل گئے۔

"ارے بات سنیں۔" جہاں آرا پکارتی رہ گئیں۔ پھر ہاتھ جھٹک کر کرسی پر بیٹھ کر چھالیہ نکال کر منہ میں ڈالنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

عباد گیلانی کی طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی۔ عاظمہ نے حازم کو کال کر کے ۔۔۔ عباد گیلانی کی طبیعت کے بگڑنے

کی اطلاع دی۔حازم مومنہ سے ملنے کے لیے جا رہا تھا۔یہ خبر سن کر شدید پریشان ہو کر گاڑی ریورس کرنے لگا۔
"میں آرہا ہوں مما۔بابر کہاں ہے۔"
"بابر کہاں ہوتا ہے کدھر ہوتا ہے خدا بہتر جانے تم آرہے ہونا۔"
"جی بس دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" وہ عاظمہ سے بات کر کے مومنہ کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔
اس کے دل میں یکلخت یہ خواہش ابھری کہ کاش اس وقت اس کے ساتھ مومنہ ہوتیں۔
"ہیلو" دوسری طرف مومنہ نے کال ریسیو کی تو وہ اپنے خیالات سے نکل کر جلدی سے بولا۔
"مما سوری میں ابھی نہیں آسکتا آپ کی طرف' ایکچوئلی پاپا کی طبیعت اچانک بگڑ گئی ہے میں انہیں ہسپتال لے کر جا رہا ہوں۔" مومنہ کچھ کہتی وہ جلدی سے بولا۔
"مما پلیز پاپا کے لیے دعا کیجئے گا میں آپ کو کچھ دیر بعد کال کروں گا۔بس آپ دعا کیجئے کہ سب ٹھیک ہو۔"
مومنہ اذیت آمیز احساس سے بیٹھی رہ گئی۔لائن منقطع ہو چکی تھی۔مگر حازم کے لہجے کا خوف' بکھراؤ مومنہ کے دل کے اردگرد پھیل رہا تھا۔
اس نے ڈھیلے ہاتھ سے موبائل اپنے برابر صوفے پر رکھ کر صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر زور سے آنکھیں میچ لیں۔
"اب سب ٹھیک کیسے ہوگا حازم؟" یکدم اس کا دل چاہنے لگا وہ خود بھی ہسپتال جائے۔حازم کے پاس جائے۔
اسے حازم اس وقت بے حد تنہا محسوس ہونے لگا۔
یہ سوچ اسے اضطراب میں دھکیلنے لگی۔وہ اٹھ کر بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔پھر صحن میں نکل آئی۔
کتنی لجاجت' کتنا خوف اور بے قراری تھی حازم کے لہجے میں۔
"مما آپ دعا کیجئے گا۔۔۔سب ٹھیک ہو۔"
ایسا بکھراؤ جیسے کوئی قیمتی شے کے چھن جانے کا خوف رگ رگ سے لپٹ رہا ہو۔جیسے سمندر کی امڈتی موجوں سے الجھتے ہوئے کسی اپنے کو ساحل پر لاتے لاتے آدمی ہانپ رہا ہو۔
وہ شدید ترین احساس بے بسی محسوس کرتے ہوئے کٹ رہی تھی۔
اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اڑ کر حازم کے پاس پہنچ جائے۔

☼ ☼ ☼

بابر کے فون نے حوریہ کو شدید ڈپریشن میں مبتلا کر دیا تھا اس نے انجان نمبر سے کال کی تھی اور اس کے ریسیو کرتے ہی بولا۔
"آج آپ کالج نہیں گئیں۔" یوں گویا وہ اس کا بہت اچھا اور پرانا دوست رہا ہو۔حوریہ کو اپنے اعصاب بکھرتے محسوس ہوئے۔اس کا دل بے نام سے خوف سے لرزا۔تاہم اپنے لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے اپنی ناگواریت ظاہر کی۔
"تو آپ میری جاسوسی کر رہے ہیں۔"
"جاسوسی تو نہیں۔بس یونہی وہم سا ہوا تھا کہ شاید آج آپ کالج نہیں جائیں گی۔" اس کا انداز جتانے والا تھا۔
"کیوں ایسا وہم آپ کو کیوں ہوا میرے بارے میں۔" وہ حیران ہوئی۔دوسرے پل سر جھٹک کر چٹختے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میں آپ کو پہلے بھی وارن کر چکی تھی کہ آپ مجھے کال نہیں کریں گے۔ آخر آپ کے اور فضا کے معاملات میں میرا کیا عمل دخل۔ آپ کیوں مجھے کال کرتے ہیں۔"

"فضا.....! یہ فضا بیچ میں کہاں سے آگئی۔" وہ یکلخت کچھ اس ناگواری سے بولا گویا فضا کے ذکر سے اس کے حلق میں کوئی کڑواہٹ گھل گئی ہو۔ پھر اسی ناگواری سے بولا "میں نے فضا کا کوئی ٹاپک تم سے ڈسکس کرنے کے لیے فون نہیں کیا۔" پھر ہلکی استہزائیہ ہنسی کے ساتھ کہا۔

"فضا کوئی ایسی معتبر ہستی نہیں ہے جس سے میں خود کو منسوب کر کے خوشی محسوس کروں۔ فارگیٹ اٹ (یہ بھول جائیں) ہم دونوں کے درمیان کوئی تعلق تھا۔" وہ اطمینان سے کہتا اس کا اطمینان غارت کر رہا تھا۔

"کیا؟ کیا مطلب کیا آپ جمعہ کو نکاح نہیں کر رہے ہیں فضا سے۔" وہ حیرت سمیٹ کر بے اختیار پوچھنے لگی۔ جواباً" وہ اتنے زور سے ہنسا کہ حوریہ کو ایسا لگا وہ فضا کا در پردہ مذاق اڑا رہا ہو۔ اسے تو اس کا قہقہہ ایسا ہی ہتک آمیز لگا تھا۔

"تم مجھے اتنا احمق سمجھ رہی ہو کہ میں نکاح کروں گا۔ فضا سے واؤ..... اس سے بڑا اور کوئی جوک ہو سکتا ہے۔"

وہ اب بھی ہنس رہا تھا۔ پتا نہیں فضا پر یا اس کی حیرت پر۔

"تو وہ سب کیا تھا۔ جو پلان مرتب کیا جا رہا تھا۔ اور جس کے لیے مجھے بلایا جا رہا تھا۔ میرے سامنے وہ سب ڈسکس ہوتا تھا۔" وہ حیرت سمیٹ کر ناگواری اور غصے سے پوچھنے لگی۔

"صرف تمہیں بلانے کا مقصد۔ تم کو ایک نظر دیکھنے کی خواہش ہو رہی تھی۔ اور مجھے اور کوئی راہ دکھائی نہیں دے رہی تھی کہ تمہارا دیدار کیسے کیا جائے۔"

کچھ بات ہے اس کی فطرت میں
ورنہ اسے چاہنے کی خطا ہم بار بار نہ کرتے

"اوہ..... یو۔" حوریہ یکدم بھبکی "تم..... تم مجھے فضا سمجھ رہے ہو یا اس جیسی کوئی۔ جسے تم اپنا جال پھینک کر شکار کر لو گے، تمہاری ہمت کیسے ہوئی۔ ایسا اوچھا انداز اپنانے کی۔" اس کے غصے کو وہ بڑی نرمی سے پی گیا۔

"مسئلہ یہ ہے مس حوریہ کہ میں کیا جال پھینکوں گا۔ وہ کیا ہے کہ شکاری خود یہاں شکار ہو گیا ہے۔" وہ دھیمے سروں میں کہہ رہا تھا۔

حوریہ نے لائن منقطع کر دی اور یکدم خود کو سہارا دینے کے لیے دیوار سے پشت ٹکائی اور یوں سانس لینے لگی ___ جیسے یہ سانسیں کب کی رکی ہوئی ہوں۔

یکلخت اسے اپنے پیر لرزتے محسوس ہونے لگے۔ ایک نادیدہ خوف دل کی دیواروں سے لپٹنے لگا وہ کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ اسے لگا قیامت آ چکی ہو اس کے ذہن و دل پر۔ بابر جیسے شخص کا اب اس کے پیچھے پڑنا کسی قیامت سے کم نہ تھا۔

اس کی باتیں سرسراتے سانپ کی مانند اسے اپنے وجود کے گرد لپٹتی محسوس ہونے لگیں۔ وہ وحشت زدہ سی سامنے دیوار کو گھورنے لگی۔

☆ ☆ ☆
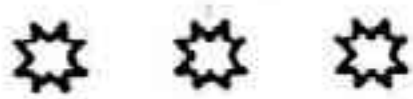
مومنہ کے لیے یہ لمحے عذاب ثابت ہو رہے تھے وہ حازم سے فون کر کے عباد کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی۔ اس کی طبیعت کا معلوم کرنا چاہتی تھی۔ مگر اجنبیت کا ایک سرد سا رنگ اس کو اس اقدام سے روک دیتا۔ وہ بے بسی کی انتہا پر خود کو محسوس کر رہی تھی۔ پھر وضو کر کے جائے نماز بچھا کر نماز پڑھنے لگی۔

یونہی بیٹھے بیٹھے جانے کتنی دیر ہو گئی کہ یکدم اس کا موبائل بج اٹھا۔
دوسری طرف حازم تھا جو عباد گیلانی کی خیریت کی اطلاع دے رہا تھا۔
اور مومنہ کو لگا جیسے بپھرتے سمندر میں یکدم ٹھہراؤ آگیا ہو۔
طوفان تھم گیا ہو۔ ہر شے معمول پر آگئی ہو۔ وہ مطمئن ہو گئی۔
''میں ابھی پاپا کے پاس ہی ہوں۔ کال بیک کرتا ہوں۔ فارغ ہو کر۔'' مومنہ کے لب بے ساختہ مسکرا دیے۔
حازم فون رکھ چکا تھا مگر وہ یونہی کھڑی رہی ایک اجنبی سے احساس میں مبتلا تھی جسے وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔
یہ سکون کیوں محسوس کر رہی تھی۔
''ہاں شاید حازم کی خوشی کے لیے۔'' دل نے گویا تاویل پیش کی۔
''ہاں وہ حازم کو خوش دیکھنا چاہتی ہے۔'' اس نے جیسے خود کو یقین دلانا چاہا۔
''پھوپھو۔'' حوریہ کے ہاتھ کا لرزتا ہوا لمس اپنے کندھے پر محسوس کر کے مومنہ چونک کر پلٹی۔ مگر جیسے ہی حوریہ پر نگاہ پڑی۔ وہ گھبرا گئی۔ حوریہ کا چہرہ خوف سے زرد پڑ رہا تھا۔ وہ لرز رہی تھی۔ مومنہ نے تشویش سے اسے تھاما۔
''کیا ہوا حوریہ؟''
حوریہ بامشکل جیسے خود کو سنبھال پا رہی تھی۔ مومنہ کے مہربان وجود کا احساس ہوا تو اس کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔
مومنہ کا چہرہ پانیوں میں گویا تیرنے لگا۔ وہ کسی ٹوٹی ڈال کی طرح مومنہ کے شانے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
''مجھے ڈر لگ رہا ہے پھوپھو۔ بہت ڈر۔''
''کیسا ڈر۔'' مومنہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ مگر وہ یوں رو رہی تھی جیسے کسی اندوہناک سانحے سے گزری ہو۔ وہ کہنا چاہ رہی تھی۔
بابر سے اس کی باتوں سے۔ اس کی آنکھوں سے۔
اسی کے کردار سے....
اس کے ارادوں سے....
مگر وہ روتی رہی....
مومنہ نے اسے رونے دیا۔ تاکہ وہ بولنے کے قابل ہو سکے پھر نرمی سے اس کے کندھے کو تھپکا۔
''چلو شاباش کمپوز کرو خود کو۔'' مومنہ اسے لیے بیڈ پر آبیٹھی۔
''اب بتاؤ کیا ہوا ہے۔ ڈر کیوں لگ رہا ہے' کس سے لگ رہا ہے۔''
حوریہ نے ایک سانس بھر کر پلکوں کو جھپک کر آنسو پونچھتے ہوئے خوف زدہ سی آواز میں کہا۔
''پتا نہیں پھوپھو ایسا لگتا ہے جیسے میں کسی سنسان سڑک پر اکیلی رہ گئی ہوں۔ بالکل اکیلی اور سامنے سے ایک بھیڑیا آرہا ہے۔ خونخوار بھیڑیا ایسا لگتا ہے وہ مجھے کھانے آرہا ہے.... ہاں پھوپھو وہ مجھے کھا جائے گا۔''
اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔
مومنہ نے اس کی آنکھوں میں خوف محسوس کرتے ہوئے اسے خود سے لگا لیا۔
مگر حوریہ چاہنے کے باوجود نہیں کہہ پائی کہ.... وہ بھیڑیا ایک انسانی روپ میں ہے۔

وہ پہلے ثمنا کو کھا چکا ہے۔ اب اسے کھانے آرہا ہے۔ اس بھیڑیا کا نام بابر ہے۔

"کیا ہو گیا ہے، تمہیں۔ جانے کیا کیا سوچنے لگتی ہو۔ اکیلے بیٹھی رہتی ہو نا تو پانی پی لو۔" مومنہ اسے پانی کا گلاس تھماتے ہوئے ہلکی سرزنش کرنے لگی۔ پانی پی کر اسے یکدم اپنے حواس پر کنٹرول ہونے لگا تو اپنی اس بے اختیارانہ حرکت پر خفت سی محسوس ہونے لگی۔

تاہم اسے اتنا ضرور ہوا کہ مومنہ کے وجود سے لپٹ کر اسے گونا گوں سکون ملا تھا۔

"کوئی خواب دیکھ لیا تھا کیا۔" مومنہ پوچھنے لگی۔

"ہاں شاید۔۔۔" پلکیں جھپکائیں۔۔۔ پھر گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔

"بہت ڈراؤنا خواب۔"

مومنہ کچھ دیر اسے جانچتی نظروں سے دیکھتی رہی پھر جیسی کچھ اخذ کرتے ہوئے پوچھا۔

"حازم کے پرپوزل پر پریشان ہو گئی ہو کیا؟" وہ چونکی۔

اس طرف تو اس کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ بابر کی وحشت نے اسے ایسا جکڑ لیا تھا کہ وہ اس خوب صورت احساس کو بھول ہی گئی تھی۔ یکلخت حازم کے نام سے اس کے دل کی سکڑتی شریانوں میں گویا خون بھرنے لگا۔

اس کا ڈوبتا دل معمول پر آنے لگا جیسے ڈوبنے والے کو ساحل دکھائی دینے لگا ہو۔ ٹھنڈا میٹھا۔ پرسکون ساحل۔

حازم اسے ایسا ہی ساحل۔۔۔ ایک ایسا مضبوط خول محسوس ہونے لگا۔

ایک ایسا سایہ دار شجر دکھائی دینے لگا۔ جس کی پناہ میں آکر وہ۔ یقیناً "بابر جیسے۔ بھیڑیے سے محفوظ رہ سکتی تھی۔

اس کی آنکھوں میں بھرا خوف دھیرے دھیرے زائل ہونے لگا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ تم حازم کے پرپوزل کی وجہ سے کچھ اپ سیٹ ہو گئی ہو۔"

"نہیں پھوپھو حازم تو بہت اچھے ہیں۔" پھر پلکیں اٹھا کر مومنہ کو دیکھ کر جیسے دھیرے سے بولی۔

"آپ مجھ سے حازم کے بارے میں رائے جاننا چاہتی تھیں نا۔ میرا مطلب ہے کہ اس کے پرپوزل کے بارے میں۔"

"ہاں پوچھا تھا مگر تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔" مومنہ نے سرہلایا۔

"اور اگر میرا جواب اقرار میں ہو تو۔۔۔" وہ عجیب طرح کی بے اختیاری میں کہہ گئی۔ مومنہ یکدم اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

"میں حازم سے شادی کرنا چاہتی ہوں پھوپھو۔" وہ یہ کہہ کر پلکیں جھکا گئی۔

مومنہ اپنی جگہ پر سن سی بیٹھی رہ گئی۔

☆ ☆
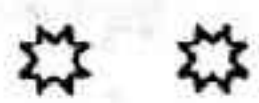
(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

سرورق کی شخصیت

ماڈل ------------ رانیہ

میک اپ ------------ روز بیوٹی پارلر

فوٹوگرافی ------------ موسیٰ رضا

نفیسہ سعید

"یہ کیک کہاں سے لائے ہو تم؟" مائرہ نے ایک نظر زیرک کے ہاتھ میں موجود پلیٹ پر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"چاچی نے دیا ہے۔" جواب کے ساتھ جیسے ہی زیرک نے کیک منہ میں ڈالنا چاہا' مائرہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"واپس رکھواسے پلیٹ میں۔" ایک دم ہی اس کا موڈ خراب ہو گیا۔ کچھ دور بیٹھی اس کی ساس نے پلٹ کر ایک نظر اپنی بہو کے غصہ سے سرخ چہرے پر ڈالی۔

"افوہ مما کھانے تو دیں یہ چاچی نے خود بیک کیا ہے۔"

"کیا ہو گا! ہمیں کیا اور یہ تم نیچے کیا کرنے گئے تھے' کیک مانگنے؟" وہ ابھی بھی زیرک کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔

"مما یار میں اسکول سے آرہا تھا' تو انہوں نے مجھے تھما دیا' کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ مجھے کیک بہت پسند ہے۔" اتنی جرح نے اسکول سے آئے زیرک کو تھکا دیا تھا جس کا اظہار اس کے روٹھے ہوئے لہجہ سے بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

"ہاں تو کیا ہم کیک خرید کر کھانا افورڈ نہیں کر سکتے جو اس نے تم پر یہ احسان کیا ہے۔"

"کیا ہو گیا ہے بہو کیوں بلاوجہ بچے کی جان کو آگئی ہو۔ لے بھی آیا ہے کیک' تو غریب کو کھا لینے دو' ویسے بھی بڑوں کی ناراضی میں بچوں کا کیا لینا دینا۔"

"ناراضی۔۔۔؟" ماریہ نے اپنی ساس پر ایک خفگی بھری نظر ڈالتے ہوئے سوالیہ انداز میں کہا۔

"معاف کیجئے گا امی میں اس عورت سے اپنے سارے رشتے ناطے ختم کر چکی ہوں۔ ہمارے درمیان کچھ ایسا باقی نہیں رہا' جسے آپ ناراضی کا نام دیں۔ اس لیے کہ ناراض اپنوں سے ہوا جاتا ہے' جبکہ اس کی اہمیت میرے نزدیک غیروں جیسی بھی نہیں رہی۔"

"مجھے تو ابھی تک یہ سمجھ نہیں آرہا کہ آخر ثنا نے تمہیں ایسا کیا کہہ دیا جو تم غصہ کی سیڑھی لگا کر آسمان پر ٹنگی کھڑی ہو۔ نیچے آنے میں ہی نہیں آرہیں' آخر کو وہ تمہاری دیورانی ہے کوئی دشمن نہیں۔ کہاں تو تم دونوں میں اتنا بہناپا تھا کہ خدا کی پناہ اور کہاں اب اتنی ناراضی اور غصہ کہ جو منہ میں آتا ہے بنا سوچے سمجھے بولے جاتی ہو۔"

"اللہ معاف کرے اس وقت کو جب اس گھٹیا عورت کو میں نے اپنی بہن کا درجہ دیا اور سچ تو یہ ہے کہ وہ ہی میری ایک بڑی غلطی تھی جس کی زد میں آکر میں بلاوجہ اس کے ہر گناہ کی پردہ پوشی کرتی رہی۔"

"خدا کا خوف کرو مائرہ یوں کسی پر الزام تراشی نہیں کرتے۔" غصہ میں کہتے ہوئے حاجرہ اٹھ کھڑی ہوئیں' کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ اب مائرہ نے زبان کو لگام نہیں دینا اور اس نے بلا تکان ثنا پر الزامات کی بھرمار کر دینی ہے اور یہ ہی بات انہیں سخت ناپسند تھی۔

"مجھے بتا دیں مما میں اس کیک کا کیا کروں؟" زیرک نے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ کو کچن کی سلیب پر پٹختے ہوئے اپنی ماں سے سوال کیا جو اسے بھول کر ساس کے ساتھ بحث میں الجھ گئی تھی۔

"واپس کر کے آؤ اور کہنا کہ مما نے کہا ہے کہ

آئندہ اپنے ناپاک ہاتھوں سے پکی ہوئی کوئی چیز ہمارے گھر نہ بھیجے۔" یہ کہہ کر مائرہ رکی نہیں اور تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی' جبکہ حاجرہ نے آگے بڑھ کر کچن کی سلیب پر رکھی پلیٹ اٹھائی اور بڑبڑاتی ہوئے سیڑھیاں اترتی نیچے اپنے فلور پر آگئیں۔

ثنا اور مائرہ آپس میں دیورانی جٹھانی تھیں' جن کے درمیان بہنوں جیسی محبت پائی جاتی تھی ایسی محبت جس کی مثال پورا خاندان دیتا جبکہ حاجرہ اکثر ہی ان دونوں کی حد سے زیادہ دوستی سے نالاں رہتیں خاص طور پر انہیں اس وقت سخت الجھن ہوتی جب کبھی مہینوں بعد جاذبہ میکے آتی اور یہ دونوں خواتین سج سنور کر جو بازار نکلتیں تو آدھی رات سے پہلے واپسی نہ ہوتی۔ ایسے میں بے چاری کو ماں کے گھر آکر بھی خود ہی کام کرنا پڑتا نہ صرف اپنا' بلکہ مائرہ کے بچوں کو بھی کھانا بنا کر دیتی جو کہ پھپھو کے آتے ہی نیچے آجاتے حتیٰ کہ ثنا بھی اپنا ایک سالہ بیٹا زوہان' ساس اور نند کے پاس

چھوڑ جاتی اور اسے سنبھالتے ہوئے حاجرہ بری طرح نڈھال ہو جاتیں' مگر منہ سے کچھ نہ کہتیں' مبادا بیٹے اور بہو کو کوئی بات بری نہ لگ جائے۔ دوپہر کا کھانا اکثر اوپر ہی کھایا جاتا جبکہ حاجرہ تن تنہا نیچے ہوتیں۔ رات جاذب گھر آکر کھانا کھا کر جیسے اپنے روم میں جاتا ثنا صاحبہ بھاگ کر اوپر جٹھانی کے پاس پہنچ جاتی اور پھر نیچے کب آتی حاجرہ کو پتا ہی نہ چلتا کیونکہ وہ خود عشا کے بعد کچھ دیر ٹیرس پر واک کرتیں اور پھر سو جاتیں اور اس وقت تک ثنا اوپر ہی ہوتی۔

پھر یک دم ہی وقت نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ ایک ہی پلیٹ میں کھانے والی ہم رقاب بہنیں ایسی دشمن ہوئیں کہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کی روادار بھی نہ رہیں۔ ان کے درمیان ایسا کیا ہوا جو آپس کی دوستی دشمنی میں ڈھل گئی۔ ایک راز تھا جو کوئی نہ جان سکا' کیونکہ بظاہر تو ان کے درمیان کوئی لڑائی جھگڑا نہ ہوا تھا دو ماہ قبل حاجرہ بیگم کو ان دونوں کے درمیان کشیدگی کی ہوا اس وقت ملی جب ثنا نے اچانک اوپر جانا چھوڑ دیا وہ سارا دن اپنا کمرہ بند کر کے اندر ہی پڑی رہتی جس کے باعث ایک دن انہوں نے اس سے خود ہی پوچھ لیا۔

"کیا بات ہے بیٹا خیر ہے آج کل اوپر کی آمدورفت بند کیوں ہو گئی۔ سفارتی تعلقات خراب ہیں کیا؟"

"پتا نہیں امی آج کل بڑی بھابھی کا دماغ خواہ مخواہ ساتویں آسمان کو چھو رہا ہے۔ جب جاؤ بلاوجہ کی باتیں لگا لگا کر سناتی رہتی ہیں' اس لیے میں نے بہتر سمجھا اپنی عزت اسی میں ہے کہ چپ چاپ اپنے گھر میں ہی رہو۔"

"یہ بات تو میں ہمیشہ سے ہی کہتی رہی کہ نہ اتنا میٹھا ہو جاؤ کہ شوگر لاحق ہو جائے اور نہ ہی مانند زہر کڑوے ہو جاؤ۔"

"صحیح کہتی تھیں آپ' مجھے اب احساس ہوا کہ بڑوں کی ہر بات میں ایسی سچائی ہوتی ہے' جو ہمیں سمجھ ضرور آتی ہے' مگر وقت گزرنے کے بعد۔"

ثنا نے اس سے زیادہ ان سے کوئی بات نہ کی جبکہ مائرہ نے تو انہیں اپنے اور ثنا کے تعلقات ختم ہونے کی ایسی وجوہات بتائیں کہ جنہیں سن کر حاجرہ کی راتوں کی نیندیں ہی اڑ گئیں اور وہ کئی راتیں تو خود چھپ چھپ کر ثنا کی نگرانی کرتی رہیں' مگر لاحاصل۔ انہیں کوئی ایسی بات نظر نہ آئی جسے دیکھ کر مانتیں کہ مائرہ کی کہی ہوئی باتوں میں ایک فیصد بھی سچائی ہے اب ان کی سمجھ میں یہ نہ آرہا تھا کہ آخر مائرہ ثنا کی اتنی کردار کشی کیوں کر رہی ہے اور یہ ہی بات ان دنوں ان کی ذہنی ٹینشن کا باعث بنی ہوئی تھی۔ سچ تو یہ تھا کہ دونوں بہوؤں کی بے انتہا دوستی اور اب بے انتہا دشمنی کی زد میں صرف ان کی ذات ہی آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"امی ایک بات تو بتائیں۔" جاذبہ نے ماں کے قریب بیٹھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"ہاں بولو...." پالک کاٹتے ہوئے ان کے ہاتھ رک گئے' سمجھ گئیں کہ جاذبہ کوئی خاص بات پوچھنے والی ہے۔

"یہ مائرہ بھابھی جو کچھ کہہ رہی ہیں کیا وہ سچ ہے؟" جاذبہ نے آہستہ آہستہ جھجکتے ہوئے پوچھا' مبادا اماں اس کی بات کا برا نہ مان جائیں۔

"کیا کہہ رہی ہے؟" سب کچھ جانتے ہوئے بھی انہوں نے سوال کیا۔

"وہ ہی ثنا کے متعلق...." اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔

"دیکھو بیٹا! اول تو جب تک خود کسی میں کوئی عیب نہ دیکھو اس کا ذکر نہ کرو کیونکہ سنی سنائی بات میں صرف دس فیصد سچائی ہوتی ہے اور باقی سب مبالغہ آمیزی۔ دوسرا یہ کہ اگر ثنا کے شادی سے پہلے کسی لڑکے سے کوئی تعلقات تھے بھی' تو وہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے' وقت کے ساتھ بات پرائی ہو گئی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ ثنا میر ہوتی تھی' جبکہ اب وہ مسز ثنا جاذب ہو چکی ہے۔ ہمارا اس سے تعلق چار سال پرانا ہے اور ان چار سالوں میں ہم نے اس میں کچھ ایسا نہیں دیکھا جسے لے کر بلاوجہ کی تہمتیں تراشی

جائیں۔"

"بات تو ٹھیک ہے، مگر مائرہ بھابھی تو کہتی ہیں کہ وہ اب بھی۔۔۔" بات درمیان میں ہی رہ گئی کیونکہ اس وقت کمرے کا دروازہ کھول کر ثنا باہر نکل آئی۔

"جاذبہ باجی چائے بناؤں۔۔۔؟" اس سے سوال کرتی وہ کچن کی جانب بڑھ گئی۔

"جو بھی ہے شکر کرو کہ ان دونوں کے قطع تعلق نے ہمیں اس قابل تو کیا کہ بہو بیگم کے ہاتھ کی چائے اور کھانا نصیب ہونے لگا۔ ورنہ تو مانو دونوں کے پاس ہمارے لیے کبھی ٹائم ہی نہ تھا۔"

"ہاں یہ بات تو آپ کی ٹھیک ہے۔" جاذبہ نے مسکراتے ہوئے ماں کی بات کا جواب دیا اور ان کے پاس سے اٹھ کر کچن میں ہی آگئی جہاں ثنا چائے کے ساتھ کباب تل رہی تھی اور اتنے سالوں بعد اس میں یہ تبدیلی دیکھ کر جاذبہ کو دلی خوشی ہوئی۔ مطلب یہ ہوا کہ اس سے قبل بڑی بھابھی نے اسے ہمارے خلاف سکھایا ہوا تھا فوراً" ہی جاذبہ کے دماغ میں اس منفی سوچ نے گھر کرلیا۔ سچ ہے ہمیں لوگ ویسے ہی نظر آتے ہیں جیسا ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ثنا کے اچھے رویہ نے ایک دم ہی جاذبہ کو بڑی بھابھی سے متنفر کردیا۔

☆ ☆ ☆
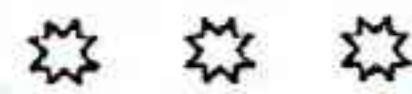
کئی سالوں بعد ایسا ہوا تھا کہ جاذبہ میکے دو دن رہنے آئی' ورنہ تو وہ جب بھی آتی صبح میں آکر رات کو گھر واپس چلی جاتی۔ ابھی وہ ناشتا کرکے فارغ ہی ہوئی تھی کہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر بڑی بھابھی اندر داخل ہوئیں' حسب روایت خوب نک سک سے تیار' ڈارک اورنج سوٹ کے ساتھ ہم رنگ لپ اسٹک اور جیولری سے لیس' خوب خوشبو میں نہائی ہوئیں' ان کی ہیل کی ٹک ٹک کی آواز پر ثنا نے پلٹ کر دیکھا۔ کھلے بالوں کے ساتھ وہ اسے ایک سجا سنورا ٹرک دکھائی دیں۔ وہ خود تو اوپر نہ جاتی تھی' مگر چونکہ نیچے فلور پر امی رہتی تھیں اس لیے بڑی بھابھی بلا دھڑک جب دل چاہتا نیچے آن وارد ہوتیں جیسے کہ ابھی۔ انہیں دیکھتے ہی ثنا نے امی کی گود سے زوہان کو لیا اور اندر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ امی نے ایک نظر اس کے تنے ہوئے چہرے پر ڈالی ضرور' مگر بولیں کچھ نہ' جبکہ بھابھی نے ایک کڑوی سی نگاہ اندر جاتی ثنا پر ڈالی اور طنزیہ انداز میں مسکرا کر جاذبہ کو مخاطب کیا۔ "تم کل سے نیچے آئی ہوئی ہو اور مجھے بتایا بھی نہیں۔"

"میں کل رات لیٹ آئی تھی۔" جاذبہ نے آہستہ سے کہتے ہوئے انہیں اپنے قریب بیٹھنے کی جگہ دی۔

"اچھا ویسے میں نے شام میں دیکھا تھا تمہیں آتے ہوئے۔" بیٹھتے بیٹھتے وہ جتانا نہ بھولیں اور اب چاہ کر بھی جاذبہ تردید نہ کرسکی۔

"بہرحال اب اوپر آجاؤ' میں نے تمہارے لیے لنچ تیار کردیا ہے ہم کھانا ساتھ ہی کھائیں گے۔" جاذبہ نے فوراً" پلٹ کر اپنی امی پر ایک نظر ڈالی جو بڑی بھابھی میں پیدا ہونے والی اس تبدیلی پر حیرت سے مسکرا رہی تھیں۔

"امی آپ بھی جاذبہ کے ساتھ اوپر ہی آجائیں۔" اب مزید انکار کی گنجائش نہ تھی ورنہ بھابھی ناراض ہوجاتیں اور یقیناً" ان کی ناراضی جاوید بھائی کو اچھی نہ لگتی۔

"ٹھیک ہے بیٹا تم جاؤ میں ابھی نہا کر آرہی ہوں۔" امی تخت سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور پھر جب وہ اور جاذبہ اوپر آئیں تو لنچ میں موجود اپنے لیے خاص اہتمام دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ پچھلے دو سالوں میں مائرہ خاص روایتی بہو بن گئی تھی اور اس حوالے سے اس کا رویہ بھی ساس اور نند سے خاصا تبدیل ہوگیا تھا۔ بظاہر وہ سابقہ خوش دلی کا دامن تھامے ہوئے تھی' لیکن یہ خاطر مدارت جو آج ایک بار پھر پوری شدت سے دکھائی دے رہی تھی وہ مفقود ہوچکی تھی اور یہ تبدیلی جاذبہ نے بھی محسوس کی یہ ہی وجہ تھی جو وہ بولے بنا نہ رہ سکی۔

"اللہ بھابھی کیا ضرورت تھی اتنا اہتمام کرنے کی' جو آپ نے اپنے لیے پکایا تھا ہم بھی وہ ہی کھالیتے۔"

"اتنا اہتمام کہاں؟ تمہیں تو اچھی طرح علم ہے'

میں جب بھی کسی کو اپنے گھر کھانے پر انوائٹ کرتی ہوں ایسا ہی اہتمام ہوتا ہے' میرے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں۔" اتنا کہہ کر وہ ڈائننگ ٹیبل پر برتن سجانے لگیں جبکہ جاذبہ خاموش ہو گئی' جانتی تھی کہ بھابھی سچ کہہ رہی ہیں وہ اور جاوید بھائی لوگوں کو دعوتیں کھلانے کے بے حد شوقین تھے' کرکٹ میچ ہوتا تو بھی بھابھی کا پورا خاندان یہاں جمع ہوتا اور ان کی تواضع انواع و اقسام کے کھانوں سے کی جاتی۔ خاندان میں کسی کی بھی شادی ہو' دولہا دلہن کے ساتھ خاندان کے تقریباً" سو یا پچاس لوگ بھی ساتھ ہی انوائٹ ہوتے یہاں تک کہ اگر بھابھی اپنے گھر کوئی نئی چیز خرید کر لاتیں تو بھی روز کسی نہ کسی کی دعوت کی جاتی تاکہ سب کو پتا چل سکے کہ مائرہ کے گھر فلاح فرنیچر یا کراکری کا اضافہ ہوا ہے۔

جو بھی تھا جاذبہ کو تو بچ میں حیرت ہوتی کہ بھابھی ہر دن اتنے لوگوں کا اہتمام کر کس طرح لیتی ہیں اور ظاہر ہے کہ جب یہ دعوتیں ہوتیں' ثنا بھی ہمیشہ اوپر ہی پائی جاتی اور خوب انجوائے کرتی۔ یہ ہی وجہ تھی جو پچھلے دو ماہ کی ناراضی نے کم از کم ثنا کو بور ضرور کر دیا تھا کیونکہ ان دو ماہ میں بھابھی کے گھر کئی دعوتیں ثنا کی شرکت کے بنا انجام پا چکی تھیں۔ جیسے کہ ابھی بھی وہ نیچے تنہا تھی۔ یہ ہی سوچ کر کھانے کے فوراً" بعد امی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اچھا بھئی میں چلوں نیچے زوہان ثنا کو تنگ کر رہا ہوگا۔"

"بیٹھ جائیں' میں چائے بنا رہی ہوں پی کر جایئے گا اور ویسے بھی آپ نے ثنا کی اولاد پالنے کا ٹھیکہ تھوڑی لے رکھا ہے' خود سنبھالے اپنے بچے کو۔ ننھی کا کی تھوڑی ہے جو بچہ نہیں سنبھالا جا رہا۔"

"میں ثنا کا نہیں اپنے بیٹے کا بچہ سنبھالتی ہوں۔" امی کے ٹھنڈے لہجہ میں خفگی چھپی ہوئی تھی۔

"اتنی تو وہ اپنے بچے کی فکر نہیں کرتی جتنی آپ کو ہے۔" اب بڑی بھابھی ناراض دکھائی دے رہی تھیں ان کی ناراضی کے خیال سے امی دوبارہ واپس بیٹھ گئیں اور پھر بڑی بھابھی نے ان دونوں کو ایسا اپنی خوش گوار گفتگو میں الجھایا کہ ثنا بالکل دماغ سے نکل گئی اور مغرب کے بعد جب وہ دونوں نہایت اطمینان سے نیچے اتریں تو ثنا کے کمرے کو تالا لگا ہوا تھا' شاید وہ بھی جاذب کے ساتھ کہیں باہر چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

حسب روایت بڑی بھابھی کے گھر آج بھی دعوت تھی' جس کا اندازہ باہر سیڑھیوں سے آتے جاتے لوگوں کی آواز سے ہو رہا تھا جب سے امی مغرب کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں یہ آمدورفت اس وقت سے جاری تھی وہ ان ہی سوچوں میں گم تھی۔ جب بیرونی دروازہ کھول کر جاذب اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم امی۔!"

"وعلیکم السلام بیٹا! خیر ہے؟ آج تو جلدی گھر واپس آگئے۔" جاذب عام طور پر آٹھ بجے تک گھر آتا جبکہ ابھی تو صرف سات ہی بجے تھے۔

"ہاں ثنا کی طبیعت کچھ خراب تھی اس کا فون آیا تھا اس لیے سوچا ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں۔" انہیں یاد آیا' ثنا کو آج صبح سے ہی شدید نزلہ اور کھانسی ہو رہی ہے اس سے قبل کہ وہ کوئی جواب دیتیں باہر کا دروازہ کھول کر زیرک اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم چاچو۔!" جاذب پر نظر پڑتے ہی وہ اسے سلام کیے بنا نہ رہ سکا حالانکہ مما کی جانب سے سخت ممانعت تھی کہ چاچا یا چاچی میں سے کسی سے بھی بات نہیں کرنی۔

"وعلیکم السلام ہیرو' خیر تو ہے آج تو بڑے تیار نظر آرہے ہو۔"

"جی! آج ہمارے گھر دعوت ہے۔"

"بیٹا یہ کون سی نئی بات ہے وہ تو روز ہوتی ہے' تمہاری امی کو سوائے دعوتوں کے اور کوئی کام آتا بھی تو نہیں۔" یہ ثنا تھی جو زیرک کی آواز سن کر کچن سے باہر نکل آئی تھی بظاہر مسکراتی ہوئی' لیکن لہجہ طنز میں ڈوبا ہوا۔ امی نے نظروں ہی نظروں میں اسے گھر کا' مبادا

مزید کوئی ایسی بات نہ کردے، جو گھر میں بدمزگی پیدا کرنے کا باعث بنے۔

"کس کی دعوت ہے؟" زیرک کی توجہ ثنا سے ہٹانے کے لیے امی نے بڑے پیار سے سوال کیا۔

"پتا نہیں ممانی کی کوئی کزن انگلینڈ سے آئی ہیں، ان کی دعوت ہے اور ساتھ ہی ماموں اور خالہ کی فیملی بھی ہے۔ ممانی نے کہا ہے کہ آپ بھی اوپر آجائیں آپ کی بھی دعوت ہے۔" ماں کا پیغام دادی تک پہنچا کر وہ وہاں رکا نہیں تیزی سے باہر نکل گیا شاید اسے خدشہ تھا کہ اب چاچی مزید کوئی بات نہ کردیں۔

"میری سمجھ میں آج تک ایک بات نہیں آئی!" یہ جاذب تھا جو ماں کی طرف فکرمندی سے دیکھتا ہوا بولا۔

"جاوید بھائی اپنی ساری آمدنی ان دعوتوں میں اڑا دیتے ہیں کیا انہیں احساس نہیں کل کو جوان ہوتے اپنے بچوں کے لیے کیا بچایا ہے، کم از کم آپ تو انہیں یہ بات سمجھائیں کہ اپنا پیسہ محفوظ کریں کیوں بلاوجہ کے اس اسراف میں اپنی محنت کی کمائی لٹا رہے ہیں۔"

جاذب کو اپنے بھائی کا یہ دکھ ہمیشہ سے ہی رہا۔

"وہ کوئی بچہ نہیں ہے اب ماشاء اللہ دو بچوں کا باپ ہے اسے پتا ہونا چاہیے کہ باپ کے بنائے ہوئے گھر میں اگر وہ خود رہ رہا ہے تو اپنے بچوں کو بھی کم از کم ایسا ایک گھر ہی بنادے، مگر اس کے دماغ میں تو وہ ہی سوچ سما گئی ہے جو مائرہ نے بھر دی۔" امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے جواب دیا۔

"اور مائرہ بھابھی کا کہنا یہ ہے کہ لوگوں کو کھلانے سے رزق میں برکت ہوتی ہے اور یہ ہی بات ہمیشہ جاوید بھائی بھی کہتے ہیں۔" چونکہ ثنا نے چار سال ان کی قربت میں گزارے تھے اس لیے وہ مائرہ کے تمام خیالات و نظریات سے واقف تھی۔

"ثنا صحیح کہہ رہی ہے کیونکہ میں نے جب بھی جاوید کو سمجھانے کی کوشش کی وہ بھی ہمیشہ یہ ہی جواب دیتا ہے کہ دوسروں کو کھلانے سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔"

"حد ہے یار اگر اتنا ہی شوق ہے دوسروں کو کھلانے کا تو کہیں کوئی دسترخوان لگادیں جہاں غریب آدمی ایک وقت کھانا کھا کر ان کے حق میں کم از کم دعا ہی کردے یہاں تو جو کھا کر جاتا ہے وہ کبھی دعا نہیں دیتا ہوگا۔"

"انہیں دعاؤں سے زیادہ تعریفوں کی ضرورت ہے جو وہ اس دعوت کے بہانے سمیٹتی ہیں۔"

"ظاہر ہے تمہاری بیسٹ فرینڈ ہونے کا اعزاز رکھتی ہیں تو یقیناً تم ہی ان کی تمام عادتوں سے اچھی طرح واقف ہوگی۔" جاذب کا ارادہ طنز کرنے کا نہ تھا مگر پھر بھی جملہ طنزیہ ہوگیا اور اس سے قبل کہ ثنا اسے کوئی کرارا سا جواب دیتی بیرونی دروازہ کھول کر جاوید بھائی اندر داخل ہوئے۔

"کمال ہے امی اوپر مائرہ آپ کا انتظار کررہی ہے اور آپ یہاں مزے سے بیٹھی ہیں۔"

"ارے میں تو بھول ہی گئی۔۔۔" وہ جاوید کی جانب دیکھ کر بولیں۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگانا چاہتی تھیں کہ کہیں جاوید نے ان لوگوں کی کوئی بات تو نہیں سن لی، مگر وہ بالکل نارمل دکھائی دے رہا تھا۔

"تم لوگ بھی آجاؤ اوپر۔" امی کے باہر نکلتے ہی وہ جاذب کی جانب پلٹے، بالکل ایسے جیسے انہیں کئی ماہ سے گھر میں چلنے والی کسی چپقلش کا علم ہی نہ ہو اور ان کے ایک دم اس طرح مخاطب کرنے سے جاذب تھوڑا سا گھبرا گیا، سمجھ ہی نہ آیا کہ کیا جواب دے اور پھر اس کی یہ مشکل بروقت ہی ثنا نے حل کردی۔

"سوری جاوید بھائی، میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے ہم قریبی کلینک تک جارہے ہیں۔"

"اچھا چلو جیسے تمہاری مرضی۔" وہ ثنا پر احسان کرتے ہوئے بولے۔

"بہرحال کھانا مت کھانا میں زیرک کے ہاتھ بھیج دوں گا۔"

"جی ضرور۔۔۔" نا چاہتے ہوئے بھی اسے کہنا پڑا۔

"میں تو کبھی بھی ان کے گھر کا کھانا نہ کھاؤں۔" جاوید بھائی کے باہر نکلتے ہی وہ جاذب سے مخاطب ہوئی۔

"تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے تمہاری بھابھی تمہارے لیے خوان سجا کر نیچے بھیجنے والی ہیں۔ ڈیئر مسز آپ نے ہی کسی زمانے میں مجھے بتایا تھا کہ جاوید بھائی اپنی بیوی کی مرضی کے بغیر ایک انچ کسی چیز کو ہٹانے کے مجاز نہیں اور شاید یہ بھی کہ جس سے بھابھی ناراض ہوں اسے منہ لگانے کی ہمت بھائی میں نہیں۔" کسی زمانے میں اس کے نزدیک یہ بھابھی کی خوبیاں تھیں اور وہ ہمیشہ جاذب کو جتلایا کرتی کہ بھائی کو اپنی بیوی سے کس قدر محبت ہے' مگر آج ان ہی باتوں کو یاد کر کے اس کا حلق نہ صرف کڑوا ہو گیا' بلکہ غصہ کی ہلکی سی جھلک چہرے پر بھی آگئی۔

"صحیح تو کہا تھا عجیب زن مرید آدمی ہیں آپ کے بھائی' بیوی کی انگلی پر ناچنے والے۔"

رشتہ میں دراڑ پیدا ہوتے ہی لہجہ بھی تبدیل ہو گیا کل تک ان سب باتوں کے ساتھ بھابھی دنیا کی خوش نصیب عورت تھیں جبکہ آج وقت کے کروٹ بدلتے ہی ان ہی پرانی باتوں کے ساتھ جاوید بھائی زن مرید ٹھہرے' سچی بات ہے' ہمیں سامنے والا شخص ہمیشہ ویسا ہی دکھائی دیتا ہے' جیسا ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔

"سوچ لو کل تک وہ دنیا کے بہترین آدمی تھے جس کا موازنہ تم نے ہمیشہ مجھ سے کیا۔"

جاذب شاید آج ہر حساب برابر کرنے کے موڈ میں تھا۔

"بے وقوفی تھی میری ورنہ مرد ہمیشہ مرد ہی کی جگہ پر اچھا لگتا ہے۔" شرمندگی کے ساتھ ساتھ اس کے لہجہ میں ایک مان بھی تھا جو اس لمحہ جاذب کو اچھا لگا' اور پھر جب وہ اسے اپنے ساتھ کلینک لے کر آیا تو واپسی میں کھانا بھی باہر سے ہی کھا لیا کیونکہ جانتا تھا کہ بھائی کا کیا ہوا وعدہ محض وعدہ ہی تھا' جو وہ اپنی بیوی کی شکل دیکھتے ہی یقیناً" بھول گئے ہوں گے اور ایسا ہی ہوا جب وہ واپس آئے تو امی اپنے کمرے میں سو چکی تھیں اور فریج میں کوئی ایسے آثار موجود نہ تھے' جس سے اندازہ ہوتا کہ کسی نے ان کے لیے کھانے کے نام پر ذرہ بھر بھی کچھ بھیجا ہو۔

☆ ☆ ☆

آج جاذبہ کے گھر میلاد تھا جس میں شرکت کے لیے ثنا کا دل بالکل نہ چاہ رہا تھا وجہ وہ ہی بڑی بھابھی' جس کے گرد جاذبہ کا سارا سسرال ایسے پھرتا جیسے وہ کوئی شہد کا چھتا ہوں اور باقی سب مکھیاں۔ وجہ وہ ہی مشہور عام ان کی خوش اخلاقی اور مہمان نوازی' جس کی بنا پر انہیں ہمیشہ ہر جگہ مہمان خصوصی کی حیثیت خود بخود حاصل ہو جاتی۔ پچھلے سال تک' ان کی بدولت یہ اعزاز ثنا کو بھی حاصل رہا تھا' کیونکہ وہ دونوں خاندان کے ہر فنکشن میں اس طرح ساتھ ساتھ ہوتیں کہ اکثر لوگ انہیں آپس میں سگی بہنیں ہی سمجھتے اور بھابھی کے ساتھ ساتھ یہ عزت اس کو بھی ملتی جبکہ اس نے تو آج تک کبھی کسی کو اپنے گھر دعوت پر انوائٹ نہ کیا تھا جس کی وجہ امی اور جاذب تھے' جو ایسی دعوتوں کو فضول گردانتے جبکہ بھابھی ان معاملات میں آزاد تھیں ان پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی ابھی وہ ان سوچوں میں گم تھی جب اسے امی نے پکارا۔

"چار بج گئے ثنا تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔" ثنا نے دیکھا امی کپڑے تبدیل کر چکی تھیں جبکہ میلاد تو پانچ بجے شروع ہونا تھا اور اس کا ارادہ چھ بجے تک جانے کا تھا۔

"بس ابھی ہو رہی ہوں۔" ناچار کہتے ہوئے وہ تیار ہونے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ میلاد میں اس نے امی کے ساتھ ہی جانا تھا جبکہ جاذب نے سیدھا آفس سے رات وہاں پہنچنا تھا۔ اس سے قبل وہ دونوں ساس بہو بھابھی کے ساتھ ان کی گاڑی میں جاتیں' کیونکہ وہ اپنی گاڑی خود ڈرائیو کرتی تھیں جبکہ آج تو ایسا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کہ وہ مائرہ بھابھی کی گاڑی میں بیٹھتی اور نہ ہی انہوں نے لے کر جانا تھا یہ ہی سوچ کر وہ امی سے پوچھ بیٹھی۔

"ہم دونوں ٹیکسی میں جائیں گے؟"

"نہیں' میں نے جاذبہ کو فون کر دیا ہے اس کا ڈرائیور آرہا ہے۔" شکر ہے امی اس کا ہر مسئلہ بنا کے

سمجھ جاتی ہیں ورنہ تو یقیناً اس سے بہت مشکل ہوتی لیکن میلاد میں پہنچتے ہی وہ مزید مشکلات میں گھر گئی جب اسے وہاں جاکر احساس ہوا کہ یہاں صرف ایک ہی ہستی کی اہمیت ہے اور وہ ہے بڑی بھابھی' سب سے پہلے جاذبہ کی نند آئیں' گلے ملتے ہی حیرت سے یہاں وہاں دیکھا۔

"مائرہ بھابھی نہیں آئیں؟"

"نہیں وہ تھوڑا لیٹ آئیں گی۔"

"تم دونوں کی دوستی ہوگئی؟"

مطلب وہ ہر بات سے آگاہ تھیں ثنا خواہ مخواہ شرمندہ ہوگئی۔

ثنا کے پاس کوئی جواب نہیں تھا وہ خاموشی سے امی کے برابر جا بیٹھی جب تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ بڑی بھابھی اندر داخل ہوئیں' نیا سفید نیٹ کا سوٹ' دونوں ہاتھ چوڑیوں اور مہندی سے رنگے ہوئے' سفید نگینوں کے بڑے بڑے بندے اور سرخ لپ اسٹک' بلکہ ثنا سادے سے بلیک شیفون کے سوٹ میں ہلکی سی سلور جیولری پہنے ہوئے تھی' اس وقت اسے بڑی بھابھی وہاں موجود ہر خاتون سے الگ ہی دکھائی دیں جیسے کسی اور سیارے کی مخلوق ہوں' ہاں البتہ اتنا ضرور ہوا کہ انہیں دیکھتے ہی سب آگے بڑھے' خوب پذیرائی سے انہیں لے جاکر اسٹیج کے سامنے والی کرسیوں میں سے ایک پر بٹھا دیا گیا۔ یقیناً" یہ ان دعوتوں کا کرشمہ تھا جو وہ کسی نہ کسی بہانے کرتی رہتی تھیں اور شاید کوئی بھی ان مفت کی دعوتوں سے محروم نہ ہونا چاہتا تھا' یہ ہی سوچ کر ثنا مسکرا دی جب جاذبہ کی نند کی بڑی بیٹی اس کے پاس آن بیٹھی۔

"آپ مائرہ آنٹی سے کافی مختلف ہیں۔ آپ کافی ڈیسنٹ ہیں اور ماشاء اللہ خوب صورت بھی ہیں' سچ بتاؤں مجھے آپ بہت پسند ہیں۔"

ایک دم ہی ثنا کا دل خوشی سے لبریز ہوگیا' دل چاہا ابھی اٹھ کر ناچنے لگے' بنا کسی محنت کے حاصل ہونے والی چھوٹی سی تعریف اسے اتنی بھائی کہ مانو ساری کوفت دور ہوگئی۔

"بہت شکریہ تمہاری اتنی تعریف کا۔"

"نہیں جاذبہ مامی کے ساتھ آپ کے گھر آؤں گی۔"

وہ زوہان کو اس کی گود سے لیتے ہوئے بولی۔ ثنا نے ایک دم دور بیٹھی مائرہ بھابھی کو دیکھا جو اتنے فاصلے سے بھی اسے عجیب نظروں سے گھور رہی تھیں اور پھر وہ تمام فنکشن میں سوہا کے ساتھ ہی رہی' جو اس کی پہلے سے زیادہ دیوانی ہوگئی۔ بڑی بھابھی سے ابھی ابھی ثنا نے ایک اور سبق سیکھ لیا تھا اور اب اس کا ارادہ نئے سیکھے ہوئے سبق پر عملی جامہ پہنانے کا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ زہر کا تریاق ہمیشہ زہر سے ہی کرنا چاہیے یہ سوچ کر وہ سارا وقت دل ہی دل میں مسکراتی رہی۔

☆ ☆ ☆

"میں زوہان کی سالگرہ کا ایک اچھا سا فنکشن کرنا چاہتی ہوں۔" اتنے سالوں میں پہلی بار اس نے کوئی فرمائش کی تھی' ورنہ شادی کے شروع سال بڑی بھابھی کی ضد میں آکر وہ جو جاذب سے بلا ضرورت فرمائشیں کرتی تھی وہ کافی عرصہ سے تقریباً" ختم ہوگئی تھیں۔

"گھر میں اتنی جگہ کہاں جہاں تم سو پچاس لوگ جمع کرسکو۔ بھابھی کے استعمال میں تو چھت رہتی ہے اب ہم کیسے ایک فلور چھوڑ کر اوپر چھت پر جائیں۔"

بات تو جاذب کی بھی درست تھی۔

"بات تو صحیح ہے پر میرا خیال ہے ہم کوئی چھوٹا سا ہال بک کروالیتے ہیں۔ میری ایک کمیٹی بھی اسی ماہ نکلنے والی ہے' آپ چاہو تو مجھ سے وہ پیسے بھی لے لینا۔"

"پیسوں کی تو خیر مجھے ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال میں دیکھتا ہوں کیا کرنا ہے۔" اور پھر جاذب نے نہ صرف ایک اچھا سا ہال بک کروایا بلکہ فنکشن کے لحاظ سے اسے' امی اور زوہان کی شاپنگ بھی کروادی۔ وہ جاذبہ آپا کا سوٹ بھی خرید کرلے آئی جسے دیکھ کر امی کی خوشی مزید بڑھ گئی جس کا اظہار ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر با آسانی لگایا جاسکتا تھا' اب اگلا مرحلہ مہمانوں کی لسٹ بنانے کا تھا جس میں جاذبہ کے پورے

سسرال کا نام لکھا گیا۔

"میرا خیال ہے جاوید بھائی کو بھی کہہ دیتا ہوں وہ اور دونوں بچے آجائیں۔" لسٹ بناتے ہوئے جاذب نے اس سے مشورہ لیا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں آپ کا دل چاہے تو بے شک کہہ دیں مگر وہ آئیں گے نہیں۔"

"میرا فرض دعوت دینا ہے آنا یا نہ آنا ان کا اپنا ذاتی مسئلہ ہے۔" اور پھر جاذب نے گھر کے باہر ہی جاوید بھائی کو پکڑ لیا اور دعوت دے ڈالی۔ اتوار والے دن زوہان کی سالگرہ ہے آپ اور بچے ضرور آئیے گا۔

"اچھا کہاں گھر پر۔"

"نہیں کریسنٹ لان بک کروایا ہے' گھر میں اتنی جگہ کہاں۔"

"تو پھر ایسا کرو ثنا سے کہو اوپر جاکر مائرہ کو دعوت دے کر آئے' ایسے میں کیسے آسکتا ہوں۔"

"آپ جانتے ہیں بھائی' وہ دونوں آپس میں ناراض ہیں اس لیے ظاہر ہے ثنا اوپر نہیں جائے گی۔"

"تو پھر میں کیسے آسکوں گا؟" وہ عجیب بے بسی سے بولے۔

"میں نے آپ کو دعوت اپنا بھائی سمجھ کر دی ہے۔"

"ہاں تو یار مائرہ بھی تمہاری بھابھی ہے' ثنا نہیں جاتی تو نہ جائے تم چھوڑو اسے' ضروری نہیں ہے بیوی کی ہر بات مانی جائے اور ویسے بھی بیوی کے پیچھے بہن بھائی کون چھوڑتا ہے۔" جاذب کا دل چاہا یہی سوال وہ ان سے کرے کہ پچھلے چار ماہ سے آپ نے خود اپنی بیوی کے پیچھے بھائی اور بھابھی کو چھوڑ رکھا تھا وہ کیا ہے؟ ان چار ماہ میں اوپر کوئی چالیس فنکشن ہوئے جن میں ان دونوں کے سوا خاندان کا ہر فرد شریک تھا تب تو کسی کو کوئی احساس نہیں ہوا اب ایک ہی پل میں انہیں اپنی بیوی کا احساس ستانے لگا۔

"سوری بھائی' یہ عورتوں کا ذاتی مسئلہ ہے جس سے میرا اور آپ کا کوئی تعلق نہیں' آپ کو میری طرف سے دعوت ہے دونوں بچوں کو لے کر آجائیے گا۔" یہ کہہ کر جاذب وہاں رکا نہیں' اور تیز تیز چلتا آگے کی جانب بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

سالگرہ کا فنکشن ثنا کی سوچ سے بڑھ کر بہترین ثابت ہوا' جاذب کے پورے سسرال نے شرکت کی' جاذب نے کھانا اور کیک بڑے دل سے بنوایا اور سچی بات تو یہ تھی کہ فنکشن میں ثنا بہت خوب صورت دکھائی دے رہی تھی۔ فان کلر کی شیفون کی میکسی میں اس کی گوری رنگت خوب دمک رہی تھی' جس کی تعریف ہر فرد نے کی' البتہ اسے جاذب کچھ پریشان اور بے چین سا دکھائی دیا ایک دوبار اس نے دیکھا امی اور جاذب ایک دوسرے کے کانوں میں گھسے کچھ بات کررہے تھے اور پھر جاذب نے کئی بار فون پر کوئی نمبر ڈائل کیا اور ہر بار جب اس نے فون بند کرکے جیب میں رکھا وہ پہلے سے بھی زیادہ مایوس نظر آیا' کئی بار دیکھنے کے بعد ثنا سے برداشت نہ ہوا اور وہ آہستہ آہستہ چلتی اس کے قریب آگئی۔

"کیا بات ہے جاذب کوئی پریشانی ہے۔"

"نہیں یار' جاوید بھائی کا فون آیا تھا۔" کچھ کہتے کہتے رک کر اس نے بیوی کی شکل دیکھی۔

"خیریت تھی؟" ثنا بھی جاذب کا جواب سن کر تھوڑا سا حیران ہوتے ہوئے بولی۔

"کہہ رہے تھے کہ مائرہ بھابھی ناراض ہورہی ہیں کہ میں نے ہمیشہ جاذب کو اپنا بھائی سمجھا اور آج بیوی کے پیچھے اس نے بھی مجھے چھوڑ دیا۔" جاذب کے اس جواب نے ثنا کو حیرت کے سمندر میں غوطہ زن کردیا۔

"مزید یہ کہ وہ رو رہی تھیں۔" حیرت صد حیرت' دنیا کے اتنے رنگ آج ثنا نے دیکھے اور ایسے دیکھے کہ مارے حیرت اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا' اسے اس سمے جاذب کے چہرے پر پھیلی بے چینی سخت بری لگی۔

"اچھا تو آپ اپنی بھابھی کو منانے جارہے ہیں؟"

"نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اگر تم انہیں فون....."

"پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے۔ جو ان جیسی گھٹیا عورت کو فون کروں جو ہر پل اور ہر جگہ میری کردار کشی کرتی رہیں میں خاموش رہی' خود پچھلے ہفتہ گھر میں میلاد اور قرآن خوانی کی تو ہم یاد نہ آئے۔ آج جو دیکھا کہ انہیں چھوڑ کر سارا خاندان یہاں جمع ہے تو تکلیف شروع ہو گئی۔"

ثنا کی بات سو فیصد درست تھی' جاذب تھوڑا سا شرمندہ ہو گیا اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے ایک طرف بھائی اور دوسری طرف بیوی' ظاہر ہے بھائی کے بغیر تو گزارہ ہو سکتا تھا مگر بیوی کے بنا نہیں' یہ ہی سوچ کر جاذب نے ناراض کھڑی ثنا کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"جانے دو یار' ہمیں کیا' ان کا جو دل چاہے بولتی رہیں' مجھے تو تم پر بھروسا ہے نا اور یہی کافی ہے۔" اور پھر اس کے بعد جاذب نے کوئی بات نہ کی' لیکن رات جب فنکشن کے بعد وہ سب ہنسی خوشی گھر واپس آئے تو اوپر والے فلور پر پھیلی تلخی اور گرمائش نے نیچے تک اپنے ڈیرے ڈال رکھے تھے' اور اس دن چار ماہ میں پہلی بار ثنا کو دلی سکون نصیب ہوا' بڑی بھابھی کے دل میں جلتی آگ سے اسے اوپر سے نیچے تک ٹھنڈا کر دیا' ہاں البتہ اس سالگرہ کا خمیازہ امی کو کچھ اس طرح بھگتنا پڑا کہ کئی دن تک جاوید بھائی نہ صرف ان سے ناراض رہے بلکہ مائرہ نے بھی اوپر کا گیٹ ایسے بند کیا کہ چاہ کر بھی وہ بے چاری اوپر نہ جا سکیں جبکہ بقول جاوید کے کہ وہ جب رو دھو رہی تھیں کہ میں تم سب لوگوں کا اتنا خیال کرتی ہوں اور تم لوگ محض ثنا کے پیچھے لگ کر مجھے اس طرح چھوڑ گئے جیسے جانتے بھی نہ تھے۔ اور پھر ثنا کو یہ بھی پتا چلا کہ ان کی خواہش تھی کہ جب تک مائرہ بھابھی سے ثنا معافی نہ مانگتی خاندان میں سے کوئی بھی زوہان کی سالگرہ میں شریک نہ ہو تا بھابھی کی اس عجیب و غریب خواہش نے ثنا کے دل سے ان کی رہی سہی عزت بھی ختم کر دی۔

☆ ☆ ☆

آج پورے پندرہ دن بعد بڑی بھابھی کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو زیرک نیچے امی کو بلانے آگیا جو بہو کا بلاوا ملتے ہی چپل پہنے بھاگم بھاگ اوپر جا پہنچیں' تو ثنا نے بھی شکر ادا کیا کیونکہ پچھلے پندرہ دنوں سے امی کو دیکھ کر دل ہی دل میں افسوس ہو رہا تھا کہ بے چاری بلاوجہ دونوں بہوؤں کے درمیان پس رہی تھیں' کیونکہ پچھلے پندرہ دن بھابھی کا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچا رہا جب بھی وہ اوپر سے نیچے اترتیں یا نیچے سے اوپر جاتیں سمجھو پوری بلڈنگ ہل جاتی' اوپر وہ اٹھ پٹخ ہوتی رہی کہ کئی بار ثنا کو ایسا محسوس ہوا کہ کسی دن جاوید بھائی کو ہی اوپر سے نیچے نہ پھینک دیں' یہاں تک کہ دونوں بچوں نے بھی ماں کے خوف سے چاچی تو ایک طرف' دادی کو بھی سلام نہ کیا۔ بھابھی کا مزاج ایسا برہم رہا کہ سمجھو اللہ کی پناہ' اوپر جو بچوں کو ڈانٹتیں تو آواز نیچے ایسے آتی جیسے سب باتیں انہیں سنائی جا رہی ہوں۔ پھر آہستہ آہستہ ان کے گرم مزاج کا موسم تھوڑا سرد ہونے لگا اور ہلکی سی خوشگوار ہوائیں چلنے لگیں جس کا پہلا ثبوت زیرک نے اس دن اسکول سے واپسی پر ثنا کو سلام کر کے دیا' حالانکہ وہ کئی دن سے اس کے پاس سے ایسے گزرتا جیسے جانتا بھی نہ ہو' اور پھر جیسے ہی زیرک کا رویہ معتدل ہوا' جاوید بھائی کو بھی جاذب کی یاد آگئی اور آج بھابھی نے اپنی ساس پر بھی رحم فرما لیا۔ یعنی ماحول بہتر ہو گیا اور قصہ ختم۔ ثنا نے اطمینان سے کھانا بنایا اور پھر جب وہ زوہان کو سلا کر باہر نکلی تو امی واپس آگئی تھیں اور لاؤنج میں جانے کن سوچوں میں گم تھیں۔ "آپ آگئیں؟" انہیں متوجہ کرنے کے لیے ثنا نے پکارا۔

"ادھر آؤ ثنا تم سے ایک بات کرنی ہے۔" وہ خاموشی سے ان کے قریب جا بیٹھی۔

"بیٹا ایک بات پوچھوں تم سے اگر تم برا نہ مانو؟" امی کچھ پوچھتے ہوئے جھجک رہی تھیں۔

"جی امی ضرور۔" اس کا دل کھٹک گیا جس کی وجہ امی کا لہجہ تھا۔

"بیٹا یہ عماد کون ہے؟"

"وہ......" وہ جانتی تھی کہ بڑی بھابھی نے جہاں اس کا پہلے کوئی راز نہیں رکھا تو یقیناً "اب بھی نہیں

رکھیں گی اس لیے کچھ چھپانے کا فائدہ نہ تھا۔

"امی میرا کلاس فیلو تھا اور جاذب سے پہلے اس کا رشتہ میرے لیے آیا تھا جس کا ذکر میں نے بھابھی سے کردیا تھا؟"

"لیکن میں نے تو سنا ہے کہ۔۔۔" امی مزید کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔

"آپ نے اس کے علاوہ جو بھی سنا وہ غلط ہے' اور یقیناً" بڑی بھابھی کا پھیلایا ہوا شر ہے' اس سے زیادہ میں آپ سے کچھ نہیں کہوں گی' کیونکہ میں اپنے اور عماد کے متعلق ہر بات جاذب کو بتا چکی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس وقت اس کا دل پوری شدت سے چاہا کہ اوپر جا کر بڑی بھابھی کا سر پھاڑ دے مگر جانتی تھی کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ بلاوجہ بات بڑھے گی اور انہیں باتیں کرنے کا مزید موقع ملے گا یہ ہی سوچ کر خون کے گھونٹ بھر کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

رمضان شروع ہوگئے' اس کے ساتھ ہی خاندان بھر میں افطار پارٹی کی لہر دوڑ گئی' جس کی ابتدا بڑی بھابھی کے فلور سے ہوئی' افطاری کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں ڈنر کا بھی بھرپور اہتمام تھا۔ اس کے بعد جاذبہ کے گھر افطار تھی اور پھر اس کی دیورانی کے گھر۔ بڑی بھابھی نے حسب روایت اسے اور جاذب کو چھوڑ کر سب کو انوائٹ کر رکھا تھا جبکہ جاذب کو تو جاوید بھائی نے عین افطار کے ٹائم فون بھی کیا تھا' مگر اس نے سہولت سے منع کردیا' ویسے بھی گھر میں پھیلے شور شرابے میں تنہا افطار کرتی ثنا اسے ذرا نہ بھائی اور وہ اسے لے کر اپنے ساتھ باہر افطار کرنے آگیا تھا اور یہ ہی بات اس نے جاوید بھائی سے بھی کہہ دی جس کا جواب دیے بنا انہوں نے فون بند کردیا۔

"دیکھا آپ نے' آج خود اوپر سارا خاندان جمع ہے اور نیچے مجھے پوچھا تک نہیں اور زوہان کی برتھ ڈے پر کس قدر اچھل رہی تھیں۔"

"تمہاری بہنوں جیسی جٹھانی تھیں اس لیے میں کوئی ریمارک پاس نہیں کرسکتا۔" جاذب مسکراتے ہوئے بولا۔

"پتا نہیں کیوں بھابھی مجھ سے ہمیشہ جیلس ہی رہیں' جس کا اندازہ مجھے پہلے بھی ہوچکا تھا' مگر یہ سوچ کر کہ گھر کا ماحول خراب نہ ہو میں برداشت کرتی رہی۔"

"نہ صرف برداشت بلکہ تم تو مکمل طور پر ان کے رنگ میں رنگتی جارہی تھیں' وہ تو جانے اللہ تعالیٰ کو میری کون سی بات پسند آگئی جو تمہیں بھابھی کے چنگل سے آزاد کروادیا۔"

"اچھا ہر وقت طعنے مت مارا کریں۔" اپنی جھینپ مٹانے کے لیے اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے جاذب کو ٹوکا' جبکہ جواباً" وہ صرف مسکراتا رہا۔

"میں کھانے کے بعد کافی لوں گی۔" جاذب جانتا تھا کہ ثنا کو چائے بالکل پسند نہیں وہ عام طور پر کافی کی دیوانی تھی اس کے ساتھ ہی اسے ایک پرانی بات یاد آگئی' جس کے یاد آتے ہی وہ بولے بنا نہ رہ سکا۔

"ایک بات تو بتاؤ ڈیئر وائف۔"

"اس سال تمہیں سردیوں میں لذیذ کافی کون بنا کر پلائے گا؟" اس نے مسکراتے ہوئے ثنا کی ایک اور دکھتی رگ پکڑی۔

"ساشے خرید لوں گی اس سے بہت اچھی کافی بن جاتی ہے۔" سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس نے اگنور کردیا' اور جاذب ہنس دیا۔

"بھابھی کے ہاتھ کا ذائقہ ساشے میں کہاں؟"

"اب تو ماں کے ہاتھ کے ذائقے بھی ڈبوں میں آگئے ہیں بھابھی تو دور کی بات ہے۔" ثنا کا ارادہ بالکل چڑنے کا نہ تھا جس کا اندازہ جاذب نے لگا لیا اور پھر انہوں نے نہایت خوشگوار ماحول میں ڈنر کے بعد کافی پی اور جب گھر آئے تو امی ان ہی کی منتظر تھیں اور پھر وہ عشا پڑھ کر سوجایا کرتی تھیں یہ ہی وجہ تھی جو انہیں لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کر جاذب حیران رہ گیا۔

"خیریت ہے امی' طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟"

"ہاں بیٹا دراصل تم دونوں کو ایک بات بتانی تھی سوچا ابھی بتادوں ایسا نہ ہو صبح ہوتے ہی ذہن سے نکل

جائے۔"

"جی بولیں۔" وہ دونوں امی کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔

"ہمارے گھر اگلے ہفتہ سب کی افطار پارٹی ہے۔" امی ان دونوں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے بولیں جبکہ اس سے پہلے یہ اعزاز صرف اوپر بھابھی کو ہی حاصل رہا وہ کبھی افطار کا اہتمام نہ کرتے البتہ عید والے دن جو بھی آتا وہ نیچے ہی ملنے آتا اس لیے بھابھی بھی صبح سے نیچے ہی آجایا کرتیں اور کچھ اس طرح کچن پر اپنا تسلط جماتیں کہ ہر طرف وہ ہی سب کو دکھائی دیتیں اور ثنا کہیں پس منظر میں چلی جاتی جس کا اسے پہلے کبھی احساس بھی نہ ہوا تھا۔

"میں نے سوچا خاندان میں ہر طرف سب کو مائدہ کا سگھڑاپا نظر آتا ہے تو کیوں نہ انہیں بتایا جائے کہ ہماری ثنا بھی کچھ کم نہیں۔"

شاید بھابھی کے ساتھ رہ کر امی بھی چالیں چلنا سیکھ گئی تھیں۔

"اس لیے میں نے آج اوپر ہی سب کو دعوت بھی دے ڈالی۔"

"اور بھابھی...." ثنا پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"اسے ابھی نہیں کہا۔"

"ایسے تو جاوید بھائی خوب ناراض ہوں گے کیونکہ یہ دعوت آپ کی طرف سے ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ماں دونوں کی سانجھی ہے۔"

"صحیح کہہ رہے ہو تم مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے اس اہتمام میں جو روپیہ خرچ ہوگا وہ کون ادا کرے گا۔؟"

"ظاہر ہے امی جاذب ہی ادا کریں گے؟" امی کے سوال نے ان دونوں کو تھوڑا حیران کر دیا یہ ہی وجہ تھی جو ثنا جلدی سے بول اٹھی۔

"تو پھر یہ حق تم دونوں کو حاصل ہے جسے دل چاہے بلاؤ اور جسے دل نہ چاہے مت بلاؤ' میری طرف سے کوئی پابندی نہیں۔" ثنا سمجھ گئی کہ آج امی کو اوپر ہونے والی تقریب میں ثنا اور جاذب کی کمی بے حد محسوس ہوئی تھی وجہ شاید زوہان کی سالگرہ پر بھابھی کا رویہ تھا جو ثنا کی طرح امی بھی نہ بھولی تھیں۔

"ٹھیک ہے امی جیسے آپ کی مرضی۔" امی کی ہاں میں ہاں ملاتے وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ زوہان سونے کے لیے بے چین ہو رہا تھا اور دوسرا زیادہ دیر سے سونے پر ثنا کے لیے سحری میں اٹھنا مشکل ہو جاتا۔

✡ ✡ ✡

وہ جاذب کے ساتھ جا کر افطاری کے لیے کافی کچھ خرید لائی' چنے' بیسن' ماش کی دال کا آٹا' قیمہ اور بھی بہت کچھ کیونکہ اس کا ارادہ ہر چیز گھر تیار کرنے کا تھا' افطاری سے ایک دن قبل جب وہ افطاری کے لیے سامان تیار کر کے فریز کر رہی تھی اچانک ہی لاؤنج کا دروزہ کھول کر بڑی بھابھی اندر داخل ہوئیں۔ ثنا نے دیکھا خلاف توقع ان کے کپڑے کافی ملگجے ہو رہے تھے جبکہ لپ اسٹک کے بنا ان کے ہونٹ عجیب سے دکھائی دے رہے تھے اور وہ چہرے سے بھی کچھ پریشان لگ رہی تھیں' مگر ثنا انہیں مکمل طور پر نظر انداز کر کے کباب بنانے میں مصروف ہو گئی جب وہ اس کے قریب آن بیٹھیں اور آتے ہی اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"مجھے معاف کر دو ثنا۔" ثنا نے دیکھا وہ رو رہی تھیں امی بھی انہیں اس طرح بلکتا دیکھ کر کچن کے دروازے پر آ کھڑی ہوئیں وہ دونوں حیران و پریشان تھیں' بن بادل برسات برسنے والی اس بارش کا نظارہ ان کے لیے انوکھا تھا۔

"کس بات کی معافی...." نہ چاہتے ہوئے بھی ثنا کو بات کرنا پڑی۔

"تم مجھ سے ناراض ہو نا تو یقین جانو مجھے ساری رات نیند نہیں آتی۔

مگر ناراض تو مجھ سے آپ ہوئی تھیں۔"

"اچھا...." بھابھی نے گیلی آنکھیں اپنے دوپٹے سے رگڑیں اور حیرت سے ثنا کے خوب صورت چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

"میں تو تم سے کبھی ناراض تھی نہیں، مجھے تو ایسا لگا جیسے تم مجھ سے بات نہیں کرنا چاہ رہیں اس لیے میں بھی خاموش ہو گئی۔" انتہائی معصومیت سے دیے گئے ان کے جواب نے ثنا کو ہکا بکا کردیا، بھابھی کو سیاست میں دلچسپی تھی یہ بات سب جانتے تھے مگر ان کی کھیلی گئی سیاسی چالوں کا ادراک ثنا پر آہستہ آہستہ ہو رہا تھا وہ دل ہی دل میں عش عش کر اٹھی اسے یقین آگیا کہ اگر بھابھی الیکشن لڑیں تو یقیناً کامیابی ان کے قدم چومے گی۔

"اور وہ جو آپ نے میرے بارے میں عجیب و غریب باتیں پھیلائی تھیں جیسے میرے اور عماد کے درمیان کوئی رابطہ ابھی بھی موجود ہو اور بھی اللہ معاف کرے پتا نہیں کیا کیا۔"

"تم نے مجھ سے کبھی سنا کہ میں نے تمہارے بارے میں کوئی بات کی ہو، یا میں نے کبھی تمہارے سامنے تمہیں برا بھلا کہا، جواب دو۔" ان کے اس سیاسی بیان کا کوئی جواب ثنا کے پاس نہ تھا اسے سمجھ نہ آیا کہ اب کیا کہے۔

"آپ بتائیں امی میں نے ثنا کی کبھی کوئی بات کی؟"

وہ فوراً" اٹھ کر امی کے پاس آئیں، اور ظاہر ہے اسی وقت ان کی کہی گئی ساری باتیں دہرا کر بلاوجہ کا کھڑاک پالنے سے بہتر تھا کہ خاموشی اختیار کی جائے سیانے سچ کہتے ہیں ایک چپ سو سکھ! لہٰذا امی ہلکا سا سر ہلا کر خاموش ہو گئیں۔

"تم سے اگر کسی نے کچھ کہا ہے تو سب غلط کہا ہے اور ویسے بھی ثنا بات ہمیشہ وہ ہوتی ہے جو آپ کے منہ پر سامنے کھڑی ہو کر کی جائے پیٹھ پیچھے تو لوگ بادشاہ کی بات بھی کر دیتے ہیں۔" ایک پرانے محاورے کے ساتھ انہوں نے ساری بات ختم کر دی اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی ثنا کو ان سے صلح کرنی پڑی کیونکہ اس کے بنا اب کوئی چارہ نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

"مانتے ہیں نا پھر مجھے؟" خوب نک سک سے تیار مائرہ بھابھی نے شیشے کے پار نظر جاوید بھائی کے چہرے پر ڈالتے ہوئے داد چاہی۔

"مجھے سمجھ نہیں آیا کہ آخر تم نے خود جا کر اس سے معافی کیوں مانگی جبکہ تم تو اس سے بہت ناراض تھیں۔"

"جانے دیں نا اب پرانی باتوں کو۔"

"لیکن مجھے آج تک ایک بات سمجھ نہیں آئی، تم آخر ثنا کے اتنا خلاف ہوئی کیوں تھیں؟"

"پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا اس دن جب وہ میرے ساتھ امی کے گھر دعوت میں گئی تو وہاں ہر شخص اس کی خوب صورتی کا گرویدہ ہو گیا تھا جو مجھے ذرا نہ بھایا یہاں تک کہ میری چھوٹی بھابھی تو کئی دن تک اس کے قصیدے گاتی رہی۔ اس لیے میں نے بہتر سمجھا کہ خود کو دوسروں کی نظروں میں حقیر کرنے سے زیادہ اچھا ہے اس خوب صورت ناگن سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔"

"اچھا تو پھر اب صلح کیوں کی؟" جاوید بھائی بھی شاید اتنے سالوں میں اپنی بیوی کے نت نئے رنگ سمجھ نہ پائے تھے اسی لیے حیرت سے بولے۔

"ظاہر ہے آج جو افطار کے نام پر نیچے کھڑاک پھیلا ہوا ہے یہاں سب جمع ہیں تو ایسے میں کیا اچھا لگتا ہے کہ ہم دونوں اوپر بیٹھ کر سب کو بے وقوف نظر آئیں اس لیے کیوں نہ ہم بھی نیچے جا کر انجوائے کریں۔ ویسے بھی میں نہیں چاہتی کہ اب سب ثنا کی خوب صورتی کے ساتھ اس کے کھانوں کے گرویدہ ہو جائیں۔ اس لیے میں نے پکوان تیار کرنے میں اپنا حصہ ڈال دیا تاکہ پتا چلے وہ میرے بنا کچھ نہیں۔"

"اوہ......"

جاوید بھائی اب سمجھے کہ ساری دوپہر مائرہ نیچے کیوں تھی مگر جب وہ نیچے پہنچے تو ثنا کو دیکھ کر مائرہ بھابھی کی کچھ دیر قبل والی ساری خوشی رخصت ہو گئی اور انہیں اندازہ ہوا کہ ثنا اتنی سیدھی اور بھولی نہیں جتنا وہ اب تک سمجھتی آئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

جاذب چار بجے جب آفس سے گھر آیا تو ثنا کچن میں مصروف تھی، وہ بھی اس طرف آگیا، تمام برتن سلیقے سے دھلے دھلائے سلیپ پر رکھے تھے ساتھ ہی مزے مزے کے کھانے کی خوشبوئیں اس کے نتھنوں میں گھس کر روزے کی شدت میں اضافہ کا باعث بن رہی تھیں۔

"واہ بھئی! زوجہ محترمہ تم نے تو خاصا اہتمام کرلیا۔" سچ تو یہ تھا کہ جاذب کو ثنا سے اتنے اہتمام کی امید نہ تھی اب جو اس نے دیکھا کہ کئی طرح کے پکوان تیار ہو چکے ہیں صرف تلنے کا کام باقی ہے تو وہ اپنی حیرت ظاہر کیے بنا نہ رہ سکا۔

"میرا خیال ہے بڑی بھابھی کی دوستی تمہارے کام آگئی۔" بارہ بجے جب اس نے آفس سے ثنا کو فون کیا تھا تو بڑی بھابھی نیچے ہی موجود تھیں۔

"کسی کے سالن میں چمچہ چلا دینے، یا سبزی کاٹ دینے سے آپ کا سارا کام نہیں ہو جاتا اور انہوں نے ساری دوپہر میری اسی طرح مدد کی ہے باقی سب کچھ میں نے خود کیا ہے۔" وہ اطمینان سے جواب دیتے ہوئے کباب تلنے میں مصروف ہوئی، اور جاذب اندر کمرے میں آگیا۔ کیونکہ افطار میں تو ابھی تقریباً" دو گھنٹے کا ٹائم باقی تھا، مائرہ پانچ بجے خوب ہار سنگھار کیے بھاگم بھاگ جب نیچے پہنچی تو مہمان آنا شروع ہو گئے۔ سوہا، ثنا کی مدد کے لیے اس کے ساتھ ساتھ تھی، اسے حیرت ہوئی دستر خوان پر برتن موجود تھے، تمام خواتین کا انتظام لاؤنج میں تھا جبکہ مرد حضرات ٹیرس پر موجود تھے اور ہر کام اتنی سہولت سے ہو چکا تھا کہ وہ دل ہی دل میں داد دیے بنا نہ رہ سکی۔ پھر بھی سب سے مل کر تیزی سے کچن میں آئی جہاں ثنا دھڑا دھڑ پکوڑے تلنے میں مصروف تھی۔

"ارے تم پکوڑے بازار سے منگوا لیتیں۔" وہ خود تو کبھی اتنی گرمی میں پکوڑے گھر میں نہیں بناتی تھیں اور وہ بھی اتنے سارے؟ قطعی ناممکن۔

"میں نے تو کہا تھا مگر یہ مانی ہی نہیں۔" زوہان کو گود میں لیے امی بھی کچن میں ہی آگئیں۔

"بازار کے پکوڑے مجھے پسند نہیں، اور جو چیز میں اپنے لیے پسند نہیں کرتی اس سے بھلا اپنے مہمانوں کی تواضع کیسے کروں۔"

"اچھا لاؤ باقی میں بنا دوں۔" بھابھی تھوڑا سا کھسیانی ہو کر آگے آگئیں۔

"نہیں بھابھی آپ کا بہت بہت شکریہ، میں سارا کام ختم کر چکی ہوں۔ آپ پلیز باہر بیٹھیں، بس میں یہ پکوڑوں کی ٹرے لے کر آرہی ہوں۔" بھابھی خاموشی سے باہر نکل آئیں دیکھا دستر خوان پر کئی طرح کے پکوان کے ساتھ گھر کی بنی فروٹ چاٹ بھی موجود تھی اور پھر اس کے بعد ایک شاندار ڈنر جس کی ہر ڈش ثنا نے خود تیار کی اور وہ جو آج تک یہ ہی سمجھتی رہیں کہ وہ خاندان کی بہترین شیف ہونے کا اعزاز رکھتی ہیں آج بہت ساری باتوں کی طرح ان کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا، اور پھر اس کے بعد ثنا کی بے تحاشا ہونے والی تعریفیں انہیں کوفت زدہ کر گئیں۔ ایسے وقت میں انہیں احساس ہوا بلاوجہ ہی دوستی کی، اس سے تو اچھا تھا کہ میں بھی آج کی افطاری کسی اچھے سے کیفے میں ہی کرتی، جبکہ اپنی تعریفیں سمیٹتی ثنا خوشی سے سرشار سوچ رہی تھی اچھا ہوا جو بھابھی سے صلح کرلی ورنہ انہیں کیسے پتا چلتا کہ لوگ کس قدر میرے دیوانے ہیں اور اس کے ساتھ ہی وہ بھابھی کے چہرے پر چھائی کوفت محسوس کر کے مسکرا دی۔ اس نے دیکھا جاذب بھی اسے خوش دیکھ کر ہنس رہا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جاذب کی خوشی، اس کے لیے دنیا کی سب سے بڑی خوشی تھی۔

☆ ☆

راشدہ رفعت

دفتر میں ایک انتہائی مصروف دن گزار کر وہ گھر لوٹا تو تھکن سے برا حال تھا۔ صحن میں دوڑتے بھاگتے بچوں نے غل مچا رکھا تھا۔ افضل کو دیکھ کر انہوں نے ایک لمحے کو کھیل روک کر ابو جی السلام علیکم کا نعرہ بلند کیا تھا۔ پھر دوبارہ پکڑم پکڑائی کھیلنے لگے۔ سب سے چھوٹا سنی افضل کو ڈھال بنانے کی کوشش میں اس کے پیچھے چھپنے لگا۔ نومی نے اسے پکڑنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں اس نے باپ کے گرد دو تین چکر کاٹ لیے تھے۔ افضل ناگواری سے بچوں کو ہٹاتے ہوئے آگے بڑھا تھا۔

"نومی کے ابو بہت اچھے وقت پر آئے۔ ذرا بھاگ کر نکڑ والی دکان سے زیرہ تو لے آنا۔ میں نے کڑھی میں بگھار لگانا ہے۔" سلمٰی نے کچن کی کھڑکی میں سے جھانک کر ہانک لگائی تھی۔

"یہ جو تمہارے تین عدد بچے بھاگتے دوڑتے پھر رہے ہیں، ان کو بھیج کر کیوں نہیں منگوالیا زیرہ۔ یہ میری عمر ہے بھاگ دوڑ کی۔" وہ بگڑے لہجے میں جواب دے کر کمرے میں گھس گیا تھا۔ سلمٰی حیران ہوتے ہوئی اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی۔ افضل دونوں ہاتھوں میں سر دیے بیڈ پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھا تھا۔

"کیوں جی۔۔۔ خیر تو ہے۔ ایسی پریشان شکل بنا کر کیوں بیٹھے ہو؟" سلمٰی نے ذرا تشویش کے عالم میں دریافت کیا۔ افضل نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر بیوی کو دیکھا مگر کچھ جواب نہ دیا۔

"باس سے ڈانٹ پڑ گئی ہے کیا؟" سلمٰی نے ذہن میں آنے والا ممکنہ سوال پوچھا۔

"نہیں بھئی۔۔۔" افضل نے بے زاری سے جواب دیا۔

"پھر دفتر میں کسی ساتھی سے لڑائی ہو گئی ہے؟" سلمٰی نے اگلا مفروضہ پیش کیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے، بس سر میں درد ہو رہا ہے۔" افضل نے ہاتھوں سے کنپٹیاں دبائی تھیں۔

"سنی، نومی، کاشی آؤ بیٹا ابو کا سر دباؤ۔" سلمٰی نے بچوں کو با آواز بلند پکارا تھا۔ تینوں بچے فٹ دوڑتے ہوئے آ گئے تھے۔

"کل سنی نے ابو کا سر دبایا تھا، ابو نے اس کو دس روپے دیے تھے۔ آج میری باری ہے۔" نومی باپ کا سر دبانے آگے بڑھا تھا۔

"جی نہیں۔۔۔ میں سر زیادہ اچھا دباتا ہوں۔ آج بھی میں ہی دباؤں گا۔" سنی نے نومی کو کھینچ کر پیچھے کیا۔

"یہ دونوں تو لڑتے ہی رہیں گے ابو۔ آپ کا سر آج میں دباتا ہوں، لیٹ جائیں آپ۔" کمال بے تکلفی سے باپ کو بیڈ پر دھکیل کر لٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کاشی بولا تھا۔

"نہیں دبوانا، میں نے کسی سے سر۔" افضل دھاڑا تھا۔ تینوں بچے دبک کر پیچھے ہٹے تھے۔ سلمٰی نے تعجب سے شوہر کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے بچو، جاؤ۔۔۔ جا کر کھیلو مگر خبردار زیادہ شور مت کرنا اور نومی شاباش۔۔۔ مجھے تیل کی شیشی پکڑا۔ تیرے ابو کے سر میں تیل کی مالش کر دوں، سکون مل جائے گا۔"

مکمل ناول

"تم لو میرے سر کا پیچھا چھوڑ نہیں سکتے کیا۔ میں تھوڑی دیر سکون سے لیٹنا چاہتا ہوں۔" افضل اس بار ذرا عاجزی بھرے لہجے میں بولا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے نا' میں تیل کی مالش کردوں۔ پھر سکون سے لیٹ جائیے گا۔" سلمیٰ نے نومی سے تیل کی شیشی پکڑی تھی۔ پھر افضل کے قریب کھڑے ہو کر اس کے سر پر تیل چپڑ کر مالش شروع کردی تھی۔ افضل نے بھی تھک ہار کر آنکھیں موند لیں۔ مالش سے اسے واقعی سکون محسوس ہورہا تھا۔ کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے آنکھیں موندے موندے ہی سلمیٰ کو مخاطب کیا تھا۔

"تمہیں نہائے ہوئے کتنے دن ہوگئے سلمیٰ.... ہلدی' تیل مسالوں کی خوشبو رچی ہوئی ہے تم میں...."

"کیا مطلب ہے.... کتنے دن.... ابھی پرسوں اتوار کو ہی تو نہائی تھی۔" سلمیٰ نے ذرا برا مان کر جواب دیا۔

"آج جمعرات ہے سلمیٰ...." افضل نے اسے جتایا تھا۔ سلمیٰ کی متحرک انگلیاں چند سیکنڈوں کے لیے رکی تھیں مگر بنا کچھ کہے اس نے مالش جاری رکھی۔

"تمہیں یاد ہے سلمیٰ ہماری شادی کو کتنا عرصہ ہوگیا۔"

"یاد کیوں نہ ہوگا' اس بقر عید پر پورے دس سال ہوجائیں گے۔" سلمیٰ نے مگن سے انداز میں جواب دیا تھا۔

"صحیح یاد دلایا تم نے۔ دس سال پہلے بکرے کے ساتھ میرے ماں' باپ نے مجھے بھی قربان کردیا تھا۔" افضل نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

"اس وقت تو تم کہہ رہے تھے کہ یہ عید میری زندگی کی خوب صورت ترین عید ہے اور میں بہت خوش قسمت ہوں' جو تم جیسی حسین عورت کا ساتھ ملا۔"

"ہاں.... میں مانتا ہوں کہ اس وقت تم بہت حسین تھیں۔" افضل نے فراخ دلی سے تسلیم کیا۔

"تو کیا میں تمہیں اب خوب صورت نہیں لگتی۔" سلمیٰ نے دکھ بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

"تم خوب صورت لگنے کی کوشش ہی نہیں کرتیں سلمیٰ.... اب ذرا اپنا حلیہ تو دیکھو۔" سوٹ کے ساتھ کا میچنگ دوپٹا تک پہننے کی زحمت نہیں کی۔ کنگھی کیے ہوئے اتنے دن ہوجاتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو افضل لیکن میں کیا کروں' مجھے خود پر توجہ دینے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ تمہارے تینوں بچے مجھے عاجز کیے رکھتے ہیں' ہر وقت گھر پھیلانے میں مصروف رہتے ہیں اور تم تو جانتے ہو کہ بکھرا ہوا گھر مجھے خلجان میں مبتلا کردیتا ہے' سارا دن گھر میں بکھری چیزیں ہی سمیٹتی رہتی ہوں اور بھلے سے مجھے کپڑے بدلے تین تین دن ہوجاتے ہیں لیکن بچوں کو ایک دن میں دو دفعہ کپڑے بدلواتی ہوں۔ پورے محلے میں سب سے صاف ستھرے بچے ہمارے ہی ہوتے ہیں۔ تم نے کبھی یہ نوٹ نہیں کیا۔" سلمیٰ نے شوہر کو تصویر کا دوسرا رخ دکھایا تھا۔

"ہاں.... میں مانتا ہوں تم بہت سگھڑ ہو۔ گھر ہمیشہ صاف ستھرا ہوتا ہے۔ بچے نہائے' دھوئے تیار' کھانا بھی تم لاجواب پکاتی ہو' لیکن میرا بھی تو تم پر کچھ حق ہے' اب تم نے میرے لیے بجنا سنورنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ یاد ہے پہلے تم ہر شام کو کیسے تیار ہو کر میرا انتظار کرتی تھیں۔"

"تمہارا انتظار تو میں اب بھی کرتی ہوں افضل.... ہاں بس اب میں نے تیار ہونا چھوڑ دیا۔ خود سوچو اب میں تین بچوں کی ماں ہوں' لڑکیوں کی طرح بجتی سنورتی اچھی لگوں گی کیا۔" سلمیٰ نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہمارے آفس میں بہت سی عورتیں کام کرتی ہیں' کچھ تو بڑی عمر کی بھی ہوتی ہیں لیکن اپنے آپ کو اس طرح مین ٹین کرکے رکھتی ہیں کہ اپنی عمر سے کئی سال چھوٹی لگتی ہیں۔"

"اور میں اپنی عمر سے کئی سال بڑی.... ہے نا.... یہ ہی کہنا چاہ رہے ہو نا تم...." سلمیٰ خفگی سے بولی تھی۔ افضل مسکرا دیا تھا۔

"اچھا.... اب اگر سردرد میں کچھ آرام آگیا ہے تو ہاتھ منہ دھولو۔ میں گرم گرم روٹیاں ڈالتی ہوں' بلکہ پہلے نومی سے زیرہ منگواتی ہوں۔ کڑھی میں بھگار

"نہیں لگایا اب تک۔۔۔" سلمیٰ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولی۔ افضل چند لمحوں تک بیٹھا رہا، پھر ہاتھ منہ دھونے کے لیے واش روم کا رخ کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ دفتر میں اپنی کرسی سنبھالنے روٹین ورک کرنے میں مصروف تھا، جب اس کا کولیگ ناصر اس کے پاس آیا تھا۔

"یہ لیں افضل صاحب۔" ناصر نے ایک انوی ٹیشن کارڈ افضل کو تھمایا تھا۔ افضل نے کارڈ تھامتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے ناصر کو دیکھا۔

"یار کل شام ہماری ویڈنگ اینورسری ہے، خیر سے شادی کو آٹھ سال ہوگئے ہیں۔ بیگم صاحبہ نے شوشہ چھوڑ دیا۔ اس مرتبہ پوری دھوم دھام سے شادی کی سالگرہ منانی ہے۔ بس جی حکم حاکم مرگ مفاجات۔۔۔ باقاعدہ کارڈ بھی چھپوائے ہیں، اب دوست احباب میں کارڈ بانٹ رہا ہوں، تاکہ آپ سب خوشی کے اس موقع پر ہمارے ساتھ موجود ہوں۔" ناصر نے مسکراتے ہوئے تفصیل بتائی۔

"بالکل۔۔۔ بالکل کیوں نہیں۔ میں ضرور آؤں گا۔" افضل نے خوش دلی سے یقین دہانی کروائی۔

"صرف آپ نے نہیں آنا بھابھی کو بھی ضرور لانا ہے، میری مسز نے خاص طور پر تاکید کی ہے کہ اپنے تمام کولیگز کو بیگمات سمیت مدعو کروں۔" نوید نے مسکراتے ہوئے تاکید کی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں کیوں نہیں۔ میں اور سلمیٰ ضرور آئیں گے۔" افضل نے مزید یقین دلایا۔ ناصر مسکراتے ہوئے دوسرے کولیگز کو کارڈ بانٹنے لگا۔ پھر وہ بتیس تینتیس سال کی خوش شکل کولیگ کی میز کے پاس جا رکا تھا۔ دل بہار بہت خوب صورت نہ سہی لیکن سلیقے سے کیے گئے میک اپ اور اچھی ڈریسنگ میں جاذب نظر دکھائی دے رہی تھی۔

"یہ لیجئے دل بہار صاحبہ آپ کا کارڈ۔۔۔" اس نے کارڈ دل بہار کی میز پر رکھا تھا۔ دل بہار نے مسکراتے ہوئے کارڈ اٹھایا اور الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"میں ضرور آتی ناصر صاحب لیکن شام کے ٹائم کا فنکشن ہے دیر ہوگئی تو اکیلے واپسی کا مسئلہ ہوگا۔" دل بہار نے عذر تراشا۔

"ارے اس کی فکر مت کیجیے آنا آپ کی ذمہ داری آپ کو واپسی پر ڈراپ کرنا ہماری ذمہ داری۔" ناصر نے یقین دلایا۔

"ٹھیک ہے پھر تو میں آنے کی پوری کوشش کروں گی۔" دل بہار اس آفر سے خوش اور مطمئن ہوگئی تھی۔ ناصر مسکراتے ہوئے دوسرے کولیگز کو کارڈ بانٹنے لگا۔

☆ ☆ ☆

صبح میں ویسی ہی افراتفری تھی جیسے ہر صبح افضل کے آفس اور بچوں کے اسکول جانے سے پہلے ہوتی تھی۔ افضل ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑا آستین کے

بٹن بند کر رہا تھا پاس کھڑی سلمیٰ چھوٹے بیٹے کا سر پکڑ کر اس کے بال بنا رہی تھی۔

"یاد آیا سلمیٰ۔ شام کو تیار ہو جانا۔ میرا آفس کولیگ ہے نا ناصر۔ اس کے گھر پر تقریب ہے۔"

"کیسی تقریب؟" سلمیٰ نے حیرت سے استفسار کیا۔

"شادی کو آٹھ سال ہو گئے۔ دھوم دھام سے سالگرہ منا رہے ہیں۔" افضل کے بتانے پر سلمیٰ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"کیا ہوا ہے۔ اس میں ہنسنے کی کوئی بات ہے بھلا۔" افضل نے اسے گھورا تھا۔

"لوگ اپنی عمر چھپانے کے تو شوقین ہوتے ہیں تمہارا یہ دوست اپنی شادی شدہ زندگی کی عمر بھی چھپا رہا ہے۔ دو سال پہلے بھی اس نے سالگرہ منائی تھی جب نویں سالگرہ تھی۔ اب ریورس گیر لگا کر پھر آٹھویں پر پہنچ گئے۔ سب تحفے بٹورنے کے بہانے ہیں۔"

"زندہ دل لوگ ہیں بھئی۔ ہر کوئی ہماری طرح تھوڑی ہوتا ہے روبوٹ کی طرح مشینی زندگی گزارے جا رہے ہیں۔ نہ کوئی ہلچل، نہ ہنگامہ۔۔۔" افضل کی بات ادھوری رہ گئی تھی پاس کھڑا کاشی جو ڈریسنگ ٹیبل پر دھری چیزیں چھیڑ رہا تھا اس کا ہاتھ لگنے سے پرفیوم کی شیشی نیچے گر گئی تھی۔

"یہ تمہاری اولاد کم ہنگامہ پرور ہے۔" سلمیٰ نے کس کر بیٹے کی کمر پر ہاتھ جڑا۔

"اچھا پھر بتاؤ چلو گی نا شام کو۔" افضل نے اکتا کر پوچھا۔

"ہاں ہاں چل پڑوں گی۔" سلمیٰ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میں پانچ بجے تک آجاؤں گا تیار رہنا۔" افضل نے تاکید کی۔

"میری تیاری میں کون سی دیر لگے گی؟ اتنے تم آکر نہا دھو کر فریش ہونا۔ میں بھی پانچ منٹ میں تیار ہو جاؤں گی۔" سلمیٰ نے لاپروا سے انداز میں جواب دیا۔

"مجھے پانچ منٹ والی تیاری نہیں چاہیے۔ شام کو وہاں جا کر دیکھنا۔ لوگوں کی بیویاں کتنا بن ٹھن کر تیار ہو کر آئیں گی۔" افضل نے جتایا تھا۔

"اچھا بابا کہہ دیا نا ہو جاؤں گی تیار۔" سلمیٰ بھی اس تکرار سے اکتائی تھی پھر واش روم کا دروازہ پیٹنے لگی۔

"سنی کے بچے کیا باتھ روم الاٹ کروالیا۔ نکل جلدی سے باہر اور یہ نومی کہاں دفع ہو گیا۔ رات ہوم ورک کے بعد کتابیں سارے کمرے میں بکھری پڑی تھیں۔ بستے میں ڈال لیں یا نہیں؟"

"مجھے دیر ہو رہی ہے سلمیٰ۔ ناشتا دو جلدی سے۔" افضل گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے عجلت بھرے انداز میں مخاطب ہوا تھا۔

"آپ میز پر جا کر بیٹھیں میں ابھی آئی۔" سلمیٰ نے افضل کو جواب دے کر پھر باتھ روم کا دروازہ پیٹا تھا۔

"سنی دروازہ کھول رہا ہے یا آکر پٹائی لگاؤں۔"

"سنی دروازہ کھولے گا تب ہی آپ اندر جائیں گی نا۔" پاس کھڑے کاشی نے دانت نکلتے ہوئے ماں کو مخاطب کیا۔

"سلمیٰ آجاؤ یار بہت دیر ہو گئی ہے۔" باہر سے افضل نے پھر پکارا تھا۔ سلمیٰ کاشی کو گھورتے ہوئے۔ "آرہی ہوں جی" کہتے ہوئے تیزی سے باہر نکلی تھی۔

☆ ☆ ☆

افضل شام کو گھر لوٹا تو سلمیٰ کو گھریلو حلیے میں دیکھ کر تپ گیا تھا۔ وہ نومی کو اپنے پاس بٹھا کر ہوم ورک کروانے میں مصروف تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ تیار ہو جانا۔ ناصر کی ویڈنگ اینورسری میں جانا ہے۔" افضل نے بیوی کو خفگی سے مخاطب کیا۔

"مجھے یاد ہے جی لیکن یہ جو آپ کا لخت جگر ہے نا۔ اس کا کل ٹیسٹ ہے ریاضی کا۔ آج بھی ٹسٹ تھا۔ بیس میں سے پورے تین نمبر لیے ہیں۔ دکھا ابو کو۔" سلمیٰ نے سنی کو مخاطب کیا۔ سنی نے کھسیانی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر باپ کی سمت دیکھا۔

"دانت دکھانے کو نہیں کہا ہے ٹیسٹ دکھانے کو

کہا ہے۔ دکھا کاپی اپنے ابو کو۔" سلمیٰ نے سنی کو دھپ رسید کرتے ہوئے کہا۔ اس نے فوراً "ماں کے حکم کی تعمیل کی تھی۔

"آج کا ٹیسٹ خراب ہو گیا۔ کل کا بھی ہو جائے گا کوئی نئی بات ہے کیا۔" افضل نے بے زاری سے کاپی ایک طرف کی۔ سنی شکر مناتا ہوا پھر سے کاپی پر جھک گیا۔

"نئی بات یہ ہے کہ ٹیچر نے کہا ہے کہ اگر کل کا ٹیسٹ بھی ایسا ہی ہوا تو میں اسکول جا کر ٹیچر سے ملاقات کروں اور مجھے کوئی شوق نہیں ہے اپنی بے عزتی کروانے کا۔ خود اسکول میں محنت کرواتے نہیں اور والدین کو بلوا کر گٹ پٹ انگریزی میں خوب بے عزتی کرتے ہیں۔ آج اسی لیے اس نالائق کو محنت کروا رہی ہوں تاکہ کل کا ٹیسٹ صحیح کر کے آئے۔"

"تو گویا تم نہیں چل رہی میرے ساتھ۔" افضل نے اکتا کر دریافت کیا۔

"ہاں جی نہیں چل رہی۔" سلمیٰ نے اطمینان سے جواب دیا۔ اور پھر سنی کی کاپی پر جھانک کر دیکھتے ہوئے اسے ایک اور دھپ رسید کیا۔

"نالائق پھر وہی غلطی۔ گیارہ میں سے سات گئے تو باقی کتنے بچے۔"

"چار۔" سنی نے ڈرتے ڈرتے بتایا تھا۔

"چار؟" سلمیٰ نے بیٹے کا کان مروڑا تھا۔

"نالائق پتا نہیں کس پر گیا ہے۔ گدھے گیارہ میں سے سات مائنس کرو تو باقی بچتے ہیں پانچ۔ لکھ پانچ۔" اس نے بیٹے کو ڈپٹا تھا۔ سنی فٹافٹ ربڑ سے غلطی مٹانے لگا تھا۔

"گیارہ میں سے سات تفریق کرو تو باقی چار ہی بچتے ہیں سلمیٰ اور یہ نالائق یقیناً "تم پر ہی گیا ہے۔" افضل چبا چبا کر بولا تھا۔ سلمیٰ کھسیانی ہو کر مسکرائی تھی۔ سنی نے بھی دانت نکوستے ہوئے ماں باپ کو دیکھا تھا۔

"دانت نکلوا لو اس سے جتنے مرضی۔ چل جب ابو کہہ رہے ہیں چار تو پھر لکھ چار۔" سلمیٰ نے بیٹے کو بری طرح گھورا تھا۔ اس بے چارے نے پھر کاپی پر سر

جھکا لیا تھا۔

"تم اگر نہیں جا رہیں تو میرے کپڑے ہی نکال دو۔ دیر ہو رہی ہے۔" افضل بے زاری کے عالم میں مخاطب ہوا۔

"کپڑے تو میں نے پریس کر دیے تھے۔" سلمیٰ مستعدی سے شوہر کو کپڑے دینے اٹھی تھی۔ افضل بھی اس کے پیچھے بیڈ روم میں داخل ہوا۔ سنی نے شکر کرتے ہوئے کاپی بند کی پھر فٹ ریموٹ سے ٹی وی آن کر لیا۔ ٹی وی اسکرین پر ٹام اینڈ جیری کی بھاگ دوڑ جاری تھی۔ سنی مگن ہو کر کارٹون دیکھنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

ناصر کے گھر کے ہال کمرے کی سجاوٹ دیدنی تھی۔ تھری پیس سوٹ میں ملبوس ناصر اور ہائی ہیل جوتا اور ساڑھی پہنے اس کی بیوی آنے والے مہمانوں کو مسکرا کر خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

"ہیپی ویڈنگ اینورسری بھابھی جان۔" افضل نے ناصر سے گلے ملتے ہوئے اسے گفٹ تھمایا اور اس کی بیوی کو مسکرا کر وش کیا۔

"اور جناب بھابھی کو ساتھ کیوں نہ لائے۔" ناصر نے شکوہ کیا۔

"بس وہ بیٹے کو ٹیسٹ کی تیاری کروا رہی تھی کل اس کا بہت اہم ٹیسٹ ہے۔"

"یہ تو ہے افضل بھائی آج کل بچوں کی پڑھائیاں ہی اتنی ٹف ہو گئی ہیں کہ ان پڑھائیوں کے پیچھے والدین کی سوشل لائف بالکل ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔" بیگم ناصر نے فراخدلی سے یہ عذر تسلیم کر لیا تھا۔ اتنے میں ہی دل بہار بھی آ گئی تھی۔ خوب نک سک سے تیار۔ ہاتھوں میں پھولوں کا بکے تھا۔

"ہیپی ویڈنگ اینورسری ناصر صاحب۔ ہیپی ویڈنگ اینورسری بھابھی۔" اس نے مسکرا کر مسٹر اینڈ مسز ناصر کو وش کیا۔

"شکریہ دل بہار تم نے آ کر تقریب کو رونق بخشی۔" ناصر نے مسکرا کر دل بہار کا شکریہ ادا کیا جبکہ بیگم ناصر کے چہرے کے زاویے ذرا سے بگڑے تھے وہ دل بہار کی تیاری دیکھ کر دل ہی دل میں جھلس ہوئی تھی۔

"اس چھمک چھلو کو ناصر نے کیوں بلوایا۔ سالگرہ ختم ہو جائے تب پوچھوں گی۔" اس نے دل میں سوچا تھا۔

"یہ لیجیے میری طرف سے پھولوں کا تحفہ۔ میں نے بہت سوچا کہ کیا تحفہ لے کر جاؤں اگر ناصر بھائی کی سالگرہ ہوتی یا پھر بھابھی کی تو تحفے کا انتخاب آسان ہوتا لیکن یہ تو آپ دونوں کا مشترکہ فنکشن ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر یہ پھول لے کر آئی ہوں۔" دل بہار نے بکے میاں بیوی کی جانب بڑھایا تھا۔

"واقعی پھول بہترین تحفہ ہیں۔" ناصر کے کہنے پر اس کی بیوی کے چہرے پر طنزیہ تاثرات ابھرے تھے۔

"ہونہہ سستا ترین تحفہ۔" ناصر کی بیوی دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوئی۔ پھر چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجا کر دوسرے مہمانوں سے ملنے آگے بڑھی۔ خوب ملے گلے والی تقریب اٹینڈ کر کے افضل نے ناصر سے واپسی کی اجازت چاہی۔

"ٹھیک ہے پھر ناصر صاحب۔ کل آفس میں ملاقات ہو گی۔" اس نے ناصر سے اجازت چاہی اتنے میں دل بہار بھی اپنا پرس سنبھالتی ناصر کے قریب آئی تھی۔

"رات بہت ہو گئی ہے ناصر بھائی۔ مجھے واپس جانا ہے۔" دل بہار کے کہنے پر ناصر کو یاد آیا تھا کہ اسے ڈراپ کرنے کی ذمہ داری اس نے اپنے سر لی تھی۔

"بس پندرہ بیس منٹ ویٹ کر لو دل بہار۔ میں دوسرے مہمانوں کو رخصت کر دوں پھر تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔" اس کے کہنے پر دل بہار نے اثبات میں سر ہلا دیا اتنے میں ناصر کی بیوی تیر کی سی تیزی سے وہاں آئی تھی۔

"آپ نے شبو کو ڈراپ کرنے جانا ہے۔ بھول گئے کیا؟" اس کا انداز جتاتا ہوا تھا۔

"ارے ہاں یاد آیا۔" ناصر نے سر کھجایا پھر دل بہار

کی طرف دیکھا تھا۔

"ایسا ہے دل بہار میں نے اپنی سالی کو چھوڑنے جانا ہے۔ اس کے بعد۔" ناصر نے بات ادھوری چھوڑی تھی کچھ سوچا پھر افضل کو مخاطب کیا۔

"یار افضل تمہیں زحمت نہ ہو تو تم دل بہار کو اس کے گھر چھوڑ دینا۔ اس کا گھر تمہارے راستے میں ہی پڑے گا۔" ناصر کی بات پر افضل قدرے گڑبڑا گیا تھا۔

"میں تو بائیک پر آیا ہوں۔"

"رہنے دیں ناصر صاحب۔ افضل صاحب کو کیا تکلیف دینا۔ آپ مجھے کوئی ٹیکسی کروادیں۔ میں چلی جاؤں گی۔" دل بہار رسانیت سے مخاطب ہوئی۔

"نہیں نہیں زحمت کیسی اگر آپ کو بائیک پر بیٹھنے میں دقت نہ ہو تو میں حاضر ہوں۔" افضل جلدی سے بولا تھا۔

"بائیک پر بیٹھنے کا تجربہ تو نہیں لیکن رات بہت ہوگئی ہے اکیلے جانا مسئلہ ہے بس اسی لیے آپ کو زحمت دینے پر مجبور ہوں۔" دل بہار نزاکت سے بولی تھی۔

"چلیں جی آپ تو چلیں شبو انتظار کررہی ہے۔" پاس کھڑے ناصر کی بیوی نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

"ٹھیک ہے یار پھر ہم بھی چلتے ہیں۔" افضل ناصر سے ایک بار پھر مصافحہ کرکے دل بہار کی معیت میں آگے بڑھ گیا تھا دل بہار کو واقعی بائیک پر بیٹھنے کا تجربہ نہ تھا وہ ڈرتے ڈرتے افضل کے پیچھے بیٹھی تھی افضل بھی قدرے جھجکتا ہوا آگے کو ہو کر بیٹھا تھا۔ دل بہار نے اسے گھر کا پتا سمجھایا تھا۔ منزل مقصود پر پہنچ کر بائیک رک گئی تھی۔

"بہت بہت شکریہ افضل صاحب۔" دل بہار نے حد درجہ ممنون ہو کر افضل کا شکریہ ادا کیا۔

"کیسی بات کرتی ہیں آپ دل بہار۔ کولیگ ہونے کے ناطے آپ کی مدد کرنا میرا اخلاقی فرض تھا۔" افضل مسکرایا تھا۔

"یہاں تک آگئے ہیں تو آئیے میری والدہ سے بھی مل لیجیے اور آپ کو گرم گرم چائے بھی پلواتی ہوں۔" دل بہار نے اخلاقیات نبھانی چاہی۔

"اپنی والدہ کو میرا سلام کہیے گا اور چائے پھر کبھی سہی۔ رات بہت ہوگئی ہے سلمیٰ میری منتظر ہوگی۔" افضل نے سہولت سے معذرت کی۔ دل بہار نے مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی اور اللہ حافظ کہتی بلڈنگ کی طرف بڑھ گئی۔ افضل نے بھی بائیک کو کک لگائی اور گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

☆ ☆ ☆

چار دن بعد کی بات تھی افضل آفس سے نکلا تو روڈ پر رکشے کے انتظار میں دل بہار کھڑی نظر آئی۔ افضل نے اس کے قریب جاکر بائیک روکی۔

"موسم کے تیور کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے دل بہار اگر آپ کہیں تو آپ کو گھر ڈراپ کردوں۔"

"ارے نہیں افضل صاحب آپ کو زحمت ہوگی۔ میں چلی جاؤں گی۔" دل بہار نے رسمی سا انکار کیا۔

"زحمت کیسی میں بھی گھر ہی جارہا ہوں اور آپ کا گھر میرے راستے میں ہی تو پڑتا ہے۔"

"بہت شکریہ افضل صاحب۔ آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔" دل بہار اس کے پیچھے بیٹھ گئی تھی۔

"آئیں افضل صاحب آج میں آپ کو چائے پیے بنا نہیں جانے دوں گی۔" سفر تمام ہوا اور دل بہار اپنے گھر کے سامنے پہنچ کر بائیک سے اتری تو دوستانہ لہجے میں افضل کو مخاطب کیا۔

"چلیں ٹھیک ہے آج آپ کے ہاتھ کی چائے بھی پی لیتے ہیں۔" افضل نے رضامندی ظاہر کردی۔ دل بہار چابی سے لاک کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔ کمرے میں اس کی ضعیف مگر تیز طرار والدہ بستر پر بیٹھی مونگ پھلی کھا رہی تھیں۔ دل بہار کے ساتھ اجنبی صورت دیکھ کر فوراً پلیٹ ایک طرف کھسکائی تھی۔

"افضل صاحب یہ میری والدہ ہیں۔" دل بہار نے افضل کو مخاطب کیا۔ اس نے بہت تمیز سے دل بہار کی

ماں کو سلام کیا تھا۔ ماں جی سوالیہ نگاہوں سے اپنی بیٹی کو تک رہی تھیں۔

"ماں جی یہ افضل صاحب ہیں ہمارے آفس میں کام کرتے ہیں۔ اس روز بھی رات کو انہوں نے ہی مجھے گھر ڈراپ کیا تھا۔" دل بہار نے اپنی ماں کو یاد دلایا۔

"اچھا' اچھا بیٹھو بیٹے کھڑے کیوں ہو۔" ماں جی نے انتہائی شفقت بھرے لہجے میں افضل کو مخاطب کیا۔ افضل کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" دل بہار کہتی کمرے سے باہر نکلی تھی افضل نے نگاہیں ادھر ادھر دوڑا کر گرد و پیش کا جائزہ لیا اور یہ ہی کام انتہائی انہماک سے دل بہار کی اماں جان بھی کر رہی تھیں۔

"اور بیٹا جی خیر سے شادی شدہ ہو؟" ماں جی کی عقابی نگاہوں نے جائزہ مکمل کر لیا تو بہت شیریں لہجے میں استفسار کیا۔

"کیوں ماں جی کیا لگتا نہیں ہوں؟" افضل کو سوال سن کر ہنسی آگئی تھی۔

"دیکھ کر تو نہیں لگتا پتر۔" ماں جی نے مبالغہ آرائی کی حد ہی مکا دی تھی۔

"میری شادی کو دس سال ہو گئے ہیں ماں جی۔ تین بچے ہیں میرے۔" افضل نے مسکراتے ہوئے انہیں آگاہ کیا۔

"اچھا' اچھا ماشاء اللہ۔" ماں جی نے سرہلایا تھا۔ اتنے میں دل بہار بھی ٹرے میں چائے کے مگ سجا کر چلی آئی تھی۔

"آپ لوگ یہاں اکیلے رہتے ہیں۔ میرا مطلب ہے مس دل بہار کے کوئی بہن' بھائی وغیرہ؟" افضل نے بات ادھوری چھوڑی تھی۔

"والد صاحب عرصہ ہوئے فوت ہو چکے اور بھائی بہن ماشاء اللہ ہیں لیکن سب کے سب اپنی اپنی زندگیوں میں مگن اور اپنے اپنے گھروں میں خوش باش۔ یہاں میں اور اماں ہی رہتے ہیں۔" دل بہار نے جواب دیا تھا۔ افضل اوہ کہہ کر خاموش ہو گیا تھا اسے سمجھ نہ آیا کہ آگے کیا کہے دل بہار نے اسے چائے کا کپ تھمایا تھا۔ اس نے شکریہ کہہ کر کپ تھام لیا۔

کچھ دیر کے لیے کمرے میں بے نام سی خاموشی چھا گئی۔ سب خاموشی سے چائے کی چسکیاں لیتے رہے۔

"اتنی لاجواب چائے پلانے کا شکریہ دل بہار صاحبہ اب میں چلوں گا۔" آخری گھونٹ بھرتے ہی افضل نے کپ میز پر رکھا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کچھ دیر تو بیٹھتے بیٹا۔" ماں جی نے اسے شفقت بھرے لہجے میں مخاطب کیا۔

"بس چلوں گا ماں جی۔ سلمیٰ انتظار کر رہی ہوگی۔" افضل نے شائستگی سے رخصت کی اجازت چاہی۔ دل بہار اسے چھوڑنے دروازے تک آئی تھی۔

"گھر ڈراپ کرنے پر ایک بار پھر شکریہ افضل صاحب۔" دل بہار نے رسم نبھائی۔

"مجھے شرمندہ کرنے پر آپ کا بھی ایک بار پھر شکریہ۔" افضل مصنوعی خفگی سے بولا تھا۔ دل بہار ہنس پڑی تھی۔ افضل بھی ہنستے ہوئے چلا گیا۔ دل بہار واپس کمرے میں آکر ماں کے ساتھ خود بھی مونگ پھلیاں ٹونگنے لگی تھی۔

"دل بہار۔" ماں جی نے بیٹی کو مخاطب کیا۔

"کیا ہے اماں۔" دل بہار نے مونگ پھلی منہ میں ڈالتے ہوئے ماں کی سمت دیکھا۔

"لڑکا اچھا تھا دل بہار۔" ماں جی نے پر سوچ انداز میں بیٹی کو مخاطب کیا۔ دل بہار کا منہ کی طرف جاتا ہاتھ رک گیا تھا پھر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی۔

"خدا کا خوف کرو اماں۔ یہ لڑکا تھا؟"

"لڑکا نہیں تو کیا لڑکی تھا۔" ماں جی بے حد برامان گئی تھیں۔

"کم از کم لڑکا نہیں تھا اماں۔ بندہ ہے پورا بندہ' تین چار تو بچے ہیں اس کے۔"

"اگر تیری شادی وقت پر ہو جاتی تو آج تیرے بھی چار بچے ہوتے دل بہار۔" ماں جی نے اسے حقیقت کا احساس دلایا دل بہار کے چہرے پر چند لمحوں کے لیے تاریک سایہ پھیل گیا تھا۔ پھر وہ چیخ پڑی تھی۔

"میری شادی وقت پر نہیں ہوئی اماں۔ کم از کم اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ جب ابا گزرا تو تو نے ہی مجھے باور کروایا کہ چھوٹے بہن بھائیوں کے کل کے لیے تجھے اپنے آج کی قربانی دینی ہوگی دل بہار۔ میں نے قربانی دے دی اماں۔ جگہ جگہ نوکری کی تلاش میں دھکے کھائے چند روپوں کی خاطر صبح سے شام تک دفتروں میں کولہو کے بیل کی طرح کام کیا۔ بہن بھائیوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کیا۔ اور آج جب سب اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے تو کسی کی زندگی میں میری کوئی گنجائش نہیں، اور اوپر سے تو مجھے ہر وقت طعنہ مارتی ہے کہ میں بڈھی کھوسٹ ہوتی جا رہی ہوں۔" بات کے اختتام تک دل بہار کا لہجہ گلوگیر ہو گیا تھا۔

"میں طعنہ نہیں مارتی دل بہار۔ حقیقت بتاتی ہوں مجھے اپنی زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تو میری زندگی میں ہی اپنے گھربار کی ہو جائے۔" ماں جی نے اسے سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

"چاہتی تو میں بھی یہی ہوں اماں۔ کتنے لڑکوں پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کر چکی ہوں مگر کامیابی مقدر نہیں بنتی تو کیا کروں۔" دل بہار نے لاپروائی سے شانے اچکائے تھے۔

"وہی تو میں کہہ رہی ہوں دل بہار، لڑکوں کا پیچھا چھوڑ، ذرا مناسب عمر کا بندہ دیکھ، صرف اس صورت میں تیرا گھر بس سکتا ہے، لڑکے تیرے ساتھ ٹائم پاس تو کر سکتے ہیں لیکن گھر نہیں بسا سکتے۔ تجھے یاد نہیں پڑوس کا عمران، کیسے تیرے ساتھ جینے مرنے کے وعدے کر رکھے تھے مگر جب ماں، بہنوں نے دھمکایا تو فوراً "سر پر سہرا سجا کر ماموں کی بیٹی بیاہ لایا۔"

"پرانے زخم کیوں ادھیڑ رہی ہو ماں؟" دل بہار کو اس قصے سے تکلیف ہوئی تھی۔

"پھر وہی بے وقوفی کی باتیں..... میں تجھے عقل دے رہی ہوں پاگلے (پاگلی) تیرے لیے ایسا شخص مناسب ہوگا جو اپنے فیصلوں میں خود مختار ہو، خود کفیل ہو۔ یہ جو شادی شدہ مرد ہوتے ہیں نا۔ شادی کے آٹھ، دس سال بعد پہلی بیوی سے ان کا جی ویسے ہی اوب جاتا ہے۔ ان پر تھوڑی سی محنت کی ضرورت ہوتی ہے، ایک بار ان کا دل مٹھی میں لے لیا جائے تو یہ بالکل ثابت قدم رہتے ہیں۔ لڑکے بالوں کی طرح عین وقت پر دم دبا کر بھاگتے نہیں۔" ماں جی اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

"تو کہاں سے ڈھونڈوں ایسا بندہ۔" دل بہار نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"بندہ تو یہ بھی بہت مناسب تھا۔ عمر زیادہ ہے تو کیا ہوا۔ کیسا بانکا سجیلا ہے۔ ذرا اسے لفٹ کروا کر تو دیکھ۔ کیا رزلٹ نکلتا ہے۔" ماں جی نے اسے راہ سمجھائی۔

"ٹھیک ہے اماں..... یہ کوشش بھی کر کے دیکھ لوں گی۔" دل بہار نے رضامندی ظاہر کر دی۔ ماں جی نے مطمئن انداز میں سر ہلا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

آفس میں افضل کام ختم کر کے واپسی کے لیے نکلا تھا۔ دل بہار نے پرس میں سے شیشہ نکال کر لپ اسٹک تیز کی، پھر تیزی سے اس کے پیچھے قدم اٹھاتی باہر نکلی تھی۔

"رکیے افضل....." اس نے "صاحب" کا لاحقہ لگائے بغیر افضل کو پکارا تھا۔ افضل قدرے حیران ہوتا ہوا پلٹا تھا۔

"اگر زحمت نہ ہو تو آج بھی مجھے ڈراپ کر دیں گے۔" دل بہار نے بے تکلفی سے استفسار کیا۔

"اگر جلدی ہے تو کوئی بات نہیں۔ میں نے تو یہ سوچ کر کہہ دیا تھا کہ ہم دونوں کا راستہ تو ایک ہی ہے۔ میرا مطلب ہے، میرا گھر آپ کے راستے میں ہی پڑتا ہے تو پبلک ٹرانسپورٹ پر دھکے کھانے کے بجائے آپ کے ساتھ ہی کیوں نہ چلی جایا کروں۔" دل بہار نے افضل کو دلفریب مسکراہٹ سے نوازتے ہوئے مخاطب کیا۔

"ہاں..... ہاں کیوں نہیں۔" افضل نے فوراً تجویز کی تائید کر دی تھی۔ دونوں مسکراتے ہوئے پارکنگ کی طرف بڑھ گئے۔ بائیک نے رفتار پکڑی تو دل بہار نے

اپنا ہاتھ افضل کے شانے پر رکھ دیا تھا۔ افضل نے ذرا سی گردن موڑ کر کنکھیوں سے اپنے شانے پر دھرا دل بہار کا ہاتھ دیکھا۔

"آپ نے برا تو نہیں مانا۔ دراصل بائیک پر سفر کی عادت نہیں ہے نا۔ گرنے سے ڈر لگتا ہے۔" دل بہار ایک ادا سے بولی تھی۔

"میرے ہوتے ہوئے آپ گر جائیں' ناممکن۔۔۔" افضل بھی ترنگ میں آگیا تھا۔ دل بہار مسکرا دی اور یوں ہی ہنستے مسکراتے سفر تمام ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

بہت مسرور انداز میں افضل گھر میں داخل ہوا تھا۔ بچے حسب معمول صحن میں کھیل کود میں مصروف تھے۔ افضل کو دیکھ کر سلام کیا' پھر دوبارہ کھیل کود میں مصروف ہو گئے۔ افضل بیڈ روم میں داخل ہوا تو سلمیٰ سر پر دوپٹا لپیٹے لیٹی ہوئی تھی۔

"خیریت۔۔۔ کیا ہوا؟" افضل نے استفسار کیا۔

"سر میں شدید درد ہے۔ آپ نے بھی آنے میں اتنی دیر لگا دی۔ اب تو محلے والا ڈاکٹر بھی اٹھ گیا ہوگا۔ میں نے سوچا تھا آپ آجائیں گے تو بچوں کو آپ کے پاس چھوڑ کر ساتھ والی نسیمہ آپا کے ساتھ ڈاکٹر کو دکھا آؤں گی۔ دو دن ہو گئے ہیں اس موئے سر کے درد سے جان ہی نہیں چھوٹ رہی۔" سلمیٰ کراہتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھی۔

"آج تم پھر سلائی مشین لے کر بیٹھ گئی ہو گی۔" افضل نے اندازہ لگایا۔

"ہاں سنی کی شرٹ سینی تھی۔" اس نے جواب دیا۔

"مجھے لگتا ہے تمہاری قریب کی نظر کمزور ہو گئی ہے۔ سلمیٰ جب بھی تم سینے پرونے کا کوئی کام کرتی ہو' تمہارے سر میں درد ہو جاتا ہے۔"

"تو تم نظر والے ڈاکٹر کے پاس لے جا کر نظر چیک کیوں نہیں کروا دیتے سنی کے ابو۔" سلمیٰ نے انگلیوں سے کنپٹیاں مسلی تھیں۔

"میرے پاس کب اتنا ٹائم ہوتا ہے۔ پیسے دے دوں گا' ساتھ والی نسیمہ آپا کو لے کر چلی جانا۔" افضل نے لاپروائی سے جواب دیا۔ سلمیٰ نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"کچھ پکایا وکایا بھی ہے یا بستر ہی سنبھال رکھا تھا۔" افضل کو بھوک ستائی تھی۔

"کیوں نہیں پکایا۔ مونگ مسور کی دال بنائی ہے۔ روٹی پکانے کی ہمت نہیں تھی۔ سوچا تھا چاول ابال لوں گی' اب تم آگئے ہو تو چاول ابال لیتی ہوں۔ ٹھنڈے چاول تو کیا مزہ دیتے۔" سلمیٰ پاؤں میں سلیپر ڈالتی کمرے سے باہر نکلنے لگی۔ افضل بیڈ پر بیٹھ کر جوتے' جرابیں اتارنے لگا تھا۔ پھر کچھ خیال آیا تو ہانک لگائی تھی۔

"سلاد بھی بنا لینا سلمیٰ اور اچار ضرور نکال لینا۔"

"اچھا جی۔۔۔" سلمیٰ نے فرماں برداری سے جواب دیا۔ افضل جوتے' جرابیں اٹھا کر بیڈ پر نیم دراز ہو گیا تھا۔ ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ رقصاں تھی۔ دل بہار کا سراپا ذہن کے پردے پر لہراتا اور مسکراہٹ مزید گہری ہوتی جاتی۔

☼ ☼ ☼

افضل اور سلمیٰ کے بیڈ روم کے وال کلاک میں رات کے بارہ بج رہے تھے۔ دن بھر کی تھکی ہاری سلمیٰ بے سدھ سو رہی تھی۔ کبھی کبھار افضل کا کوئی خراٹا بھی فضا میں گونجتا تھا۔ اتنے میں افضل کے سرہانے پڑا موبائل بج اٹھا۔ افضل ہڑبڑا کر اٹھا۔ مندی مندی آنکھیں کھول کر ٹائم دیکھا' پھر موبائل کان سے لگایا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو افضل۔۔۔" دل بہار کی مسکراتی آواز سن کر افضل کی نیند بھک سے اڑی تھی۔ اس کی مندی مندی آنکھیں پوری کھل گئی تھیں۔ اس نے ایک نظر ساتھ سوئی سلمیٰ پر ڈالی' پھر آواز دبا کر بولا تھا۔

"آپ نے تو مجھے حیران ہی کر دیا دل بہار۔۔۔ آپ کو

کیسے پتا آج میری سالگرہ ہے۔"

"شکر ہے افضل‘ آپ نے یہی کہا کہ آپ حیران ہوئے‘ ورنہ مجھے تو خدشہ تھا کہ اتنی رات کو ڈسٹرب کرنے پر آپ مجھ سے خفا ہی نہ ہوجائیں۔" دل بہار مسکرا کر بولی۔

"خفگی کیسی دل بہار۔۔۔ یہ تو آپ کی اپنائیت ہے جو آپ نے میرے جنم دن پر مجھے مبارک باد کے قابل سمجھا لیکن میں واقعی حیران ہوں کہ آپ کو میری ڈیٹ آف برتھ کیسے معلوم ہوئی۔" افضل حیرانی سے گویا ہوا۔

"کم آن افضل۔۔۔ ہم ایک ہی آفس میں کام کرتے ہیں‘ اگر میں نے آفس ریکارڈ سے آپ کی ڈیٹ آف برتھ دیکھ لی تو یہ ایسی اچنبھے کی بات تو نہیں۔" دل بہار ہنستے ہوئے بولی تھی۔

"تھینک یو ویری مچ دل بہار۔۔۔ تم نے مجھے وش کیا تو دل میں عجیب سا احساس بے دار ہوا‘ ورنہ اب تو عرصہ ہوا اپنا جنم دن یاد رکھنا میں نے خود بھی چھوڑ رکھا ہے۔" افضل ممنونیت کا اظہار کررہا تھا۔

"کیوں افضل‘ کیا آپ کا کوئی اپنا بھی آپ کو اس اہم دن پر وش نہیں کرتا۔" دل بہار مصنوعی حیرت سے استفسار کررہی تھی۔ افضل نے ایک نظر ساتھ سوئی سلمٰی پر ڈال کر گہری سانس اندر کھینچی۔

"چھوڑیے دل بہار‘ عملی زندگی میں ایسی باتوں کی گنجائش کم ہی نکلتی ہے۔"

"نہیں افضل صاحب۔۔۔ یہ چھوٹی موٹی خوشیاں تو زندگی کی اصل خوب صورتی ہوتی ہیں۔ اپنے سے وابستہ رشتوں کو مان دیں تو اچھا لگتا ہے۔" دل بہار کا فلسفہ عروج پر تھا۔

"اصل بات یہ ہے کہ دل بہار کہ آپ خود بہت اچھی ہیں۔" افضل نے مسکرا کر اس کی تعریف کی۔

"اٹس آ کمپلی منٹ فار می سر۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ افضل اس کی ہنسی کے سحر میں کھو سا گیا۔

"کل ہاف ڈے ہے‘ افضل اگر آپ شام کو فارغ ہوں تو میں چاہتی ہوں کہ کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں‘ میں آپ کو آپ کی سالگرہ کی خوشی میں اچھا سا کھانا کھلاؤں۔" افضل نے ایک نظر سلمٰی پر ڈالی یہ تسلی کرتے ہوئے کہ وہ گہری نیند سو رہی ہے‘ وہ مسکرا کر گویا ہوا۔

"اچھا سا کھانا ہم ضرور کھائیں گے لیکن بل میں پے کروں گا۔"

"اُفوہ۔۔۔ ایک تو آپ مرد لوگوں کی ایگو (انا)" دل بہار مصنوعی خفگی سے بولی۔

"یہ ایگو (انا) نہیں ہے دل بہار‘ اسے میری خوشی سمجھ لو۔"

اچھا بابا‘ یہ فیصلہ بعد میں کرلیں گے‘ پھر کل کا پروگرام ڈن ہے نا۔" وہ پوچھ رہی تھی۔

"بالکل ڈن۔۔۔" افضل مسکرا کر بولا۔ دل بہار نے فون رکھ دیا تھا۔ افضل کے ہونٹوں سے مسکراہٹ جدا ہونے کا نام نہ لے رہی تھی۔ اب اس نے باقی رات دل بہار کے خواب ہی دیکھنا ہے۔ یہ طے شدہ بات تھی۔

صبح کے وقت افضل گنگناتے ہوئے تیار ہورہا تھا۔ خوب سارا پرفیوم اسپرے کرکے اس نے آئینے میں اپنا ناقدانہ جائزہ لیا۔ اتنے میں باہر دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"دیکھو سلمٰی‘ کون ہے۔" افضل نے پکارا۔ سلمٰی نے دروازہ کھولا تھا۔ پڑوس کی نسیمہ آپا اندر داخل ہوئی تھیں۔ وہ پچاس‘ پچپن سالہ خاتون تھیں اور سلمٰی سے ان کے مثالی تعلقات تھے۔

"تھوڑی سی چینی تو دینا سلمٰی۔" انہوں نے سلمٰی کو مخاطب کیا۔ سلمٰی کچن سے جاکر چینی کا ڈبا اور خالی کٹوری اٹھا لائی تھی۔

"لے لو آپا جتنی ضرورت ہے۔" اس نے دونوں چیزیں نسیمہ آپا کو پکڑائی تھیں۔ اتنے میں ہی کمرے سے افضل باہر نکلتا ہے۔ وہ معمول سے زیادہ بن ٹھن کر تیار تھا۔ نسیمہ آپا کو دیکھ کر افضل نے سلام کیا۔ نسیمہ آپا نے افضل کو جواب تو دے دیا لیکن وہ اسے

ذرا غور سے دیکھ رہی تھیں۔

"نسیمہ آپا آپ کو آج کل میں فراغت ہو تو ذرا سلمیٰ کو لے کر آئی اسپیشلسٹ کے پاس تو چلی جائیے گا۔ اس کی نگاہ کمزور ہو رہی ہے۔" افضل نے انہیں مخاطب کیا۔

"ہاں میاں، نظر تو اس کی واقعی کمزور ہو رہی ہے۔" نسیمہ آپا ذرا معنی خیز انداز میں بولی تھیں۔ افضل نے ان کے لہجے پر ذرا دھیان نہ دیا۔

"اچھا سلمیٰ، میں جا رہا ہوں اور ہاں شام کو ذرا دیر سے گھر آؤں گا اور کھانے پر بھی انتظار مت کرنا۔ ایک دوست کے ساتھ باہر ڈنر کا پروگرام ہے۔" افضل نے سلمیٰ کو مخاطب کیا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ بائیک نکال کر گھر سے چلا گیا تو نسیمہ آپا نے سلمیٰ کو پکارا تھا۔

"یہ افضل آج کل کچھ زیادہ ہی بن ٹھن کر دفتر نہیں جانے لگا سلمیٰ۔"

"ہاں آپا کتنے اسمارٹ لگتے ہیں نا۔" سلمیٰ شوہر کی تعریف سن کر خوش ہو گئی تھی۔

"مرد کو اس عمر میں اتنا اسمارٹ (اسمارٹ) نہیں لگنا چاہیے پاگل۔" نسیمہ آپا نے اسے سمجھانا چاہا۔

"کیوں آپا..." سلمیٰ نے بھول پن سے استفسار کیا۔

"تو بہت بھولی ہے سلمیٰ... میں صرف تیری پڑوسن ہوں اور مجھے تیرے میاں کا بدلا بدلا روپ نظر آ گیا ہے۔ تیری قریب کی نظر واقعی کمزور ہو گئی ہے کہ تجھے افضل میں کوئی تبدیلی آتی محسوس ہی نہیں ہو رہی۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپا۔ میں تو پریشان ہو گئی ہوں۔" سلمیٰ واقعی الجھ کر رہ گئی تھی۔

"پریشان مت ہو۔ میں تو بس یہ کہہ رہی ہوں کہ افضل پر نگاہ رکھ۔" نسیمہ آپا اسے نصیحت کرتے ہوئے چلتی بنی تھیں اور سلمیٰ کتنی دیر تک وہیں بیٹھی ان کے جملوں پر غور کرتی رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

افضل بیڈ پر لیٹا تھا۔ ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی، اتنے میں سلمیٰ کمرے میں داخل ہوئی۔ بے ڈھنگے فریم والی بڑی سی عینک لگا کر اپنی عمر سے مزید بڑی دکھائی دے رہی تھی۔ قدموں کی چاپ پر افضل نے آنکھیں کھول کر سلمیٰ کو دیکھا۔

"سلمیٰ، کل کے لیے میری نئی میرون والی شرٹ پریس کر دینا۔" بیوی کو مخاطب کر کے اس نے پھر سے آنکھیں موند کر گنگنانا شروع کر دیا تھا۔ سلمیٰ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ کوئی جواب نہ پا کر افضل نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا، ایسے کیوں دیکھ رہی ہو۔" اس نے تعجب بھرے لہجے میں پوچھا۔

"میری بات سنو جی! پہلے تم تین دن میں دو بار کپڑے بدلتے تھے۔ اب دو دن میں تین بار بدلنے لگے ہو۔ پرفیوم کی شیشی جو پچھلے چھ مہینے سے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی تھی پچھلے دس دنوں میں تم خالی کر چکے ہو۔ جب دیکھو لیٹے، بیٹھے کچھ گنگناتے رہتے ہو۔ میں پوچھتی ہوں یہ چکر کیا ہے۔" سلمیٰ نے کڑے تیوروں سے استفسار کیا۔

"کیا مطلب..." افضل گڑبڑا گیا تھا۔

"مطلب ہی تو میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔" وہ چمک کر بولی۔

"میں چار بندوں میں اٹھتا بیٹھتا ہوں سلمیٰ۔ میری ایک پرسنالٹی ہے۔ اب تمہاری طرح تو ہوں نہیں، جمعے کے جمعے غسل فرماتی ہو۔ رہی سہی کسر اس چشمے نے پوری کر دی۔ پہلے ہی مجھ سے دو، چار سال بڑی لگتی تھی، اب تو بیوی کے بجائے بالکل میری آپا لگنے لگی ہو۔" افضل نے مذاق اڑایا۔

"میں تمہیں اتنی بری لگنے لگ گئی۔" سلمیٰ روہانسی ہو گئی تھی۔

"بری کب کہا، بس آپا... آپا لگنے لگی ہو۔" افضل ہنسا۔ سلمیٰ کی آنکھوں میں تیزی سے آنسو جمع ہونے لگے۔ "ارے مذاق کر رہا تھا یار۔" وہ کچھ پشیمان ہوا۔

"ایسے مذاق نہ کیا کرو۔" وہ دھیرے سے بولی تھی۔

"اچھا نہیں کروں گا۔ اب ذرا اگر میرا سر دبا دو۔ کچھ درد محسوس ہو رہا ہے۔" اس نے سلمیٰ کا دھیان بٹانے کی خاطر کہا۔ سلمیٰ نے چپ چاپ حکم کی تعمیل کی تھی۔

"سر بہت اچھا دباتی ہو تم۔" وہ آنکھیں موند کر بولا۔

سلمیٰ بنا جواب دیے سر دباتی رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

آفس میں افضل اپنی ٹیبل پر بیٹھا کام میں مصروف تھا، جب اس کا ایک کولیگ مجید اس کے پاس آیا تھا۔

"یار افضل! آج چھٹی ٹائم مجھے ساتھ لیتے جانا۔ میں اپنی بائیک ٹیوننگ کروانے کے لیے چھوڑ کر آیا ہوں۔" مجید نے افضل کو مخاطب کیا۔

"یار مجید۔۔۔ میں تو۔۔۔" افضل نے ہچکچاتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔

"مجید صاحب، افضل صاحب نے تو آج کل مس دل بہار کو پک اینڈ ڈراپ کرنے کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے۔" ایک اور آفس کولیگ اسلم نے ہنستے ہوئے مجید کو مخاطب کیا۔

"اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ ٹھیک ہے بھئی، پھر تو ہم خود ہی کوئی رکشا، ٹیکسی کر کے چلے جائیں گے۔" مجید بھی معنی خیز انداز میں ہنستے ہوئے بولا تھا۔ افضل ساتھیوں کو محض گھور پایا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ناصر، افضل کی میز پر آگیا۔

"فارغ ہو تو بیٹھ جاؤں۔" ناصر نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔" افضل نے فوراً جواب دیا۔

"یار افضل میں تمہارا دوست ہوں۔ تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں۔" ناصر کے کہنے پر افضل نے ذرا چونک کر اسے دیکھا، پھر فائل بند کرتے ہوئے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"کہو۔۔۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"یار۔۔۔ برا مت ماننا، لیکن آفس میں سب لوگ تمہارے اور دل بہار کے بارے میں چہ مگوئیاں کر رہے ہیں۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے افضل کو بتایا تھا۔

"تو۔۔۔؟" افضل نے تیکھے تیوروں سے دوست کو گھورا۔

"یار تم شادی شدہ اور بال بچوں والے شخص ہو۔ دل بہار جیسی لڑکی کے چکر میں پڑ کر اپنا گھر خراب مت کرو۔" ناصر نے بہت خلوص سے مشورہ دیا تھا۔

"تم بھی برا مت ماننا ناصر۔۔۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اور میں اپنے ذاتی معاملات میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔" افضل نے سرد مہری سے باور کروایا۔

"میں تو دوست جان کر خلوص نیت سے تمہیں سمجھانے آیا تھا، لیکن اگر تمہارا سمجھنے کا موڈ ہی نہیں تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔" ناصر کندھے اچکا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ افضل لب بھینچے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

درمیانے درجے کے ریسٹورنٹ میں افضل اور دل بہار آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"تم کچھ لے کیوں نہیں رہیں دل بہار۔۔۔" افضل نے اسے مخاطب کیا۔ دل بہار نے ذرا چونکنے کی ایکٹنگ کی۔

"ہاں لیتی ہوں۔۔۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"کیا بات ہے کچھ کھوئی کھوئی سی ہو۔" افضل نے پوچھا۔

"افضل کیا تمہیں یہ نہیں لگتا کہ ہم کسی اور ہی راہ پر چل نکلے ہیں۔"

"کیا مطلب۔۔۔" افضل نے پوچھا۔

"افضل شروع شروع میں مجھے لگتا تھا کہ ہم صرف اچھے دوست ہیں۔ میں تمہارے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی، لیکن میں۔۔۔" دل بہار نے ہچکچانے کی ایکٹنگ کی۔

"لیکن کیا دل بہار۔۔۔" افضل نے جملہ مکمل کروانا چاہا۔

"نہیں... "وہ پھر رکی تھی۔
"ہاں... ہاں بولو..." افضل نے جیسے اسے بولنے کا حوصلہ دیا۔
"مجھے لگتا ہے افضل میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔" وہ ایک دم سے بول پڑی تھی۔ افضل کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔
"محبت کے اس سفر میں تم تنہا نہیں ہو دل۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔" وہ قدرے رومانٹک انداز میں بولا۔
"لیکن افضل... وہ وقت آگیا ہے کہ ہمیں اپنی محبت اپنے سینوں میں چھپا کر اپنے راستے ایک دوسرے سے جدا کرلینے چاہئیں۔"
"کیا مطلب..." افضل اس خلاف توقع بات پر بھونچکا ہی تو رہ گیا تھا۔
"یہ تم کیا کہہ رہی ہو دل بہار..." اس نے تڑپ کر پوچھا۔
"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں افضل... لوگ اب میرے، تمہارے تعلق پر باتیں بنانے لگے ہیں اور دیکھا جائے تو دنیا والوں کی باتیں جائز بھی ہیں۔ آخر میرا تمہارے ساتھ رشتہ ہی کیا ہے۔ ہماری تمہاری باتیں، یہ ملاقاتیں ہمارے معاشرے میں یہ سب اچھا نہیں سمجھا جاتا۔"
"دنیا والوں کو باتیں بنانے دو دل بہار۔ ان کا تو کام ہی باتیں بنانا ہے۔" افضل نے اسے سمجھانا چاہا۔
"تم مرد ہو افضل، اس لیے یہ کہہ سکتے ہو۔ میں عورت ہوں اور عورت کی عزت آبگینے سے زیادہ نازک ہوتی ہے، یا تو تم ہمارے تمہارے تعلق کو کوئی نام دو، ورنہ ہم اپنی راہیں جدا کرلیتے ہیں۔" دل بہار افسردہ سے لہجے میں بولی۔
"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔" افضل سٹپٹا گیا تھا۔
"کیا... کیسے ہوسکتا ہے۔" دل بہار نے خفگی سے ابرو اچکائے۔
"میرا مطلب ہے، میں تم سے الگ ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔" افضل نے گڑبڑا کر وضاحت دی۔
"تو پھر یہ ایسے کب تک چلے گا۔" دل بہار نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی۔
"اچھا... تم پریشان مت ہو۔ اس مسئلے کا کوئی حل نکالتے ہیں۔ جیسا تم چاہو گی، ویسا ہی ہوگا۔ اب یہ کھانا تو کھاؤ، ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" افضل نے اسے تسلی دی تھی۔ دل بہار مطمئن انداز میں کھانے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

سلمیٰ کے پاس افضل کا کولیگ ناصر بیٹھا تھا۔ سلمیٰ کا چہرہ بالکل فق تھا۔
"میرا فرض تھا آپ کو بتانا بھابھی... میں نے اپنا فرض پورا کردیا۔ آپ افضل کی بیوی ہیں۔ اس کے بچوں کی ماں ہیں۔ اس کے بھٹکتے قدموں کو روکنے کا اختیار صرف آپ کے پاس ہے۔" ناصر نے سلمیٰ کو پرخلوص انداز میں مخاطب کیا۔
"مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ افضل کیسے..." آنسوؤں کی شدت نے سلمیٰ کو فقرہ مکمل نہ کرنے دیا تھا۔ ناصر نے تاسف سے اسے دیکھا۔
"میں نے افضل کو سمجھانے کی بہت کوشش کی، بھابھی اسے بتایا کہ وہ دل بہار جیسی لڑکی کے چکر میں پڑ کر اپنا گھر برباد نہ کرے، لیکن افضل کی آنکھوں پر تو اس لڑکی کی محبت کی ایسی پٹی بندھی ہے کہ وہ کچھ سننے پر تیار ہی نہیں۔"
"آپ کی بہت مہربانی ناصر بھائی جو آپ نے مجھے صورت حال سے آگاہ کیا۔" سلمیٰ نے گلوگیر لہجے میں ناصر کا شکریہ ادا کیا۔
"ارے نہیں بھابھی، کیوں شرمندہ کرتی ہیں، یہ تو میرا فرض تھا، لیکن آپ پلیز افضل کو مت بتائیے گا کہ یہ سب میں نے آپ کو بتایا ہے۔" ناصر نے اٹھتے ہوئے درخواست کی، سلمیٰ نے اثبات میں سرہلا دیا تھا۔ وہ سلام کرکے چلا گیا تھا۔ سلمیٰ زاروقطار رونے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

گنگناتا ہوا افضل گھر میں داخل ہوا تو سلمٰی اسے خوف ناک تیوروں سے گھورنے لگی تھی۔

"کیا بات ہے' نہ سلام' نہ دعا۔ جب سے تمہیں عینک لگی ہے اکثر و بیشتر گھورتی رہتی ہو۔ پتا بھی ہے کتنی خوف ناک لگتی ہو ایسے۔" وہ بے زاری سے بولا تھا۔ سلمٰی اسے گھورتی ہوئی بیڈروم میں جا گھسی تھی۔ افضل نے حیرت سے کندھے اچکائے' پھر اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا پکایا ہے آج۔" اس نے روٹین کا سوال کیا۔

"اپنا کلیجہ' کہو تو لا دوں۔" وہ غرائی تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے سلمٰی۔۔۔ تم مجھ سے کس لہجے میں بات کر رہی ہو۔ شوہر ہوں میں تمہارا۔۔۔" افضل کو اس کے انداز پر غصہ آگیا تھا۔

"میرے شوہر ہو تو دوسری عورت کے چکر میں کیوں پڑ رہے ہو۔" اس نے تنک کر پوچھا تھا۔

"کیا بکواس ہے یہ۔۔۔" افضل نے غصے کا اظہار کیا۔

"کس نے میرے خلاف تمہارے کان بھرے ہیں۔" وہ پوچھ رہا تھا۔

"تم یہ بات چھوڑو کہ میرے کان کس نے بھرے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ اس دل بہار سے تمہارا کیا تعلق ہے۔" سلمٰی بپھری ہوئی شیرنی لگ رہی تھی۔

"وہ میرے ساتھ آفس میں کام کرتی ہے۔" افضل نے اس بار نگاہیں چراتے ہوئے بتایا تھا۔

"تمہارے آفس میں کام کرنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ چپکی رہے۔ آفس میں تو بہت سے مرد کام کرتے ہیں' پھر صرف تمہارے ساتھ اس کا نام کیوں لیا جا رہا ہے؟"

"وہ میری اچھی دوست ہے۔" افضل نے تسلیم کیا۔

"وہ تمہاری دوست ہے اور میں تمہاری بیوی۔۔۔ میں تمہیں پہلی اور آخری بار کہہ رہی ہوں کہ اس لڑکی سے تعلق توڑ دو ورنہ۔۔۔" سلمٰی نے خوف ناک تیوروں سمیت بات ادھوری چھوڑی تھی۔

"ورنہ کیا۔۔۔" افضل کو بھی غصہ آگیا۔

"ورنہ میں تمہاری جان لے لوں گی۔" سلمٰی نے اس کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑا تھا۔

"اپنی اوقات میں رہو سلمٰی۔۔۔ چاہوں تو تین حرف کہہ کر اسی وقت تمہیں گھر سے نکال دوں۔" افضل نے اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا تھا۔ سلمٰی صدمے سے غش کھانے کو ہو گئی تھی۔

"بہت اچھا ہوا جو یہ بات خود ہی کھل گئی' ورنہ میں سوچتا رہ جاتا کہ تم سے یہ بات کیسے کروں۔ سچ یہ ہی ہے سلمٰی کہ میں دل بہار سے محبت کرتا ہوں اور ہم دونوں بہت جلد شادی کے بندھن میں بندھنے والے ہیں۔" اس نے سفاکی سے سلمٰی کی سماعتوں پر بم گرایا تھا۔ سلمٰی صدمے سے چپ چاپ اسے تکے جا رہی تھی۔

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ چشمے کے اندر سے مجھے مت گھورا کرو۔"

"تم دوسری شادی کر لو گے افضل۔۔۔" سلمٰی کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی تھی۔

"دوسری شادی میرا حق ہے سلمٰی۔۔۔" وہ کٹھورپن سے بولا تھا۔

"میں نے بیوی کی حیثیت سے اپنا کون سا فرض پورا نہیں کیا' افضل جو تمہیں اپنا یہ حق یاد آرہا ہے۔" سلمٰی کے آنسو گال بھگونے لگے تھے۔

"ذرا آئینے میں اپنی شکل دیکھو۔ مجھ سے دس سال بڑی میری آپا جان لگتی ہو۔ کم از کم میری بیوی نہیں۔" افضل نے استہزائیہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔

"جب میری تم سے شادی ہوئی تھی افضل تب مجھے کہتے تھے سلمٰی تم چھوئی موئی کی طرح نازک ہو۔ تمہاری خدمت کرتے کرتے' تمہارے بچوں کو پالتے ہوئے' ہر وقت گھرداری کے جھنجٹ میں الجھتے ہوئے میں نے اپنی ذات کو بھلا دیا اور تم مجھے یہ صلہ دے رہے ہو۔" وہ صدمے سے نڈھال تھی۔

"اچھا اب زیادہ ملکہ جذبات بننے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تمہیں صاف صاف بتا دیا ہے کہ میں دل بہار سے شادی کرنے جا رہا ہوں' اگر تمہیں میری دوسری شادی پر اعتراض نہیں تو شوق سے اس گھر میں

رہ سکتی ہو ورنہ۔۔۔" افضل نے بات ادھوری چھوڑی۔
"ورنہ۔۔۔" سلمیٰ تڑپ کر رہ گئی تھی۔
"مجھے بار بار اپنی بات دہرانے کی عادت نہیں ہے۔ اچھی طرح سوچ لو' پھر مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔" افضل دھاڑ سے دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔ سلمیٰ اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

سلمیٰ کے پاس پڑوسن نسیمہ آپا بیٹھی تھیں۔ رو' رو کر سلمیٰ کی آنکھیں سوج چکی تھیں۔ نسیمہ آپا بھی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے ہکا بکا پوزیشن میں بیٹھی تھیں۔
"وہ میرے سر کا سائیں ہے' نسیمہ آپا اور وہی میرے سر سے سائبان چھیننے کی دھمکی دے رہا ہے۔" سلمیٰ نے رندھی ہوئی آواز میں نسیمہ آپا کو مخاطب کیا۔
"مجھے تو پہلے سے ہی افضل کے لچھن ٹھیک نہیں لگ رہے تھے' میں تجھ سے کتنا کہتی تھی کہ افضل پر نظر رکھو۔"
"ہونا تو یہ ہی تھا نسیمہ آپا۔۔۔ جب مرد کی نیت میں ایک بار فتور آجائے تو بیوی سمیت کوئی اسے اس کے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتا۔" سلمیٰ نے آزردگی سے آپا کو مخاطب کیا۔
"تیرا تو میکا بھی تگڑا نہیں سلمیٰ۔۔۔ باپ اللہ کو پیارا ہو گیا۔ بھائی کوئی ہے نہیں۔۔۔ ورنہ یہ جو پچھلے محلے میں توفیق رہتا ہے۔ چلا تھا۔ دوسری شادی کرنے۔۔۔ چار سالے تھے۔ چاروں نے مار مار کر بھرکس نکال دیا۔ اس کے ذہن سے دوسری شادی کا خناس ہی نکل گیا۔"
"میں بھی تو یہ ہی سوچ رہی ہوں آپا کہ کس برتے پر افضل سے جھگڑا کروں' اگر اس نے اپنے کہے کے مطابق تین بول' بول دیے تو میرے پاس تو سر چھپانے کا ٹھکانا بھی نہیں رہے گا۔ میں تو سوچ رہی ہوں' زہر کھا کر اپنی منحوس زندگی کا خاتمہ ہی کر دوں۔"
"نہ سلمیٰ' نہ جوش کے بجائے ہوش سے کام لے۔ تو اتنی بھی مجبور نہیں۔ بہت کچھ ہے تیرے ہاتھ میں۔۔۔" نسیمہ آپا نے اسے سمجھانا چاہا۔
"کہاں آپا میرے ہاتھ تو بالکل خالی ہیں۔" سلمیٰ نے یاسیت سے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے تھے۔
"میری بات سن سلمیٰ۔۔۔ جب افضل دوسری شادی کرنے کی ٹھان ہی چکا ہے تو عقل سے کام لیتے ہوئے اسے' اس کے ارادے سے باز رکھنے کی ایک کوشش تو کر کے دیکھ سکتی ہے تو' اگر کامیابی مل گئی تو ٹھیک ورنہ افضل کی دوسری شادی کو تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کر لینا۔"
"کیسی کوشش آپا۔۔۔" سلمیٰ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔
"کان ادھر لا۔۔۔" نسیمہ آپا نے پکارا اور پھر دھیمی آواز میں اسے کسی "منصوبے" کی جزئیات سمجھانے لگی تھیں' سلمیٰ دھیرے سے سر ہلاتے ہوئے نسیمہ آپا کی بات سننے لگی۔

☼ ☼ ☼

افضل دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنا کر بیڈ پر لیٹا تھا۔ اتنے میں سلمیٰ کمرے میں داخل ہوئی' ہاتھ میں ایک پلیٹ تھی۔
"یہ لیں سنی کے ابو۔۔۔ میں نے آپ کے لیے گجریلا بنایا ہے۔" اس نے افضل کو مخاطب کیا۔
"دیکھو سلمیٰ تم جتنی مرضی خدمت کر لو۔۔۔ میرا فیصلہ بدلنے والا نہیں۔" افضل نے سنجیدگی سے باور کروایا تھا۔
"آپ غلط سمجھ رہے ہیں سنی کے ابو' میں نے آپ کا فیصلہ اپنی تقدیر سمجھ کر قبول کر لیا ہے۔" وہ دکھ بھرے لہجے میں بولی تھی۔ افضل اسے بے یقینی سے تکنے لگا تھا' پھر یکلخت اٹھ بیٹھا۔
"کیا کہا تم نے۔۔۔ میں نے ٹھیک سے سنا نہیں۔"
"تم نے ٹھیک سے سن تو لیا ہے افضل۔۔۔ یوں کہو کہ تمہیں سن کر یقین نہیں آرہا۔۔۔" سلمیٰ نے طنز کیا۔
"ہاں واقعی مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم اتنی آسانی

سے مان جاؤ گی۔" افضل نے تسلیم کرنے میں عار نہ سمجھا۔
"میں نے حقیقت سے سمجھوتا کرلیا ہے افضل۔۔۔ سیانے کہتے ہیں کہ جب مرد ایک بار دوسری شادی کا سوچ لے تو پھر اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ میں نے سوچا کرنی تو تم نے اپنی ہے تو جو کام میں نے رونے دھونے اور لڑنے جھگڑنے کے بعد بھی کرنا ہے تو وہ پہلے کیوں نہ کرلوں۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ تم دوسرا بیاہ رچالو۔" وہ دھیرے سے بولی تھی۔
افضل اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا رہ جاتا ہے۔
"ایسے کیا گھور رہے ہو۔ گھورتے ہوئے تم بھی کچھ کم خوف ناک نہیں لگتے۔" سلمٰی مسکرائی۔ افضل شرمندہ سا ہوگیا۔
"یہ لو گاجر کا حلوہ کھاؤ۔" سلمٰی نے زبردستی اس کے ہاتھ میں پلیٹ تھمائی۔
"کھالو افضل۔۔۔ میں نے اس میں زہر نہیں ملایا ہے۔" اسے تذبذب میں مبتلا دیکھ کر سلمٰی بولی تھی۔
(حالانکہ میرا دل تو یہ ہی چاہ رہا تھا۔) وہ دل ہی دل میں بولی تھی۔ افضل کھسیانا سا ہو کر حلوہ کھانے لگا تھا۔
"میں ایک کمزور عورت ہوں افضل۔۔۔ اس پوری دنیا میں تمہارے سوا میرا ہے ہی کون۔ مجھے تمہارا ساتھ اور تمہارا نام ہر حال میں درکار ہے، میں بخوشی سوکن کے ساتھ بھی گزارہ کرنے پر تیار ہوں۔"
"تم راتوں رات کتنی عقل کی باتیں کرنے لگی ہو سلمٰی۔ مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم اتنی آسانی سے مجھے دل بہار سے شادی کی اجازت دے دوگی۔" افضل بے تحاشا خوش ہوا تھا۔
"پھر تم مجھے دل بہار سے کب ملوا رہے ہو۔ میں بھی تو دیکھوں تمہارا انتخاب۔" سلمٰی نے فرمائش کی۔ افضل ایک بار پھر مشکوک ہوا۔
"خدا کے لیے افضل میری نیت پر شک مت کرو۔ میں تمہیں، نہ روک سکی تو دل بہار کا کیا بگاڑ لوں گی، بلکہ میں تو چاہ رہی ہوں کہ ہم دونوں کے بیچ وہ پیدا ہوجائے، کیا کہتے ہیں اسے۔۔۔" سلمٰی نے بات ادھوری چھوڑی۔
"انڈر اسٹینڈنگ۔۔۔" افضل نے فقرہ مکمل کیا۔
"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ وہی۔۔۔" سلمٰی نے سرہلایا۔
"جب ہم نے اکٹھے زندگی گزارنی ہے تو ہمیں ایک دوسرے کے مزاج کا بھی تو اندازہ ہوجانا چاہیے نا۔۔۔" سلمٰی بہت عقل کی باتیں کررہی تھی۔ افضل نے اثبات میں سر تو ہلا دیا، لیکن اس کے چہرے پر ابھی بھی حیرت بھرے تاثرات رقم تھے۔

☼ ☼ ☼

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ سلمٰی اتنی آسانی سے مان جائے گی۔ اب ہماری شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں دل بہار۔۔۔" افضل اس وقت دل بہار کے گھر بیٹھا نہایت خوشی کے عالم میں اسے سلمٰی کی رضامندی سے آگاہ کررہا تھا۔ ماں جی بھی پاس ہی بیٹھی تھیں۔
"ہاں بیٹے میں تو خود ہی یہ چاہ رہی ہوں کہ جتنی جلدی اس فریضے سے سبکدوش ہوجاؤں وہی اچھا۔۔۔ میری زندگی کا کیا بھروسا بیٹے۔ آج ہوں کل نہ ہوں۔" ماں جی نے مصنوعی کھانسی کھانستے ہوئے اپنے آپ کو بیمار اور نقاہت زدہ ثابت کیا۔
"پھر افضل کیا ہم شادی کی شاپنگ شروع کردیں۔" دل بہار نے پرجوش انداز میں افضل کو مخاطب کیا۔ ماں جی نے بے صبری کے اس مظاہرے پر دل بہار کو گھورا۔
"شادی کی شاپنگ بھی ہوجائے گی، لڑکی پہلے مجھے افضل بیٹے سے شادی کے کچھ معاملات طے کرنے دو۔"
"افضل بیٹا۔۔۔" ماں جی نے لہجے میں شیرینی سموئی۔
"جی کہیے ماں جی۔۔۔" افضل ماں جی کی طرف متوجہ ہوا۔
"بیٹا تم پہلے ہی شادی شدہ اور بال بچوں والے شخص ہو۔ ایسے آدمی پر دوسری شادی کے وقت، بہت پریشر ہوتا ہے۔"

"بھلے سے تمہاری بیوی نے تمہیں دوسری شادی کی اجازت دے دی ہے، لیکن مجھے دل بہار کے مستقبل کی کچھ تو ضمانت دو، تاکہ میں سکون سے مر سکوں۔" ماں جی کے کہنے پر افضل انہیں نا سمجھی سے تکنے لگا تھا۔

"افضل تم نے ایک بار اپنے ترکے میں ملنے والے فلیٹ کا ذکر کیا تھا جو تم نے کرائے پر چڑھا رکھا ہے۔ ماں جی کی خواہش ہے کہ وہ تم میرے نام کردو۔" دل بہار نے بہت نازو انداز سے فرمائش کی تھی۔

"ہاں... ہاں... کیوں نہیں تم مجھ سے الگ تھوڑی ہو۔ نکاح کے وقت میں فلیٹ تمہارے نام کروں گا۔" افضل فوراً" رضامند ہوگیا۔ ماں جی اور دل بہار نے خوش ہو کر معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"بلکہ افضل شادی کے بعد ہم وہیں شفٹ کیوں نہ ہوجائیں۔" دل بہار نے اگلی فرمائش کی۔

"جیسی تمہاری خوشی دل بہار..." افضل اس مطالبے پر بھی بخوشی راضی ہوا تھا۔

"اف افضل... میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ آج میں کتنی خوش ہوں۔" دل بہار نے خوشی سے آنکھیں میچی تھیں۔ افضل اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"چلو اس خوشی کو سیلیبریٹ کریں۔ تم مجھے اچھی سی جگہ سے زبردست سا ڈنر کرواؤ۔" دل بہار نے بہت مان سے فرمائش کی۔ افضل خوشی خوشی اٹھ گیا تھا۔

"میرے لیے بھی کھانا پیک کروالانا۔" ماں جی نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

"آپ کو بھول سکتے ہیں ماں جی..." افضل مسکرا کر بولا۔

"کتنی خوش قسمت ہے دل بہار۔ بالکل ویسا ہی کاٹھ کا الو ملا ہے، جیسے مجھے اس کا باپ ملا تھا۔" مسرور سی ماں جی نے سوچا تھا۔ خوشی ان کے چہرے سے بھی چھلکی جارہی تھی۔

☆ ☆ ☆

سلمیٰ اپنے تینوں بچوں کے ساتھ دل بہار کے دروازے کے سامنے موجود تھی۔ اس نے زور، زور سے دروزاہ کھٹکھٹایا تھا۔ دل بہار نے دروازہ کھولا۔ سلمیٰ جھٹ اندر گھسی تھی۔

"رکیے تو سہی، کون ہیں آپ..." دل بہار بوکھلا کر اس کے پیچھے لپکی۔

"ارے ہماری تمہاری تو بہت گہری رشتہ داری ہونے والی ہے۔ حیرت ہے تم نے مجھے نہیں پہچانا۔ میں نے تو تمہیں فوراً" پہچان لیا۔" سلمیٰ مسکرا کر بولی۔ دل بہار اسے حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔ سلمیٰ نے بھی اس کا اوپر سے نیچے تک جائزہ لیا۔

"ماشاء اللہ... ماشاء اللہ... چشم بد دور... کیسی حسین صورت ہے۔ افضل کا انتخاب واقعی لاجواب ہے۔" سلمیٰ نے چشمے کے پیچھے سے آنکھ میں انگلی لگا کر کاجل سے دل بہار کے گال پر تل بنایا تھا۔ دل بہار بوکھلا کر پیچھے ہٹی تھی۔

"کون ہے دل بہار..." اتنے میں ماں جی بھی وہیں آگئی تھیں۔

"السلام علیکم ماں جی! میں ہوں آپ کی دوسری بیٹی..." سلمیٰ نے مئودبانہ انداز میں سلام کیا، پھر بچوں کو ٹھوکا دیا تھا۔

"چپ چاپ کیوں کھڑے ہو بدتمیزو... سلام کرو نانی کو..." سلمیٰ کے کہنے پر تینوں بچوں نے باآواز بلند "السلام علیکم نانی جان!" کہا تھا۔

"ابھی بھی نہیں پہچانا۔" سلمیٰ ہنسی تھی۔ "چلو بچو ان کو بھی سلام کرو۔ پھر پہچانیں گی ہمیں۔" اس نے دل بہار کی طرف اشارہ کیا۔

"السلام علیکم امی جان!" بچے کورس میں بولے تھے۔ دل بہار کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی۔

"بہت شریر ہیں یہ... بتایا بھی تھا کہ ابھی امی جان نہیں ہیں، ابھی تو ہونے والی امی جان ہیں۔" سلمیٰ کھلکھلا کر بولی تھی۔

"آپ۔۔۔" دل بہار نے سرسراتی ہوئی آواز میں تعارف چاہا۔

"ارے پگلی سلمیٰ ہوں میں۔۔۔ تم بھی میری طرح بھولی بھالی سی لگتی ہو۔ ابھی تک پہچان ہی نہیں سکی۔ افضل صحیح کہہ رہا تھا کہ سلمیٰ دل بہار ہے تو تمہاری طرح خوب صورت مگر بہت سیدھی سی لڑکی ہے۔ بالکل اللہ میاں کی گائے۔ اسے تو جو چاہے بے وقوف بنا لے۔ دیکھا تو یقین آگیا۔" سلمیٰ مسکرا کر بولی۔ دل بہار صرف اسے آنکھیں پھاڑے تک رہی تھی۔

اتنے میں ہی باہر سے زوردار ہارن کی آواز آئی تھی۔ سلمیٰ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"اوہ۔۔۔ اس ٹیکسی والے کو تو میں بھول ہی گئی امی جی۔۔۔ ذرا ایک سو چالیس روپے تو دینا۔ میرے پاس ہزار کا کھلا نہیں ہے۔" سلمیٰ نے دل بہار کی ماں کو مخاطب کیا۔ ہکا بکا سی ماں جی نے دوپٹے کے اندر گریبان میں ہاتھ ڈال کر بٹوہ نکالا تھا سلمیٰ کو پیسے تھمائے۔

"یہ لے نومی۔۔۔ جا کر اس ٹیکسی والے کے منہ پر مار کر آ۔۔۔ کم بخت نے اتنی تیز ٹیکسی چلائی کہ دو دفعہ ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا۔" اس نے پیسے بیٹے کو دیتے ہوئے تاکید کی۔ پھر ریلیکس انداز میں کرسی سنبھال کر بیٹھ گئی۔ بچے بھی بیٹھ گئے تھے۔ دل بہار اور ماں جی حیران پریشان کھڑے تھے۔

"آپ لوگ کیوں کھڑے ہیں۔ بیٹھیں نا۔ آپ کا تو اپنا گھر ہے۔" اس نے دونوں کو دیکھ کر کہا۔ ماں جی اور دل بہار میکانکی انداز میں بیٹھ گئے تھے

"رب کی قدرت دیکھو ماں جی۔۔۔ میری اپنی ماں میرے بچپن میں ہی اللہ کو پیاری ہو گئی تھیں۔ اس عمر میں اللہ نے مجھے ماں بھی دے دی اور بہن بھی۔" سلمیٰ خوش ہوتے ہوئے بولی۔ ماں جی اور دل بہار نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا مگر بولے کچھ نہیں۔

اتنے میں ہی بچوں نے سلمیٰ کے کان میں گھس کر کچھ کھسر پسر کی تھی۔ سلمیٰ نے بچوں کی بات سن کر ہنستے ہوئے انہیں چپت لگائی۔

"نالائق بہت شریر ہیں۔ کہہ رہے ہیں امی کہ نئی امی اتنی وائٹ ہیں کہ انہیں دل بہار امی کے بجائے دل بہار قلفی کہنے کو جی چاہ رہا ہے۔" سلمیٰ نے ہنس کر بچوں کی بات سے دل بہار کو آگاہ کیا۔ دل بہار نے ناگواری سے اسے دیکھا مگر اب بھی کچھ نہ بولی۔

"ماشاء اللہ واقعی دودھ ملائی جیسی رنگت ہے' سنی کے ابو کی نئی دلہن کی۔" سلمیٰ کے کہنے پر دل بہار ناگواری سے اٹھ کر کمرے سے باہر جانے لگی۔

"کھانے وانے کا تکلف رہنے دینا دل بہار۔" سلمیٰ نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

"بس چائے بسکٹ لے آنا۔ ہاں چائے میں پتی ذرا تیز ڈالنا۔ ویسے تو تمہیں پتا ہی ہوگا کہ ہمارے گھر پتی تیز پی جاتی ہے۔" سلمیٰ نے با آواز بلند جملہ مکمل کیا۔ دل بہار کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ سلمیٰ اب ماں جی کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اور ماں جی سنائیں' شادی کی تیاریاں شیاریاں کہاں تک پہنچیں۔" اس نے بہت اپنائیت سے پوچھا۔ ماں جی بھی خاموش رہیں۔

"آپ کا تو بڑھاپا ہے جی۔ کہاں بیٹی کے ساتھ بازاروں کی خاک چھانیں گی' میں ہوں نا' سارے کام سنبھال لوں گی۔" سلمیٰ نے انہیں مخاطب کیا۔ بچے پھر سلمیٰ کے کان میں کھسر پھسر کرنے لگے تھے۔

"ہاں ہاں کھیل لو۔ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔" اس نے بچوں کو خوش دلی سے کھیلنے کی اجازت دی۔ بچے اٹھ کر بے تکلفی سے کمرے کی چیزوں کا جائزہ لینے لگے تھے۔ دوسرے کمرے میں دل بہار افضل کو فون کر رہی تھی۔

"یہ کیا تماشا ہے افضل۔" وہ خفگی سے گویا ہوئی۔

"کیا ہوا دل۔" افضل نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہاری بیوی تمہارے بچوں سمیت یہاں پہنچ گئی ہے۔" اس نے لب بھینچ کر آگاہ کیا۔

"اوہ اچھا۔۔۔ بڑی کوئیک سروس دکھائی سلمیٰ نے۔ رات ہی مجھ سے ایڈریس سمجھا تھا اور آج پہنچ بھی گئی۔" افضل ہنستا تھا۔

"تم ہنس رہے ہو افضل۔" دل بہار کو دکھ ہوا تھا۔
"کیا بات ہے دل؟ کیا سلمیٰ نے یہاں آکر تم سے کوئی سخت کلامی کی ہے۔" افضل نے تشویش سے دریافت کیا۔
"نہیں' بظاہر تو بہت میٹھی بن رہی ہیں لیکن مجھے بہت اوڈ (عجیب) فیل ہو رہا ہے۔ اتنے بڑے بڑے بچے مجھے امی جی کہہ رہے ہیں۔" اس نے روہانسی ہو کر آگاہ کیا۔
"میں نے کبھی تمہیں اپنی عمر سے لاعلم تو نہیں رکھا دل بہار' میری جتنی عمر کے اتنے ہی بڑے بچے ہونے تھے اور مجھ سے شادی کے بعد تم نے ان بچوں کی دوسری امی ہی بننا ہے۔" افضل بھی اس بار ذرا برا مان گیا تھا۔ دل بہار کو غصہ تو آیا مگر جواب میں کچھ نہ بولی۔
"دیکھو دل بہار' جب سلمیٰ اعلا ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمہیں قبول کر رہی ہے تو تمہیں بھی اپنا دل بڑا کرنا ہوگا' بلکہ میں تو کہوں گا کہ تم بچوں سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرو' تاکہ وہ بھی تمہیں ذہنی طور پر قبول کرلیں۔" افضل نے لگے ہاتھوں مشورہ بھی دے دیا۔
"اچھا ٹھیک ہے' اللہ حافظ۔" دل بہار نے کلس کر فون ہی بند کردیا۔ اتنے میں چپکے سے نومی اور سنی اس کے پیچھے آئے تھے اور اسے زوردار آواز میں ہاؤ کرکے ڈرانا چاہا۔ وہ دل پر ہاتھ رکھ کر اچھل پڑی تھی۔ بچے کھی کھی کرکے ہنسنے لگے' دل بہار انہیں غصے سے گھورنے پر ہی اکتفا کرپائی تھی۔

☆ ☆ ☆

افضل گھر میں داخل ہوا تو ہاتھ میں پھلوں کا شاپر تھا۔ سلمیٰ کاپی پنسل ہاتھ میں پکڑے حساب کتاب میں مصروف تھی۔ افضل نے پھلوں کا شاپر کھیل کود میں مصروف کسی بچے کے ہاتھ میں پکڑایا تھا۔
"میں کہہ رہی ہوں سنی کے ابو اب ذرا اپنی فضول خرچی کی عادت کنٹرول کرو۔" سلمیٰ نے شوہر کو گھورا تھا۔ افضل نے حیرانی سے اس کی سمت دیکھا۔
"یوں کیا دیکھ رہے ہو۔ شادی سر پر کھڑی ہے اور تم ان الللے تللوں پر پیسے لٹا رہے ہو۔" وہ خفگی سے بولی۔
"ہو جائے گا سب' ہو جائے گا۔" افضل کھسیانا سا ہو کر بولا۔
"کیسے ہو جائے گا اور ہاں یہ تو بتاؤ کہ آفس میں تم نے جو کمیٹی ڈال رکھی ہے اس بار تمہارا ہی نمبر ہے نا۔" سلمیٰ نے پوچھا۔
"ہاں۔۔۔ پرسوں تک مل جائے گی کمیٹی۔" افضل نے بتایا۔
"بس پھر ٹھیک ہے' مجھے پیسے لادینا' میں شادی کی تیاریاں شروع کروں۔"
"کیسی تیاریاں؟" افضل حیران ہوا۔
"اب تمہاری اماں مرحومہ تو قبر سے نکل کر تمہاری بری تیار کرنے سے رہیں' ظاہر ہے مجھے ہی دیکھنا ہوگا سب۔" سلمیٰ سنجیدگی سے بولی تھی۔
"تم کہاں مشکل میں پڑوگی۔ میں دل بہار کو پیسے دے دوں گا۔ وہ خود ہی۔۔۔"
"خبردار جو دل بہار کو پیسے دیے۔" سلمیٰ نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی' پھر نامناسب لہجے کا احساس ہوا تو اگلے ہی لمحے ٹون بدلی تھی۔
"میرا مطلب ہے کہ وہ بے چاری ہفتے میں چھ دن تو آفس جاتی ہے۔ ایک چھٹی کا دن ہوتا ہے' اس دن بھی بجائے آرام کرنے کے بازاروں کی خاک چھاننے گی کیا۔ پھر کل کی بچی ہے' دکان دار لڑکیوں کو مہنگے دام لگاتے ہیں' میں تو اصل قیمت سے بھی سو پچاس کم کروا کر چیز لاتی ہوں۔ میں خود خرید لوں گی کپڑے لتے۔ زیادہ کروں گی تو دل بہار کی پسند کے رنگ پوچھ لوں گی۔" سلمیٰ بولی تھی۔
"ہاں یہ صحیح ہے۔ اس کی پسند بھی شامل ہو تو اچھا ہے۔" افضل مطمئن ہو گیا تھا۔
"پتا ہے' پتا ہے مجھے۔ بس تم مجھے پیسے لادینا۔ میرا خیال ہے اگلے چاند کی چودہ مناسب رہے گی' تم دونوں نے کیا سوچا ہے۔"
"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے کہ جلد از جلد یہ کام

نپٹ جائے۔" افضل نے اس کی تائید کی۔
"اچھا میں ذرا چیزوں کی لسٹ بنالوں۔ تم کھانا گرم کر کے خود بھی کھالو اور بچوں کو بھی کھلا دو۔" سلمٰی کے کہنے پر افضل نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ وہ انجان بنتی ہاتھ میں پکڑی لسٹ کی طرف متوجہ ہو گئی۔
"غضب خدا کا اتنے کم دن اور اتنے ڈھیروں کام۔" سلمٰی نے خود کلامی کی۔ افضل اس کے خلوص سے ازحد متاثر نظر آرہا تھا۔
"آؤ بچو میں کھانا گرم کر رہا ہوں۔ کھانا کھالو۔" اس نے بچوں کو پکارا تھا اور خود باورچی خانے کی طرف مڑ گیا۔
"ذرا اچھا سا سلاد بھی بنا لینا سنی کے ابو اور ہاں اچار بھی نکال لینا۔" سلمٰی نے پیچھے سے ہانک لگائی' پھر دوبارہ لسٹ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

ڈھیر سارے شاپنگ بیگز کے ساتھ ہانپتی کانپتی سلمٰی دل بہار کے گھر داخل ہوئی۔ افضل وہاں پہلے سے موجود تھا۔ خوش گوار موڈ میں چائے پی جارہی تھی۔
"پتا تھا مجھے یہیں پائے جاؤ گے۔" اس نے طنز کیا مگر اگلے ہی پل لہجے میں شیرینی سموئی تھی۔
"دل بہار کو تم ہی گھر ڈراپ کرتے ہو نا۔ میں نے ٹائم دیکھا تو سوچا چلو اچھا ہے تمہارے سامنے ہی اپنی خریداری دل بہار کو دکھا دوں۔" "آیئے بیٹھے۔" دل بہار نے بادل ناخواستہ اسے بیٹھنے کی آفر کی۔
"بیٹھ رہی ہوں چندا پہلے ایک گلاس ٹھنڈا پانی تو پلا دے۔" سلمٰی نے اسے پیار سے مخاطب کیا۔ وہ غصہ ضبط کرتی باہر جانے لگی۔
"اگر گھر میں لیموں پڑے ہوں تو ایک لیموں اور دو چمچے چینی بھی پانی میں ملا دینا۔" سلمٰی نے مزید فرمائش کی۔ دل بہار سنی ان سنی کرتی چلی گئی تھی۔

"تین گھنٹوں سے بازاروں کی خاک چھان رہی ہوں۔ پیاس کے مارے حلق میں کانٹے پڑ رہے ہیں۔" اس نے افضل کو مخاطب کیا۔
"بچے گھر پر اکیلے ہیں؟" افضل کو بچوں کی فکر ستائی۔
"نسیمہ آپا کو کہہ آئی تھی بچوں کا خیال رکھیں۔" اس نے بتایا تھا پھر شاپنگ بیگ کھول کر ایک ڈبا باہر نکالا۔
"تم بچوں کی فکر چھوڑو یہ شاپنگ تو دیکھو۔" اس نے ڈبا کھول کر سوٹ باہر نکالا یہ ایک بہت خوب صورت کامدانی سوٹ تھا۔
"واؤ کتنا خوب صورت سوٹ ہے۔" اتنے میں پانی کا گلاس لیے دل بہار بھی چلی آئی۔ سوٹ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک اتر آئی۔ وہ تعریف کیے بنا نہ رہ پائی تھی۔
"پیارا ہے نا؟" سلمٰی نے اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیتے ہوئے بہت خوش ہو کر پوچھا۔
"ہاں سلمٰی آپا بہت پیارا۔" دل بہار کے لہجے میں مٹھاس گھل گئی تھی۔
"یہ میں تم لوگوں کی مہندی پر پہنوں گی۔" سلمٰی نے غٹاغٹ پانی چڑھا کر گلاس واپس دل بہار کو تھمایا اور ڈبا بند کر دیا دل بہار کا چہرہ اتر گیا تھا۔ سلمٰی نے ایک اور شاپر کھول کر دوسرا سوٹ نکالا۔ یہ سوٹ پہلے والے سے بھی زیادہ خوب صورت تھا۔
"یہ والا سوٹ میں بارات والے دن پہن کر تمہیں لینے آؤں گی۔" سلمٰی نے بہت پیار سے بتایا تھا۔
"اور یہ دیکھو ان سوٹوں کے ساتھ کے میچنگ سینڈل۔" وہ اب جوتوں کے ڈبے کھول رہی تھی۔
"آپ نے بہت اچھی شاپنگ کی ہے اپنے لیے۔" دل بہار طنز کیے بنا نہ رہ پائی۔
"کیوں صرف اپنے لیے کیوں یہ دو جوڑے تمہارے لیے بھی لائی ہوں۔" سلمٰی نے ایک شاپنگ

بیگ سے کپڑے باہر نکالے۔

"تم لڑکیاں کام والے کپڑے اتنے شوق سے پہنتی نہیں۔ بری، جہیز کے کپڑے صندوقوں میں بند رہتے ہیں۔ اس لیے میں نے سوچا ایسے کپڑے لوں جو تم ہر جگہ آرام سے پہن تو سکو، رنگ بھی دیکھو بالکل وہی جو تم نے بتایا تھا۔ بس اپنے ٹیلر سے اپنے ناپ کے مطابق سلوا لینا۔" سلمٰی نے گول مول کر کے کپڑے شاپر میں ٹھونسے اور شاپر دل بہار کو تھما دیا۔

"رنگ وہی ہے تو کیا ہوا کپڑا تو دیکھیں کتنا ہلکا ہے۔" دل بہار روہانسی ہو گئی تھی۔

"تمہیں میرا جوڑا پسند آرہا ہے چندا تو وہ رکھ لو۔" سلمٰی نے فراخدلی سے اپنے سوٹ کا ڈبا اسے تھمایا۔

"شکریہ یہ آپ اپنے لیے لائی ہیں خود ہی پہنیں۔" دل بہار نخرے سے بولی تھی پھر افضل کی طرف متوجہ ہوئی۔

"بارات اور ولیمہ کا جوڑا لڑکے والوں کی طرف کا ہوتا ہے آپ مجھے پیسے دے دیجئے گا۔ ان دو فنکشنز کی شاپنگ میں خود کروں گی۔" اس نے افضل کو مخاطب کیا۔ افضل کے کچھ بولنے سے پہلے ہی سلمٰی پھر بول پڑی تھی۔

"بارات کے دن کا جوڑا تو رکھا ہوا ہے۔ اللہ بخشے افضل کی امی جی کا غرارہ سوٹ ہے۔ میں نے بھی اپنی شادی میں وہی پہنا تھا۔ کھلتے ہوئے سرخ رنگ کا غرارہ اس پر گوٹے کا کام۔ کتنا پیارا غرارہ ہے نا افضل۔" سلمٰی نے افضل کی تائید چاہی۔ افضل نے ایک نگاہ دل بہار کے سوجے ہوئے منہ پر ڈالی پھر دوبارہ سلمٰی کو دیکھا جو اپنے ہی خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔

"سرخ غرارہ پہن کر میں اتنی حسین لگ رہی تھی یاد ہے نا افضل تم نے کہا تھا کہ سلمٰی آج تو تم جنت کی کوئی حور لگ رہی ہو اور میں نے شرما کر....."

"دل بہار ماں جی نظر نہیں آرہیں کہاں ہیں۔" افضل نے گڑبڑاتے ہوئے سلمٰی کی گفتگو پر بریک لگانا چاہی۔

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ امی جی نظر نہیں آرہیں وہ ہوتیں تو وہ بھی شاپنگ دیکھ لیتیں۔" سلمٰی بھی بولی تھی۔

"اماں پڑوس میں گئی ہیں کسی کی عیادت کرنے۔" دل بہار نے بگڑے موڈ کے ساتھ بتایا تھا۔

"بڑی حوصلے والی عورت ہیں ماں جی وہ تو عمر کے اس حصے میں ہیں جب ان کی خود کی عیادت کرنی چاہیے وہ پڑوسیوں کا بھی خیال رکھتی ہیں۔ ویسے چلنا پھرنا اچھا ہے۔ چارپائی پر بیٹھے بیٹھے تو انسان اور بیمار ہو جاتا ہے۔" سلمٰی سر ہلاتے ہوئے بولی افضل کنکھیوں سے دل بہار کو دیکھے جا رہا تھا جس کا منہ پھول کر کپا ہو گیا تھا۔

"بہت بھوک لگ رہی ہے آج کیا پکایا ہے دل بہار۔" سلمٰی نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"میرا اور افضل کا آج باہر ڈنر کا ارادہ ہے۔" دل بہار نے تنک کر بتایا تھا۔

"بلے بھئی بلے، پھر تو آج میں بھی تمہارے پروگرام میں شامل ہو جاتی ہوں۔ کتنے دن ہو گئے افضل نے باہر کھانا نہیں کھلایا۔ آج تینوں اکٹھے کھائیں گے۔" سلمٰی خوش ہوتے ہوئے بولی۔ افضل اور دل بہار نے بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"چلو افضل جلدی کرو کھانا کھا کر گھر واپس بھی جانا ہے بچے گھر پر اکیلے ہیں۔ پہلے پتا ہوتا کہ باہر کھانے کا پروگرام ہے تو انہیں بھی ساتھ لے آتی۔ چلو خیر ہے شادی کے بعد سب مل کر جایا کریں گے۔" سلمٰی پھرتی سے شاپنگ بیگز سمیٹتی جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ غصے اور کوفت کے مارے دل بہار کا برا حال ہو رہا تھا مگر جب اس نے افضل کو سلمٰی کے ساتھ جاتا دیکھا تو خود بھی پیچھے پیچھے چل پڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

رات کے وقت افضل اور سلمٰی سونے کے لیے بیڈ پر لیٹے تھے۔ افضل ایک بازو سر کے نیچے رکھے کسی

سوچ میں گم تھا۔

"کیا ہوا اب سو بھی جاؤ۔ صبح آفس کے لیے نہیں اٹھنا۔ کتنی رات ہو گئی ہے۔" سلمیٰ نے بڑی سی جمائی لیتے ہوئے افضل کو مخاطب کیا۔

"یار دل بہار کا موڈ کچھ خراب لگ رہا تھا۔ کیا تھا تم بری کی شاپنگ اسے خود کرنے دیتیں۔" افضل نے بیوی کو مخاطب کیا۔

"اچھا تو کرلے گی خود شاپنگ، کمیٹی جو کھلی تھی اس میں سے پندرہ ہزار بچے پڑے ہیں۔ دے آؤں گی کل اسے اپنی مرضی کی شاپنگ خود ہی کرلے گی۔" سلمیٰ نے کہا تھا۔

"صرف پندرہ ہزار سلمیٰ، باقی کا تم نے کیا کیا۔" افضل حیرت کے مارے اٹھ بیٹھا تھا۔

"کرنا کیا تھا اپنے کپڑے بنوائے تمہارے، بچوں کے جوتے، کپڑے لیے، چار سوٹ دل بہار کے لیے بلکہ تمہارے، بچوں کی شیروانیاں رہ گئی ہیں۔"

"بچوں کی شیروانیاں۔ ان کی کیا ضرورت ہے بھئی۔" افضل قدرے جز بز ہوا تھا۔

"تم کہہ رہے ہو کیا ضرورت ہے اور تمہارے بچوں نے میرا ناک میں دم کیا ہوا ہے۔ ہر کوئی کہتا ہے ابو کا شہ بالا میں بنوں گا۔ بچوں کی فرمائش بھی تو پوری کرنی ہے اور ہاں اپنی شیروانی درزی کو دے آنا تھوڑی کھلی کردے گا صرف ایک بار کی تو پہنی ہوئی ہے نئی سلوانے کا کیا فائدہ۔" سلمیٰ نے اسے مخاطب کیا۔

"ٹھیک ہے یار میں تو پرانی شیروانی ہی پہن لوں گا لیکن دل بہار کہہ رہی تھی کہ میں تمہاری اماں کا پچاس سالہ پرانا غرارہ سوٹ نہیں پہنوں گی۔" افضل نے ہچکچاتے ہوئے دل بہار کی ضد سے آگاہ کیا۔

"ہماری شادی کو دس سال ہوئے ہیں افضل اور دس سال پہلے بھی وہ غرارہ چالیس سال پرانا تو تھا نا میں نے تو چپ چاپ پہن لیا تھا تمہاری دل بہار کیوں نہیں مان رہی۔" سلمیٰ نے چمک کر پوچھا تھا۔

"یہ تمہاری خاندانی روایت ہے کہ ساس کی شادی والا جوڑا پہن کر بہو رخصت ہوتی ہے۔ دل بہار کو اس روایت پر عمل کرنا ہی ہوگا سمجھا دینا اسے۔" سلمیٰ قطعیت سے کہتی ہوئی سونے کے لیے لیٹ گئی۔

"اچھا تمہیں سونے کی کیا جلدی ہے۔ یہ تو بتاؤ کہ ڈھائی لاکھ کی کمیٹی تم نے کپڑے لتوں میں ہی پوری کر دی۔" افضل حیرانی سے پوچھ رہا تھا۔

"کیوں کپڑے لتوں میں کیوں سنار کو ایڈوانس نہیں دینا تھا کیا۔ سونے کا ریٹ پتا ہے کیا چل رہا ہے۔ دل بہار کو منہ دکھائی میں سونے کی انگوٹھی ہی دو گے نا۔ آرڈر دے آئی ہوں۔ دل بہار کی انگوٹھی اور اپنے لیے چھوٹے چھوٹے ٹاپس۔" سلمیٰ نے آگاہ کیا۔

"ٹاپس؟" افضل ایک بار پھر حیران ہوا۔

"اگر تمہارے دل میں میرے لیے اتنی ذرا سی بھی گنجائش نہیں تو کل ہی اپنے ٹاپس کا آرڈر کینسل کروا دیتی ہوں۔" سلمیٰ کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"نہیں، نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" افضل شرمندہ ہو گیا۔

"جو بھی مطلب تھا سو جاؤ صبح سویرے ہی راج مستری آجائیں گے۔" سلمیٰ نے بتایا تھا۔

"راج مستری وہ کیوں۔" افضل چکرا کر رہ گیا۔

"خدا کے لیے اتنے بھولے مت بنو افضل۔" سلمیٰ چمک کر بولی تھی۔

"دل بہار کو بیاہ کر نہیں لانا کیا۔ نیچے تو نئے کمرے کی کوئی گنجائش نہیں اوپر والے اسٹور کو بڑا کروا کر تمہارا بیڈ روم بنوا رہی ہوں۔ ساتھ چھوٹا سا اٹیچ باتھ اور برآمدہ بھی بن جائے گا۔" سلمیٰ نے تفصیل سے آگاہ کیا۔

"تمہیں اندازہ ہے کہ کنسٹرکشن کا کام ایک دفعہ شروع کروا دو تو کتنا خرچہ نکل آتا ہے کمیٹی تم پہلے ہی برابر کر چکی ہو آخر یہ خرچہ کیسے پورا ہوگا۔" افضل پریشان ہوتے ہوئے بولا۔

"وہ جو اپنا فلیٹ ہے نا جو کرائے پر چڑھا رکھا ہے۔ اس میں رہنے والی بڑی بی کا کویت والا بیٹا آیا تھا آج وہی پیسے دے گیا ہے۔" سلمیٰ نے مطمئن انداز میں آگاہ کیا۔

"وہ کیوں پیسے دے گیا۔" افضل حیران ہوا۔

"تمہاری سلامی تو دے کر جانے سے رہا۔ چھ ماہ کا ایڈوانس کرایہ دے گیا ہے کہہ رہا تھا باجی ہفتے بعد واپس کویت جا رہا ہوں یہ چھ مہینے کا ایڈوانس کرایہ پکڑیں۔ ذرا تسلی ہو جائے گی کہ ایک کام تو نمٹا' چھ ماہ بعد آؤں گا تو اگلے چھ مہینوں کا کرایہ دے جاؤں گا۔" سلمیٰ نے بتایا تھا۔

"وہ چشماٹو تمہیں ایڈوانس کرایہ دے گیا اور تم نے رکھ لیا۔" افضل چلایا۔ سلمیٰ نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"میں پرسوں وہاں گیا تھا اور انہیں کہا تھا کہ اگلے مہینے فلیٹ خالی کردیں اور وہ تمہیں ایڈوانس پکڑا گیا۔" افضل دانت کچکچاتے ہوئے بولا تھا۔

"فلیٹ کیوں خالی کروائیں اتنی مشکل سے تو اچھے کرائے دار ملے تھے۔" سلمیٰ نے حیرت سے پوچھا۔

افضل کچھ جھینپ سا گیا۔

"وہ دراصل دل بہار کی خواہش ہے کہ شادی کے بعد وہ اس فلیٹ میں رہے۔" افضل نے جھینپتے ہوئے بتایا۔

"وہ اکیلی وہاں کیسے رہے گی افضل' آخر ہفتے میں دو چار دن تم ہمارے پاس بھی رہو گے یا مجھے اور بچوں کو بالکل ہی چھوڑ دو گے۔" سلمیٰ روہانسی ہو گئی تھی۔

"پاگل ہو گئی ہو ظاہر ہے میں یہاں بھی آیا کروں گا اور وہاں بھی جایا کروں گا۔" افضل سلمیٰ کے آنسوؤں سے گھبرا سا گیا۔

"تو تم شٹل کاک کی طرح ادھر ادھر گھومتے ہی رہو گے کیا۔ آخر دل بہار کو یہاں رہنے پر اعتراض ہی کیا ہے۔ میرا ظرف دیکھو جو میں اسے بالکل اپنے برابر کا رتبہ دے رہی ہوں۔ شادی کے بعد بھی میں اسے سر آنکھوں پر بٹھاؤں گی۔ تمہارے ساتھ ساتھ اس کی بھی خدمت کروں گی۔" وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔

"یہ تمہاری وسیع القلبی ہے سلمیٰ لیکن ....." افضل شرمندگی سے کچھ کہنے لگا۔

"لیکن کیا افضل۔ تم ذرا عقل کے ناخن لو۔ ذرا سوچو فی الحال تو دل بہار ماں جی کو اپنے ساتھ رکھ لے گی لیکن وہ تو سال چھ مہینے کی مہمان ہیں ویسے تو اللہ اس کی ماں کو اس کی بھی عمر لگائے لیکن ان کے گزرنے کے بعد وہ وہاں اکیلی کیسے رہے گی اور پھر اللہ خیر رکھے شادی کے بعد کوئی خوشی کی خبر آئے گی تو کسی تجربہ کار شخص کا اس کے پاس موجود ہونا ضروری ہے کہ نہیں۔" سلمیٰ نے چمک کر پوچھا۔

"وہ تو تمہاری سب باتیں ٹھیک ہیں۔" افضل نے ہچکچاتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔

"میری باتیں ہمیشہ ٹھیک ہوتی ہیں افضل بس تم نے اپنی عقل سے کام لینا چھوڑ دیا ہے۔ دل بہار کی آنکھوں سے دیکھتے ہو' اسی کے دماغ سے سوچتے ہو۔ وہ تو ابھی بچی ہے کم عقل اور ناسمجھ اسے ان باریکیوں کا کیا پتا۔" سلمیٰ کے کہنے پر افضل نے بھی قائل ہو کر سر ہلا دیا۔

"اب سو جاؤ سکون سے دل بہار کو بھی خود سمجھا لوں گی۔" سلمیٰ نے قطعیت سے کہہ کر ٹیبل لیمپ آف کر دیا۔

☆ ☆ ☆

دل بہار آفس سے گھر لوٹی تو سلمیٰ وہاں پہلے ہی موجود تھی اور ماں جی کے پاس بیٹھی بہت مزے سے چائے میں بسکٹ ڈبو کر کھا رہی تھی۔

"خیر سے آ گئی ہو' افضل نہیں آیا؟" سلمیٰ نے اس کے بگڑے موڈ کو نظر انداز کرتے ہوئے خوش دلی سے پوچھا۔

"انہیں اندازہ تھا کہ آپ یہاں ہوں گی اس لیے سیدھے گھر چلے گئے ہیں۔" دل بہار نے طنز کیا تھا۔

"اچھا کیا اسے پتا تھا نا بچے گھر پر اکیلے ہوں گے۔ بہت ذمہ دار باپ ہے افضل۔" سلمیٰ نے سر ہلا کر کہا۔

"آج بہت تھک گئی ہوں ماں جی۔ آرام کرنا چاہتی ہوں۔" دل بہار نے سلمیٰ کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے ماں جی کو مخاطب کیا۔

"تو چندا تم آفس جانا کب چھوڑ رہی ہو۔" سلمیٰ نے پیار سے پوچھا۔
"میں آفس جانا کیوں چھوڑوں آپ کو کیا تکلیف ہے میرے آفس جانے سے۔" دل بہار نے ابرو اچکاتے ہوئے قدرے بدتمیزی سے پوچھا۔
"مجھے کیا تکلیف ہونی ہے جھلیے میں تو صرف یہ کہہ رہی تھی کہ شادی سے پہلے کچھ چھٹیاں لے لے تاکہ تھکن اتر جائے ویسے تو تیری نوکری ہمارے لیے تو فائدہ مند ہی ہو گی۔" ماں جی آپ کو تو پتا ہے مہنگائی آسمان کو چھو رہی ہے۔ ایک جی کی تنخواہ میں کب گزارہ ہوتا ہے۔ بچوں والے گھر کی سو ضرورتیں ہوتی ہیں اور افضل کو تو خبط ہے بچوں کو اچھے اسکول میں پڑھانے کا آدھی تنخواہ تو بچوں کی فیسوں میں ہی نکل جاتی ہے۔ کیا بتاؤں ماں جی کیسی پریشانی ہوتی تھی جب مہینے کے آخر میں تیرے میرے سے قرض لینا پڑتا تھا۔ اللہ نے کیسا کرم کر دیا۔ ماشاء اللہ دل بہار بہت بھاگوان ثابت ہو گی ہمارے گھر کے لیے کمانے والے دو جی ہو جائیں گے تو ساری ٹینشن ہی مک جائے گی۔" سلمیٰ ماں جی سے مخاطب تھی اور دل بہار کا چہرہ پھیکا پڑتا جا رہا تھا۔
"میں تھکی ہوئی ہوں سلمیٰ آپا۔ برا مت منائیے گا میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔" دل بہار رکھائی سے بولی تھی۔
"ہاں ہاں تم آرام کرو۔ ایک بار شادی ہو جائے، تجھے ہمارے گھر آ کر اتنا آرام ملے گا کہ میں بتا نہیں سکتی۔ سنی تیرا سر دبائے گا تو نومی ٹانگیں بلکہ سنی نے تو ضد پکڑ رکھی ہے کہ میں تو سوؤں گا بھی نئی امی کے ساتھ سنی تو افضل کی طرح تیری محبت میں بری طرح گرفتار ہے اور ضد میں بھی بالکل افضل پر گیا ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے بھئی تو جان اور تیری نئی امی ہم بھلا دو پیار کرنے والوں کے بیچ کیوں آئیں گے۔" سلمیٰ نے بات کے اختتام پر قہقہہ لگایا تھا۔ دل بہار کی برداشت کی حد بھی ختم ہو گئی تھی۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"آئیں سلمیٰ آپا میں آپ کو دروازے تک چھوڑ آؤں۔"
"نہ نہ تو ریسٹ کر میں چلتی ہوں اچھا ماں جی اللہ حافظ۔" سلمیٰ اپنا پرس سمیٹتی چلی گئی تھی۔
"اللہ حافظ۔" ماں جی کے لب پھڑپھڑائے تھے۔
سلمیٰ کے جانے کے بعد دل بہار روہانسی ہو کر ماں جی کی طرف متوجہ ہوئی۔ "یہ عورت مجھے پاگل کر کے دم لے گی اماں۔" وہ بالکل رونے والی ہو رہی تھی۔
"ایک بار شادی ہو لینے دل بہار سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ماں جی نے بیٹی کو تسلی دی تھی۔
"کیسے ٹھیک ہو گا اماں۔" اگر یہ دوسری عورتوں کی طرح واویلا مچاتیں۔ لڑتی جھگڑتیں تو ہو سکتا ہے افضل ان سے بدظن ہو جاتا، تب میرا کام آسان تھا لیکن یہ تو میٹھے بول بول کر افضل سے سب باتیں منوائے جا رہی ہیں۔ الگ فلیٹ میں رہنے کا کہا تھا نا افضل سے وہ بھی نہیں مان رہے اور میں اس چڑیا گھر میں جا کر رہوں امپاسبل (ناممکن)۔" دل بہار نخوت سے بولی تھی۔
"دیکھ دل بہار شادی قریب ہے ایسے وقت میں افضل سے ضد نہ لگا شادی کے بعد پیار سے یا دھونس سے جیسے مرضی اپنی باتیں منوالیجو۔"
"میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" دل بہار نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔
"کہہ رہی ہوں نا دل بہار..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ اللہ کر کے تیری شادی ہو رہی ہے۔ افضل شریف بندہ ہے بسالے گا تجھے۔ تیری طرف سے بے فکری ہو جائے تو میں سکون سے مر تو سکوں گی نا۔" ماں جی تھکے تھکے لہجے میں بولی تھیں۔
"صرف آپ کی وجہ سے میں یہ شادی کر رہی ہوں اماں، ورنہ اپنا کماتی ہوں اپنا کھاتی ہوں۔ شادی کے بغیر بھی تو ٹھاٹھ سے رہ سکتی تھی نا۔" وہ بولی تھی۔
"نہ میرے بچے، مرد کے سہارے کے بغیر اکیلی عورت کو یہ معاشرہ جینے نہیں دیتا۔ تجھے یہ بات میرے گزرنے کے بعد سمجھ آئے گی۔ پگلی شکر کر کہ ایک شریف شخص تجھ سے شادی پر راضی ہو گیا ہے اور سلمیٰ بے چاری بھی بری عورت نہیں کون عورت ہے

جو سوکن کا وجود برداشت کر سکتی ہے۔ مجھے تو اس کے حوصلے پر رشک آتا ہے۔" ہاں جی نے تسلیم کیا۔ دل بہار نخوت سے اونہہ کہہ کر رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

سلمیٰ، نسیمہ آپا کے پاس بیٹھی تھی۔ چہرہ انتہائی متفکر تھا۔ "سب کچھ کر کے دیکھ لیا آپا لیکن اس لڑکی پر کسی چیز کا اثر نہیں۔ وہ تو یہاں آکر رہنے پر بھی راضی ہو گئی ہے۔"

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا سلمیٰ کہ افضل نے دوسری کرنی ہی کرنی ہے۔ اسے باز رکھنے کی کوشش کر کے دیکھنے میں کیا حرج ہے۔" نسیمہ آپا بولی تھیں۔

"تو کر تو لیں ساری کوششیں نسیمہ آپا۔" سلمیٰ روہانسی ہوئی۔

"ایک کوشش ابھی باقی ہے سلمیٰ میں نے بابر کو بلوایا ہے۔" نسیمہ آپا کے کہنے پر سلمیٰ نے تعجب سے بھنویں اچکائی تھیں۔

"کون بابر؟" اس نے پوچھا۔

"میں نے تجھے بتایا نہیں تھا سلمیٰ بابر میری منجھلی بہن کا دیور ہے۔ ایک نیوز چینل میں رپورٹر ہے میں اس سے کہہ کر تیرے افضل کی اسٹوری چلواتی ہوں ٹی وی پر۔ پھر دیکھ کیا ہوتا ہے۔" نسیمہ آپا پر یقین انداز میں بولی تھیں۔

"ہونا کیا ہے آپا کچھ بھی نہیں۔" سلمیٰ کی مایوسی کی کوئی حد ہی نہ تھی۔ اتنے میں سنی دوڑتے ہوئے آیا تھا۔

"امی، امی ابو شادی پر گھوڑی پر بیٹھیں گے یا گاڑی پر میں کہہ رہا ہوں گھوڑی پر اور نومی کہہ رہا ہے گاڑی میں۔" اس نے ماں کا گھٹنا ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"دیکھ رہی ہیں آپا، کیسی اولاد ہے، کتنا خوش ہو کر اپنے باپ کو گھوڑی چڑھوا رہے ہیں۔" سلمیٰ نے دکھ سے چور لہجے میں نسیمہ آپا کو مخاطب کیا۔

"ہیں نا، گھوڑی پر نا۔" سنی کو جیسے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ وہ خوش ہو گیا تھا۔

"دفع ہو جاؤ، گھوڑی کا بچہ۔" سلمیٰ نے دانت کچکچاتے ہوئے اپنی چپل سنی کو مارنے کے لیے اٹھائی۔ سنی بھاگ گیا تھا۔

"تسلی رکھ سلمیٰ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" نسیمہ آپا نے تسلی دی۔ سلمیٰ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر سسکنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

بابر سینتیس، اڑتیس سالہ مرد تھا وہ اس وقت سلمیٰ اور نسیمہ آپا کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے میز پر خاطر، تواضع کا سامان سجا تھا، چائے، بسکٹ اور نمکو سے انصاف کرنے کے بعد وہ اس وقت رغبت سے کیلے کھا رہا تھا۔

"بس کل تم اپنا کیمرہ شیمرہ اور اپنی ٹیم کو لے کر آجانا۔ دل بہار کے گھر اچھا سا سین بننا چاہیے۔" نسیمہ آپا نے ساری صورت حال سے اسے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا اب اسے ایک بار پھر تاکید کی۔

"بے فکر رہیں نسیمہ آپا ایسی شان دار اسٹوری بنے گی۔ بار بار خبروں میں چلے گی۔ ایک وفا شعار بیوی اپنے شوہر کی اپنے ہاتھوں دوسری شادی کروا رہی ہے۔ بس سلمیٰ باجی آپ تیار رہنا بس تھوڑی سی اوور ایکٹنگ کرنی پڑے گی پھر دیکھنا خبر چلنے کے بعد اگلے ہی دن سے کیسا رسپانس آئے گا۔ پبلک ایسی خبروں کا فوراً نوٹس لیتی ہے۔" بابر نے یقین دہانی کروائی۔

"یہ اوور ایکٹنگ کیا بلا ہے۔" سلمیٰ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"آپ کل صبح، تین چار چینلز کے مارننگ شوز دیکھ لیں وہ بھی صرف تیس، چالیس منٹ، خود بخود اوور ایکٹنگ کا مطلب سمجھ آجائے گا۔" بابر نے مسکرا کر کہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے اب سارا لائحہ عمل ایک بار پھر دہرا لو کس وقت بولنا ہے۔ کیا کہنا ہے۔" نسیمہ آپا کے کہنے پر بابر اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بہت سنجیدگی سے سلمیٰ کو سمجھانے لگا تھا۔ سلمیٰ ہمہ تن

گوش تھی۔ نسیمہ آپا بھی درمیان میں لقمے دے رہی تھیں۔ سلمیٰ یہ ساری ہدایتیں بہت غور سے سن رہی تھی۔ کل اس نے افضل اور دل بہار کی شادی رکوانے کی آخری کوشش کرنی تھی۔

☆ ☆ ☆

بابر مائیک میں ہاتھ پکڑے اپنی کیمرہ ٹیم کے ساتھ دل بہار کے گھر کے سامنے کھڑا تھا۔ سلمیٰ بھی بچوں سمیت موجود تھی۔ کیمرا آن ہونے پر بابر رپورٹرز کے اسٹائل میں تیز تیز بولنا شروع ہو گیا تھا۔

"ناظرین آپ روز اخباروں میں خبریں پڑھتے ہوں گے، نیوز چینلز پر ایسی خبریں سنتے ہوں گے دوسری شادی کرنے پر میاں، بیوی کی ناچاقی، بیوی نے دوسری شادی کی اجازت نہ دی تو میاں نے بیوی کو مار ڈالا یا بیوی نے میاں کا سر پھاڑ ڈالا لیکن آج ہم آپ کو ایک انوکھی خبر سنانے چلے ہیں۔ ایسا نہ کہیں دیکھا نہ سنا، جی ہاں ہمارے ساتھ ہیں سلمیٰ صاحبہ جو خوشی خوشی اپنے شوہر کی دوسری شادی کروا رہی ہیں اپنے ہاتھوں سوتن بیاہ کر لا رہی ہیں اور آج یہ ہونے والی سوتن کے گھر ایک خصوصی رسم کرنے آئی ہیں ہم ان ہی سے پوچھتے ہیں کہ آخر یہ کیا کرنے آئی ہیں۔"

"جی سلمیٰ صاحبہ آپ ہمیں بتانا پسند کریں گی آج اپنی یہاں آمد کا مقصد۔" بابر نے مائیک سلمیٰ کے منہ کے آگے کیا تھا۔ کیمرا سلمیٰ پر فوکس ہوا تھا۔

"ہمارے ہاں روایت ہے کہ جس دن شادی کی تاریخ طے ہوتی تو دلہن کے سر پر آنچل ڈال کر اسے چوڑیاں پہناتے ہیں آج میں یہ ہی رسم ادا کرنے آئی ہوں۔" سلمیٰ نے بتایا تھا۔

"تو آیئے پھر چلتے ہیں اندر۔" بابر کیمرے ٹیم کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تھا اندر افضل اور دل بہار خوشگوار موڈ میں باتوں میں مشغول تھے۔ سلمیٰ کے ساتھ آنے والی ٹی وی ٹیم کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔

"جی تو ناظرین آپ دیکھ رہے ہیں افضل صاحب اور ان کی ہونے والی دلہن دل بہار صاحبہ موجود ہیں اب سلمیٰ صاحبہ سوتن کے سر پر آنچل ڈال کر انہیں شگن کی چوڑیاں پہنائیں گی۔" بابر مائیک ہاتھ میں پکڑے رپورٹنگ میں مصروف تھا۔ سلمیٰ نے آگے بڑھ کر دل بہار کے سر پر زرتار دوپٹا ڈالا تھا۔ دل بہار بہت حواس باختہ دکھائی دے رہی تھی۔ افضل بھی کم پریشان نہ تھا۔ پھر سلمیٰ نے دل بہار کی کلائی میں چوڑیاں پہنا کر اس کا ماتھا چوما تھا۔

"ناظرین آپ سلمیٰ صاحبہ کی اعلیٰ ظرفی ملاحظہ کر رہے ہیں کس محبت سے انہوں نے ہونے والی سوتن کو چوڑیاں پہنائی ہیں اب ہم کچھ باتیں ان کے شوہر افضل صاحب سے بھی کر لیتے ہیں۔" بابر کے کہنے پر کیمرے نے افضل کو فوکس کیا۔

"جی تو افضل صاحب بتایئے آپ کو دوسری شادی کی ضرورت کب اور کیسے محسوس ہوئی۔ یقیناً" آپ نے اولاد کی خاطر دوسری شادی کا سوچا ہو گا۔ پہلی شادی کے بعد قدرت نے آپ کو اولاد سے نہ نوازا ہو گا اسی لیے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ ہمارے تین بچے ہیں۔" افضل نے بوکھلا کر بابر کی بات کاٹی۔

"اوہ، ماشاء اللہ، ماشاء اللہ خیر سے تین بچے ہیں آپ کے ناظرین یہ دیکھیے افضل صاحب اور سلمیٰ صاحبہ کے تین عدد پیارے پیارے بچے" بابر کے کہنے پر کیمرے نے سنی، نومی اور کاشی کو فوکس کیا تھا۔ تینوں بچوں نے بتیسی نکالتے ہوئے کیمرے کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

"جی تو بچوں آپ اپنے ابو کی شادی پر کیسا محسوس کر رہے ہیں۔" مائیک اب سنی کے آگے آیا تھا۔

"ہم بہت خوش ہیں جی اور ہماری امی نے کہا تھا کہ خوشی خوشی ابو کی دوسری شادی میں شرکت کرنی ہے اگر ہماری طرف سے کوئی رکاوٹ ڈالی گئی تو ابو ہمیں گھر سے نکال دیں گے۔" سنی نے رٹوایا ہوا جملہ فر فر ادا کیا تھا۔ کیمرا دوبارہ سلمیٰ کو فوکس کرتا ہے جو چپکے چپکے آنسو بہانے میں مصروف تھی۔

"آپ کی شادی کو دس سال کا عرصہ ہو چکا تھا۔

افضل صاحب آپ ہمیں دوسری شادی کی وجہ بتانا پسند کریں گے کیا سلمیٰ صاحبہ' آپ کا یا آپ کے بچوں کا خیال نہیں رکھتی تھیں۔" بابر نے پھر افضل کے آگے مائیک کیا۔

"نہیں تو ایسی تو کوئی بات نہیں۔" افضل نے سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بتایا۔

"ناظرین آپ دیکھ رہے ہیں ایک خدمت گزار اور وفاشعار بیوی کے ہوتے ہوئے افضل صاحب دوسرا بیاہ رچا رہے ہیں ہم سلمیٰ صاحبہ سے پوچھتے ہیں کہ انہوں نے شوہر کو دوسری شادی کی اجازت کیوں اور کیسے دی۔" کیمرے نے پھر سلمیٰ کو فوکس کیا۔

"اس بھری دنیا میں میرا افضل کے سوا کوئی نہیں میں اجازت نہ دیتی تو افضل مجھے اپنی زندگی سے نکال دیتے ایسا ہوتا تو میں جیتے جی مر جاتی۔" سلمیٰ نے ایک لمبی سسکی بھری تھی اور ایسا کرتے ہوئے اس نے فلمسٹار شبنم کو بھی مات دے دی۔

"افضل کی خاطر میں نے دل بہار کو قبول کیا اور شادی کے بعد میں دل بہار کی بھی ویسی ہی خدمت کروں گی جیسی افضل کی کرتی ہوں۔ بس میرے نام کے ساتھ افضل کا نام جڑا رہے' میری زندگی کی اور کوئی خواہش نہیں۔" سلمیٰ کی جذبات نگاری عروج پر تھی۔

"اللہ آپ کو ہمت اور استقامت دے میری بہن۔ آپ کی کہانی نے مجھے بھی جذباتی کر دیا ہے۔" بابر نے اپنی آنکھوں کے گوشے پونچھے۔

"آج ہم آپ کے سامنے ایک انوکھی کہانی لائے ہیں ناظرین اب بابر شاہد اور کیمرا ٹیم کو اجازت دیجیے اللہ حافظ۔" کیمرا کلوز ہو گیا تھا لیکن کہانی کا یہیں اختتام نہیں ہوا تھا جب یہ اسٹوری ٹی وی پر چلی تو لوگوں کی بڑی تعداد نے اس خبر کو خصوصی توجہ سے نوازا تھا۔ افضل کے باس کی بیوی بہت غور سے یہ رپورٹ دیکھنے میں مصروف تھی جب باس ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئے۔

"یہ افضل ٹی وی پر کیسے آ رہا ہے ذرا آواز تو کھولنا۔" انہوں نے حیرانی سے ٹی وی اسکرین کو دیکھا۔

"تو تم جانتے ہو اسے۔" بیوی نے کڑے تیوروں سے استفسار کیا "ہاں میرے آفس میں کام کرتا ہے۔" باس نے ناسمجھی سے بتایا۔

"کرتا ہے نہیں کرتا تھا کہو۔" بیوی غضب ناک ہو کر بولی باس حیرت سے بیوی کی شکل دیکھنے لگے تھے۔

☆ ☆ ☆

افضل عجیب مشکل میں گرفتار ہو گیا تھا۔ ٹی وی پر شادی کی رپورٹ چلنے کے بعد اس کا محلے میں' بازار میں نکلنا محال ہو گیا تھا۔ جب وہ سودا سلف لینے محلے کی دکان پر گیا تو باریش دکان دار نے سرد مہری سے سودا دینے سے انکار کر دیا۔

"میں خود بیٹیوں والا ہوں افضل میاں۔ ایک بیٹی کا دکھ مجھ سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔ آئندہ آپ میری دکان پر آنے کی زحمت مت کیجیے گا میں آپ جیسے شخص کو کوئی چیز فروخت نہیں کر سکتا۔"

اور یہیں پر بس نہیں ہوئی تھی۔ افضل کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر راہ چلتا اس کی جانب اشارے کر رہا ہو۔ وہ بار بار اپنی پیشانی پر آیا پسینہ پونچھتا رہا۔ آفس پہنچا تو فوراً "باس کا بلاوہ آگیا۔

"میں نے اکاؤنٹنٹ کو ہدایت کر دی ہے افضل صاحب وہ آپ کے ڈیوز کلیئر کر دے گا آپ ایک محنتی اور ایماندار ورکر تھے لیکن آپ کو نوکری سے برخواست کرنا میری مجبوری ہے۔" باس نے افضل کی سماعتوں پر بم گراتے ہوئے الوداعی مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"کیسی مجبوری سر۔" افضل نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"اگر میں نے آپ کو اپنے دفتر میں رکھا تو میرے گھر میں میرے رہنے کی گنجائش نہیں رہے گی۔" باس نے دو ٹوک انداز میں باور کروا دیا تھا۔

دل بہار گھر میں داخل ہوئی تو گھر میں ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ کھانے پینے کے برتن لڑھکے ہوئے

تھے۔ ماں جی دونوں ہاتھوں میں سر پکڑے بہت پریشانی کے عالم میں بیٹھی تھیں۔
"کیا ہوا ہے اماں۔" دل بہار نے تھکے تھکے لہجے میں استفسار کیا۔
"ابھی ابھی تیرے بھائی، بہن ہو کر گئے ہیں۔" ماں جی نے دھیرے سے بتایا۔
"آج انہیں ہماری یاد کیسے آگئی۔" اس نے طنزاً پوچھا۔
"یاد نہیں آئی تھی دل بہار وہ یہ یاد دلوانے آئے تھے کہ وہ سب بہت معزز لوگ ہیں جب سے تیری اور افضل کی شادی کی خبر ٹی وی پر چلی ہے ان کی عزت پر بٹہ لگ گیا ہے۔ تیرے بھائیوں اور تیری بہنوں نے بہت دل کی بھڑاس نکالی۔ مجھے قصور وار ٹھہرا رہے تھے کہ تجھے بگاڑنے کی ذمہ دار میں ہوں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ یہ خبر چلنے کے بعد تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے کہ ان کی بہن ایسے کردار کی ہے بال بچوں والے شخص پر ڈورے ڈالتی ہے۔"
ماں جی کے بتانے پر دل بہار نے خالی خالی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ "آپ نے انہیں کہا نہیں اماں کہ آج وہ لوگ معاشرے کی معزز اور معتبر ہستیاں بنے بیٹھے ہیں تو صرف اور صرف اسی لوز کریکٹر بہن کی وجہ سے میں نے تو اپنی زندگی کے سنہری دن ان کے روشن مستقبل کی خاطر ساڑھ دیے اماں کیا ملا مجھے بدلے میں یہی گالیاں۔" وہ رونے لگی تھی۔
"باہر کی دنیا کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت اور حقارت برداشت کرنا مجھے اتنا مشکل نہیں لگا ماں جی جب سے وہ خبر چلی ہے ہر شخص مجھے طنزیہ انداز میں گھور رہا ہے لیکن میرے اپنے بہن بھائی بھی مجھ پر طنز کے تیر چلائیں گے یہ اندازہ نہ تھا۔" وہ ٹوٹے بکھرے لہجے میں بولی۔ ماں جی اسے تاسف سے دیکھ کر رہ گئیں تسلی دینے کے لیے اس بار ان کے پاس کوئی لفظ نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

افضل بہت پریشانی کے عالم میں گھر جا رہا تھا جب موبائل پر کسی کی کال آنے لگی۔ اس نے فون کان سے لگایا تھا۔
"مبارک ہو افضل بھائی دوسری شادی کرنے چلے ہیں۔" یہ چبھتی ہوئی زنانہ آواز تھی۔ افضل ایک لمحے کو پہچان ہی نہ پایا۔
"کون؟" اس نے پوچھا۔
"اب چھوٹی بہن کی آواز بھی بھول گئے۔ میں پینو بات کر رہی ہوں۔" دوسری طرف افضل کی بہن تھی۔
"ہاں کہو پینو کیسی ہو۔" افضل نے پوچھا۔
"آپ کو ہمارے ٹھیک ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے افضل بھائی میں نے تو صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ اگر آپ دوسری دلہن گھر لا رہے ہیں تو اپنے گھر میں میری اور میرے بچوں کے رہنے کی بھی جگہ بنائیں آپ کے بہنوئی نے جب سے ٹی وی پر آپ کی دوسری شادی کی خبر سنی ہے انہیں بھی دوسرا بیاہ رچانے کا آئیڈیا سوجھ گیا ہے اور مجھ میں سلمٰی بھابھی جیسا حوصلہ نہیں ہے کہ اپنے گھر میں سوتن کا وجود برداشت کر سکوں۔ میں ایسے گھر اور گھر والے پر لعنت بھیج کر آپ کے پاس رہنے آ رہی ہوں۔" پینو نے کراری آواز میں بھائی کو آگاہ کر کے رابطہ منقطع کر دیا تھا افضل فون کان سے ہٹا کر بے چارگی سے فون تکنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"کیسی ہو دل بہار۔" افضل نے دل بہار کے نمبر پر کال ملائی تھی۔
"اچھا ہوا آپ نے فون کر لیا میں بھی آپ کو فون کرنے کا سوچ رہی تھی افضل۔" دل بہار نے تھکے تھکے انداز میں افضل کو مخاطب کیا۔
"میں تم سے ملنا چاہ رہا تھا دل بہار۔" افضل دھیرے سے بولا۔
"میں بھی تم سے ملنا ہی چاہ رہی تھی افضل لیکن پلیز میرے گھر پر نہیں بلکہ کہیں اور۔" دل بہار بولی تھی۔

"ٹھیک ہے تمہارے گھر کے قریب جو پارک ہے میں شام کو وہاں آجاتا ہوں۔" افضل فوراً بولا تھا۔
"ٹھیک ہے افضل۔" دل بہار نے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

٭ ٭ ٭

یہ ڈھلتی شام کا منظر تھا۔ پارک میں افضل اور دل بہار بیٹھے تھے لیکن آج ان کے چہروں پر بشاشت مفقود تھی دونوں بہت افسردہ اور پر ملال نظر آرہے تھے۔
"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں دل بہار۔" افضل نے اسے مخاطب کیا۔
"میں نے بھی یہاں تمہیں کچھ بتانے کے لیے ہی بلایا ہے۔ افضل۔"
"ہاں کہو۔" افضل نے اس کا چہرہ دیکھا۔
"پہلے تم کہو۔" دل بہار بولی۔ افضل نے پیشانی پر سے پسینے کے قطرے پونچھے وہ اس وقت بہت ندامت اور شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔
"میں تم سے شادی نہیں کر سکتا دل بہار۔ میں بہت مجبور ہو گیا ہوں۔" اس نے بے پناہ شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔
"میں نے بھی آپ کو یہ ہی بتانے کے لیے بلایا تھا افضل صاحب کہ میں بھی آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔" دل بہار سنجیدگی سے بولی تھی۔
"ہم دونوں ایک غلط راہ کے مسافر تھے۔ آپ بال بچوں والے شادی شدہ شخص تھے افضل صاحب آپ کو میری طرف متوجہ ہونا ہی نہیں چاہیے تھا' نہ ہی میرے جذبات کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے تھی۔ مجھے تو آپ کی شکل میں سہارا درکار تھا لیکن آپ کی تو ایسی کوئی مجبوری نہیں تھی آپ کا گھر بار تھا۔ بیوی تھی بچے تھے پھر بھی آپ نے دوسری شادی کے بارے میں سوچا۔ یہ آپ کی غلطی تھی اور میں سب کچھ جانتے بوجھتے ایک عورت کے حق پر ڈاکہ ڈال رہی تھی یہ میری غلطی تھی۔ وقت نے ہمیں اپنی اپنی غلطیوں کو سدھارنے کا موقع دیا ہے تو ہمیں اس موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔" وہ پوری سنجیدگی سے افضل سے مخاطب تھی۔
"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مس دل بہار۔ اپنی غلطی تسلیم کر لینے میں ہی ہماری بہتری ہے۔" افضل نے اعتراف کیا تھا۔
"وقت ضائع مت کریں اپنے گھر جائیں آپ کی بیوی اور بچے آپ کے منتظر ہوں گے۔" دل بہار نے اسے مخاطب کیا۔
وہ دل بہار پر ایک الوداعی نگاہ ڈال کر چلا گیا تھا۔ دل بہار نے تھک ہار کر بینچ کی پشت سے ٹیک لگالی۔ وہ بہت ملول اور دلگرفتہ تھی۔ بند آنکھوں میں سے آنسو نکل کر گال بھگونے لگے تھے اتنے میں جاگنگ کرتا ہوا بابر وہاں سے گزرا تھا۔ دل بہار کو بیٹھا دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رکا۔
"ہیلو مس دل بہار۔" وہ اس کے قریب آیا تھا۔ دل بہار نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ آنکھیں اب بھی آنسوؤں سے لبریز تھیں۔
"آر یو آل رائٹ مس دل بہار۔" اس نے تشویش سے پوچھا دل بہار اسے کاٹ کھانے والی نگاہوں سے دیکھتی رہی مگر کوئی جواب نہ دیا۔
"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔" وہ اس سے قدرے فاصلے پر بینچ پر بیٹھتے بولا۔
"آپ یہاں بیٹھ چکے ہیں۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی۔
"آپ یہاں اکیلی بیٹھی آنسو بہا رہی تھیں۔ برا مت مانیے گا تو وجہ پوچھ سکتا ہوں۔" وہ دوستانہ انداز میں مخاطب ہوا۔
"آپ نے مجھے ایک ظالم عورت کے روپ میں دنیا کے سامنے پیش کیا بابر صاحب لیکن میں بیک وقت ظالم بھی تھی اور مظلوم بھی۔ میری مظلومیت کی داستان کو دنیا کے سامنے کون لائے گا۔ آپ یا آپ کا چینل؟" وہ بپھر کر پوچھ رہی تھی۔
"آئی ایم سوری مس دل بہار اگر میری وجہ سے آپ کی دل آزاری..."

"آپ کو بولنے کی اجازت کس نے دی۔ خاموشی سے میری بات سنیے۔" وہ بھڑکی تھی۔ بابر واقعی خاموش ہو گیا۔

"اکیس برس کی تھی میں جب میرے والد کا انتقال ہوا سب بہن بھائی چھوٹے تھے۔ میں نے چھوٹی موٹی نوکریاں کر کے گھر کی گاڑی کھینچنا شروع کی بہن بھائیوں کو پڑھایا لکھایا' قابل بنایا۔ وہ سب اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے سب نے اپنا اپنا گھر بسا لیا اور پیچھے میرے گھر میں کون بچا ایک میں اور میری بوڑھی اماں۔ جب میں کم عمر تھی تو بہت لوگ میرے طلب گار تھے لیکن عمر کے اس حصے میں کوئی میرا ہاتھ تھامنے پر تیار نہ تھا۔ میری ماں کو فکر تھی کہ اس کے بعد یہ معاشرہ مجھ اکیلی عورت کو جینے نہیں دے گا۔

افضل میرا انتخاب نہیں' میری مجبوری تھا بابر صاحب۔ وہ واحد شخص جو میرے ساتھ ٹائم پاس کرنا نہیں چاہتا تھا بلکہ عزت و احترام سے مجھے اپنی زندگی کا حصہ بنانا چاہتا تھا' لیکن آپ کے چینل پر چلنے والی پانچ منٹ کی رپورٹ نے مجھے ملنے والا یہ سہارا بھی مجھ سے چھین لیا اور مجھے بدنامی کے گہرے گڑھے میں بھی دھکیل دیا۔ بتائیے میں کس سے انصاف مانگوں۔" وہ غصے سے بپھر کر پوچھ رہی تھی اور پھر کوئی جواب نہ پا کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

"پلیز دل بہار اس طرح مت روئیں۔ چپ ہو جائیں یہ لیں پلیز اپنے آنسو تو پونچھیں۔" بابر اس کے رونے سے بے چین ہو کر اسے اپنا رومال پیش کر رہا تھا لیکن دل بہار کے رونے کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ وہ اسی طرح زار و قطار روتی رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"جلدی کرو سلمیٰ تمہاری تیاری ہی ختم ہونے میں نہیں آ رہی۔ ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔" افضل بولتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تھا لیکن ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں سلمیٰ کا عکس دیکھ کر مبہوت رہ گیا وہ آنکھوں میں لینز لگا رہی تھی۔

"کیسی لگ رہی ہوں۔" سلمیٰ نے اس کی طرف رخ کرتے ہوئے ذرا اترا کر پوچھا۔

"مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا کہ یہ تم ہی ہو۔"

افضل کی آنکھوں اور اس کے لہجے سے بے پناہ ستائش ظاہر ہو رہی تھی۔ سلمیٰ اس وقت واقعی پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ بالوں کی نئی کٹنگ' خوب صورت لباس اور سلیقے سے کیے گئے میک اپ نے اسے بالکل بدلی ہوئی شخصیت کا روپ دے دیا تھا۔

"مجھے یہ حقیقت سمجھ آ گئی ہے افضل کہ محض خدمت گزاری اور وفاشعاری سے شوہر کو قابو نہیں کیا جا سکتا۔ شوہر کی توجہ حاصل کرنے کے لیے خود پر توجہ دینا بھی ضروری ہے ورنہ مرد تو دریافت کا پرندہ ہے۔ ایک منٹ میں پھر سے اڑ کر دوسری ٹہنی پر جا کر بیٹھ سکتا ہے۔" سلمیٰ کے کہنے پر افضل شرمندہ سا ہو گیا۔

"چلو چلیں' دولہا' دلہن دونوں کی تاکید تھی کہ ہم وقت پر پہنچ جائیں۔" سلمیٰ نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے کہا۔ افضل بھی تائید میں سر ہلاتا ہوا بائیک نکالنے باہر چلا گیا۔ ☼ ☼ ☼

دل بہار کے گھر کے ڈرائنگ روم میں رونق کا عجب ہی سماں تھا۔ سامنے صوفے پر شرمائی لجائی سی دل بہار دلہن بنی بیٹھی تھی ساتھ ہی بے تحاشا خوش ہوتا دولہا بابر براجمان تھا۔ افضل اور سلمیٰ کو دیکھ کر بابر ان کا استقبال کرنے کو کھڑا ہوا اس کا انداز بہت پرتپاک اور پرجوش تھا۔ سلمیٰ نے پورے خلوص سے دل بہار کو ساتھ لپٹایا تھا۔ پھر افضل اور سلمیٰ دولہا دلہن کے دائیں بائیں رونق افروز ہو گئے۔

"دلہن بن کر خوب روپ چڑھا ہے تم پر ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔" سلمیٰ نے دل بہار کی ٹھوڑی چھو کر تعریف کی۔ دل بہار شرما گئی تھی۔

"میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں سلمیٰ آپا۔ آپ کی وجہ سے مجھے بابر کا ساتھ نصیب ہوا۔" دل بہار نے ہولے سے مسکراتے ہوئے سلمیٰ کا شکریہ ادا کیا۔

"لیکن یہ سب یوں جھٹ پٹ ہوا کیسے کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے۔" سلمیٰ نے شوخی بھرے انداز میں

پوچھا۔
"میں بتاتا ہوں سلمیٰ آپا اس کے لیے آپ کو ہمارے ساتھ ماضی قریب میں جھانکنا پڑے گا۔" بابر نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ افضل اور سلمیٰ اشتیاق سے اس کے ساتھ ماضی قریب کی سیر پر نکل پڑے تھے۔ وہ دن جب دل بہار پارک میں زار و قطار رو رہی تھی اور بابر اسے آنکھیں پونچھنے کے لیے اپنا رومال پیش کر رہا تھا۔

"مجھے آپ کی کہانی سن کر بہت دکھ بھی ہوا ہے دل بہار صاحبہ اور بہت حیرت بھی۔" بابر کے کہنے پر دل بہار نے رونا ترک کرکے بہت تیکھی نگاہوں سے اُسے دیکھا تھا۔

"حیرت مجھے اس لیے ہوئی مس دل بہار کہ آپ کی اور میری کہانی میں بہت مماثلت ہے۔ آپ اگر یہ سمجھتی ہیں کہ اس دنیا میں فقط عورتیں مظلوم ہوتی ہیں تو آپ غلط سوچتی ہیں دل بہار۔ اگر ایک مرد ان حالات کا شکار ہو جن حالات سے آپ گزریں تو کیا آپ کی نظر میں وہ مرد مظلوم نہیں ہوگا۔" بابر پوچھ رہا تھا۔ دل بہار اس بار بھی کچھ نہ کہہ پائی۔

"میں کالج کا اسٹوڈنٹ تھا جب ایک ایکسیڈنٹ میں میرے والدین کا انتقال ہوا۔" بابر نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اپنی کہانی سنانی شروع کی۔ دل بہار خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔

"میں بھی اتنا بڑا نہیں تھا ہاں اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا' سو اپنے بہن بھائیوں کے لیے مجھے کم عمری کے باوجود روزی روٹی کمانے کے لیے کمر کسنی پڑی۔ چھوٹی موٹی نوکریاں کیں اچھی جگہ نوکری کی تلاش میں دھکے کھائے ہلیکن ایف اے پاس کو تو کوئی چپڑاسی بھی رکھنے پر تیار نہ ہوتا تھا خیر میری جدوجہد کی تو ایک لمبی کہانی ہے۔ محنت مشقت کرکے میں نے بھائیوں کو پڑھایا۔ بہنوں کو بیاہا۔ بھائی پڑھ لکھ کر کسی قابل ہوئے تو پہلی فرصت میں اپنے اپنے گھر بسا لیے اور پھر ہوا کچھ یوں کہ ان بسے بسائے گھروں میں میری کوئی گنجائش نہیں نکلی۔ وہ پڑھ لکھ کر معاشرے کے معزز اور معتبر لوگ بن گئے ہیں اور میں ترقی کرتے کرتے بھی فقط ایک نیوز چینل کا رپورٹر ہی بن پایا ہوں۔" بابر استہزائیہ انداز میں بولتے ہوئے بتا رہا تھا اب دل بہار کے چہرے پر ہمدردی تاسف کے تاثرات دیکھے جاسکتے تھے۔

"بھائی تو چلو اپنی اپنی زندگیوں میں مگن ہو گئے بہنوں تک کو یہ خیال نہیں آتا کہ بڑا بھائی جو ان کی شادیاں کرتے کرتے کچھ زیادہ ہی بڑا ہو گیا ہے وہ اس کی زندگی کی تنہائی ختم کرنے کی کوئی تدبیر سوچیں اگر کوئی اس بارے میں ان سے بات بھی کرے تو آگے سے کہتی ہیں اب بابر بھائی کی شادی کی کوئی عمر بچی ہے اور میں ٹھہرا ایک شریف شخص نہ تو کبھی بہنوں کی باتوں کی تردید کر سکا نہ کبھی خود سے اپنے لیے جیون ساتھی ڈھونڈ سکا بس یونہی تنہا زندگی جیے جا رہا ہوں۔" بات کے اختتام پر بابر کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

"پلیز بابر صاحب حوصلہ کریں۔ آپ کی آپ بیتی سن کر مجھے واقعی آپ سے بہت ہمدردی محسوس ہو رہی ہے۔" دل بہار نے اسے افسردہ سے لہجے میں مخاطب کیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی ماضی کے سفر کا اختتام ہوا تھا۔ بابر نے مسکراتے ہوئے اپنے پہلو میں دلہن بنی بیٹھی دل بہار کو دیکھا تھا۔

"اور یوں افضل بھائی اور سلمیٰ آپا وہ تعلق جو ہمدردی بھرے جذبات سے شروع ہوا تھا جانے کب محبت میں ڈھلا اور اس محبت کا احساس ہونے کے بعد ہم نے فوری شادی کا فیصلہ کر لیا کیونکہ سیانے کہتے ہیں نا نیک کام دیر کیسی' بابر ہنستے ہوئے بولا تو افضل اور سلمیٰ بھی مسکرا دیے تھے۔

اور ان دونوں کا ملنا محض اتفاق نہیں اللہ کا خصوصی کرم تھا ان دونوں پر بھی اور سلمیٰ پر بھی۔ "اگر دل بہار کو بابر نہ ملتا تو آج اسے اپنے شوہر کی شادی کی تقریب میں شرکت کرنا پڑتی۔" سلمیٰ نے دل ہی دل میں سوچا تھا پھر اطمانیت بھری مسکراہٹ چہرے پر سجائے ہوئے دل بہار کی ماں جی کو مبارک باد دینے آگے بڑھ گئی۔

Urdu Soft Books
نظیر فاطمہ
www.urdusoftbooks.com

"مہرین۔ سنو! اس دفعہ عارفہ آپا رمضان اور عید ہمارے ساتھ کریں گی۔ اگلے ہفتے ان کی فلائٹ ہے۔ تم ضروری تیاریاں کرلینا۔ کسی چیز کی کوئی کمی نہیں رہنی چاہیے۔" مہرین کی ساس ماجدہ نے اپنے ازلی سخت لہجے میں نہ جانے اسے اطلاع دی تھی یا حکم۔

"جی۔" مہرین ان کو چائے کا کپ تھما کر پلٹ گئی۔

"چلو جی، اس دفعہ رمضان میں مجھ پر تنقید کرنے والے افراد میں ایک اور کا اضافہ ہوجائے گا۔" مہرین دوپہر کا کام نپٹا کر تھوڑی دیر آرام کرنے کی غرض سے لیٹ گئی، مگر وہ ذہنی طور پر پریشان ہوگئی تھی۔ پچھلے چند سالوں سے رمضان شروع ہونے سے پہلے ہی مہرین پریشان ہونا شروع ہوجاتی تھی۔ حالانکہ یہ برکتوں، رحمتوں اور بخششوں کا مہینہ تھا۔ پھر بھی وہ اس مہینے سے خوف زدہ رہنے لگی تھی۔ اس کے خوف کی وجہ اس کا روزے نہ رکھ سکنا اور اس پر اپنی ساس کی تنقید تھی۔ تنقید بھی کیا تھی۔ ذلت و رسوائی تھی جو پورا ایک مہینہ صبح و شام اس کا مقدر بنادی جاتی تھی۔

✡ ✡ ✡

روزے نہ رکھنے کی وجہ اس کی بیماری تھی۔ جب مہرین پانچویں جماعت میں تھی تو اس کو ٹائیفائیڈ ہوگیا جو اتنا بگڑا کہ اس کی جان کے لالے پڑ گئے۔ کئی مہینوں تک مسلسل علاج کے بعد وہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو تو گئی، مگر یہ ٹائیفائیڈ اسے یہ بیماری تحفے میں دے گیا۔ وہ زیادہ دیر بھوکی نہیں رہ سکتی تھی۔ جیسے ہی اس کی بھوک شدت اختیار کرتی، اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوجاتے اور ابکائیاں یوں آنا شروع ہوجاتیں جیسے آنتیں منہ کے راستے زمین پر گرنے کی کوشش میں ہوں۔ اس کی بھوک بہت بڑھ گئی، ہر وقت اسے کھانے کو کچھ نہ کچھ چاہیے ہوتا تھا۔ اب اس بیماری کا علاج شروع ہوا۔ پورا ایک سال اس بیماری کا علاج ہوتا رہا۔ علاج سے یہ بیماری مکمل طور پر ختم تو نہ ہوئی، مگر اس میں کمی ضرور واقع ہوگئی۔

"اس سے زیادہ اس بیماری کا علاج ممکن نہیں ہے۔ آپ لوگ اب دوائی روک دیں۔ بس اس کے کھانے پینے کا خیال رکھیں۔ اسے جب بھی بھوک محسوس ہو تو کھانے کو کچھ دے دیں اور کوشش کریں کہ اس کا معدہ زیادہ دیر تک خالی نہ رہے، کیونکہ اگر زیادہ دیر تک اس کا معدہ خالی رہے گا تو اس کی حالت بگڑ جائے گی۔" ڈاکٹر نے اس کے ماں، باپ کو ساری صورت حال بتائی۔

اب بظاہر وہ تین وقت کا نارمل کھانا کھاتی تھی۔ البتہ تینوں کھانوں کے درمیان اسے پھل، جوس، بسکٹ یا کوئی اور چیز ضرور کھانا پڑتی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ بیماری بڑھی نہیں تو کم بھی نہیں ہوئی۔ پورا دن اگر وہ شیڈول کے مطابق کھاتی رہتی تھی بالکل نارمل اور ایکٹیو رہتی تھی۔ صحت بھی ٹھیک ٹھاک تھی، موٹی نہیں تھی، مگر جسم قدرے بھرا بھرا سا تھا۔ بس بھوک برداشت سے باہر تھی۔ وہ کہیں بھی جاتی۔ کسی شادی یا فنکشن میں، اس کے بیگ میں کھانے کی ایسی چیزیں موجود رہتیں جنہیں کھا کر وہ اپنی حالت کو اپنے قابو میں رکھتی تھی۔ ایسی صورت میں وہ روزے نہیں رکھ سکتی تھی۔ شادی سے پہلے تک تو خیر گزری کہ سب اس کی اس بیماری سے باخبر تھے۔ سو کوئی بھی روزے نہ رکھنے پر اسے نہیں ٹوکتا تھا۔ ویسے بھی روزوں میں وہ روزے داروں سے چھپ کر کھاتی پیتی تھی۔ مہرین کو خود یہ احساس بہت شدت سے ہوتا تھا کہ اس کے علاوہ گھر میں سب روزہ رکھتے تھے، دادا، دادی سے لے کر اس کے چھوٹے بہن، بھائی تک۔ اکثر وہ روزوں میں پریشان ہوجاتی تو دادی اسے سمجھاتیں۔

"بیٹا تم جان بوجھ کر تو روزہ نہیں چھوڑتی نا تو پریشان نہ ہوا کرو۔"

"دادی! اللہ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوں گے نا۔"

"نہیں بیٹا! وہ اپنے بندوں کو معاف کردیتا ہے۔"

دادی، مہرین کی امی سے کہہ کر اس کے روزوں کا فدیہ ادا کرواتی تھیں۔ وہ تھوڑی اور بڑی ہوئی تو روزے

داروں کی خدمت کرنے لگی۔ سب کے لیے سحری خود بناتی۔ افطاری میں زیادہ تر کام خود کرتی۔ ایسا کر کے اسے لگتا وہ بھی روزے داروں کے ساتھ تھوڑا بہت ہی سہی مگر اللہ کی نظر میں آجاتی ہے۔

☆ ☆ ☆

گریجویشن کے بعد اس کی شادی کا غلغلہ اٹھا اور وہ ضامن کے ساتھ بیاہ کر کھاریاں سے گوجرانوالہ آگئی۔ اس کے ماں، باپ اور سسرال کے گھریلو ماحول میں کوئی بہت زیادہ فرق نہیں تھا۔ سو یہاں ایڈجسٹ ہونے میں مہرین کو کسی خاص مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ سوائے اپنی ساس کے کڑوے لہجے کے، جو وہ سب کے ساتھ روا رکھتی تھیں۔ مہرین نے بھی سب کی طرح ان کے اس لہجے سے سمجھوتا کرلیا تھا۔ پہلی بڑی مشکل کا سامنا اسے اپنی شادی کے چار ماہ بعد کرنا پڑا، جس دن پہلا روزہ تھا۔ مہرین نے اٹھ کر سب کے لیے سحری بنائی، خود بھی سب کے ساتھ بیٹھ کر تھوڑا سا کھایا پیا اور برتن سمیٹ لیے۔ نماز اور تلاوت قرآن کے بعد سب گھر والے سو گئے ــــ ساڑھے آٹھ بجے ماجدہ اٹھ کر باہر آئیں تو انہیں کچن میں کھٹ پٹ کی آواز آئی۔ انہوں نے ذرا کی ذرا کچن میں جھانکا۔ مہرین کرسی پر بیٹھی ناشتا کر رہی تھی۔

"ارے! تم نے روزہ نہیں رکھا۔" ان کی آواز میں بہت سختی در آئی۔

"جی وہ میں... میں تو... روزہ... نہیں رکھ سکتی۔"

ان کے اس انداز پر مہرین کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"اللہ توبہ! ہم جیسے بوڑھے لوگ روزے رکھیں اور ان جیسے جوان جہان لوگ روزے چھوڑ دیں۔ ارے قیامت کی نشانی ہے، قیامت کی۔" وہ تو شروع ہی ہو گئیں اور مہرین شرمندگی سے زمین میں گڑ گئی۔ پھر جو جو بھی اٹھتا گیا اسے ماجدہ، مہرین کے روزہ نہ رکھنے کے بارے میں بتاتی گئیں۔ جس پر ہر کوئی پلٹ کر اسے یوں دیکھنے لگتا جیسے اس کے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔ اس سے پہلے کہ اس کی آنکھوں میں تیرتے آنسو گالوں پر آجاتے، ضامن آگیا۔ ماجدہ کا بیان دوبارہ شروع ہو گیا۔

"امی! اس دفعہ میں مہرین کو لینے گیا تھا تو اس کے گھر والوں نے مجھے بتایا تھا کہ مہرین روزے نہیں رکھ سکتی۔ یہ زیادہ دیر تک بھوکی نہیں رہ سکتی۔ ڈاکٹرز کے مطابق اسے وقفے وقفے سے کچھ نہ کچھ کھاتے رہنا چاہیے، ورنہ اس کی حالت بہت خراب ہو جاتی ہے۔" ضامن نے اس کی طرف سے صفائی پیش کی۔

"اے، نری بہانے بازیاں ہیں۔ یہ جوانی اور صحت اور روزے نہ رکھنا۔ واہ... مجھے تو ذرا یقین نہ آیا اس کہانی پر..." ماجدہ اس کو سنا کر چلی گئیں اور وہ آنسو پیتی رہ گئی۔ اس کی بیماری کا سن کر باقی گھر والوں نے تو پھر کبھی اسے کچھ نہ کہا، مگر ماجدہ نے اسے نہ بخشا۔ وہ آئے گئے کے سامنے مہرین کے روزہ نہ رکھنے کا ذکر کرتیں۔ روزہ رکھ کر ماجدہ کی تلخی میں اور اضافہ ہو جاتا تھا۔ شاید بھوک پیاس کی وجہ سے۔

ایک دفعہ ان کے ہاں افطاری تھی۔ سارا خاندان جمع تھا۔ ماجدہ نے سب لوگوں کے بیچ اس کے روزہ نہ رکھنے پر اس کو طنز اور مذاق کا نشانہ بنایا۔ مہرین کے سسر نے قدرے ڈپٹ کر ان کو خاموش کروایا۔ بعد میں سب گھر والوں نے ماجدہ کو اس عمل سے باز رہنے کے حوالے سے کہا۔

"امی! آپ بہت زیادتی کر جاتی ہیں۔ کیا ہوا اگر وہ روزہ نہیں رکھ سکتیں۔ یہ بھی تو دیکھیں وہ ہم روزہ داروں کی کتنی خدمت کرتی ہیں۔ نماز، قرآن پاک کی تلاوت اور رمضان کی دیگر عبادات تو کرتی ہیں۔ آپ پلیز اپنا رویہ بدل لیں۔" ان کے آج کے رویے سے اس کی نند کو بہت ہی دکھ ہوا تھا۔ مگر ماجدہ کو کون سمجھاتا۔

ایک دن تو حد ہی ہو گئی، ماجدہ نے مہرین کو زبردستی روزہ رکھوا دیا۔ نتیجہ دوپہر تک اس کی طبیعت بہت خراب ہو گئی، ابکائیوں نے اس کا برا حال کر دیا تھا۔ بھوک اور بڑھی تو وہ بے ہوش ہی ہو گئی۔ اس کے سسر اور دیور اس کو اٹھا کر اسپتال بھاگے۔ ضامن کو بھی فون

کر دیا گیا تھا۔ اس کو ڈرپ لگی، عصر کے بعد جا کر اس کو ہوش آیا۔ جب وہ لوگ اسے لے کر گھر پہنچے تو مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ آج وہ نہیں تھی تو افطاری کی زیادہ تر چیزیں بازار سے منگوائی گئی تھیں۔

"جب اپنی حالت کا پتا ہے تو کیوں زبردستی روزہ رکھا۔" ضامن ماں کو تو کچھ نہ کہہ سکا، مہرین پر ہی چیخ اٹھا۔

"آج اگر کچھ ہو جاتا تو؟"

"یہ سب کیا دھرا تمہاری ماں کا ہے۔ اس کو کون سمجھائے اب۔" ضامن کے ابو نے ماجدہ کو ملامتی نظروں سے دیکھا تو وہ سر جھٹک کر افطاری کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆

مہرین کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے۔ دو بچے بھی ہو گئے مگر اس کی ساس اس کے روزہ نہ رکھنے کی مجبوری کو معاف نہ کر سکیں۔ ان کی وجہ سے ہر سال رمضان کا مہینہ اس کے لیے آزمائش بن جاتا۔ وہ حتی الامکان خود کو قابو میں رکھتی کہ کہیں روزے دار ساس کی شان میں کوئی گستاخی نہ کر بیٹھے۔ مگر وہ روزے کے زعم میں اس کو کٹہرے میں کھڑا کیے رہتیں۔ اب ماجدہ کی بہن کینیڈا سے آ رہی تھیں۔ وہ پانچ چھ سال بعد پاکستان آ رہی تھیں۔ ان کی شادی میں بھی شریک نہیں ہوئی تھیں۔

"اگر عارفہ خالہ بھی امی کی ہم مزاج ہوئی تو....." ان کے آنے سے پہلے مہرین کو پریشانی نے گھیر لیا۔ عارفہ خالہ آ گئیں۔ نرم خو سی سادہ طبیعت، مہرین کو پہلی نظر میں اچھی لگیں، مگر وہ پھر بھی دل میں ڈری ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج پہلا روزہ تھا۔ مہرین نے سب کو اٹھا کر سحری بنائی۔ سب کو سحری کروائی۔

"مہرین! تم بھی سحری کر لو بیٹا! وقت کم رہ گیا ہے۔" عارفہ خالہ نے شفیق سے انداز میں کہا تو مہرین نے سہمی ہوئی سی نظروں سے اپنی ساس کی طرف دیکھا۔

"مہو رانی نے کون سا روزہ رکھنا ہے جو ان کو وقت کی فکر ہو۔ سارا دن ہوتا ہے اس کے پاس کھانے پینے کو....." ماجدہ نے تلخی سے کہا۔ اب مہرین نے خالہ کی طرف دیکھا جو نا سمجھی سے دونوں کو تک رہی تھیں۔ مہرین کا سہما اور اترا ہوا چہرہ ان کی نظروں سے چھپا نہیں رہ سکا تھا۔

"خالہ! سحری کریں۔ اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔" ضامن نے خالہ کا ہاتھ دبایا۔ شام کو ضامن واپس آیا تو عارفہ خالہ لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ضامن سلام کر کے ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"بیٹا! یہ کیا معاملہ ہے؟ مجھے ماجدہ کا رویہ مہرین کے ساتھ بالکل پسند نہیں آیا۔ اگر کسی وجہ سے روزہ نہیں بھی رکھا تو اس طرح طنز کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔" وہ سارا دن ماجدہ کا سلوک دیکھتی رہی تھیں۔ ضامن نے گہری سانس بھر کر خالہ کو ساری بات بتائی۔ مہرین کی بیماری.... امی کا رویہ، سب کچھ.... سب سن کر عارفہ خالہ نے تاسف سے سر ہلایا۔

پھر اگلے چار پانچ روز عارفہ خالہ نے مہرین کے معمولات کا بغور جائزہ لیا تو اس نتیجے پر پہنچیں کہ اگرچہ وہ اپنی بیماری کی وجہ سے روزے نہیں رکھ پاتی، مگر اس کے علاوہ ہر وہ کام کرتی ہے جو ایک روزے دار کو کرنا چاہیے اور جو بہت سے لوگ روزہ رکھ کر بھی نہیں کر پاتے۔ بچوں کی مصروفیت کے ساتھ بھی روزے داروں کی سحری اور افطاری کو کسی مقدس فرض کی طرح انجام دیتی تھی۔

"مہرین! تم تھکتی نہیں ہو بیٹا؟ ہر وقت لگی رہتی ہو۔" مہرین عصر کی نماز کے بعد سے افطاری کی تیاریوں میں مگن تھی۔

"خالہ! میں جتنا بھی تھک جاؤں، روزے دار جتنی مشقت بہر حال نہیں کرتی۔ مگر میں روزے داروں کی خدمت کر کے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش ضرور کرتی ہوں۔ روزے دار سحری اور افطاری کرتے ہوں گے تو تھوڑا ثواب تو میرے حصے میں بھی آتا ہو گا نا

خالہ!'' مہرین کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں تو خالہ نے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

''آؤ مہرین! تم بھی ہمارے ساتھ روزہ افطار کرو۔۔۔'' عارفہ خالہ نے افطاری کے وقت مہرین کو بھی آواز دی جو شربت کا جگ رکھ کر پلٹ رہی تھی۔

''افطاری روزے دار کی ہوتی ہے' جن کا سرے سے روزہ ہی نہ ہو ان کی کیسی افطاری۔'' ماجدہ نے طنز کے زہر میں بجھا تیر پھینکا جو سیدھا مہرین کے دل پر لگا اور وہ منظر سے ہٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

عارفہ خالہ تراویح پڑھ کر فارغ ہو کر ماجدہ کے پاس جا بیٹھیں۔

''ماجدہ! آج شام کو تم نے مہرین کے ساتھ جو سلوک کیا ہے وہ مجھے قطعی پسند نہیں آیا۔'' عارفہ بغیر تمہید کے گویا ہوئیں۔

''تو ایسا کیا کہہ دیا میں نے۔۔۔ جو حقیقت ہے وہی بیان کی ہے۔'' عارفہ نے اپنی ترش رو بہن کو دیکھا۔

''اچھا ایک بات بتاؤ' تم روزہ کیوں رکھتی ہو؟؟''

''اللہ کا حکم ہے۔''

''اور۔۔۔؟''

''اور کیا۔۔۔؟''

''اس کا مقصد کیا ہے؟؟''

''برائیوں سے رکنا' تقویٰ۔۔۔'' ماجدہ جاہل تھوڑی تھیں جو اس عام فہم آیت کا ترجمہ بھی انہیں معلوم نہ ہوتا۔

''تو کیا تمہارے روزے تمہیں برائیوں سے روک رہے ہیں۔''

''آپ نے مجھ میں ایسی کیا برائی دیکھ لی ہے؟'' وہ قدرے خفا سے انداز میں گویا ہوئیں۔

''ماجدہ ہم سب جانتے ہیں کہ روزے کے لفظی معنی ہیں رُک جانا' ٹھہر جانا۔۔۔ اللہ روزے کے ذریعے اپنے بندوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ رُک جاؤ۔۔۔ اللہ کی نافرمانی سے۔۔۔ ہر برائی سے۔۔۔ غلط کاموں سے۔۔۔ دوسروں کی دل آزاری سے۔۔۔ روزے کا مقصد صرف بھوک پیاس برداشت کرنا نہیں ہے۔ جب ایک انسان روزے سے ہو تو اس کا پورا جسم' جسم کا ہر عضو بھی روزے سے ہونا چاہیے۔ کان' ہاتھ اور سب سے بڑھ کر زبان۔۔۔'' وہ رکیں' بہن کو دیکھا اور پھر گویا ہوئیں۔

''مہرین حقیقی عذر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ پاتی۔ اس کی بیماری دائمی نوعیت کی ہے۔ ایسے مریض کو تو اللہ نے بھی چھوٹ دی ہے کہ وہ روزہ چھوڑ سکتا ہے۔ ہاں بدلے میں اسے فدیہ دینا ہوگا جو ایک مسکین کا ایک دن کا کھانا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے تو مہرین رمضان کے شروع میں اپنے تیس دنوں کے روزوں کا فدیہ ادا کر دیتی ہے۔ وہ اللہ اتنا کریم ہے جو اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے۔۔۔ ان کے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔۔۔ سختی نہیں کرتا تو پھر ہم کون ہیں کہ کسی کو ایسی وجہ سے نشانہ ستم بنالیں' جو اس کے اختیار سے باہر ہو۔'' ماجدہ نے نظریں جھکالیں۔

''تم سوچنا ضرور۔۔۔ کہ کیا تم روزہ رکھ کر اس کو پوری طرح نبھا رہی ہو۔ اس کے تمام تقاضے پورے کر رہی ہو۔ اگر نہیں تو پھر سمجھ لو کہ ایسا روزہ صرف بھوک پیاس کاٹنا ہے اور کچھ نہیں۔ اگر ہم سب کو اپنے روزوں کو اس ''بے نیاز'' کے ہاں قبولیت کے درجے پر پہنچانا ہے تو ہم سب کو رکنا ہوگا۔ ہر اس عمل سے جس میں اللہ کی ناراضی کا ہلکا سا شائبہ بھی ہو۔ تم اپنا جائزہ لو۔۔۔ کہیں مہرین کے ساتھ تمہارا رویہ تمہارے روزے کی قبولیت کے راستے کی رکاوٹ نہ بن جائے۔'' عارفہ بات مکمل کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں اور شرمندہ سی ماجدہ کے لیے سوچ کے کئی در وا کر گئیں۔

☼ ☼

شفق افتخار

میرے حصے کی زمین میرا آسماں

اگلے دن رخصت ہو کے وہ ایزد کے گھر آگئی تھی۔ رخصتی کے وقت بابا کتنی ہی دیر اسے خود سے لگائے کھڑے رہے تھے اور پورے دل سے اسے خوش رہنے کی دعائیں دی تھیں۔ تایا اور تائی بھی بہت خوش تھے البتہ خاموش کھڑے ایزد کے سپاٹ چہرے کے تاثرات کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ شادی کی تقریب ان کے گھر کے بڑے سے لان میں منعقد ہوئی تھی۔ وہ بہت سادہ سی دلہن بنی تھی۔ نہ زیادہ ہار سنگھار اور نہ ہی زیادہ تیاری پھر بھی وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ اپنے کمرے کی اندھیری بالکونی میں کھڑے حمدان کا یہی خیال تھا وہ مام اور ڈیڈ کے بہت اصرار پہ بھی وہاں جا نہیں پایا تھا۔ مگر دل اسے اس روپ میں دیکھنے کا تمنائی تھا سو وہ خود کو اسے دیکھنے سے روک نہیں پایا تھا۔ کیونکہ اسے اس روپ میں دیکھنے کی بہت چاہ تھی۔ مگر صرف اپنے لیے مگر آج وہ کسی اور کی دلہن بنی تھی۔ کسی اور کے لیے سجی سنوری تھی کسی اور کے نام کی مہندی اس کے ہاتھوں میں لگی تھی۔ یہ سوچ کر ہی دل بہت اداس اور بے چین تھا اور آنکھیں نم تھیں۔

وہ اس وقت خود کو بے بسی کی انتہا پہ محسوس کر رہا تھا صلہ سے اسے بہت سے شکوے تھے۔

"صلہ.... یہ تم نے بالکل بھی ٹھیک نہیں کیا۔" بے بسی اور بے چینی غصے میں بدلی تو بالکونی میں رکھے کتنے ہی گملے اس کی ٹھوکروں کی زد میں آئے تھے۔ وہ

ایسا ہی تو تھا جذباتی اور پھر چاہت میں شدت آ ہی جاتی ہے اور محبت تو نام ہی جذبات کا ہے۔ کمرے میں لگا

ناولٹ

دوسری اور آخری قسط

آئینہ اسے اپنا مذاق اڑاتا محسوس ہو رہا تھا۔ محبت میں ناکامی پہ اسے چڑا رہا تھا اس نے اسے کتنے ہی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ کتنے ہی کرچیاں اس کے ہاتھوں میں چبھی تھیں۔ مگر اس سے زیادہ تکلیف دل میں تھی وہ تو ان دنوں روز ہی ٹکڑوں میں تقسیم ہو تا رہتا تھا۔

"میں نے تم سے کبھی محبت کی ہی نہیں ایک لمحہ ' ایک پل ' ایک سیکنڈ کو بھی نہیں۔۔۔ تم صرف میرے ایک دوست ہو اور بس۔" یہ صلہ نے کہا تھا مگر اس کی یہ بات بھی حمدان کو اس سے محبت کرنے سے روک نہیں پائی تھی۔ وہ سب سمجھتے ہوئے ' سب جانتے ہوئے ' بوجھتے ہوئے بھی بس صرف اسی سے محبت کیے جا رہا تھا۔ دروازے پہ ہوتی دستک اسے واپس کھینچ لائی تھی جہاں ملازم شیشہ ٹوٹنے کی آواز سن کر دوڑا چلا آیا تھا۔

"پتا نہیں کیا ہو گیا آج چھوٹے صاحب کو۔" وہ کمرے کو صاف کرتے ہوئے سوچ رہا تھا اور حمدان گاڑی لے کر وہاں سے دور نکل آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات کے دو بج رہے تھے اور ایزد ابھی تک کمرے میں نہیں آیا تھا اس کی تھکن اب کوفت میں بدلنے لگی تھی۔ وہ بہت بے زار سی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی اس کی آنکھیں اس وقت بالکل خالی تھیں بنا کسی سوچ ' خوشی یا کسی بھی احساس کے اس نے بس خود کو وقت کے حوالے کر دیا تھا۔ حالات چاہے جیسے بھی ہوں۔ وہ سہہ لے گی اس نے سوچ لیا تھا تبھی دروازہ کھلنے کی آواز پہ اس کی سوچ کا ارتکاز ٹوٹا تھا اور وہ سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"میں اس شادی سے بالکل بھی خوش نہیں ہوں۔ قطعی نہیں۔ بلکہ میں یہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔" ایزد بیڈ کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔ صلہ کے لیے اس کی یہ بات بالکل غیر متوقع تھی۔

ٹھیک ہے وہ زیادہ کسی بھی چیز کی امید نہیں کر رہی تھی۔ لیکن وہ آتے ہی یہ سب کہے گا یہ اس نے نہیں سوچا تھا۔

"بس امی اور ابا کو ہی شوق تھا۔ دشمنوں کی بیٹی لا کر بسانے کا۔"

"دشمنوں کی بیٹی۔" اب کہ صلہ کو واقعی حیران ہونا پڑا تھا۔ اور اسے ایزد کا اس طرح کہنا برا بھی بہت لگا تھا۔ مگر صورت حال کا تقاضا تھا کہ وہ خاموش رہے اور اس کی بات ختم ہونے کا انتظار کرے۔

"پتا ہے صلہ میرے اندر ایک بہت بری عادت ہے کہ میں اپنا قرض کسی پہ نہیں چھوڑتا بدلہ ضرور لیتا ہوں۔ ورنہ مجھے چین نہیں آتا سکون نہیں ملتا میں کیا کروں بس میری عادت ہے ' یہ میرے یہاں شفٹ ہونے کا مقصد بھی شاید یہی تھا۔"

وہ بہت آرام سکون سے بیٹھا اسے بتا رہا تھا اور صلہ سوچ رہی تھی کہ اس وقت یہ بات کرنے کی بھلا کیا تک بنتی ہے۔ یہ باتیں پھر کبھی بھی تو ہو سکتی ہیں۔

"تم سوچ رہی ہو گی کہ میں یہ باتیں اس وقت کیوں کر رہا ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جیسے اس کے دماغ میں ابھرتی سوچ کو پڑھ رہا تھا اور صلہ کو اس کی آنکھوں سے خوف آ رہا تھا۔

"اس وقت تو مجھے تم سے پیار بھری باتیں کرنی چاہیے۔ تمہاری تعریف کرنی چاہیے کہ تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔ وغیرہ وغیرہ لیکن تم چاہے جتنی بھی خوب صورت لگو چاہے تم آسمان سے اتری حور ہی کیوں نہ بن جاؤ۔ لیکن پھر بھی مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ میں تم سے نفرت کرتا ہوں شدید نفرت بلکہ تم سب سے تمہارے ماں باپ سے۔۔۔ تمہارے بھائی سے اور تمہاری اس بہن سے۔۔۔ جس نے مجھ سے میرا بھائی چھینا تمہارے پورے خاندان سے شدید نفرت کرتا ہوں۔"

وہ اب بھی اسی اطمینان اور سکون سے بیٹھا یہ سب کہہ رہا تھا۔ جیسے اسے یہ سب کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جبکہ صلہ کا وجود جیسے اتھاہ گہرائیوں میں اترتا

جا رہا تھا۔ وہ بس حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ بول ہی نہیں پا رہی تھی۔

"یاد ہے تم نے ایک بار بیچ سڑک پہ میرے منہ پہ تھپڑ مارا تھا۔ وہ تھپڑ آج بھی مجھے یاد ہے۔ شاید تمہیں یاد نہ ہو۔ کیونکہ تمہارے پاس تو اور بہت کچھ ہو گا یاد رکھنے کو مگر مجھے یاد ہے۔ اس تھپڑ کی جلن اور دوستوں کے سامنے اٹھائی جانے والی ذلت میں آج بھی محسوس کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔"

"وہ ایزد تھا۔۔۔" صلہ کے ذہن میں یکدم ہی جھما کا ہوا تھا۔ وہ اس وقت قطعی نہیں جانتی تھی کہ وہ ایزد ہے۔ کیونکہ اتنے عرصے بعد اسے دیکھا تو وہ اسے پہچان نہیں پائی تھی۔ اور وہ تو اس وقت بھی اسے جانتا تھا پہچانتا تھا۔ "میں اس وقت۔۔۔" صلہ نے تیزی سے کچھ کہنا چاہا تھا وہ اسے بتانا چاہتی تھی۔

"ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی۔"

ایزد نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روکا تھا۔ اس کے بولتے لب تیزی سے خاموش ہوئے تھے۔

"اب تم خود سوچو صلہ کہ جن لوگوں سے ہمیں ہمیشہ ذلت اور رسوائی ملی ہے۔ دکھ ملے ہوں تو وہ ہمارے دشمن ہی ہوئے نا تو ایسے لوگوں سے ہم رشتہ کیسے جوڑ سکتے ہیں۔ مگر یہ بات امی بابا نہ سمجھ سکے۔ وہ آج بھی تم لوگوں کو اپنا مانتے ہیں اور بہت خوش ہیں اس شادی سے۔ مگر تم جانتی ہو نا تمہاری بہن کی وجہ سے میں نے اپنا بھائی کھو دیا وہ بھائی جو میرا سب کچھ تھا۔ جس کے ہوتے ہوئے مجھے کبھی کسی اور کی ضرورت نہیں پڑی اور زویا کے دھوکے نے اس کی جان لے لی۔ اسے مار ڈالا حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ اسے کتنا چاہتے ہیں۔ کتنی جان چھڑکتے ہیں وہ تم سب پہ کہ بعض اوقات میں چڑ جاتا تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ تم سب سے پیار کرتے تھے۔ حالانکہ میں ان کا اکلوتا بھائی تھا اور جب میں ان سے لڑتا تھا تو وہ مسکراتے تھے اور کہتے تھے کہ جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو سمجھ جاؤ گے کہ زویا میرے لیے کیا ہے۔ پھر کیوں کیا زویا نے ان کے ساتھ ایسا؟ اپنی چار دن کی محبت پہ میرے بھائی کو قربان کر دیا۔

کسی کا کچھ نہیں بگڑا تم سب اپنی اپنی جگہوں پہ خوش ہو، کھویا تو ہم نے تم جانتی ہو میں نے اپنے ماں باپ کو پل پل تڑپتے دیکھا ہے۔ وہ روز مرتے تھے اور روز جیتے تھے اور ان کا دکھ میرے اندر تم لوگوں کی نفرت کو اور بڑھا دیتا تھا۔"

اس وقت ایزد کا وجود نفرت بنا ہوا تھا اور صلہ کو جھلسا رہا تھا۔

"میں سمجھ سکتی ہوں ایزد۔۔۔ تمہارا دکھ بہت بڑا ہے۔ مگر سوچو تو اس میں نقصان سب کا ہوا ہے۔ سب نے اپنا اپنا حصہ کھویا ہے۔ مگر معاف کر دینا سب سے افضل ہے اور بھلا دینا نیکی ہے۔ دکھ اور ذلت اس وقت سب نے ہی اٹھائی تھی۔ مگر وقت بڑے سے بڑے زخم کو بھر دیتا ہے اور اسفند بھائی ہم سب کو بھی اتنے ہی پیارے تھے۔ شاید تب اگر وہ یہ سب نہ کرتے تو اس وقت سب کچھ بہت مختلف ہوتا محبت نے انہیں بزدل بنا دیا تھا۔ وہ اسے کھونے سے ڈرتے تھے۔ اگر وہ اس وقت تھوڑی سی بہادری دکھاتے تو آج ان کی اپنی ایک الگ اور خوشگوار زندگی ہوتی مگر یہ سب ایسا ہی ہونا تھا۔"

اس نے نرم لہجے میں ایزد کو سمجھانا چاہا تھا۔ مگر وہ اب بھی عجیب نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں اس وقت وہی کیفیت تھی۔ جو ہمیشہ صلہ کو الجھن میں ڈال دیتی تھی۔ ناگواری، نفرت اور پتا نہیں کیا کچھ۔۔۔ وہ اب بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

"ہوں۔۔۔ مگر صلہ! میں نہ معاف کرنے والوں میں سے ہوں اور نہ ہی بھولنے والوں میں سے میں وہ تھپڑ بھول سکتا ہوں۔ ہجوم میں ہوئی اپنی بے عزتی نظرانداز کر سکتا ہوں۔ مگر میں تم لوگوں کو معاف کیسے کروں، کیسے بھول جاؤں وہ سب تکلیفیں جو میرے ماں باپ نے سہی۔۔۔ میں نے جو دکھ اٹھایا مجھے اپنے بھائی کی اکڑی ہوئی لاش آج بھی یاد ہے اور میں اسے یاد رکھنا چاہتا ہوں۔ نہیں بھولنا چاہتا کبھی بھی۔۔۔ کیونکہ میں اتنا اعلا ظرف نہیں ہوں۔ اس لیے میں نے سوچا کہ میں آج کی رات تمہیں کوئی انوکھا تحفہ دوں۔ جو

تمہیں عمر بھر یاد رہے۔۔۔" وہ اپنی جیب سے کچھ نکالتے ہوئے بول رہا تھا۔

"اس سے انوکھا اور کیا ہو سکتا ہے۔ جو باتیں تم مجھ سے کر رہے ہو۔ کیا ہی کوئی ذی ہوش انسان اپنی شادی کی پہلی رات اپنی بیوی سے کرتا ہوگا۔"

صلہ کو اس کی ذہنی حالت پہ تشویش ہو رہی تھی۔

"یہ تمہارا تحفہ۔۔۔" اس نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"یہ کیا ہے۔۔۔" اس کے دل میں الجھن بڑھ گئی تھی۔

دل کی دھڑکن ایک دم ہی بہت تیز ہو گئی تھی۔ جانے اس میں ایسا کیا تھا۔

"کھول کر دیکھو۔" وہ ذرا سا مسکرا کر کرسی سے اٹھا اور کمرے کے وسط میں جا کر کھڑا ہو گیا اور لفافہ چاک ہوتے ہی جیسے قیامت آگئی تھی۔ کم از کم صلہ کو تو یہی محسوس ہوا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"یہ سب کیا ہے ایزد۔۔۔ اگر یہ مذاق ہے تو بہت گھٹیا مذاق ہے۔" وہ غصے سے چلائی تھی۔

"یہ مذاق نہیں۔۔۔ تمہارا طلاق نامہ ہے۔" بالکل اصلی۔۔۔"

"ایزد۔۔۔ یہ۔۔۔" وہ بے ساختہ ہی اس کی طرف بڑھی تھی۔

"آں ہاں۔۔۔ میں ایزد عباس بقائمی ہوش و حواس صلہ احمد تمہیں طلاق دیتا ہوں۔" اور ایزد نے یہی الفاظ اسی سکون سے تین بار دہرائے تھے اور وہ بنا کچھ بھی بولے بس پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اب پتا چلے گا کہ ذلت اور رسوائی کیا ہوتی ہے اور جگ ہنسائی کیا چیز ہوتی ہے۔ دکھ اور تکلیف کیا ہوتی ہے۔ دفع ہو جاؤ میری نگاہوں کے سامنے سے تمہیں دیکھنا۔۔۔ تمہیں چھونا میں اپنی توہین سمجھتا ہوں چلی جاؤ یہاں۔۔۔" ایزد نے بڑی بے دردی سے اسے بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر نکال دیا تھا اور دروازہ اندر سے لاک کر دیا تھا۔ وہ ابھی تک سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے اور کیوں اس کا قصور کیا ہے۔"

"وہ تو زویا نہیں تھی۔ وہ تو سب کو خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ پھر یہ سب۔۔۔" اس نے ہاتھ میں تھامے کاغذ پہ ایک خاموش نگاہ ڈالی تھی۔

اس کا دماغ چکرا رہا تھا اور قدم مزید اس کا بوجھ اٹھانے سے قاصر تھے۔ تبھی سامنے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور تائی جان باہر آئی تھیں اور اسے اس طرح رات کے اس پہر کمرے کے باہر کھڑا دیکھ کر بری طرح چونکی تھیں۔

"صلہ بیٹے کیا ہوا ہے یہاں کیوں کھڑی ہو۔" وہ فوراً" ہی اس کے پاس آئیں تھیں اور وہ تو جیسے اشارے کی منتظر تھی ان کا ذرا سا سہارا پاتے ہی ڈھے گئی تھی۔ وہ بمشکل اس کو سنبھالنے لگی تھیں اور جیسے ہی اس کے ہاتھ میں تھامے کاغذ پہ نگاہ پڑی تو ان کی چیخ بے ساختہ تھی۔

☆ ☆ ☆

صلہ کو ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوئے آج دوسرا دن تھا۔ وہ ہوش میں تو آگئی تھی مگر اس پہ سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ نہ وہ کچھ بولتی تھی اور نہ ہی روتی تھی اور نہ ہی کسی دکھ کا اظہار کرتی تھی۔ بس خاموشی سے لیٹی چھت کو گھورتی رہتی تھی۔ جیسے سود و زیاں کا حساب لگا رہی ہو ٹرانکیولائزر دینے سے نیند آجاتی تھی تو سو جاتی تھی اور پھر جاگنے کے بعد پھر سے وہی کیفیت۔ ڈاکٹرز کے مطابق وہ شدید ذہنی ڈپریشن کا شکار تھی اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔ اس رات جب وہ تیورا کر گری تھی تو گرتے ہی ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔ تائی جان کی آوازوں پہ تایا بھی کمرے سے نکل آئے تھے اور کتنے ہی مہمان وہاں تماشا دیکھنے کو موجود تھے۔ وہ دونوں بنا وقت ضائع کیے اسے ہاسپٹل لے آئے تھے۔ یہاں اسے فوراً" ہی ایڈمٹ کر لیا گیا تھا جب اس کی حالت ذرا سی سنبھلی تب انہوں نے اس کے ماں باپ کو

اطلاع دی اس وقت صبح کے چھ بج رہے تھے وہ دونوں فجر کے وقت اٹھ چکے تھے۔ خبر سنتے ہی دوڑے چلے آئے تھے اور یہاں آکر انہیں جو کچھ دیکھنے اور سننے کو ملا اس نے ان دونوں کو چکرا کر رکھ دیا تھا ماما کی طبیعت بگڑ گئی تھی اور بابا تو بالکل ڈھے سے گئے تھے انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ بیٹی کو سنبھالیں یا بیوی کی دیکھ بھال کریں اور تب سے اب تک وہ وہیں تھے اور ابھی تک حیران و پریشان تھے کہ یہ ہوا کیا ہے اور کیوں ہوا ہے۔ انہوں نے تو سب بہت نیک نیتی سے کیا تھا تو پھر.....

"یہ سب کیا ہے بھائی صاحب؟ ایزد کی جرات کیسے ہوئی یہ سب کرنے کی' اگر یہ شادی کرنے کی اس کی مرضی نہیں تھی تو کیوں اس نے میری بیٹی کی زندگی برباد کردی۔ کیا بگاڑا تھا میری بیٹی نے اس کا؟"

اگلے دن جب تایا اور تائی صلہ کو دیکھنے آئے تو وہ ان کے سامنے پھٹ پڑے تھے۔ ماما اندر صلہ کے پاس تھیں اور ان کی اپنی طبیعت اب قدرے بہتر تھی۔

"میں بہت شرمندہ ہوں تم سے احمد۔ میں خود نہیں جانتا کہ سب کیا ہے۔ ہم سب تو بہت خوش تھے۔ ہم تو صلہ کو بہت چاہت اور پورے خلوص سے بہو بنا کر لے گئے تھے۔ مگر خدا جانتا ہے کہ میں لاعلم ہوں کہ ایزد کے دل میں کیا چل رہا تھا۔ وہ گھر سے بھی کہیں چلا گیا ہے اور اس کا فون بھی مسلسل بند ہے ورنہ میں اسے تمہارے سامنے لا کر کھڑا کر دیتا اور تمہارے سامنے اس کا گریبان پکڑتا مگر میں کیا کروں۔ اسے کہاں ڈھونڈوں' میں بہت شرمندہ ہوں۔" تایا نے شرمندگی سے سر جھکا رکھا تھا۔ وہ چھوٹے بھائی سے نگاہیں ملانے کے قابل نہیں رہے تھے۔ بس ہاتھ جوڑنے کی کسر رہ گئی تھی۔ اور تائی صرف آنسو بہا رہی تھیں حقیقتاً" وہ دونوں بالکل انجان تھے کہ ایزد کیا سوچ رہا ہے۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا کیا آپ کے شرمندہ ہونے سے سب بدل جائے گا۔ میری معصوم بیٹی کے ماتھے پہ لگا طلاق کا داغ مٹ جائے گا۔ یہ لوگ یہ معاشرہ اسے الزام نہیں دیں گے کہ آخر ایسا کیا تھا کہ اسے شادی کی پہلی رات طلاق ہوگئی۔ میں کس کس کو جواب دوں گا۔ سب سے بڑھ کر صلہ کو کیا منہ دکھاؤں گا کیسے سامنا کروں گا اس کا بتائیں آپ' آپ نے جب میرے سامنے دامن پھیلایا تو میں نے بنا سوچے سمجھے آپ کو ہاں کردی کہ اس طرح ٹوٹے رشتے پھر سے جڑ جائیں گے۔ دلوں میں چھائی کدورت مٹ جائے گی اور ہم بھائی پھر سے ایک ہو جائیں گے۔ مگر ایزد وہ اتنا پست اور گھٹیا نکلے گا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں نے صرف آپ لوگوں کی خاطر اپنی اولاد کو برسوں سے دور کر رکھا ہے۔ میں نے انہیں برسوں سے دیکھا تک نہیں کہ بلاشبہ جو ہوا اس میں قصور ہمارا تھا۔ مگر آج ایزد نے پلک جھپکتے میں بدلہ چکا دیا۔"

وہ خود ہی بولتے بولتے جیسے بات کی گہرائی میں پہنچے تھے۔ "تو کیا.... ایزد نے کہیں صرف غصے اور ضد میں آکر ہمیں تکلیف دینے کے لیے تو صلہ کے ساتھ سب نہیں کیا.... اُف میرے خدا...." وہ لڑکھڑا کر قریب رکھے بینچ پہ بیٹھ گئے تھے۔ اگر دو منٹ مزید کھڑے رہتے تو یقیناً" گر جاتے۔

"احمد تم ٹھیک ہو۔" وہ دونوں لپک کر ان کے پاس آئے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ لوگ جائیں یہاں سے۔" وہ ہاتھ کے اشارے سے انہیں خود سے دور ہٹا رہے تھے۔ وہ دونوں تشویش سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ پل کے پل میں انہیں یاد آرہا تھا کہ ایزد بچپن میں بھی باقی بچوں سے قدرے مختلف تھا۔ کسی حد تک ضدی اور جھگڑالو' بدتمیز اور عموماً" سب لوگ اسے چھوٹا اور لاڈلا سمجھ کر اس کی غلطیاں نظر انداز کردیتے تھے۔ مگر اب وہ بچہ نہیں تھا اور نہ ہی یہ غلطی نظر انداز کیے جانے کے قابل تھی۔

"میں نے بہت غلط کردیا۔ بہت غلط.... جلد بازی میں' میں نے صلہ کی زندگی برباد کردی۔" وہ ہانپ رہے تھے۔ ان کا وجود پسینے میں بھیگ رہا تھا۔ وہ سر تھامے بیٹھے تھے تایا اور تائی مایوس ہو کر واپس چلے گئے تھے۔ رک کر کرتے بھی کیا' کس منہ سے سامنا کرتے صلہ

کا۔

"سر۔۔۔ آپ ٹھیک ہیں۔" پاس سے گزرتی نرس نے ان سے ہمدردی اور تشویش سے پوچھا تھا۔ وہ بنا جواب دیے اسی طرح بیٹھے رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

صلہ ہسپتال سے گھر آگئی تھی۔ جسمانی طور پہ وہ ٹھیک تھی مگر ذہنی کیفیت ابھی بھی اس کی ٹھیک نہیں تھی۔ وہ ویسی ہی تھی بالکل خاموش اور چپ۔۔۔ اس رات کے بعد سے اس نے ایک لفظ نہیں بولا تھا اور نہ ہی کوئی آنسو اس کی آنکھ سے ٹپکا تھا۔ حماد بھائی اس کی بیماری کا سن کر سب کچھ بھلا کر آگئے تھے۔ زویا بھی بار بار اس کی خیریت دریافت کرتی رہتی تھی۔ ماں باپ جیسے اس کا سایہ بن گئے تھے۔ سب ہی اس کی دل جوئی میں لگے رہتے تھے۔ وہ ابھی بس اس لمحے کو اپنی آنکھوں سے نکال نہیں پا رہی تھی روز کوئی نہ کوئی اس کی خیریت دریافت کرنے آجاتا تھا۔ درحقیقت خیریت دریافت کرنا تو صرف ایک بہانہ تھا۔ اصل میں تو ان کے زخموں پہ نمک چھڑکنا تھا کرید نا تھا دکھی اور بے بس لوگوں کو مزید تکلیف دینا تھا۔ پر سب لوگ ہی کوشش کرتے تھے کہ اس سے کوئی نہ ملے۔

وہ پہلے ہی صدمے میں ہے۔ ان کی باتوں سے اور پریشان ہو گی، کل شام مرتضیٰ انکل اور آنٹی بھی آئے تھے۔ اس سے ملنے، بس وہ ذرا سی دیر کو آئے تھے ان سب سے ملنے، نہ ہی وہ دونوں زیادہ دیر بیٹھے اور نہ ہی کوئی ایسی بات کی جس سے ان لوگوں کو تکلیف پہنچے آنٹی ذرا سی دیر کو صلہ کے پاس بھی آکر بیٹھیں پیار سے اس کی خیریت پوچھی اور اسے جلد صحت یاب ہونے کی دعا دی۔ آج کل ان کا بڑا بیٹا حنین اپنی فیملی کے ساتھ آیا ہوا تھا تو وہ ادھر ادھر کی باتوں کے ساتھ ساتھ اس کے بچوں کی بھی باتیں کرتی رہیں۔ جسے سن کر ماما کا ذہن بھی ذرا سا بٹ گیا تھا۔ صلہ تو بس خاموشی سے ان دونوں کو باتیں کرتے ہوئے دیکھتی رہی تھی۔ بنا کچھ بھی بولے۔ پھر وہ جلد ہی اسے آرام کرنے کا کہہ کر چلی گئی تھیں۔ ماما بھی ان کے ساتھ ہی باہر نکل گئی تھیں اور پیچھے وہ رہ گئی تھی۔ تنہا، خالی ذہن اور خالی دل لیے۔۔۔ بالکل اکیلی۔۔۔

☼ ☼ ☼

"صلہ دیکھو تو بیٹا۔۔۔ تم سے ملنے کون آیا ہے۔"

ماما کی آواز پہ اس نے آنکھوں پہ رکھا بازو بے زاری سے ہٹایا تھا اور اندر آنے والے شخص کو دیکھ کر وہ بے ساختہ ہی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اتنے دنوں سے وہ جیسے اسے بھولے ہوئے تھی آج اسے دیکھا تو جیسے نئے سرے سے سب کچھ یاد آگیا تھا۔ وہ وہیں کھڑا خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ چند دنوں میں وہ کیا سے کیا ہو گئی تھی۔ میں نے یہ تو نہیں چاہا تھا۔ میں نے تو چپ چاپ اپنی چاہت کو دل کی تہہ میں کہیں بہت گہرائی میں چھپا لیا تھا اور اپنے حصے کی خوشیاں خاموشی سے کسی اور کے حوالے کر دیں تھیں۔ تو پھر صلہ کے ساتھ ایسا کیوں ہوا کہ ایک رات نے ہی اس کی ساری دلکشی و رعنائی چھین لی۔ حمدان کو اسے اس طرح دیکھ کر بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ جس طرح مایوسی سے مرجھائی ہوئی سی بیٹھی تھی وہ ایسی تو نہیں تھی بھلے وہ زیادہ شوخ و چنچل نہ سہی مگر اس کے ایک ایک انداز سے زندگی محسوس ہوتی تھی۔

"بیٹھو نا بیٹا۔۔۔ کھڑے کیوں ہو؟" ماما اسے گم صم انداز کو حیرانگی سے دیکھ رہی تھیں۔ کچھ تو تھا ایسا جو انہیں چونکا رہا تھا۔ وہ تھوڑا بہت جانتی تھیں کہ ان دونوں کی آپس میں تھوڑی بہت دوستی ہے یا شاید جان پہچان مگر حمدان کے انداز میں آج کچھ ایسا تھا جو انہیں چونکا رہا تھا اور صلہ کا اس سے نگاہیں چرانا۔۔۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

"تم لوگ باتیں کرو بیٹا۔۔۔ میں ابھی آتی ہوں۔" وہ ان دونوں کی خاموشی سے گھبرا کر باہر چلی آئی تھیں۔ مگر کمرے سے باہر آکر ان کے قدم آگے بڑھنے سے انکاری تھے۔ وہ اس چپ کا اسرار جاننے کو وہیں کھڑی ہو گئی تھیں۔ وہ کتنے ہی پل وہیں کھڑا اسے گم صم اس

طرح بیٹھا دیکھتا رہا تھا۔ پھر دھیرے سے آگے بڑھا اور ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ رکھا اسٹول کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

"صلہ۔۔۔" اس نے دھیرے سے پکارا تھا۔

وہ پچھلے کتنے ہی دنوں سے علی کی طرف تھا اور دنیا سے اس کا رابطہ جیسے کٹ چکا تھا۔ ماما' ڈیڈ اور پھر حنین کی مسلسل آتیں کالز نے اسے گھر آنے پہ مجبور کیا تھا۔ وہ کل شام جب گھر آیا تو مام اور ڈیڈ کہیں سے واپس آئے تھے وہ صلہ سے مل کے آئے تھے اور تب اسے صلہ کے ساتھ پیش آنے والے حادثے کے بارے میں پتا چلا۔ کل کی تمام رات وہ یہی سوچتا رہا کہ آیا کہ اسے صلہ کے پاس جانا چاہیے یا نہیں۔۔۔ مگر پھر وہ خود کو یہاں آنے سے روک نہیں پایا تھا اور اب اس کے سامنے بیٹھا تو جیسے سارے الفاظ کہیں کھو سے گئے تھے۔

"کیسی ہو۔۔۔" اب کچھ تو کہنا ہی تھا نا۔

صلہ نے ذرا سی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور ان نگاہوں میں کیا کچھ تھا۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ اتنا سب ہو جانے کے بعد میں کیسی ہو سکتی ہوں۔ وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اسے دیکھا تو صلہ کو محسوس ہوا تھا کہ جیسے اس میں اب بھی کچھ زندگی باقی ہے۔ اب بھی اسے دکھ اور تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور اسے دیکھا تو کتنے ہی دنوں سے آنکھوں کی گہرائیوں میں کہیں نیچے چھپے آنسو تیزی سے سطح پہ ابھر آئے تھے اور وہ رو پڑی تھی۔ اتنے دنوں میں آج پہلی بار وہ روئی تھی پھوٹ پھوٹ کر ذلت' رسوائی' دکھ' تکلیف کون سے کون سے احساس تھے جو اسے رلا رہے تھے۔ اور وہ بس روئے جا رہی تھی۔

"صلہ۔۔۔ پلیز مت رو۔۔۔ پلیز ایسے تو مت رو۔"

وہ جیسے اس کے آنسوؤں میں بہا جا رہا تھا۔ وہ اس کے آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ تو بس مدھم مسکراہٹ میں ہی اچھی لگتی تھی۔

"حمدان۔۔۔ میں بہت تکلیف میں ہوں۔۔۔ ایک اذیت کا احساس ہے جو میرے پورے وجود میں پھیل گیا ہے۔ مجھے رونے دو حمدان کیونکہ اب یہ آنسو ہی میرا مقدر ہیں۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔" وہ بول نہیں پا رہی تھی۔ وہ بس روئے جا رہی تھی اور وہ بے بسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"صلہ۔۔۔ پلیز ایسے مت رو۔ خود کو تکلیف مت دو۔ پہلے ہی تمہاری طبیعت مشکل سے سنبھلی ہے۔ پلیز صلہ۔۔۔"

"میں نے تو کبھی کسی کو دکھ نہیں دیا۔۔۔ کبھی کسی کو تکلیف نہیں دی یہاں تک کہ کبھی کسی کا برا تک نہیں سوچا' پھر میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا؟ میں ہی کیوں حمدان۔۔۔ میں جو سب کو خوش کرنے چلی تھی اپنا آپ قربان کر دیا میں نے۔۔۔ اپنی ہر خوشی کچل دی میں نے۔۔۔ پھر میرے حصے میں یہ آزمائش کیوں آئی؟ میں جو کل تک سر اٹھا کر چلتی تھی آج لوگوں کے سوال اور چبھتی نگاہیں میرے دل کو چیر دیتی ہیں۔ میں بہت سوچتی ہوں' دن رات سوچتی ہوں' مگر مجھے اپنا کوئی قصور نظر ہی نہیں آتا' میں کیا کروں حمدان۔۔۔ میں۔۔۔" آنسوؤں نے پھر راستہ روکا تھا۔ وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامے اس سے پوچھ رہی تھی اور وہ لفظ ڈھونڈ رہا تھا کہ جن سے اسے تسلی دے سکے اور باہر کھڑی ماما کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور قدموں کو جیسے زمین نے جکڑ لیا تھا۔ ایسا کیا تھا حمدان میں کہ دکھ سننے والا وہ پہلا شخص بن گیا تھا۔ اتنے دنوں کے رکے آنسو اس کے سامنے بہہ رہے تھے۔

"پتا ہے کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ میں نے تمہیں دکھ دیا' تمہیں تکلیف دی' تمہارا دل توڑا' مجھے کہیں اس کی سزا تو نہیں ملی بتاؤ نا حمدان۔۔۔ مگر میں نے تو یہ سب ٹوٹے رشتے جوڑنے کو کیا تھا' میں تو سب کو خوش دیکھنا چاہتی تھی' کہیں' کہیں تم نے تو۔۔۔؟" وہ چند لمحوں کو رک کر اسے دیکھ رہی تھی اور حمدان منتظر تھا اسے سننے کا۔

"کہیں تم نے مجھے بددعا تو نہیں دی تھی کہ میں۔۔۔" اس کی ذہنی رو بھٹک رہی تھی۔ وہ کیا کہہ رہی تھی۔ حمدان تڑپ اٹھا تھا۔

"خدا کے لیے صلہ... ایسا کبھی سوچنا بھی مت، میں تو چپ چاپ تمہارے راستے سے ہٹ گیا تھا۔ صرف یہ سوچ کر کہ تم اپنے ماں باپ کو خوش کرنے جارہی ہو تو یقیناً" خوشیاں تمہارا بھی مقدر بنیں گی، مگر یا خدا میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا... میرے دل میں آج بھی تمہارے لیے اتنی ہی عزت اور احترام ہے جتنا اس دن تھا جب ہم پہلی بار ملے تھے۔ محبت تو کہیں بعد میں آتی ہے تم ایسا مت سوچو پلیز... اگر یہ آزمائش ہے تو یقیناً" اس میں بھی تمہارے لیے کوئی اچھائی ہوگی۔"

حمدان نے اپنے ہاتھوں پہ گرا ایک نمکین قطرہ محفوظ کرلیا تھا۔ وہ اب سر جھکائے بیٹھی تھی، لیکن آنسو اب بھی اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔ ہاں یہ تھا کہ اس کے دل کا بوجھ تھوڑا کم ہوا تھا۔ اب وہ دھیرے دھیرے اسے سمجھا رہا تھا اور وہ خاموشی سے اسے سن رہی تھی اور باہر کھڑی ماما کو دھیرے دھیرے سمجھ آہی گیا تھا کہ آخر اس چپ کا راز کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

جب سے انہوں نے حمدان اور صلہ کی باتیں سنی تھیں۔ وہ بہت اداس اور بے چین تھیں۔ رہ رہ کر ان کے دل میں ہول اٹھ رہے تھے۔ انہوں نے جلد بازی میں صلہ کی زندگی خراب کردی تھی۔ وہ اس وقت بھی انہی سوچوں میں گم بیٹھی تھیں جب احمد صاحب کمرے میں داخل ہوئے تھے اور انہیں اس طرح بیٹھا دیکھ کر پریشانی سے ان کی طرف آئے تھے۔

"کیا بات ہے صالحہ... ایسے کیوں بیٹھی ہیں، طبیعت تو ٹھیک ہے...؟" وہ فکر مندی سے پوچھ رہے تھے۔ وہ آج کل بالکل پہلے کی طرح سے ہی ان کا خیال رکھ رہے تھے اور صلہ کا تو جیسے سایہ ہی بن گئے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں۔ بس صلہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" وہ ابھی کچھ دیر تک صلہ کے پاس ہی تھیں۔ وہ اب اکثر راتوں کو صلہ کے ساتھ ہی سونے لگی تھیں، مگر آج جب صلہ سکون آور دوا کے زیر اثر سو گئی تو وہ اس کے سونے کا اطمینان کرکے اپنے کمرے میں چلی آئی تھیں۔

"کیوں کیا ہوا اس کی طبیعت ٹھیک ہے نا۔" وہ ازحد پریشانی سے پوچھ رہے تھے۔

"ہاں طبیعت تو اب پہلے سے کافی بہتر ہے، مگر وہ ابھی تک اس شاک سے نکل نہیں پائی ہے اور پتا نہیں کب تک وہ خود کو سنبھال پائے گی۔" ان کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگی تھیں اور وہ ہمیشہ کی طرح خود کو قصوار سمجھتے ہوئے بس خاموش ہی رہے تھے۔

"آپ کو نہیں لگتا کہ ہم نے صلہ کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کردی ہے۔ صرف اس بار نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہی... ہم اپنے ہی دکھوں اور تکلیفوں میں مگن رہے اور اس کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں... ہم نے اپنے سارے بوجھ اس پہ ڈال دیے اور کبھی سوچا ہی نہیں... کہ وہ کیا چاہتی ہے یا وہ کیا محسوس کرتی ہے۔ زویا اور حماد کی غلطیوں کا بھگتان بھی اس معصوم نے بھگتا ہے اور اتنی خاموشی سے کہ ہمیں کبھی پتا ہی نہیں لگنے دیا کہ انجانے میں اس کے ساتھ زیادتی ہورہی ہے اور اس بار تو...." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی تھیں۔ آنسوؤں سے ان کی آنکھیں پوری طرح بھیگ چکی تھیں۔ بابا خاموشی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"اور اس بار تو ہم نے جلد بازی کی حد کردی۔ بنا سوچے سمجھے اس کی زندگی کو بھینٹ چڑھا دیا، میں نے کتنا منع کیا تھا آپ کو کہ اتنی جلد بازی نہ کریں، مگر آپ نے وہی کیا جو آپ نے چاہا... ہمیشہ کی طرح... میں نے کتنا کہا آپ سے کہ مجھے ایزد کی آنکھوں میں... وہ خلوص، وہ سچائی... وہ اپنا پن نظر نہیں آتا، مگر آپ نے میری ایک نہیں سنی اور بس اسے اسفند جیسا ہی سمجھتے رہے ضروری تو نہیں تھا نہ کہ ایزد بھی اسفند جیسا ہی ہو، مگر آپ نے اپنی انا اور خودداری کا علم بلند رکھنے کو ٹوٹے رشتے جوڑنے کو بس اپنی بیٹی کے ماتھے کو داغ دار کردیا... مجھے تو اس کے مستقبل کا سوچ سوچ کر ہی ہول اٹھتے ہیں، میں اس کا چہرہ دیکھتی ہوں تو مجھے اپنا

آپ قصور وار لگتا ہے، مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی
تھی اتنے... تو تم سے کیا کہا گیا ہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ
کر رو رہی تھیں۔

وہ کس قدر بدحال لگ رہے تھے اور آج صالحہ نے
پہلی بار ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔ وہ ان سے
ابھی اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر ان کی حالت
کو دیکھتے ہوئے مزید ایک لفظ بھی نہیں کہہ پائی تھیں
اور ان کے ہونے کے بعد وہ چپ چاپ کمرے سے
باہر نکل آئے تھے۔ وہ کتنی ہی دیر لان میں چکر لگاتے
میں الجھے رہے تھے۔ ان گنت سوچیں تھیں جو ان کے
اندر طوفان مچا رہی تھیں۔ وہ گھبرا کر اٹھے تھے مگر
اپنے کمرے میں جانے کی بجائے صلہ کے کمرے میں
چلے آئے تھے۔ وہ منہ تک کمبل اوڑھے سو رہی
تھی۔ نائٹ بلب کی مدھم سی روشنی پورے کمرے میں
پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دھیمے دھیمے قدم اٹھاتے اس کے
پاس چلے آئے تھے۔ محبت سے اس کے سر پر ہاتھ
پھیرتے ہوئے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا اور پھر جانے
کو پلٹے تھے، مگر پھر کچھ سوچ کر ہولے سے اس کے
قریب بیٹھ گئے تھے اور کتنے ہی لمحے خاموشی سے اسے
دیکھتے رہے تھے۔

"مجھے معاف کر دینا میری بیٹی..." ہولے سے ان
کے لب ہلے تھے۔

"مگر میرا خدا گواہ ہے، میں نے اپنی طرف سے
تمہارے لیے ایک بہترین فیصلہ کیا تھا، مگر قسمت میں
کچھ اور ہی لکھا تھا اور وہ فیصلہ چند ہی لمحوں میں
تمہاری زندگی بدل گیا اور میں بھی بے بسی سے دیکھتا ہی
رہا، مگر میں نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ تمہارے ساتھ
کبھی بھی کچھ بھی ایسا ہو۔ کیونکہ ایک باپ بھلا کبھی
اپنی بیٹی کا برا کیسے سوچ سکتا ہے اور بیٹی بھی اگر
تمہارے جیسی ہو تو... نیک اور معصوم پریوں سی،
محبت کرنے والی... میرا دل چاہتا ہے کہ میں وقت کو
پیچھے لے جاؤں اور پھر سے سب پہلے جیسا ہو جائے اور
میں تمہاری تمام خواہشوں کو پورا کروں اور تمہیں
بتاؤں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ اتنی نہیں
جتنی تم مجھ سے کرتی ہو۔ اتنی بھی نہیں جتنی میں اویا
اور حماد سے کرتا تھا بلکہ ان سب سے کہیں زیادہ...
اتنی زیادہ کہ اس کی شدت کا اندازہ مجھے خود اب ہوا
ہے جب تم دور جانے لگی ہو۔ پھر سے لوٹ آؤ میرے
پاس... مگر سچ پوچھو تو سارا قصور میرا بھی اتنا نہیں تھا، ان
سب میں کچھ وقت اور حالات بھی کچھ ایسے ہو گئے
اور سب کچھ خود بخود ہوتا گیا اور اویا، جس پر مجھے بہت
مان تھا، اس نے مجھے بہت تکلیف دی، وہ ایک بار پلٹ کر
مجھ سے ملنے نہیں آئی اور نہ ہی مجھ سے معافی مانگی اور
پھر حماد کی خود ساختہ ناراضی... بہرحال مگر میں جانتا
ہوں کہ تمہارے لیے سب بھولنا بہت مشکل ہو گا
میری بیٹی، مگر میں چاہتا ہوں کہ وہ سب کچھ تم ایک
بھیانک خواب سمجھ کر بھول جاؤ اور پھر سے پہلی والی
صلہ بننے کی کوشش کرو، میں وعدہ کرتا ہوں جیسا تم کہو
گی ویسا ہی کروں گا۔ تمہاری ساری حسرتیں پوری
کروں گا۔ ایک بار ٹھیک ہو جاؤ اور مجھے کہو کہ میں آپ
سے ناراض نہیں ہوں، میں پرسکون ہو جاؤں گا... بس
صرف ایک بار..." جانے کب بولتے بولتے ان کی
آنکھ سے ایک آنسو گر کر صلہ کے ہاتھ کی پشت پر گرا
تھا۔ اس کے ہاتھ نے غیر محسوس سی حرکت کی تھی مگر
وہ محسوس نہ کر سکے۔ کتنے ہی لمحے وہ وہاں بیٹھے محبت سے
اسے دیکھتے رہے تھے اور جس وقت وہ جانے کو پلٹے
تھے، صلہ کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر کنپٹی سے
گزر کر اس کے بالوں میں جذب ہو گئے تھے۔ وہ اسی
پل جاگ گئی تھی، جس وقت ایک برسوں پرانے لمس
نے اس کی پیشانی کو حرارت بخشی تھی۔ اس میں زندگی
دوڑ گئی تھی۔ اس نے سب سنا اور محسوس کیا تھا۔ یہ
انسانی فطرت ہے کہ وہ ٹھوکر کھا کر ہی سنبھلتا ہے، مگر
بعض دفعہ وہ ٹھوکر اتنی شدید ہوتی ہے کہ انسان اس
میں بہت کچھ کھو دیتا ہے مگر سنبھل جاتا ہے۔

"میں جانتی ہوں بابا کہ آپ کبھی میرا برا نہیں چاہیں
گے۔ یہ سب ایسے ہی ہونا تھا۔ اگر حالات ایسے نہ
ہوتے تو بھی یہ سب ایسے ہی ہونا تھا۔ اس میں کسی کا
قصور نہیں ہے اور میں آپ سے شکوہ تو کر سکتی ہوں،

مگر ناراض نہیں ہو سکتی ہوں کبھی بھی' تو پھر معافی کا سوال کیسا۔۔۔ بس آج میری ایک پرانی خواہش پوری ہوئی آپ کے منہ سے یہ سب سن کر جو میں ہمیشہ سے سننا چاہتی تھی' میں نے دل کو چھوڑ کر دماغ کی بات مانی اور بہت کچھ کھو کر بھی بہت کچھ پالیا ہے، جو پانا چاہتی تھی آپ کی محبت' آپ کا فخر اور اعتبار۔۔۔"

☆ ☆ ☆

اس واقعے کو گزرے تقریباً" چار ماہ سے زیادہ ہو چکے تھے آہستہ آہستہ سب ہی اپنی اپنی زندگیوں میں لوٹ رہے تھے۔ مصروف ہو رہے تھے حماد بھائی اپنی فیملی سمیت پاکستان شفٹ ہو چکے تھے۔ بابا نے زویا کو بھی آنے کی اجازت دے دی تھی۔ لیکن فی الحال اس کے آنے کا پروگرام نہیں بن پا رہا تھا۔ ورنہ وہ سب سے ملنے کو بے چین و بے تاب تھی۔ حماد بھائی پاکستان آگئے تھے اور بابا کے ساتھ ان کا آفس سنبھال لیا تھا اور ان کی بیوی عائشہ نے ماما کے ساتھ مل کر گھر۔۔۔ ان کے بیٹے عالیان کے آنے سے گھر میں خوب رونق ہو گئی تھی۔ وہ سارا دن شرارتیں اور مستیاں کرتا پھرتا تھا اور سب کا دل بہلا رہتا تھا۔ مرتضیٰ انکل کی فیملی سے بھی پھر سے روابط بحال ہو گئے تھے۔ انکل اور آنٹی اکثر ہی چلے آتے تھے۔ حنین بھی آج کل اپنی فیملی کے ساتھ یہیں تھا اور اس کے بچوں اور عالیان کی آپس میں خوب دوستی ہو گئی تھی۔ سب کچھ آہستہ آہستہ ویسا ہی ہو رہا تھا جیسا پہلے تھا۔ بس ایک صلہ تھی۔ جسے ہر گزرتے لمحے میں لگتا تھا کہ جیسے اس کے اندر زندگی ختم ہو رہی ہے۔ اس کے اندر اداسی نے ڈیرا ڈال لیا تھا اور اس کی خاموشیاں بڑھنے لگی تھیں۔ وہ صلہ جو آس پاس سوسائٹی میں بے حد اسٹائلش لڑکی سمجھی جاتی تھی۔ وہ اس قدر الجھی بکھری رہنے لگی تھی کہ کوئی اسے پہچان ہی نہیں پاتا تھا۔ اس نے سب سے ملنا جلنا' بات کرنا چھوڑ دیا تھا۔

سب ہی اس کا بے حد خیال رکھتے تھے اور سب سے بڑھ کر حمدان تھا جو آج بھی اس کا اسی طرح خیال رکھتا تھا۔ اسی طرح بات کرتا تھا جیسے پہلے کیا کرتا تھا۔ اس بیچ جو کچھ ہوا۔ وہ اسے بھلا چکا تھا اور اسے یوں لگتا تھا جیسے اس نے صلہ کو پھر سے کھو کر پایا ہے۔ ہاں یہ الگ بات کہ صلہ نے جیسے اس سے بات نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ وہ اس کا فون اٹینڈ نہیں کرتی تھی اور نہ ہی اس کے کسی میسج کا جواب دیتی تھی۔ اور اگر ایک دوبار وہ اس سے ملنے بھی آیا تو صلہ نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا تھا اور یہی سب تھا کہ آج وہ اپنے تمام کام چھوڑ چھاڑ کر اس سے ملنے چلا آیا تھا اور اتفاق ہی تھا کہ وہ اسے باہر لاؤنج میں ہی مل گئی تھی۔ جہاں بظاہر تو وہ عالیان کے ساتھ بیٹھی اس کے فیورٹ کارٹون دیکھ رہی تھی لیکن پہلی نگاہ میں ہی حمدان نے جان لیا تھا کہ اس کا دھیان کہیں اور ہے اور وہ ملگجے سے کپڑوں میں بے ترتیب بالوں کے ساتھ وہ کہیں سے بھی وہ صلہ نہیں لگ رہی تھی جسے کبھی حمدان جانتا تھا۔ حمدان کو بے اختیار وہ شام یاد آئی تھی جب وہ پہلی بار اس کے بلانے پہ اس کے شو میں آئی تھی۔ اسی شام وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ ہال میں کتنی ہی نگاہیں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اس صلہ میں اور آج کی صلہ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

حمدان کا یوں بار بار اس سے بات کرنا اور یوں بار بار اس سے ملنے آنا اسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اس سے ہمدردی کر رہا ہے یا اس پر ترس کھا رہا ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ اس کی دوست ہے اور حمدان کا دعوا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے اور محض ان باتوں کو نبھانے کی خاطر وہ اس سے ہمدردی جتا رہا ہے۔ حالانکہ وہ بہت مصروف انسان ہے اور اس کو اور بھی بہت سے کام ہیں۔ مگر یہ صرف صلہ کی خام خیالی تھی۔ حمدان کے خیالات اس سے قطعی برعکس تھے۔ وہ صلہ کے لیے آج بھی وہی محسوس کرتا تھا۔ جو پہلے دن سے کرتا آرہا ہے۔ مگر وہ یہ سب صلہ کو سمجھا نہیں پا رہا تھا۔

"آہا۔۔۔ حمدان چاچو۔۔۔" عالیان فوراً" ہی اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ عالیان کے پکارنے پر ہی اپنی سوچوں میں گم بیٹھی صلہ نے اسے دیکھا تھا۔ جو نجانے

کب سے وہاں کھڑا تھا۔
"کیسی ہو صلہ......؟" اس نے عالیان کو پیار کرتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔ وہی جان لیوا مسکراہٹ جو ہمیشہ صلہ کو کو جکڑ لینا چاہتی تھی۔
"ٹھیک ہوں۔" مدھم سا مختصر جواب تھا۔
"کہاں جا رہی ہو، بیٹھو نا......"
اسے عالیان کے ساتھ مصروف دیکھ کر وہ اٹھ کر جانے لگی تھی۔ لیکن حمدان اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ سو فوراً ہی روک لیا۔ وہ دوبارہ سے اپنی جگہ بیٹھ گئی تھی۔
"تم کیوں آئے ہو یہاں؟" وہ مسکراہٹ کے سحر سے نکل آئی تھی۔ عالیان اندر کی طرف گیا تو صلہ نے ایک دم ہی اس سے کہا تھا۔ وہ یونہی خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ وہ قطعی توقع نہیں کر رہا تھا کہ صلہ اس سے یہ سب کہے گی۔
"کیا مطلب...... میں تم سے ملنے نہیں آسکتا۔" اس نے کچھ الجھ کر پوچھا تھا۔
"وہی تو پوچھ رہی ہوں کہ کیوں آئے ہو مجھ سے ملنے۔" اس کے انداز میں خفگی تھی یا ناراضی حمدان سمجھ نہیں پا رہا تھا۔
"کیوں میں تم سے ملنے نہیں آسکتا...... ہم دوست ہیں صلہ...... میں تو بس ایسے ہی تم سے ملنے چلا آیا تھا۔ کیونکہ تم نہ کال ریسیو کر رہی تھیں اور نہ ہی کسی میسج کا جواب دے رہی تھیں۔ تو مجھے تمہاری فکر ہو رہی تھی۔ میں......"
"ہم دوست تھے حمدان...... اب نہیں ہیں۔" حمدان کی وضاحت کو اس نے بیچ میں ہی ٹوک دیا تھا۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری بھی نہیں...... تم یہاں مت آیا کرو...... کیونکہ میں کسی سے ملنا نہیں چاہتی...... تم سے بھی نہیں......" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
"اور اگر میں نہ جاؤں تو...... تمہارے پاس رہنا چاہوں تو......" وہ چند قدم بڑھا کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔ جیسے اسے منا لے گا۔ کیونکہ اب وہ کسی قیمت پہ اسے دوبارہ کھونا نہیں چاہتا تھا۔
"تو میں چلی جاتی ہوں اور تم مجھے روک نہیں سکتے۔" وہ اس کے پاس سے گزر کر اندر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور اندر جا کے دروازہ لاک کر لیا تھا۔ اور حمدان کتنے ہی لمحے وہیں کھڑا رہا تھا۔ اس کا وجود جیسے برف بن گیا تھا۔ اس کی رگ رگ میں افسوس پھیل رہا تھا کہ صلہ اس کے خلوص اس کی محبت کو سمجھ نہیں پائی تھی۔
اور اس رات تمام وقت حمدان نے یہ سوچتے ہوئے گزارا تھا کہ اسے صلہ کو اس فیز سے کیسے نکالنا ہے اور کیسے اس بات کا یقین دلانا ہے کہ وہ اس پر ترس نہیں کھا رہا بلکہ وہ آج بھی سچ میں اس سے محبت کرتا ہے اور اس نے سوچ لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

☆ ☆ ☆

"حمدان کھانا کھاؤ بیٹا...... کب سے خالی پلیٹ لیے بیٹھے ہو۔" ماما پچھلے پندرہ منٹ سے نوٹ کر رہی تھیں کہ وہ جانے کس سوچ میں گم ہے اور بس خالی پلیٹ سامنے رکھے بیٹھا ہے۔ ان کے پکارنے پر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا تھا مگر کھانے کی طرف ہاتھ ابھی بھی نہیں بڑھایا تھا۔
"کیا سوچ رہے ہو بیٹا۔" اب کے ڈیڈ نے بھی اس کی خاموشی کو محسوس کیا تھا۔ اس وقت ڈنر پہ وہ تینوں ہی تھے۔ حنین اپنی فیملی کے ساتھ کہیں گیا ہوا تھا۔
"ڈیڈ دراصل میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ احمد انکل سے بات کریں۔" وہ بمشکل ہمت جتا پایا تھا بولنے کی ورنہ اسے ایک عجیب سی جھجک ہو رہی تھی۔
"کیسی بات؟" ماما واقعی سمجھ نہیں پائی تھیں۔
"ماما...... میں صلہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"
"کیا......" ماما کا ری ایکشن وہی تھا۔ جو اس نے سوچ رکھا تھا ڈیڈ البتہ بالکل خاموش تھے اور بس اسے دیکھ رہے تھے۔

"تم جانتے ہو حمدان تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"جی مام۔۔۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور اب یہ ہی چاہتا ہوں کہ آپ لوگ احمد انکل اور آنٹی سے بات کریں۔۔۔ مام میں۔۔۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا ہے حمدان۔۔۔" مام نے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی تھی۔

"تم جانتے ہو نا صلہ کے ساتھ جو ہوا۔ وہ سب کچھ جانتے بوجھتے تم یہ فیصلہ کیسے کر سکتے ہو۔ مجھے یہ قبول نہیں ہے۔" مام نے اس کی بات پوری سنے بغیر ہی اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

"مام۔۔۔ میں نے۔۔۔"

"ایک سیکنڈ بیٹا۔۔۔" ڈیڈ نے اسے بولنے سے روکا تھا۔

"میری بات سنو بیٹا۔۔۔ دیکھو جو کچھ ہوا وہ سب تمہارے سامنے ہے۔۔۔ بے شک تم نے بہت سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کیا ہوگا مگر یہ ایک دن کی بات نہیں ہے۔ تمام زندگی کا معاملہ ہے اور صرف تم ہی نہیں ہم سب بھی اس میں انوالو ہوں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کو تمہیں پچھتاوا ہو یا اپنا فیصلہ تمہیں جلد بازی لگے تو سوچ لو حمدان۔۔۔ اس بچی کے ساتھ پہلے بھی کوئی اچھا نہیں ہوا۔ قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی اس نے سزا بھگتی اور اب اگر ایسا ویسا کچھ ہوا تو وہ سہہ نہیں پائے گی اور تم ایک بالکل الگ دنیا کے انسان ہو' زندگی کو مختلف رنگ سے دیکھنے کے عادی ہو۔ جلد بازی میں کوئی بھی فیصلہ مت کرنا۔ اچھی طرح پھر سے سوچ لو اگر تم پھر بھی اپنے فیصلے پہ قائم رہے تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں خود احمد سے بات کروں گا یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" وہ بس خاموشی سے ڈیڈ کو سن رہا تھا۔ وہ انہیں کہنا چاہ رہا تھا۔ انہیں بتانا چاہ رہا تھا کہ وہ صلہ سے کس حد تک محبت کرتا ہے اور آج سے نہیں بلکہ پہلے سے۔ یہ سب ہونے کے بھی بہت پہلے سے۔ مگر ایک جھجک تھی جو آڑے آ رہی تھی اور وہ کہہ نہیں پا رہا تھا۔

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ بجائے اس کو سمجھانے کے آپ اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اس کو کوئی لڑکیوں کی کمی ہے کیا۔ ایک اشارہ کرے تو ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی اس کی منتظر ملے گی۔ پھر صلہ ہی کیوں اور پھر لوگ کیا کہیں گے۔" اب کہ مام ذرا خفگی سے بولی تھیں۔

"لیکن مام ان ساری لڑکیوں میں صلہ نہیں ہوگی اور مجھے صلہ سے ہی شادی کرنی ہے۔ ڈیڈ پلیز آج احمد انکل سے بات کریں اور مجھ پہ بھروسا رکھیں۔" وہ جو اب تک کہہ نہیں پا رہا تھا۔ مام کی بات سن کر وہ آسانی سے اپنی بات کہہ گیا تھا اور ڈیڈ نے ایک پل میں جان لیا تھا سمجھ لیا تھا کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں انہیں صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ دل سے ایسا چاہتا ہے ورگرنہ سچ یہی تھا کہ اسے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ مگر اسے لڑکیاں نہیں صرف صلہ چاہیے تھی اور انہوں نے اسی پل سوچ لیا تھا کہ وہ احمد سے بات ضرور کریں گے اور بیوی کو بھی سمجھائیں گے۔

"دیکھو مریم۔۔۔ بات کو سمجھو۔ اس کی آنکھوں میں دیکھو تمہیں سب سمجھ آجائے گا کہ وہ ایسا کیوں چاہ رہا ہے اور پھر صلہ کے ساتھ جو ہوا اس میں اس بچی کا کیا قصور ہے۔

سچ کہوں تو مجھے فخر ہے اپنے بیٹے پہ کہ اس نے ایک عام انسان سے ہٹ کر سوچا اور ایک بہترین فیصلہ کیا ہے۔" اس رات کھانے کی میز سے حمدان کے اٹھ جانے کے بعد ڈیڈ نے انہیں سمجھایا تھا اور وہ کچھ کچھ رضامند بھی نظر آ رہی تھیں۔

"تو کیا احمد بھائی مان جائیں گے۔" وہ نیم رضامندی سے بولی تھیں اور خدشے کا اظہار کیا تھا۔ "بات کر کے دیکھتے ہیں۔ اسے کوئی اعتراض ہونا تو نہیں چاہیے' کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ انسان کو ایک ٹھوکر کھا کر سنبھل جانا چاہیے۔" انہوں نے نیپکن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہوں۔۔۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

وہ اب کہ خلوص دل سے بولی تھیں۔ کیونکہ بے شک وہ حمدان کی خوشی میں خوش تھیں بس ذرا جذبات

میں آئی تھیں اور لازمی بات ہے کہ ہرماں کی طرح ان کے دل میں بھی حمدان کے حوالے سے کوئی خواب تھے اور وہ اسے پورا بھی کرنا چاہتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

صلہ نے حمدان کے پرپوزل سے انکار کردیا تھا۔ جس نے بھی سنا وہ حیران ہی رہ گیا تھا۔ کیونکہ اول تو ایسی سچویشن میں حمدان رضا جیسے بندے کا پرپوزل آنا ہی حیرت اور خوشی کا باعث تھا اور پھر صلہ کے انکار نے سب کو ہی حیران اور پریشان کردیا تھا۔ سب نے ہی اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی۔ ہر ممکن طریقے سے اسے سمجھانا چاہا مگر اس کی نا ۔۔۔ ہاں میں نہ بدلی۔ اس کا ایک ہی جواب تھا کہ اسے شادی نہیں کرنی اور حمدان رضا سے تو بالکل بھی نہیں۔ مرتضیٰ انکل اور آنٹی خود بڑے مان سے پرپوزل لے کر آئے تھے اور ان کی بہت خواہش تھی کہ ان کی بات مان لی جائے اور انکار نہ کیا جائے۔ اندر سے تقریباً سب ہی راضی تھے ماما۔۔۔ حماد بھائی اور بھابھی بس رسمی طور پر سوچنے کا وقت مانگا تھا۔ بابا البتہ بالکل خاموش تھے انہوں نے اس معاملے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ لیکن پھر صلہ کے انکار نے سب کو ہی مایوس کردیا تھا۔ اس طرح ان لوگوں کو ایک دم سے انکار کردینا ماما کو قطعی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ جبکہ وہ تھوڑا بہت حمدان کی خواہش کے بارے میں جانتی تھیں۔ سو وہ پریشان تھیں۔ انہوں نے ہر ممکن طریقے سے صلہ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ نہ مانی تو وہ تھک کر صلہ کے بابا کے پاس چلی آئی تھیں تاکہ وہ اسے سمجھا سکیں۔ مگر ان کا جواب سن کر وہ اور الجھ گئی تھیں۔ انہوں نے صلہ سے بات کرنے سے انکار کردیا تھا۔

"نہیں صالحہ۔۔۔ اس معاملے میں مجھ سے کوئی امید مت رکھنا۔ میں صلہ سے بات نہیں کروں گا۔ وہ جو چاہے اور جیسا چاہے فیصلہ کرے۔ مجھے قبول ہوگا بلکہ ہم سب کو قبول کرنا ہوگا۔ کیونکہ جو ہو چکا میں اسے بدل نہیں سکتا مگر اب میں چاہتا ہوں کہ وہ باقی کی زندگی اپنی مرضی سے گزارے۔ جیسے چاہے بنا کسی روک ٹوک اور ڈر کے۔۔۔ بغیر کسی خوف کے۔ ہم میں سے کوئی بھی اس پہ اپنا فیصلہ مسلط نہیں کرے گا۔"

ان کے دوٹوک انکار پہ وہ بالکل خاموش ہو گئیں تھیں اب وہ کیا کریں انہیں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

☆ ☆ ☆

حمدان اپنے کنسرٹ کے سلسلے میں چند روز کے لیے دبئی میں تھا اسے اتنا پتا تھا کہ ماما اور ڈیڈ صلہ کے گھر اس کا پرپوزل لے کر گئے ہیں۔ مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ صلہ نے انکار کردیا ہے اور آج جب وہ واپس آیا تو اسے یہ پتا چلا۔ ماما نے اسے جب یہ بتایا تو اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے صلہ اس سے ناراض ہے' وہ ذرا پریشان ہے اپنے حالات کی وجہ سے مگر وہ یوں انکار کردے گی۔ اس نے سوچا نہیں تھا۔

یہ خبر حمدان کے لیے دکھ کا باعث تھی۔ تب ہی اس نے سوچا تھا کہ وہ ایک بار اس سے ضرور ملے گا۔ اس سے بات کرکے اس کو منانے کی کوشش ضرور کرے گا اور اسے پورا یقین تھا کہ وہ اسے منالے گا۔ یہی سوچ کر اس نے آنٹی سے کہا تھا کہ وہ صلہ سے ملنا چاہتا ہے اور انہوں نے بنا کسی تردد کے اسے اجازت دے دی تھی۔ کیونکہ دل سے وہ بھی یہی چاہتی تھیں کہ صلہ کسی طرح مان جائے اور پھر اگلی شام دل میں امید لیے وہ اس سے ملنے چلا آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"پھوپھو ماما اور دادی کب تک آئیں گی۔" عالیان نے یہی سوال کوئی چوتھی بار اس سے کیا تھا اور صلہ اس کی بے چینی پہ مسکرا دی تھی۔

"ابھی تھوڑی دیر میں آجائیں گی بیٹا۔ ابھی آپ کے سامنے میں نے انہیں فون کیا ہے نا۔" صلہ نے پیار سے اس کے بال سہلائے تھے اور چوتھی بار بھی اسے وہی جواب دیا تھا جو پہلے تین بار دے چکی تھی۔ دراصل ماما اور بھابھی کافی دیر سے بازار گئیں ہوئی تھیں اور عالیان سے وعدہ کیا تھا کہ واپسی پہ اس کے

لیے نئی وڈیو گیمز لائیں گی اور تب سے اب تک عالیان کی بے تابی عروج پر تھی۔ اس کا کسی چیز میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ نیند سے اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ مگر وہ زبردستی جاگ رہا تھا۔ کارٹون میں بھی اس کا دل نہیں لگ رہا تھا اور صلہ مسلسل اس کے ساتھ بیٹھی اس کا دھیان بٹا رہی تھی اور اس کے چھوٹے چھوٹے سوالوں کے جواب دے رہی تھی اور سچ تھا کہ جب سے عالیان آیا تھا تب سے صلہ کا دل کافی بہل گیا تھا۔

"آپ ایسا کرو عالیان تھوڑی دیر سو جاؤ۔ دیکھو آپ کی آنکھیں کتنی ریڈ ہو رہی ہیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں جیسے ہی آپ کی ماما آئیں گی میں آپ کو جگا دوں گی پھر آپ فریش ہو کے وڈیو گیم کھیلنا۔" صلہ کے وعدہ کرنے پہ وہ بمشکل سونے پر رضامند ہوا تھا اور چند ہی لمحوں میں گہری نیند میں چلا گیا تھا۔ صلہ کتنے ہی لمحے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیسے اپنی نیند کو بھگا رہا تھا اور اب پل میں غافل ہو گیا تھا۔ وہ آہستہ سے اس کے پاس سے اٹھی کمفرٹ اچھی طرح اسے اوڑھا کر لائٹ آف کر کے نائٹ بلب جلا کر اور دروازہ کھول کر باہر آنا چاہتی تھی کہ ملازمہ نے دروازے پہ ناک کیا تھا۔

"صلہ باجی آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔" اس کے زور سے بولنے پہ صلہ نے فوراً" ہی اشارے سے اسے روکا تھا کہ کہیں عالیان جاگ نہ جائے تو وہ مزید کچھ بھی کہے بنا واپس چلی گئی تھی اور صلہ اس سے پوچھ نہیں سکی تھی کہ کون آیا ہے وہ دروازہ بند کرتی پیچھے آگئی تھی۔ لاؤنج میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے ڈرائنگ روم میں نگاہ کی تو وہاں بڑی گلاس ونڈو کے پاس کوئی پیٹھ موڑے کھڑا تھا۔ وہ پل میں سمجھ گئی کہ آنے والا مہمان کون ہے۔ اتفاق ہی تھا کہ اس وقت گھر پہ صلہ اور عالیان کے علاوہ ملازم تھے اور کوئی نہیں تھا ورنہ وہ یقیناً" اس سے ملنے سے انکار کر دیتی۔ مگر اب نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ وہ اسے دیکھ چکا تھا۔ سو واپس جانا ناگزیر تھا۔

"گڈ ایوننگ...." اس نے ہاتھ میں تھاما ریڈ روز کا بکے اسے تھمایا تھا۔ جسے تھوڑی سی حجت کے بعد صلہ نے تھام لیا تھا۔

"کیسی ہو...." مسکرانے کا وہی جان لیوا انداز اور آنکھوں میں وہی چمک جو مقابل کو پل میں زیر کر دے۔

"ٹھیک ہوں.... بیٹھو...."

اس نے بے دھیانی سے پھول سائڈ میں رکھ دیے تھے۔ حمدان نے بہت غور سے اسے دیکھا تھا۔ کتنی بے دھیانی سے اس نے پھولوں کو سائڈ میں ڈال دیا تھا۔ ایک بھی لفظ کہے بنا.... صلہ ایسی تو نہیں تھی۔

"پوچھو گی نہیں میں اتنے دنوں سے کہاں تھا کدھر بزی (مصروف) تھا۔" اس کی خاموشی سے گھبرا کر حمدان نے خود ہی بات کرنے میں پہل کی تھی۔ ورنہ اس نے تو جیسے بات نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

"تم خود ہی بتا دو۔" وہ دھیمے سے بولی تھی۔

"چلو رہنے دو۔ کوئی اور بات کرتے ہیں۔" حمدان نے بہت دھیان سے اسے دیکھا تھا۔ مسکرانا تو جیسے وہ بھول ہی گئی تھی۔

"میں تمہارے لیے کچھ لایا تھا آئی ہوپ (مجھے امید ہے) کہ تمہیں پسند آئے گا" وہ مسکراتے ہوئے اپنے جیکٹ کی جیب سے کچھ نکالنے لگا تھا اور صلہ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے انکار کے بعد حمدان کا یوں اس سے اب بھی ملنے آنا اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"یہ تمہارے لیے...." اس نے ایک مخملیں کیس اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"یہ کیا ہے۔" اس نے تھاما نہیں تھا۔ لیکن مخملیں کیس کو دیکھ کر پتا چل رہا تھا کہ اندر کیا ہے۔

"تم دیکھو تو سہی...." اس کے اصرار پہ صلہ نے وہ کیس کھول لیا تھا۔ اندر ایک بہت ہی نفیس ڈائمنڈ رنگ تھی۔

"کسی بھی لڑکی کو رنگ دینے کا مطلب تو تم جانتے ہی ہو گے حمدان...." صلہ نے کیس بند کر کے واپس

ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"بہت اچھی طرح سے۔۔۔ چلو تمہیں بھی بتا دیتا ہوں کہ ایک لڑکا ایک لڑکی کو اس وقت رنگ گفٹ کرتا ہے، جب وہ اسے پرپوز کرتا ہے۔ اور مس صلہ احمد۔۔۔ میں حمدان رضا آپ کو پرپوز کر رہا ہوں اور آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی۔" وہ اس کے سامنے آ بیٹھا اور اس کے دونوں ہاتھ تھامے نہایت خوش دلی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔ صلہ زیادہ دیر تک اس کی چمکتی آنکھوں میں دیکھ نہیں پائی تھی۔

"میں اپنا جواب بتا چکی ہوں حمدان۔ پھر یہ سب کیا ہے۔" اس نے سرعت سے اپنے ہاتھ چھڑائے تھے۔ پل میں اس کی آنکھوں کی چمک ماند پڑی تھی۔ وہ خود کو حمدان رضا جیسے پرخلوص اور پیارے شخص کے قابل نہیں سمجھتی تھی۔ پہلے کی بات اور تھی لیکن اب وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کی وجہ سے کچھ بھی سنے، برداشت کرے۔ اسے پچھتانے پہ مجبور نہیں کر سکتی تھی۔

"میں جانتا ہوں صلہ۔۔۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہم سب کچھ بھلا کر ایک نئی شروعات کریں۔ جو ہو چکا صلہ وہ واپس نہیں لوٹ سکتا اور نہ ہی اسے بدلا جا سکتا ہے۔ ہاں مگر اسے بھلایا ضرور جا سکتا ہے اور اسے بھول کر ہی تم اپنی زندگی میں آگے بڑھ سکتی ہو۔ تم وہ سب ایک بھیانک خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔ میں آج بھی تمہارا منتظر ہوں۔۔۔ پلیز صلہ زندگی کی خوشیوں سے یوں منہ مت موڑو۔" وہ کتنی ہی بار کی سمجھائی ہوئی باتیں پھر سے اسے سمجھا رہا تھا۔

"کہنا بہت آسان ہوتا ہے حمدان اور کرنا بہت مشکل۔۔۔ سب کے لیے مجھے سمجھانا، کہنا بہت آسان ہے۔ مگر جو تکلیف میں نے سہی۔۔۔ جو ذلت، جو اذیت میں نے اٹھائی وہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ وہ لوگ جو مجھے رشک سے دیکھتے تھے ۔۔۔ آج مجھے دیکھ کر منہ پھیرتے ہیں افسوس کرتے ہیں۔ مجھے بہت تکلیف ہوئی ہے حمدان۔۔۔ میں جب سب لوگوں کو اپنی وجہ سے پریشان دیکھتی ہوں۔ مجھے دکھ ہوتا ہے۔ مگر میں کیا کروں میں روز خود کو سمجھاتی ہوں۔ آگے بڑھنے کی کوشش کرتی ہوں مگر روز ناکام ہو جاتی ہوں۔" اس کے لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"میں سمجھ سکتا ہوں صلہ۔۔۔ مگر تم مانو یا نہ مانو تمہیں اس طرح دیکھ کر جو تکلیف مجھے ہوتی ہے۔ میرے دل کو جو دکھ محسوس ہوتا ہے۔ وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں اس طرح نہیں دیکھ سکتا صلہ۔۔۔ میں۔۔۔"

"حمدان اب میری بات سنو تم۔۔۔" صلہ نے اسے بیچ میں ہی ٹوک دیا تھا۔ وہ اب بس اسے سننے لگا تھا۔

"اب تم میری بات سنو۔۔۔ کیونکہ صرف تم ہی ہو۔ جس سے میں اپنے دل کی بات شیئر کر سکتی ہوں۔ تمہاری دوستی۔۔۔ تمہارا خلوص میرے لیے بہت قیمتی ہے۔ میں نے ہمیشہ اپنے دل پہ دھرے بوجھ تم سے بانٹے ہیں اور اس پہ مجھے کوئی شرمندگی بھی نہیں ہے، مگر میں اپنی ذات سے جڑے دکھ اور پچھتاوے تمہیں نہیں دے سکتی۔ میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔۔۔ تم بہت اچھے ہو۔ تمہارا ساتھ کسی بھی لڑکی کے لیے خوش نصیبی کی ضمانت ہوگا مگر وہ خوش نصیب میں نہیں ہوں۔"

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ صلہ کہ اگر میری زندگی میں کوئی آئے تو وہ تم ہو۔۔۔ وہ خوش نصیبی تمہارے حصے میں آئے۔" لیکن وہ اسے کوئی آس کوئی امید نہیں دے رہی تھی اور حمدان کا دل جیسے اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ کیونکہ اسے پورا بھروسا تھا کہ وہ اسے منا لے گا۔ لیکن اس کا بھروسا، اس کا مان و یقین صلہ نے توڑ دیا تھا۔

وہ اتنی سخت دل بھی ہو سکتی ہے۔ حمدان نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ بنا کوئی وجہ بتائے وہ انکار کر رہی تھی اور بس یہی بات حمدان کو دکھ دے رہی تھی۔ اب کچھ بھی کہنا بے کار تھا۔ وہ بمشکل جانے کو اٹھا تھا۔ تب ہی صلہ کی پکار نے اس کے قدموں کو روکا تھا۔ وہ خوش گمانی میں گھرنے لگا تھا۔

"یہ انگوٹھی اور پھول واپس لے جاؤ۔" یہ صلہ نے کہا تھا۔ وہ کتنے ہی لمحے بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا تھا اور پھر غصے کی لہر نے اس کے وجود کو جکڑ لیا تھا۔

"یہ انگوٹھی میں نے تمہارے لیے خریدی تھی۔ تم اگر اسے پہن لیتیں تو مجھے اچھا لگتا۔ مگر تمہیں نہیں رکھنی تو تم اسے گٹر میں پھینک دو یا سمندر میں بہا دو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے لیے اب یہ بے کار ہے۔"

وہ چلا گیا تھا۔ شاید ہمیشہ کے لیے..... غصہ "تکلیف" دکھ 'خفگی' یا کچھ تھا اس کے لہجے میں صلہ سمجھ نہیں سکی تھی۔ لیکن اس کا دل نہیں مانتا تھا کہ وہ حمدان جیسے پیارے شخص پہ اپنا وجود مسلط کردے۔ پتا نہیں اسے لگتا تھا کہ جس محبت کا وہ دعوا کرتا ہے وہ وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گی اور اس وقت صرف ہمدردی اور پچھتاوا نہ رہ جائے ان کی زندگی میں..... اور ایسا صلہ نہیں چاہتی تھی۔ بس اس کا دل نہیں مانتا تھا..... مگر اب جب وہ چلا گیا تھا تو صلہ کو لگا کہ اس نے پھر سے اسے کھو دیا ہے۔ پھر سے اسے وہی 'تکلیف' وہی دکھ محسوس ہو رہا تھا۔ جو پہلی دفعہ اسے کھونے پہ ہوا تھا۔ جتنی دیر وہ گلاس ونڈو سے نظر آتا رہا وہ اسے دیکھتی رہی تھی اور پھر پتا نہیں چلا۔ آنسو اس کے چہرے کو بھگونے لگے تھے اور اس بار وہ اپنی پچھلی زندگی کو سوچ کر نہیں رو رہی تھی۔ بلکہ حمدان کو کھو کر رو رہی تھی!

..... صلہ کو تو آج پتا چلا تھا کہ وہ بھی اس سے اتنی ہی محبت کرتی ہے۔ جتنی وہ کرتا ہے یا شاید اس سے بھی زیادہ..... مگر کبھی کبھار وقت اور حالات انسان کو بہت مجبور کردیتے ہیں..... کہ وہ کوئی ایسا فیصلہ کرنے پہ مجبور ہو جاتا ہے جو وہ عام حالات میں شاید نہ کرپائے اور ایسا ہی صلہ کے ساتھ بھی ہو رہا تھا اور ہمیشہ ہی ہوتا آیا تھا..... وہ رو رہی تھی 'پھول اور انگوٹھی ابھی تک وہیں رکھے تھے۔ جہاں حمدان رکھ کر گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

کتنے ہی سارے دن یوں ہی بے کیف سے گزر گئے تھے۔ اس دن کے بعد سے حمدان نے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا اور لازمی بات ہے اگر اب تک [illegible] اسے [illegible] تھا اور [illegible] تھی۔ لیکن پھر جانے کیوں اب وہ اس کی منتظر رہنے لگی تھی اس کی کسی کال یا میسج کی مگر اس بار وہ مکمل خاموشی اختیار کیے ہوئے تھا اور اسی طرح صلہ کی خاموشی بھی طویل تر ہوتی جا رہی تھی۔ ان ہی دنوں ماما کی طبیعت پھر سے خراب رہنے لگی تھی۔ وہ کافی عرصے سے ہائپر ٹینشن کا شکار رہنے لگی تھیں۔ سب ہی ان کا بہت خیال رکھ رہے تھے اور صلہ تو مستقل ہی ان کے ساتھ ہی رہنے لگی تھی اور اس وقت بھی وہ ان کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ وہ لیٹی ہوئی تھیں۔ مگر جاگ رہی تھیں اور صلہ ان کا سر دبا رہی تھی۔ بابا ابھی ابھی اٹھ کر گئے تھے۔

"بس کرو اب..... تھک جاؤ گی بیٹا۔" انہوں نے صلہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا تھا۔ وہ بنا کچھ بولے اسی طرح ان کا سر دباتی رہی تھی۔

"ماما..... آپ نے پھر سے کیوں اپنی طبیعت خراب کرلی۔ اتنی مشکل سے آپ کی طبیعت سنبھلی تھی۔ آخر کس چیز کی ٹینشن آپ نے خود پر سوار کرلی ہے۔ اب تو سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ حماد بھائی ہمارے ساتھ ہیں اور زویا بھی کچھ عرصے میں ہمارے پاس آجائے گی۔ پھر کیا وجہ ہے ماما؟" وہ کتنے ہی دنوں سے یہ سب سوچ رہی تھی اور آج اس نے ماما سے کہہ دیا تھا۔

"صلہ..... بیٹا کیا صرف حماد اور زویا ہی میری اولاد ہیں۔ تم کچھ نہیں ہو..... تمہاری یہ خاموشی' یہ اداس زندگی مجھے دکھ نہیں دے سکتی بیٹا....." انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے ماتھے سے ہٹا کر اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ کر سینے پہ رکھ لیا تھا۔

"ماما..... مگر میں نے تو کبھی آپ سے کوئی شکایت نہیں کی..... میں ٹھیک ہوں بالکل..... پھر آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں میرے لیے۔" وہ کچھ الجھ کر بولی تھی۔ دراصل اس نے کبھی بھی ماما اور بابا کو اپنے لیے پریشان ہوتے ذرا کم ہی دیکھا تھا۔ وہ دونوں اکثر حماد بھائی اور

زویا کے لیے پریشان اور فکر مند رہا کرتے تھے اور اب تو جیسے اس کی ذات ان کے لیے پریشانی کا باعث بن گئی تھی۔

"تو بیٹا شکایت کرو نا... کبھی تو کوئی شکایت لبوں پہ لاؤ... تم نے تو اندر ہی اندر سب پی لیا۔ خاموشی سے بنا کچھ کہے... ہم نے ہمیشہ اپنی سب پریشانی سب تکلیفیں تم سے شیئر کیں اور کبھی نہیں سوچا اور نہ کبھی تم سے پوچھا کہ تم کیا چاہتی ہو یا تمہیں کوئی شکایت تو نہیں اور تم بھی بس چپ چاپ وہی کرتی رہیں جو ہم نے کہا اور جب تک ہمیں احساس ہوا تب تک تو بہت دیر ہو چکی تھی بیٹا... مگر اب بھی زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ جہاں تم نے اتنا سب مانا وہاں بس اب میری ایک بات مان لو بیٹا۔" وہ چند لمحوں کو رک کر اسے دیکھنے لگی تھیں جو منتظر نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"حمدان کے لیے ہاں کہہ دو بیٹے... جو گزر چکا اسے بھول جاؤ بیٹا... مجھے پورا یقین ہے ان شاءاللہ تمہیں تمہارے حصے کی خوشیاں ضرور ملیں گی۔ میں اور تمہارے بابا تمہیں اس طرح دیکھ کر بہت برا محسوس کرتے ہیں بیٹا..."

"حمدان... حمدان آخر اب ایک دم سے آپ سب کو وہ اتنا اچھا کیوں لگنے لگا ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ ہمدردی کر رہا ہے۔ ترس کھا رہا ہے۔ وہ تو ضدی ہے ماما... جلد بازی کر رہا ہے آپ لوگ تو سمجھنے کی کوشش کریں۔" وہ بری طرح سے چڑ گئی تھی۔ ایک ہی ذکر جس سے وہ بار بار بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہی بار بار دن میں کئی بار اس کے سامنے دہرایا جا رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں بیٹا... تم کیا سوچ رہی ہو۔ لیکن جتنا میں اسے جان پائی ہوں نا وہ جلد باز ہے' ضدی بھی ہو گا مگر نا سمجھ نہیں ہے۔ اگر یہ سب نہ ہوا ہوتا تو یقیناً "حمدان تمہارے لیے میری فرسٹ چوائس ہوتا۔ اس لیے میں چاہتی ہوں بیٹا کہ تم تھوڑا سا سمجھ داری سے کام لو... خوشیاں بار بار نہیں ملتیں... زندگی میں خوشیاں بہت کم ملتی ہیں۔ سو جب بھی ملیں بڑھ کر استقبال کرو... منہ مت موڑو... روٹھ جاتی ہیں۔ سوچ لو بیٹا اچھی طرح سوچ لو... پھر فیصلہ کرو مگر کوئی بے وقوفی مت کرنا..." ماما کی باتیں اس کے دل و دماغ کے بند دروازے' کھڑکیوں کو کھول رہی تھیں۔ اتنے دنوں سے سب یہی باتیں کر رہے تھے اور سب سے بڑھ کر حمدان وہ خود کتنی آس کتنے خلوص سے اس کے پاس آیا تھا اور اس نے کتنی بے دردی سے اس کا دل توڑا اور سب سے بڑھ کر وہ خود اس کا اپنا دل اب بے وفائی کر رہا تھا۔ اکسا رہا تھا کہ کھول دو دروازہ... میں منتظر ہوں مکین کا... کب سے دل کے نہال خانوں میں چھپی خواہش کو پورا ہو جانے دو... مگر بس وہ ڈرتی تھی۔ وہ آج بھی اس چند گھنٹوں کی تکلیف و رسوائی کو بھول نہیں پائی تھی اور اگر پھر سے یہی سب ہوا تو... وہ سہہ نہیں پائے گی۔ بس یہی سوچ کر وہ ڈرتی تھی۔ ماما اب بھی اسے سمجھا رہی تھیں۔ زمانے کی زندگی کی اونچ نیچ سے آگاہ کر رہی تھیں اور وہ خاموشی سے سن رہی تھی۔ کچھ سوچ رہی تھیں۔ قطرہ قطرہ پانی اگر پتھر پہ بھی پڑے تو وہ اس میں بھی سوراخ کر دیتا ہے۔ پھر وہ تو ایک انتہائی معمولی کمزور سی انسان تھی۔ محبتوں اور خلوص سے گندھی لڑکی... جس کا ضمیر ہی محبت سے اٹھا تھا اور محبت کا ہی منتظر تھا۔

"ٹھیک ہے ماما... جو آپ کو مناسب لگتا ہے آپ وہی کریں میں ایک بار پھر سے صرف آپ سب کی خاطر زندگی کو آزما لیتی ہوں بس دعا کریں کہ اس بار کچھ ایسا نہ ہو۔ جو میں سہہ نہ پاؤں۔" اس نے سب کے سامنے ہار مان لی تھی اور خود کو ایک بار پھر سے تقدیر کے حوالے کر دیا تھا۔

"واقعی میں... میری پیاری بیٹی... اللہ تیرا شکر ہے۔" وہ تشکر سے کہتی ہوئیں فوراً" ہی اٹھ بیٹھی تھیں۔ جیسے ان کے اندر کسی نے توانائی بھر دی ہو اور کتنے ہی دنوں بعد صلہ کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"میں ابھی تمہارے بابا کو خوش خبری سناتی ہوں اور

پھر ان لوگوں کو فون کرتی ہوں۔ وہ کب سے ہمارے جواب کے منتظر ہیں۔" وہ خوشی سے بھرپور آواز میں بول رہی تھیں اور صلہ انہیں خوش اور مطمئن دیکھ کر خوش تھی۔

☆ ☆ ☆

"آیئے ناظرین اب ہم آپ کو لیے چلتے ہیں انٹرٹینمنٹ کی دنیا میں جہاں ہم آپ کو میوزک ورلڈ سے ایک ایسی خبر دے رہے ہیں جو آپ کو شاکڈ کردے گی۔" اگلی صبح سب کے ساتھ ناشتا کرکے بابا اور حماد بھائی آفس کے لیے نکلے تھے۔ ماما نے سب کو ہی صلہ کے فیصلے کے بارے میں بتایا تھا اور سب ہی بہت خوش ہوئے تھے اور مطمئن بھی۔ بابا اور بھائی کے جانے کے بعد ماما اٹھ کر اپنے کمرے میں گئی تھیں تو وہ اور بھابھی اپنی چائے کے مگ لے کر یہیں لاؤنج میں آبیٹھی تھیں۔

"صلہ۔۔۔ میں تمہارے لیے بہت خوش ہوں۔۔۔ تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔۔۔ میں اب تک جتنا حمدان کو جان پائی ہوں۔ وہ ایک اچھا محبت کرنے والا انسان ہے اور اس میں گھمنڈ بالکل نہیں ہے اور ایسے لوگ زندگی میں بہت کامیاب رہتے ہیں۔ ان شاء اللہ تم دونوں بہت خوش رہو گے۔" بھابھی نے اسے بہت خلوص سے کہا تھا اور صلہ نے بھی ان کی بات پہ تہ دل سے آمین کہا تھا۔ بھابھی نے چائے کا مگ ٹیبل پہ رکھ کر ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کرلیا تھا۔ اسی پل ان کا فون بجا تھا تو وہ ریموٹ اسے پکڑا کر اپنا مگ اٹھائے اور فون کان سے لگائے اس سے ایکسکیوز کرتیں اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ تب ہی صلہ نے اسکرین پہ نگاہ ڈالی تھی۔ وہاں کوئی نیوز چینل لگا ہوا تھا۔ لیکن ٹی وی میوٹ پہ ہونے کی وجہ سے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ چینل بدلتی۔ بریک ختم ہوئی اور اسکرین پہ آتی حمدان کی تصویر نے اسے یک دم ہی والیوم بڑھانے پر مجبور کردیا تھا۔ عرصہ ہوا اس نے ٹی وی دیکھنا چھوڑ رکھا تھا اور اسے یہ بھی خبر نہیں تھی کہ آج کل میوزک میں حمدان کی کیا مصروفیات ہیں۔ مگر یہاں چلتی نیوز نے اسے چکرا دیا تھا۔

"حمدان رضا جو کہ ہمارے ملک کے معروف سنگر اور لاکھوں دلوں کی دھڑکن ہیں۔ انہوں نے یکایک میوزک انڈسٹری چھوڑنے اور ملک سے باہر جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ان کا یہ فیصلہ سب کے لیے پریشانی کا باعث بن گیا ہے۔" اب نیوز اینکر مزید تفصیل بتا رہا تھا اور صلہ بس خاموشی سے اسکرین کو گھور رہی تھی۔

"تو کیا زندگی کی خوشیوں پہ اس کا ذرا بھی حق نہیں ہے۔" کل رات وہ قدرے مطمئن ہو کر سوئی تھی اور آج اس نے سوچا تھا کہ وہ حمدان کو اپنے فیصلے کے بارے میں بتائے گی، لیکن صبح ہوتے ہی اسے یہ سب سننے کو ملے گا۔ اس نے قطعی نہیں سوچا تھا۔

"انہوں نے اپنے اس فیصلے کے بارے میں کوئی بھی بات کرنے سے منع کردیا ہے، مگر ان کے سیکریٹری علی اسلم جو کہ ان کے قریبی دوست بھی ہیں، انہوں نے اس فیصلے کی وجہ کسی پرسنل ایشو کو قرار دیا ہے اور میڈیا کو مزید کچھ بتانے سے معذرت کرلی ہے۔"

"تو کیا وہ میری وجہ سے۔۔۔"

"مگر کیوں۔۔۔ میوزک وہ کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ میوزک تو اس کا پیشن (جنون) ہے۔ میوزک تو اس کی زندگی۔" وہ مسلسل یہی سوچ رہی تھی۔

"ہم آپ کو بتاتے چلیں کہ حال ہی میں انہوں نے ایک مشہور ڈائریکٹر کی فلم بھی سائن کی تھی جس میں وہ میوزک کے ساتھ ساتھ ایکٹنگ بھی کرنے والے تھے اور ان کے فینز کو شدت سے اس کا انتظار تھا، مگر اب لگتا ہے کہ وہ پروجیکٹ ختم ہوجائے گا اور ان کے فینز کو مایوس ہونا پڑے گا۔ ہم آپ کو ایک بار پھر سے بتاتے چلیں کہ معروف سنگر اور ایکٹر حمدان رضا۔۔۔" نیوز اینکر اب پھر سے سب دہرا رہا تھا اور وہ اپنی جگہ سن سی بیٹھی تھی۔

"تو کیا۔۔۔ اس بار بھی خسارہ میرے ہی حصے میں آئے گا۔

"کیا اس بار۔۔۔ بھی مجھے میرے حصے کی زمین اور

آسمان نہیں مل پائے گا۔ اس بار بھی یہ گلٹ ساری زندگی کے لیے میرے ساتھ رہ جائے گا کہ حمدان نے میری وجہ سے اپنا سب کچھ چھوڑا.... اس کے مام ڈیڈ جن سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔ وہ میری وجہ سے اس سے دور ہو جائیں گے....

نہیں.... کبھی نہیں.... اس بار ایسا نہیں ہو گا۔"

اس سوچ کے آتے ہی وہ فوراً" ہی اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور گاڑی کی چابی اٹھا کر تیزی سے باہر نکل آئی تھی۔ کسی کو بھی بتائے بنا.... کسی کو بھی کچھ بھی کہے بنا....

☆ ☆ ☆

اس نے گاڑی کی چابی ڈرائیور کو تھمائی اور اسے گاڑی باہر نکالنے کو کہا اور خود تیزی سے گیٹ سے باہر نکل آئی تھی۔ سامنے مرتضیٰ انکل کے گھر کا گیٹ بند تھا۔ وہ تیزی سے ان کے گھر کی طرف بڑھی تھی اور وہاں موجود چوکیدار اسے آتا دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"حمدان گھر پہ ہے....؟" اس نے بجائے اندر جانے کے اس سے پوچھ لیا تھا۔ کیا پتا وہ گھر پہ ہو نہ ہو.... اس کی گاڑی بھی اسے گیٹ کے باہر تو نظر نہیں آرہی تھی۔

"نہیں بی بی.... چھوٹے صاحب تو گھر پر نہیں ہیں بلکہ وہ تو کئی دنوں سے گھر آئے ہی نہیں ہیں۔ بڑے صاحب اور بیگم صاحبہ بھی ان کے لیے بہت پریشان ہیں۔ آپ کو کوئی کام ہے جی ان سے؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا، لیکن وہ چوکیدار کو کوئی بھی جواب دیے بنا تیزی سے واپس پلٹی تھی۔ وہ گھر پر نہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ یقیناً" علی کے اپارٹمنٹ میں ہو گا۔ مجھے جانا ہو گا.... ڈرائیور گاڑی نکال چکا تھا اس نے چابی تھامی اور ماما کو بتانے کا کہہ کر گاڑی میں بیٹھ کر اس نے گاڑی فل اسپیڈ میں چھوڑ دی تھی اور ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ وہاں پہنچ چکی تھی۔ کتنے ہی لمحے وہ گاڑی میں بیٹھی سوچتی اور لفظ ترتیب دیتی رہی تھی کہ اسے حمدان سے کیا کیا کہنا ہے اور پھر گاڑی سے اتر آئی تھی۔ ہوا آج بھی بہت تیز چل رہی تھی۔ آسمان پہ اکا دکا بادل بھی تیر رہے تھے، مگر بارش کے آثار نہ تھے۔ کمپارٹمنٹ میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ کیمرے اور مائک کے ساتھ وہ یقیناً" میڈیا اور پریس کے لوگ تھے جو حمدان کی یہاں موجودگی کی خبر پاتے ہی جمع ہو چکے تھے۔ وہاں سے اندر جانے کا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ وہ دوسری طرف سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی تھی۔ بیل بجانے پہ علی نے ہی دروازہ کھولا تھا اور اسے دیکھ کر ایک طرف کو ہٹ گیا تھا اور اس کا مطلب تھا کہ حمدان اندر ہی تھا۔ وہ اندر چلی آئی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور اندر پورا کمرا جیسے الٹا پڑا تھا۔ بیڈ پر، کاؤچ پہ، کارپٹ پہ جیسے ہر جگہ بس سامان ہی پڑا تھا۔ پورا بیڈ کپڑوں سے بھرا پڑا تھا اور وہ ایک سوٹ کیس بیڈ پہ رکھے، دروازے کی طرف پیٹھ کیے خاموشی سے سر جھکائے، اس میں کپڑے رکھ رہا تھا۔ پاس ہی ایک اور سوٹ کیس خالی کھلا پڑا تھا، اس نے دھیرے سے کھلے دروازے پہ ناک کیا تھا جس کا کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ اس نے دوبارہ ہلکا سا ناک کیا تھا۔

"علی پلیز بار بار مجھے ڈسٹرب مت کرو۔ چلے جاؤ اکیلا چھوڑ دو مجھے پلیز...." وہ مڑے بغیر بولا تھا۔

"حمدان...." صلہ کے پکارنے پہ وہ بے اختیار ہی پلٹا تھا۔ لمحہ بھر کو اس کی آنکھوں میں چمک سی اتری تھی، لیکن اگلے ہی پل وہ پھر سے مصروف ہو چکا تھا وہ اندر آگئی تھی۔

"اگر تم بھی سب کی طرح مجھے روکنے آئی ہو صلہ.... تو کچھ مت کہنا کیونکہ میں بھی تمہاری طرح فیصلہ کر چکا ہوں کہ مجھے اپنی زندگی کیسے گزارنی ہے اور اب میں اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گا۔" اس نے سوٹ کیس بند کر کے نیچے رکھا تھا اور دوسرا سوٹ کیس اپنی طرف گھسیٹ لیا تھا۔

"مگر تم جا کیوں رہے ہو؟ یوں اس طرح اچانک.... بنا کسی کو بتائے، بنا کسی وجہ کے.... یوں اس طرح اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ایک دم سے چلے جانا کہاں کی

عقل مندی ہے حمدان۔۔۔ انکل آنٹی کا تو سوچو۔۔۔ وہ دونوں کیسے رہیں گے تمہارے بغیر۔۔۔ پاگل مت بنو چھوڑو یہ سب۔۔۔ میری بات سنو تم ایسے کس طرح جاسکتے ہو یہاں تمہارا پورا کیریر تباہ ہو جائے گا۔" صلہ نے اس کا بازو تھام کر اُسے روکنا چاہا تھا۔ ایک پل کو تمام تر نرماہٹ حمدان کے پورے وجود میں اتر آئی تھی' لیکن اگلے ہی پل اس نرماہٹ پہ غصہ اور ضد غالب آگئی تھی۔ وہ اب بھی اسے اوروں کے لیے روک رہی تھی۔ ایک بار یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ میرے لیے رک جاؤ۔ میں کیسے رہوں گی تمہارے بنا' مگر نہیں حمدان رضا تم ہمیشہ خوش گمان ہی رہنا۔ تم آج بھی اس لیے دوست سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہو۔

"مجھے کسی چیز کی کوئی پروا نہیں ہے صلہ۔۔۔" اس نے تیزی سے اپنا بازو چھڑایا تھا اور پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

"ہاں۔۔۔ لیکن میں مام اور ڈیڈ سے بہت شرمندہ ہوں کہ میں انہیں یوں اکیلا چھوڑ کر جا رہا ہوں جبکہ انہیں اب میری زیادہ ضرورت ہے۔ ہو سکتا ہے اگر کبھی میں واپس آؤں تو صرف ان دونوں کے لیے ہی آؤں گا۔ وگرنہ میرا واپس آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" اس نے ایک شرٹ گول مول کر کے سوٹ کیس میں پھینکی تھی اور کتنے ہی لفظ اس کی بات پہ صلہ کے لبوں پہ دم توڑ گئے تھے اور نکلا تھا تو صرف ایک لفظ۔۔۔

"کیوں۔۔۔"

"کیونکہ میں تھک گیا ہوں صلہ۔۔۔ میں تمہارے پیچھے آتے آتے تھک گیا ہوں۔ میں تمہیں یقین دلاتے دلاتے تھک گیا ہوں۔۔۔ پر اس میں کسی کا کوئی قصور کوئی غلطی نہیں ہے۔ یہ سب میری غلطی ہے میرا قصور ہے تم خود کو قصوروار مت ٹھہراؤ کیونکہ تم نے تو کبھی مجھ سے محبت کی ہی نہیں۔۔۔ تم نے تو کبھی مجھے ایک دوست سے بڑھ کر کچھ سمجھا ہی نہیں۔۔۔ تم سے دوستی ہوئی میری غلطی تھی۔ تم سے وہاں پارک میں اچانک ملاقات ہوئی یہ میری غلطی تھی۔ تمہیں میں نے پہلی بار اپنے فیشن شو پہ بلایا اور تم آبھی گئیں یہ بھی میری غلطی تھی۔۔۔ پھر مجھے تم سے محبت ہو گئی صلہ۔۔۔ یہ تو واقعی میری ہی غلطی تھی لیکن میں نے یہ سب جان بوجھ کر نہیں کیا تھا صلہ۔۔۔ بس پتا نہیں کیسے ہو گیا یہ سب یا شاید یہ سب ایسے ہی ہونا تھا۔۔۔ پھر میں جب لندن میں تھا تو وہاں میں نے تمہارے لیے وہ انگوٹھی خریدی۔۔۔ غلط کیا نا۔۔۔" پتا نہیں وہ پوچھ رہا تھا یا بتا رہا تھا۔ صلہ سمجھ نہیں پائی تھی' مگر صلہ کی آنکھوں میں نمی بڑھ رہی تھی۔

"تم نے کیا کیا اس انگوٹھی کے ساتھ۔۔۔ پہنی تو نہیں ہو گی۔ کہیں پھینکی یا سمندر میں بہا دی۔۔۔" وہ اس وقت بے حد جذباتی ہو رہا تھا اور حمدان کا یہ روپ صلہ نے پہلی بار دیکھا تھا وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس نے اس انگوٹھی کے ساتھ کچھ نہیں کیا بلکہ بہت سنبھال کر رکھی ہے' لیکن وہ اسے کچھ بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔

"پھر تمہاری زندگی میں وہ سب ہوا۔۔۔ کیا وہ بھی میری غلطی تھی صلہ۔۔۔ میں تو ہر بار تمہارا منتظر تمہارے پاس آیا اور تم نے ہر بار مجھے پیچھے ہٹنے پہ مجبور کر دیا۔"

"تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو حمدان۔۔۔ تم ایک بار میری بات تو سنو۔۔۔ مجھے کچھ کہنے کا موقع تو دو۔۔۔" وہ رو پڑی تھی۔ وہ اس کی کوئی بات سن ہی نہیں رہا تھا۔

"اب کچھ بھی کہنے سننے کو باقی ہی نہیں رہا صلہ۔۔۔ تمہیں جو کہنا تھا۔ تم نے اس شام کہہ دیا تھا اور اس شام سے میں نے بہت سوچا صلہ۔۔۔ تب مجھے لگا کہ میرا یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔۔۔ اب پتا نہیں میں کبھی واپس آتا بھی ہوں یا نہیں۔۔۔ لیکن تم بے فکر رہو صلہ۔۔۔ اب میں تمہیں تنگ کرنے نہیں آؤں گا۔ ہاں افسوس ہے کہ تم ایک دوست کو کھو دو گی۔۔۔ لیکن شاید یہی بہتر ہے۔" اس نے دوسرا سوٹ کیس بھی بند کر کے رکھا تھا۔

"آج رات کو میری فلائٹ ہے۔ اپنا خیال رکھنا۔۔۔" وہ اب اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ وہ نم

آنکھوں کے ساتھ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ تو کیا وہ اسے اب کبھی نہیں دیکھ پائے گی۔ یہ خیال اس کے دل کو ڈبو رہا تھا۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا اور کہیں گہرائیوں میں۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہ رہی تھی، مگر کہہ نہیں پارہی تھی اس کی کم ہمتی یہاں بھی غالب آگئی تھی یا حمدان کے چہرے پہ اس وقت کچھ ایسا تاثر تھا جو اسے کچھ بھی کہنے سے روک رہا تھا۔

"زندگی میں بھلے مجھے کبھی یاد نہ کرنا، مگر ایک بات یاد رکھنا کہ تم میری بہت پیاری دوست ہو اور میں نے تم سے بہت محبت کی ہے۔" وہ جاتے جاتے پلٹا تھا اور لمحہ بھر کو اس کے پاس رکا تھا اس کے گال پہ بہہ آنے والے آنسو کو اپنی پور پہ سنبھالا اور چلا گیا تھا۔

"آئی ایم سوری صلہ..... میں نے اسے بہت سمجھایا..... مگر اس نے میری ایک نہیں سنی۔ وہ ایسا ہی ہے۔ وہ بہت کم فیصلے کرتا ہے، لیکن جب کرلیتا ہے تو پھر پیچھے نہیں ہٹتا..... آپ نے بہت دیر کردی صلہ....." اس کے جانے کے بعد علی خاموش کھڑی صلہ کے پاس آیا تھا وہ ابھی تک وہیں کھڑی تھیں اور دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے آنسو اب بھی اس کی پلکوں کو بھگوئے ہوئے تھے۔

"لیکن علی میں تو اسے یہ بتانے آئی تھی کہ میں اس کے سامنے ہار گئی ہوں۔ اس کی محبت نے مجھے ہرا دیا ہے، مگر اس نے میری کوئی بات سنی ہی نہیں بس اپنی کہی اور چلا گیا....." اس کی بات پہ علی نے دکھ خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سے اسے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آج میں بہت خوش ہوں..... میں یعنی کہ حمدان رضا جانتے ہیں نا آپ لوگ مجھے..... اور میں خوش کیوں ہوں یقیناً" آپ لوگ سوچ رہے ہوں گے تو میں بتاتا ہوں میں آج اس لیے خوش ہوں کہ آج میں نے صلہ کو اپنا بنا ہی لیا ہے..... آپ تو جانتے ہیں نا کہ میں تھوڑا سا ضدی ہوں تو بس اپنی ضد منوا ہی لی..... پر میری ایک بری عادت بھی ہے میرے ساتھ اگر سب اچھا ہو تو میں خوش رہتا ہوں، لیکن اگر تھوڑی بھی گڑبڑ ہونے لگے تو مجھے لگتا ہے کہ جیسے مجھے کبھی زندگی میں کچھ ملا ہی نہیں اور یہ یقیناً "ناشکراپن" ہے جو میں اکثر کرجاتا ہوں حالانکہ اگر سوچوں تو مجھ پہ میرے اللہ کا ہمیشہ سے ہی خاص کرم رہا ہے..... میں نے جو چاہا وہ ہمیشہ ہی بہترین انداز میں مجھے ملا ہے۔ جیسے اب صلہ کو چاہا تو آج اسے بھی پالیا اور اس وقت وہ میرے کمرے میں میری دلہن بنی میرا انتظار کررہی ہے۔ یہ سب اتنی اچانک کیسے ہوا تھوڑی لمبی کہانی ہے، مگر مختصراً" سناتا ہوں۔ اس شام یہ پاگل لڑکی مجھے روکنے آئی، لیکن کہہ نہ پائی اور میں غصے اور ضد میں اس کے آنسوؤں کا مطلب سمجھ نہیں پایا اور وہاں سے چلا آیا..... اور وہ روتی رہی۔ مجھے آج بھی سوچ کر برا لگ رہا ہے کہ میں اسے روتا ہوا چھوڑ آیا تھا، میں وہاں سے گھر آیا تھا مجھے مام اور ڈیڈ سے ملنا تھا اور وہاں سے اپنا کچھ سامان بھی اٹھانا تھا۔ تب ہی ڈیڈ کے فون پہ علی کی کال آئی کیونکہ میں نے اپنا فون آف کررکھا تھا۔ اسے مجھ سے کوئی ضروری بات کرنی تھی۔ اور اس کی وہ ضروری بات سن کر میری جو حالت ہوئی وہ میں بیان نہیں کرسکتا۔

وہ مجھے بتا رہا تھا کہ صلہ مجھے وہاں اپنے مان جانے کا بتانے آئی تھی اور میں نے اس کی سنی ہی نہیں اور یہ بات وہ اپنی ماما کو بھی بتا چکی تھی اور ڈیڈ بھی..... کچھ ایسا ہی بتا رہے تھے کہ ابھی کچھ دیر پہلے ان لوگوں کی کال آئی تھی اور انہوں نے آج رات ڈنر پہ بلایا ہے۔ وہ لوگ میرے جانے کے بارے میں نہیں جانتے تھے تو اب لازمی مجھے تو رکنا ہی تھا اور اس دن سے آج ٹھیک دس دن بعد میرا اور صلہ کا نکاح ہوا تھا۔ بات صرف نکاح کی طے ہوئی تھی، مگر اس کی روٹھی صورت دیکھ کر مجھے رخصتی بھی کروانی ہی پڑی تھی۔ کیونکہ وہ پاگل لڑکی شاید یہی سمجھ رہی تھی کہ سب نے مجھے زبردستی جانے سے روک لیا ہے اور میں اب بھی اس سے خفا ہوں۔ کیونکہ یہ گزرے دس دن میں میں نے اس سے بالکل کوئی بات نہیں کی تھی اور نہ ہی اس سے ملا تھا۔ یار، سمجھا کریں نا اپنے ادھورے پروجیکٹس مکمل

کروا رہا تھا۔ سب کو مجھ پہ شک ہو گیا ہے کہ کہیں میں پھر سے آنا "فانا" سب کچھ چھوڑ کر کہیں چلا نہ جاؤں کیونکہ میں ایسا ہی ہوں نا سر پھرا سا۔۔۔ مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ اور جلدی کام مکمل کروانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعد میں مجھے صلہ کے ساتھ لمبی چھٹیوں پہ بھی جانا تھا۔ اگر وہ مان جائے تو۔۔۔" وہ کتنی ہی دیر سے وہاں بیٹھا خود اپنی ہی سوچ پہ مسکرا رہا تھا۔

"حمدان۔۔۔ تم ابھی تک یہیں بیٹھے ہو۔ اپنے کمرے میں جاؤ بیٹا۔۔۔ صلہ کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔"

ماما اپنے کمرے سے نکل کر کچن میں شاید پانی لینے جا رہی تھی۔ اسے وہاں بیٹھا دیکھا تو رک گئی تھیں۔

"جی۔۔۔ جا رہا ہوں ماما۔۔۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اسے جاتا دیکھ کر وہ مطمئن سی کچن کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی اس کی نگاہ سامنے بیڈ پر پڑی تھی۔ جہاں پور پور سجی بیٹھی وہ اس کی ہی منتظر تھی۔ پہلے جب صرف نکاح ہونا تھا وہ قدرے سادگی سے تیار ہوئی تھی۔ مگر بعد میں جب رخصتی کا شور اٹھا تو اس کی کزنز اور بھابھی نے مل کر اسے پھر سے تیار کر دیا تھا اور اس وقت وہ ایک مکمل اور بھرپور دلہن بنی اس کے سامنے موجود تھی۔ جو صرف اس کی منتظر تھی۔ وہ ہر قسم کے استقبال کے لیے تیار تھا۔ لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر آج کے دن بھی وہ روتی ہوئی ملی تو وہ اس سے خوب جھگڑا کرے گا۔ اس کی آہٹ سے صلہ کے پورے وجود میں جیسے ایک وحشت اور خوف نے بسیرا کر لیا تھا۔ کیا کچھ نہ یاد آیا تھا اسے اس ایک آہٹ سے۔ وہ دل ہی دل میں بہت خوف زدہ تھی اور اس اچانک ہونے والی رخصتی نے اس کی گھبراہٹ میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ آج کی رات اس پہ بہت بھاری گزرنی تھی یہ وہ جانتی تھی۔ بہت کوشش کے باوجود بھی وہ اپنے اندر موجود ڈر اور خوف کو نکال نہیں پا رہی تھی۔ بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے حمدان نے ایک طائرانہ نگاہ پورے کمرے پہ ڈالی تھی۔ علی بے چارہ اتنے مختصر وقت اور جلدی میں جتنا کمرے کو سجا سکتا تھا اس نے خوب سجایا تھا۔ اس نے بیڈ کور اور سائیڈ ٹیبلز وغیرہ کو گلاب کی پتیوں سے سجا کر خوب صورت بنایا تھا اور جگہ جگہ پھولوں کے بکے بھی اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ اور جابجا جلتی کینڈلز نے بھی ماحول کو خاصا رومانٹک بنا دیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو صلہ۔" حمدان نے پل بھر میں اس کی گھبراہٹ کو محسوس کیا تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور پور پور سجے زیورات نے بھی اپنی موجودگی کا خوب ہی احساس دلایا تھا۔ حمدان مسکرا دیا تھا۔ ایک آسودہ پرسکون مسکراہٹ۔۔۔ جو مقابل کو زیر کرنے کا ہنر خوب جانتی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ماتھے پہ جھولتی بندیا کو چھوا تھا۔ صلہ گھبرا کر پیچھے کو ہٹی تھی۔

"کیا ہوا۔۔۔" حمدان نے حیرت سے اسے دیکھا تھا اور پھر جیسے اسے پل میں اس کے اس ڈر اور خوف کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی۔

"میں بہت تھک گئی ہوں۔۔۔ سونا چاہتی ہوں۔۔۔ پلیز اگر تم مائنڈ نہ کرو تو۔"

جانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ ابھی حمدان بھی اسے اسی طرح سب کہنے لگے گا اور گنوانے لگے گا کہ اس نے کس کس طرح اسے ہرٹ کیا اور دکھ دیا۔ جس طرح ایزد نے کیا تھا۔ لیکن وہ بھول گئی تھی کہ وہ حمدان رضا ہے۔ جس نے بہت شدتوں سے اسے اپنے رب سے مانگا ہے۔ تو اب بھلا وہ اس کی ناقدری کیسے کرے گا۔ لیکن صلہ کو ابھی بھی اس پہ یقین کرنے میں تھوڑا وقت لگنا تھا۔

"او' و' ائے ناٹ شیور۔۔۔ تم آرام کرو۔۔۔ میں بھی کافی تھک گیا ہوں۔۔۔ میں ابھی آتا ہوں۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا یقیناً" وہ چاہتا تھا کہ وہ ریلیکس کرے۔ وہ اس کی موجودگی میں گھبرا رہی تھی اور واقعی میں اس کے جانے کے بعد صلہ کی سانسیں بحال ہوئی تھیں اور پھر فریش ہونے کے بعد وہ وہیں بیڈ کے کنارے ایک طرف سمٹ کر سو گئی تھی۔ چند گھنٹوں کا

وہ ڈر ابھی بھی دماغ پہ حاوی تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ابھی کوئی آئے گا اور بازو سے پکڑ کر باہر نکال دے گا اور وہ پھر سے وہیں پہنچ جائے گی۔ جہاں سے سفر شروع کیا تھا۔ یہی سب سوچتے سوچتے نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ نئی جگہ' نیا ماحول پھر بھی وہ کافی گہری نیند سوگئی تھی۔ پھر جانے کس احساس سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ بیڈ کے دوسرے کنارے کوئی کروٹ کے بل سو رہا تھا۔ وہ یقیناً" حمدان تھا۔ اس کی ڈسٹربنس (بے قراری) کے خیال سے وہ پتا نہیں کب خاموشی سے آکر سو گیا تھا اور اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔ چند گھنٹوں کا وہ خوف جیسے کم ہونے لگا تھا اور دل کو جیسے حمدان کے خلوص پہ یقین سا آنے لگا تھا۔ اس نے اطمینان سے پھر آنکھیں موندلی تھیں۔

☆☆☆
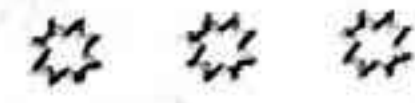
اگلی صبح وہ جلد ہی اٹھ گئی تھی۔ جبکہ حمدان ابھی بے خبر سو رہا تھا۔ وہ فریش ہو کر آئی تھی تب ہی اسے حمدان کے جاگنے کا احساس ہوا تھا۔

"گڈ مارننگ ڈیئر۔۔۔ اپنے گھر میں پہلی صبح مبارک ہو۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ وہ جاگ چکا تھا مگر ابھی تک بیڈ پہ ہی تھا۔ اور مسکراتی اور چمکتی آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی نگاہوں سے کنفیوز ہوتی رخ موڑ گئی تھی۔ جس ڈر اور وحشت نے رات بھر اس کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ اس وقت اس کا اثر نہ ہونے کے برابر تھا۔ وہ اس کا کترانا محسوس کر رہا تھا۔ لیکن کہا کچھ نہیں تھا۔ وہ اٹھ کر گلاس ونڈو کے قریب جا کھڑا ہوا۔ جہاں سے صلہ کے کمرے کی بالکونی باآسانی نظر آیا کرتی تھی۔ لیکن اس وقت وہ بالکونی کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ وہ کچھ اور ہی دیکھ رہا تھا۔

"اومائی گاڈ۔۔۔" بے ساختہ ہی حمدان کے لبوں سے نکلا تھا۔

"کیا ہوا۔۔۔" بالوں میں برش کرتا اس کا ہاتھ وہیں تھم گیا تھا اور وہ رخ موڑے اسے دیکھنے لگی تھی۔ جو گلاس ونڈو کے باہر پتا نہیں کیا دیکھ رہا تھا۔

"ارجنٹ شادی کا رزلٹ۔" وہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔

وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کے پاس آکھڑی ہوئی تھی اور جب نگاہ ڈالی تو پتا لگا کہ گیٹ کے باہر میڈیا اور پریس کا ایک ہجوم اکٹھا تھا۔ جو سب حمدان سے بات کرنا چاہتے تھے۔ پتا نہیں انہیں کیسے پتا لگ گیا تھا۔ حالانکہ اس کا ارادہ تھا کہ وہ ریسیپشن پہ ان سب کو بلائے گا۔ مگر یہ پہلے ہی آموجود ہوئے تھے۔

"میں ابھی آتا ہوں یار۔۔۔" وہ دھیمے سے اس کے گال کو چھوتا اپنا موبائل تھامے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

وہ صبح بے حد شاندار تھی۔ صلہ کو توقع سے بڑھ کر پذیرائی اور پیار ملا تھا وہ قدرے مطمئن ہو گئی تھی۔ ماما نے اس کے لیے شاندار سا ناشتا بھجوایا تھا۔ تب ہی مرتضیٰ انکل نے ان سب کو بھی بلوالیا تھا اور پھر سب نے یہیں بیٹھ کر مل کر ناشتا کیا تھا۔ سب لوگ بہت خوش تھے۔ پریس والوں کو مرتضیٰ انکل نے کسی نہ کسی طرح سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیا تھا۔ حمدان البتہ ان سے نہیں ملا تھا کیونکہ اس وقت وہ قطعی ان کے سوالوں کے جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ڈیڈ نے ان سب کو ریسیپشن میں انوائٹ کرلیا تھا اور دو دن بعد ولیمے کی تقریب کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ کیونکہ شادی سادگی سے ہوئی تھی تو ولیمے کی تقریب یقیناً" شاندار ہونی تھی۔ ناشتے کے بعد صلہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ بس وہ تھوڑی دیر تنہا رہنا چاہتی تھی۔ حمدان کا کمرہ بہت خوب صورتی سے ڈیکوریٹ تھا۔ کل رات کے سجائے گئے پھول اور بکے وغیرہ ابھی بھی موجود تھے۔ مگر ان سے ہٹ کر بھی اس کے کمرے کی تزئین و آرائش بہت نفیس طریقے سے کی گئی تھی۔ اس نے وہیں بیٹھ کر سارے کمرے کا جائزہ لے ڈالا تھا۔ وہ اس وقت کچھ بھی نہیں سوچ رہی تھی بس ایسے ہی وہاں بیٹھی تھی۔

"یہاں اکیلی بیٹھی کیا سوچ رہی ہو۔" تب ہی حمدان

اندر آیا تھا اور اس کے پاس ہی آ بیٹھا تھا۔ وہ ابھی تک نائٹ سوٹ میں ہی ملبوس تھا اور اس بات پہ ابھی ابھی ڈیڈ سے ڈانٹ کھا کر اور خاصا احتجاج کر کے آیا تھا کہ آج کے بعد اسے نہ ڈانٹا جائے کیونکہ اب وہ بڑا ہو گیا ہے اور شادی شدہ بھی۔۔۔

"کچھ بھی نہیں سوچ رہی بس یونہی بیٹھی ہوں۔" وہ ہولے سے بولی تھی واقعی وہ اس وقت کچھ بھی نہیں سوچ رہی تھی، لیکن اس وقت وہ کاپر کلر کے اسٹائش سے سوٹ میں ملبوس حمدان کا دل مسلسل اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ یہ کلر اس پہ کافی سوٹ کر رہا تھا اور عرصہ ہوا حمدان نے اسے اس طرح سجے سنورے نہیں دیکھا تھا ورنہ تو اب وہ عموماً" سادہ ہی نظر آتی تھی۔ بالوں کو ڈھیلے سے کیچر میں جکڑے۔۔۔ وہ اس وقت وہی صلہ لگ رہی تھی جسے حمدان جانتا تھا جس پہ حمدان فدا ہوا تھا بالکل پہلے والی۔۔۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔۔۔" حمدان نے بازو سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔

"سچ بتاؤ صلہ۔۔۔ تم مجھ سے دور کیوں ہونا چاہتی تھیں۔ کیوں مجھے اپنی زندگی میں شامل نہیں کرنا چاہتی تھیں بالکل سچ بتانا صلہ۔۔۔ جو بھی ہو۔۔۔ میں سن سکتا ہوں۔" اس نے ابھی تک اس کا بازو تھام رکھا تھا اور نگاہیں اس کے چہرے پہ جمار کھی تھیں وہ کتنے ہی لمحے خاموش رہی تھی اور وہ شدت سے اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

"صلہ۔۔۔" حمدان نے پکارا تھا اور صلہ کا جیسے روم روم کان بن گیا تھا۔

"مجھے لگا تم مجھ سے ہمدردی کر رہے ہو ترس کھا رہے ہو مجھ پہ۔۔۔ کیونکہ میں اب خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتی تھی حمدان۔۔۔ تم اتنے اچھے ہو۔۔۔ اتنے مکمل۔۔۔ تمہیں کوئی بھی بہترین لڑکی مل سکتی تھی اور میں۔۔۔" وہ لمحہ بھر کو رکی تھی۔ وہ بہت غور سے اسے سن رہا تھا۔

"مجھ پہ جو داغ لگ چکا تھا اس کے بعد میرے لیے بہت مشکل ہو گیا تھا۔۔۔ تمہیں سمجھانا۔۔۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ کل کو تم میرے حوالے سے کچھ سنو اور پچھتانے لگو اور پھر تم بھی ایزد کی طرح کسی بھی بے بنیاد بات کو ایشو بنا کر مجھے ٹھکرا دو میں۔۔۔"

"تم مجھے ایسا سمجھتی ہو صلہ۔۔۔" وہ پتا نہیں کیا کہنا چاہ رہی تھی، لیکن حمدان نے درمیان میں ہی اس کی بات کاٹ دی تھی۔ اسے واقعی برا لگا تھا کہ صلہ اسے اتنا ہی جان پائی تھی۔ وہ بالکل خاموش ہو گئی تھی اسے یہی ڈر تھا کہ حمدان خفا ہو جائے گا اس لیے وہ اتنے دنوں سے یہ بات صرف سوچتی تھی کہہ نہیں پائی تھی۔

"تمہیں پتا ہے صلہ میرے دل میں تمہارے لیے محبت سے زیادہ عزت اور احترام ہے اور یہ کیوں ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میرے پاس سب رشتے تھے، مگر مجھے انہیں نبھانا نہیں آتا تھا اور رشتوں کو نبھانا اور ان سے محبت کرنا میں نے تم سے سیکھا ہے صلہ۔۔۔ پتا ہے کب؟ اس دن جب تم میرے گھر آئی تھیں اور ہم وہاں پول کے کنارے بیٹھے تھے، تمہیں یاد ہے؟" حمدان کے پوچھنے پہ اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"اس دن تم نے مجھ سے بہت کچھ شیئر کیا تھا۔ یاد ہے۔۔۔ پتا ہے تب میں نے سوچا کہ تم کیسی لڑکی ہو جو اپنی بڑی سے بڑی خوشی سے بھی اتنی آسانی سے دستبردار ہو جاتی ہو اور چھوٹی چھوٹی خوشیاں اور خواہشیں تو تمہارے لیے اہمیت ہی نہیں رکھتیں۔ صرف اس لیے کہ تم اپنے پیرنٹس کو خوش دیکھنا چاہتی ہو اور انہیں دکھ نہیں دینا چاہتیں۔۔۔ جبکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں لڑکیوں کے لیے چھوٹی چھوٹی خواہشیں اور خوشیاں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوش ہو جاتی ہیں مجھے یاد ہے جب حمنہ کی شادی نہیں ہوئی تھی تو وہ چھوٹی اور معمولی باتوں کو لے کر اتنا واویلا مچاتی تھی کہ بس اور میں اور حنین بھائی چڑا کرتے تھے اور ڈیڈ اس کے منہ سے نکلنے سے پہلے ہی اس کی بات کو پورا کرنا جیسے اپنا فرض سمجھتے تھے۔ تب ماما ہمیں سمجھاتی تھیں کہ لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہل جانے والی اور چھوٹی چھوٹی

خواہشوں کے پورا نہ ہونے پہ رونے والی۔۔۔ تب ہی اس دن میں نے سوچا کہ یار یہ کیسی لڑکی ہے کہ جو دوسروں کی غلطی کی سزا خود کو دے رہی ہے اور خوشی سے برداشت بھی کر رہی ہے۔ تب میرے دل میں تمہارے لیے محبت سے زیادہ احترام اور عزت آگئی تھی اور اسی دن میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر میری زندگی میں کوئی لڑکی آئے گی تو وہ تم ہو گی کیونکہ جو لڑکی رشتوں کا احترام اور انہیں نبھانا جانتی ہو تو وہ یقیناً" میرے والدین کا بھی ایسے ہی احترام کرے گی اور مجھ سے وابستہ رشتوں کو بھی ایسے ہی نبھائے گی مگر پھر جو ہوا وہ شاید ایک آزمائش تھی جو ہم دونوں ہی نبھا گئے اور بالآخر تم میرے پاس آگئیں ہمیشہ کے لیے میری بن کے۔۔۔ کیونکہ تم بنی ہی میرے لیے ہو تو تمہیں مجھ تک ہی آنا تھا پھر چاہے جیسے بھی حالات ہوتے۔۔۔" محبت نے دھیرے سے اس کے ہاتھ تھامے اور اس کی پیشانی کو لمس بخشا تھا اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"اب تم رو تو مت نا۔۔۔" وہ جیسے الجھا تھا۔ اس کے رونے سے۔

"پتا ہے حمدان۔۔۔ جب میں چھوٹی تھی نا تو میں سوچا کرتی تھی کہ اللہ نے مجھے اتنا کچھ دے رکھا ہے۔۔۔ میرے پاس والدین ہیں۔۔۔ بہن بھائی ہیں۔۔۔ مجھے تو کوئی فکر ہی نہیں ہے میں ہمیشہ اپنی من پسند اور من چاہی زندگی گزاروں گی مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔۔۔ کبھی نہیں ہوا وہ دونوں اپنی اپنی زندگیوں میں مگن ہو گئے اور میں ہمیشہ اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کے بس خواب ہی دیکھتی رہی۔۔۔ پھر جب تم ملے تو تب تک میرا دل خواہش کرنا اور آنکھیں خواب دیکھنا چھوڑ چکی تھیں لیکن پھر بھی میں نے ایک خواب بننا چاہا تھا مگر پھر وہ خواب بھی بیچ میں ہی ٹوٹ گیا اور صرف چبھن رہ گئی۔۔۔ بس اس لیے میں ڈرتی ہوں حمدان۔۔۔ میں خواب بننے اور من چاہی زندگی گزارنے سے ڈرتی ہوں حمدان۔۔۔" اس نے حمدان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں ایسے جکڑ لیے تھے جیسے اسے خوف ہو اسے کھونے کا۔۔۔

"صلہ۔۔۔ زندگی بہت بار ہمارا امتحان لیتی ہے کبھی ہم کامیاب ہوتے ہیں اور کبھی نہیں۔۔۔ مگر ہارنے کے ڈر سے ہم آگے بڑھنا اور خواب دیکھنا چھوڑ نہیں سکتے۔ چلو ایک کام کرتے ہیں۔" وہ مسکرایا تھا۔ صلہ نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"ایسا کرتے ہیں ہم اپنی زندگی کے دو حصے کرتے ہیں میرا حصہ تم لے لو۔۔۔ میرے حصے کی ساری خوشیاں محبت خواب اور اعتبار تم لے لو۔۔۔ اور اپنا حصہ مجھے دے دو۔۔۔ اپنے حصے کے سارے دکھ خوف اور بے اعتباری مجھے دے دو۔۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا حصہ سنبھال کر رکھوں گا اور کبھی اس کا ذرا سا سایہ بھی تم پہ نہیں پڑنے دوں گا۔ بس تم وعدہ کرو کہ تم میرا حصہ بہت سنبھال کر رکھو گی۔"

"وعدہ۔۔۔" وہ دلکشی سے مسکرایا تھا۔ وہی جان لیوا مسکراہٹ جو اسے ہمیشہ جکڑ لیتی تھی۔ زیر کر دیتی تھی۔ وہ کھل کر ہنس دی تھی اور یہی ہنسی دیکھنے کا حمدان کا دل کب سے متمنی تھا۔

"بس اب تم دوبارہ کبھی رونا مت اور ہاں میں نے ایک پلان کیا ہے ہم لمبی چھٹیوں پہ جائیں گے۔۔۔ جب تم کہو گی تب۔۔۔" وہ اس کی شکل دیکھ کر فوراً" ہی بولا تھا وہ لمبی چھٹیوں کا سن کر ہی بوکھلا گئی تھی۔ ایک دوری ایک جھجک اب بھی برقرار تھی۔

"وہاں میں اطمینان سے تمہیں اعتبار کرنا بھی سکھاؤں گا اور محبت کرنا بھی۔۔۔ کیا خیال ہے۔۔۔" وہ ذرا سا جھک کر اس سے کہہ رہا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے حمدان۔۔۔ میں تم پہ ابھی بھی اعتبار کرتی ہوں۔" وہ بمشکل ہی اس کی آنکھوں میں دیکھ پا رہی تھی وہاں کیا کچھ تھا اس وقت اسے زیر کرنے کو۔۔۔

"اور محبت۔۔۔" وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔ وہ بری طرح کنفیوز ہو گئی تھی کہ اسے کیا جواب دے کیونکہ محبت تو وہ بھی اس سے کرتی تھی اول روز سے شدید محبت بس کہنے سے گھبراتی تھی کیونکہ اسے کھونے سے ڈرتی تھی۔ وہ اب بھی منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ

رہا تھا۔ تب ہی بجتے ہوئے سیل فون نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچی تھی اور اسے مجبوراً" اس طرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔ دوسری طرف علی تھا۔ وہ اس سے ایکسکیوز کرتا اس کے ہاتھ چھوڑ کر اس کے پاس سے اٹھا تو صلہ کو اپنا پہلو روشنی سے خالی لگنے لگا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر وہاں بیٹھی رہی تھی اور اب کی بار وہ صرف اسے ہی سوچ رہی تھی۔

✲ ✲ ✲

ان کا ولیمہ بہت دھوم دھام سے شہر کے مشہور ہوٹل میں ہوا تھا۔ مہمانوں کا ایک ہجوم تھا اور وہاں حمدان نے' ڈیڈ نے' مام نے سب سے اسے اتنے فخر اور محبت سے ملوایا تھا کہ وہ دل سے ان کے خلوص اور محبت کی قائل ہوگئی تھی۔۔۔ وہاں پریس اور میڈیا کے لوگوں کی بھرمار تھی اور موقع ملتے ہی وہ سارے ان کے گرد جمع ہوگئے تھے اور سوالوں کی بوچھاڑ کردی تھی۔ وہ حمدان کے اچانک ملک سے باہر جانے اور پھر یوں رک جانے اور پھر ایسے اچانک اس کی شادی کو لے کر ابھی بھی غیر مطمئن تھے اور حمدان مسکرا مسکرا انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔ وہ دونوں ڈنر کے بعد گھر جانے کے لیے نکل ہی رہے تھے کہ انہوں نے انہیں گھیر لیا تھا اور ایک صحافی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ان کی معلومات کے مطابق صلہ کی پہلے بھی شادی ہوچکی ہے اور کہیں حمدان کے اپ سیٹ ہونے کے پیچھے یہی وجہ تو نہیں تھی۔ حمدان کا چہرہ پل بھر میں غصے سے سرخ ہوگیا تھا علی نے بمشکل اسے سنبھالا تھا اور صلہ بس خاموشی سے اس کے قریب کھڑی اس کے جواب کی منتظر تھی۔

"دیکھیں ایک تو یہ انتہائی پرسنل سوال ہے اور میں اس کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔ دوسرا یہ کہ میں ان لوگوں میں ہوں جو کل کی بجائے آج میں جینا زیادہ پسند کرتے ہیں اور جو میرا آج ہے وہ آپ کے سامنے ہے اور یہی میرے لیے سب کچھ ہے۔"

وہ نہایت ضبط سے کڑے اور مضبوط لہجے میں بولا تھا اور پھر صلہ کا ہاتھ تھام کر اسے اس ہجوم سے نکال لایا تھا۔ البتہ پیچھے علی ابھی بھی موجود تھا۔ ان کے سوالوں کے جواب دینے کو۔

✲ ✲ ✲

آج ان کی شادی کو پورے پندرہ دن ہوگئے تھے اور ان گزرے پندرہ دنوں میں وہ پھر سے ایک دوسرے کے قریب آگئے تھے۔ صلہ نے اس پہ اعتبار کرنا سیکھ لیا تھا اکثر وہ دونوں پول کے کنارے بیٹھ کر ڈھیروں باتیں کرتے تھے چھوٹی چھوٹی باتیں' بے معنی باتیں' مگر اب بھی ایک جھجک تھی جو ان دونوں کے درمیان موجود تھی ایک فاصلہ تھا جو اب بھی سمٹ نہیں پارہا تھا۔ وہ دونوں ایک ہی بیڈ شیئر کرتے تھے' مگر ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر۔۔۔ بس یہی ایک بات تھی ورنہ تو باقی سب ٹھیک تھا سب لوگ انہیں اس طرح خوش دیکھ کر بہت مطمئن تھے مام ڈیڈ۔۔۔ ماما بابا۔۔۔ سب لوگ بہت خوش تھے۔

حمدان کا لمبی چھٹیوں پہ جانے کا پلان ابھی تک پورا نہیں ہوپایا تھا کیونکہ آج کل وہ بہت مصروف رہنے لگا تھا۔ اس کی فیلڈ کچھ ایسی تھی کہ بعض اوقات وہ تھوڑا فری نظر آتا تھا' لیکن بعض اوقات وہ دن رات کی پروا کیے بنا بس کام کرتا تھا اور آج کل وہ یہی کررہا تھا ہاں اب اس نے علی کے اپارٹمنٹ میں رہنا کم کردیا تھا۔ اگر کام کی زیادتی کی وجہ سے اگر کبھی وہاں رکنا پڑجائے تو اور بات تھی۔ ورنہ اب چاہے رات کو کتنی بھی دیر ہوجائے وہ سیدھا گھر ہی آتا تھا۔ اور صلہ جانتی تھی کہ ایسا وہ صرف اس کی خاطر کرتا ہے جیسی کل رات بھی اسے دیر سے آنا تھا اور صلہ کافی دیر تک اس کا انتظار کرنے کے بعد آخر کار سوگئی تھی۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا جب ایک انجانے احساس کے تحت اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ حمدان کے انتہائی قریب لیٹی تھی اور وہ کروٹ کے بل کہنی کے سہارے لیٹا خاموشی سے جانے کتنی دیر سے اسے بس دیکھ رہا تھا۔ اس ایک پل

میں صلہ نے کیا کچھ نہ دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں وہ سرعت سے گھبرا کر پیچھے کو ہٹی تھی اور کمبل اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر وہ کروٹ بدل گئی تھی۔

"ایسی بھی کیا بے خبری کی نیند کہ انسان کو کچھ پتا ہی نہ لگے۔" اس کا دل ابھی تک دھڑک رہا تھا اور نیند آنکھوں سے اڑ چکی تھی جبکہ دوسری طرف حمدان اس کے طرز عمل پہ بری طرح چڑ گیا تھا۔

"ویسے.... میرا تمہیں کھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" وہ اسی چڑچڑاہٹ سے بڑبڑا کر دوسری طرف کروٹ لے کر سونے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ جبکہ صلہ نے اس کی بڑبڑاہٹ سن کر بھی ان سنی کر دی تھی۔ اس وقت تو ایسی گھبراہٹ طاری ہوئی تھی کہ حد نہیں جبکہ اب یہ بات سوچتے ہوئے صلہ کے لبوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ آج صلہ کی برتھ ڈے تھی اور ماما اور بابا چاہتے تھے کہ وہ آج کا دن ان کے ساتھ گزارے اور صلہ اس وقت وہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ مام اور ڈیڈ بھی اس کے ساتھ جا رہے تھے البتہ حمدان کچھ بزی تھا۔ اسے واپسی پہ وہیں آنا تھا۔ ان سب کا ڈنر اکٹھے کرنے کا پلان تھا اور حمدان نے وعدہ کیا تھا کہ وہ جلدی آنے کی کوشش کرے گا.... صلہ ریڈ کلر کا خوب صورت اسٹائلش سا ڈریس پہنے وہاں جانے کے لیے بالکل ریڈی تھی۔ ایک نگاہ خود پہ ڈال کر وہ مطمئن سی کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ مام ڈیڈ کے ساتھ جب اپنے گھر آئی تو ماما اور بابا' عالیان کے ساتھ اس کا وہیں باہر ہی انتظار کر رہے تھے۔ بابا اس کو دیکھ کر فوراً" ہی اس کی طرف بڑھ آئے تھے۔

"کیسی ہے میری بیٹی...." انہوں نے محبت سے اسے خود سے لگا لیا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں بابا.... آپ کیسے ہیں۔" اس نے خود کو ان کے شفقت بھرے سینے میں سموئے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں.... بس اپنی پیاری سی بیٹی کے بغیر تھوڑا سا اداس ہوں۔" وہ مسکرا کر بولے تھے۔

"آپ مجھے بھی ملنے دیں گے اپنی بیٹی سے یا صرف خود ہی باتیں کیے جائیں گے۔" ماما بھی آگے بڑھ آئی تھیں۔ وہ بابا سے الگ ہو کر ان سے ملنے لگی تھی اور بابا.... ڈیڈ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"حمدان نہیں آیا.... کہاں ہے۔" وقت کے ساتھ ساتھ انہیں حمدان بھی اتنا ہی پیارا لگنے لگا تھا۔ جتنی صلہ لگتی تھی اس لیے وہ محبت اور فکر مندی سے ڈیڈ سے پوچھ رہے تھے۔

"وہ تھوڑا بزی ہے.... اپنے کام میں.... ڈنر تک آجائے گا۔" وہ ان کے ساتھ اندر بڑھتے جاتے ہوئے انہیں بتا رہے تھے وہ سب کے ساتھ اندر آگئی تھی.... وہاں حماد بھائی اور بھابھی سے مل کر وہ وہیں ماما اور بابا کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔ وہ اس وقت کافی خوش اور مطمئن لگ رہی تھی اور وہ دونوں اسے اس طرح خوش دیکھ کر اطمینان محسوس کر رہے تھے۔ آج بابا نے اس کی تمام خواہشیں پوری کر دیں تھیں وہ اس کے لیے کیک بھی لائے تھے اور گفٹ بھی.... وہ اس کی سالگرہ بالکل ایسے ہی سیلیبریٹ کر رہے تھے جیسے کبھی بچپن میں کرتے تھے اور اتنی محبتیں پا کر صلہ کی آنکھیں بار بار نم ہو رہی تھیں۔

"آئی لو یو بابا" وہ ان کے گلے لگ گئی تھی۔

"آئی لو یو ٹو میری جان...." انہوں نے اسے خود سے لگا کر اس کے ماتھے پر پیار کیا تھا۔ اب تمام لوگوں کو بھی حمدان کا انتظار تھا کہ وہ آئے اور سب مل کر ڈنر کر سکیں اور کیک کاٹ سکیں کیونکہ صلہ اس کے بغیر کیک نہیں کاٹنا چاہتی تھی' مگر وہ تھا کہ فون اٹینڈ ہی نہیں کر رہا تھا۔

"صلہ.... بیٹے فون کرو اسے.... کہاں رہ گیا ہے.... کہو سب انتظار کر رہے ہیں۔" وہ عالیان کے ساتھ باتیں کر رہی تھی تب ہی مام نے اسے پکارا تھا۔ وہ پھر سے اس کا نمبر ڈائل کرنے لگی تھی' مگر اب بھی وہی

جواب وہ جانتی تھی کہ وہ کام میں بزی ہو گا تو فون یقیناً" سائلنٹ پہ ہو گا لیکن اب ایسی بھی کیا مصروفیت بندہ چند سیکنڈز کی کال تو ریسیو کر ہی سکتا ہے نہ یا ایک میسج۔۔۔ اس نے مام کے ہی کہنے پر علی کو کال کیا تھا اس نے بھی یہی کہا وہ ریکارڈنگ میں بزی ہے۔ فری ہو کے کال کرے گا اور اب سب اس کے منتظر تھے۔

"تھوڑی دیر اور ویٹ کرتے ہیں ماما۔۔۔ ورنہ پھر آپ ڈنر لگوا دیجیے گا۔" وہ ماما سے کہہ کر باہر لان میں نکل آئی تھی۔ چند لمحوں بعد صلہ نے پھر اس کا نمبر ڈائل کیا تھا اور اب کی بار حمدان نے کال ریسیو کر لی تھی۔

"کہاں ہو تم حمدان۔۔۔ کب سے تمہیں فون کر رہی ہوں۔ کب آؤ گے۔" وہ اس کی آواز سنتے ہی بے تابی سے بولی تھی۔

"آئی ایم سوری یار۔۔۔ میں سچ میں اس وقت بہت بری طرح پھنسا ہوا ہوں۔ نہیں آسکوں گا۔۔۔ تم سب سے ایکسکیوز کر لو اور میرا ویٹ کرنے کی بجائے ڈنر کر لو آپ سب۔۔۔ پلیز صلہ برا مت ماننا یار۔۔۔" اس کے بیک گراؤنڈ سے آتی آوازیں بتا رہی تھیں کہ وہ کس قدر بزی ہے۔

"ٹھیک ہے کوئی بات نہیں اپنا کام کرو۔" اس کے کہنے کی دیر تھی کہ حمدان نے عجلت میں فون بند کر دیا تھا۔ صلہ کا موڈ تھوڑا آف ہو گیا تھا۔ کیونکہ آج کا دن وہ اس کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔ مگر اس کا کام ہر بار آڑے آجاتا تھا اور ابھی بھی یہی ہوا تھا۔ وہ یونہی لان میں ٹہلنے لگی تھی اور تب ہی اسے محسوس ہوا کہ گیٹ کے باہر کوئی گاڑی آکر رکی تھی۔ وہ حمدان کی منتظر تھی سو اس کا دھیان اسی طرف گیا کہ ہو سکتا ہے وہی ہو۔ لیکن باہر چوکیدار کسی سے بات کر رہا تھا۔ پھر اس نے چھوٹا گیٹ کھول دیا تھا اور پنک کپڑوں میں ملبوس دو بچیاں گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھیں۔ وہ بچیاں کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھیں۔ مگر وہ فوراً" سے انہیں پہچان نہیں پائی تھی۔ مگر ان کے پیچھے آنے والی شخصیت کو وہ پل بھر میں پہچان گئی تھی۔

"زویا۔۔۔" بے ساختہ ہی اس کے منہ سے نکلا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آئی ایم ویری سوری۔ بابا جانی۔۔۔ پلیز مجھے معاف کر دیں" زویا۔۔۔ اپنے بابا کے گلے لگی بری طرح سے رو رہی تھی۔ بابا نے اسے محبت سے خود میں سمو لیا تھا۔ وہ بھی آبدیدہ ہو گئے تھے۔ پیچھے اس کی جڑواں بیٹیاں اپنے بابا کے دائیں بائیں سہمی کھڑی تھیں اور ان کے بابا یعنی عمر اسرار۔۔۔ زویا کے شوہر آج بھی آنکھوں میں شرمندگی لیے کھڑے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ پچھلے گزرے سالوں میں جو کچھ ہوا اس میں وہ بھی برابر کے قصوروار تھے۔ مگر اس میں زیادہ قصور زویا کی جذباتیت اور ضدی طبیعت کا تھا۔۔۔ وہ اپنے والدین ایک حادثے میں کھو چکے تھے اور جب زویا کو دیکھا تو گویا پھر سے جی اٹھے تھے۔۔۔ اور پھر زویا احمد جیسے ان کی زندگی بن گئی اور پھر وہ اس کی ہر ضد اور ہر بات کے آگے ہار گئے اور اتنا بڑا قدم اٹھا لیا جو سب کے لیے دکھ کا باعث بنا۔

"میری بیٹی۔۔۔ میں تو تمہیں کب کا معاف کر چکا۔۔۔ بس خواہش تھی کہ ایک بار تو میرے پاس آؤ۔۔۔ اپنے بابا جانی کے گلے لگو اور مجھ سے بالکل اسی طرح معافی مانگو جیسے ان سارے حالات سے پہلے میرے خفا ہونے پر مانگتی تھیں۔۔۔ پر تم نے تو اپنے بابا جانی کو بھلا ہی دیا۔ تو میں نے بھی اپنا دل سخت کر لیا۔۔۔ پر آج تمہیں دیکھا تو پھر سے موم بن گیا۔" وہ کبھی رو رہے تھے اور کبھی ہنس رہے تھے۔

"یہ سب میری غلطی ہے بابا جانی۔۔۔ میں روز جیتی تھی۔۔۔ روز مرتی تھی۔ روز احساس جرم ہوتا تھا اور روز سوچتی تھی کہ آپ کے پاس آؤں مگر ڈرتی تھی کہ اگر آپ نے معاف نہ کیا تو۔۔۔ میں کیا کروں گی۔ کیسے برداشت کروں گی۔ مگر میں غلط تھی۔ آپ تو آج بھی میرے وہی بابا جانی ہیں۔ بس میں نے ہی دیر کر دی آنے میں۔۔۔ آئی ایم سوری بابا۔۔۔ آئی ایم ویری سوری۔" وہ اس وقت بالکل بچوں کی طرح ان سے لپٹی

کھڑی تھی اور رو رہی تھی۔

"اچھا بس کرو اب۔۔۔۔ تم نے تو ہم سب کو رلا دیا۔"

تب ہی حماد بھائی نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا تھا۔

"اب آپ بیٹی کو چھوڑیں اور داماد سے بھی مل لیں۔ بے چارہ کب سے سہما کھڑا ہے۔" ماما نے ان کی توجہ عمر بھائی کی طرف دلائی تھی تو بابا نے بے ساختہ ہی ان کی طرف بانہیں پھیلا دیں تھیں۔ وہ ادب سے جھک کر ان سے ملے تھے۔

"ویسے میرا داماد ہے بہت ہینڈسم۔۔۔" انہوں نے مسکرا کر عمر بھائی کو دیکھا تھا۔

"آخر ہے کس کی پسند۔۔۔" یہاں بھی زویا باز نہیں آئی تھی اور عمر بھائی جھینپ کر مسکرا دیے تھے۔ ایک مکمل پیار بھرا فیملی ماحول تھا۔ ایک ایسا ماحول جس کی ہمیشہ سے صلہ کی تمنا تھی صرف وہاں حمدان کی کمی تھی اور اب صلہ اسے بری طرح مس کر رہی تھی۔ ڈنر کے بعد سب ہی خوش گپیوں میں مصروف تھے اور ڈنر کے بعد بیٹھے میں صلہ نے سب کو وہ ہی کیک سرو کیا تھا۔ جو بابا اس کے لیے لائے تھے۔ اس نے اہتمام سے کیک نہیں کاٹا تھا کیونکہ وہ حمدان کے بغیر کاٹنا نہیں چاہتی تھی اور ابھی بھی وہ ایک طرف خاموش بیٹھی اس کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی تب ہی زویا اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔ وہ بہت دیر سے اس سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔ مگر جھجک بھی رہی تھی۔

"صلہ۔۔۔ حمدان کہاں ہے۔۔۔ آیا نہیں۔" زویا نے خیالوں میں گم صلہ سے پوچھا تھا۔

"ہاں وہ کام میں پھنس گیا تھا۔ اس لیے نہیں آپایا۔" وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"بھئی وہ بہت اچھا سنگر ہے۔ میری بچیاں اس کی بڑی فین ہیں۔"

"ہوں واقعی وہ بہت اچھا سنگر ہے اور بہت اچھا بہترین انسان بھی۔" وہ مسکرا کر بولی تھی اور اس کی مسکراہٹ میں ایک آسودگی جھلکتی تھی۔ جسے زویا نے فوراً ہی محسوس کیا تھا۔

"تم خوش ہو صلہ۔۔۔" زویا نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"ہوں۔" وہ مختصراً مسکرا کر بولی تھی۔

"پتا ہے صلہ۔۔۔ میں یہاں آنے سے پہلے بہت ڈری ہوئی تھی بہت شرمندہ تھی۔۔۔ بابا سے۔۔۔ ماما سے۔۔۔ اور خاص کر تم سے۔۔۔ کیونکہ میری وجہ سے بہت کچھ غلط ہوا اور تمہارے ساتھ جو کچھ گزرا وہ بھی میری غلطی تھی اور۔۔۔" وہ بہت رک رک کر بول رہی تھی۔ جیسے الفاظ کو ترتیب دے رہی ہو کہ صلہ کو برا بھی نہ لگے اور وہ اپنی بات بھی کہہ جائے۔

"زویا۔۔۔ جو کچھ ہوا وہ ایسے ہی ہونا تھا۔ تمہاری وجہ سے نہ ہوتا تو کوئی اور وجہ بنتی لیکن یہ سب پھر بھی ہوتا۔۔۔" اس نے ہاتھ میں تھامے کافی کے مگ کے کناروں پہ انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا اور زویا اس کے مزید بولنے کی منتظر تھی۔

"مجھے بہت مشکل ہوئی وہ سب بھولنے میں۔۔۔ مگر میں اب وہ سب کچھ بھلا چکی ہوں۔۔۔ اور اب میں اپنی زندگی میں بہت خوش اور مطمئن ہوں اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم بھی وہ بھول جاؤ۔۔۔ کیونکہ وہ سب کچھ اتنا بھی اہم نہیں ہے کہ ہم اسے پوری زندگی یاد رکھیں۔۔۔"

"ہوں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" صلہ کے الفاظ نے جیسے اس کے سینے پر رکھی ایک بھاری سل کو سرکا دیا تھا اور اب وہ بالکل مطمئن تھی۔ بابا نے اسے معاف کر دیا تھا اور صلہ اپنی زندگی میں خوش تھی۔ اس کے لیے یہی بہت تھا۔

☆ ☆ ☆

رات کے تقریباً گیارہ بجنے والے تھے اور حمدان کا ابھی تک کہیں اتا پتا نہیں تھا اور اب تو اس کا فون بھی بند آ رہا تھا اور صلہ دل ہی دل میں اس سے ناراض ہو چکی تھی کیونکہ سب ہی لوگ شدت سے اس کا انتظار کر رہے تھے اور سب کو اس کے بغیر ہی ڈنر کرنا پڑا تھا اور اب ڈنر کے بعد چائے اور کافی کے ساتھ سب ہی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ڈیڈ کئی بار اس کے نہ آنے کی وجہ سے بابا سے معذرت کر چکے تھے کہ

کہیں انہیں برا نہ لگ جائے۔ لیکن گزرتے وقت نے بابا کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ غیر ذمہ دار قطعی نہیں ہے اور یقیناً" کہیں کام میں پھنسا ہوگا اور اس لیے انہیں بالکل بھی برا نہیں لگا تھا۔ مگر صلہ کو برا لگ رہا تھا کیونکہ آج وہ دل سے چاہتی تھی کہ یہاں وہ بھی سب کے درمیان ہو تا مگر وہ پتا نہیں کہاں مصروف تھا۔ زویا کی بچیوں کو نیند آرہی تھی تو وہ انہیں سلانے اندر کمرے میں لے گئی تو صلہ بھی اس کے درمیان سے اٹھ کر کمرے میں چلی آئی تھی۔ وہ چند لمحے یوں ہی بے دھیانی سے بیڈ پہ بیٹھی رہی تھی۔ تب ہی اس کے موبائل پہ میسج ٹیون بجی تھی۔

"صلہ... فوراً" باہر آؤ میں انتظار کر رہا ہوں۔"

میسج حمدان کا تھا۔ وہ نا سمجھتے ہوئے باہر بالکونی میں نکل آئی تھی۔ بلیو اسپورٹس کار گیٹ کے بالکل پاس ہی کھڑی تھی۔ وہ اندر آنے کی بجائے اسے نیچے کیوں بلا رہا ہے۔ وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔ تب ہی اس کی کال آنے لگی تھی۔ صلہ نے جیسے ہی کال بیک کی۔ اس نے وہی بات دہرائی تھی۔

"مگر کیوں... کیا ہوا ہے؟"

"اف صلہ... باتوں میں ٹائم ویسٹ مت کرو۔ فوراً" نیچے آؤ۔" وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

"مجھے نہیں آنا تمہارے ساتھ... تم اندر آجاؤ۔"

وہ اس سے ناراض تھی اور یہ بات اسے سمجھنی چاہیے تھی۔ لیکن اسے جانے کس بات کی جلدی تھی۔

"تم باہر آتی ہو... یا میں اندر آکے زبردستی تمہیں اٹھا کر لاؤں۔" اور اس دھمکی کے بعد صلہ کو یقیناً" باہر آنا ہی پڑا تھا۔ کیونکہ حمدان سے کوئی بعید نہیں تھا وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اس نے عجلت میں بھابھی کو میسج ٹائپ کیا تھا اور انہیں حمدان کے ساتھ جانے کا بتایا تھا اور باہر نکل آئی تھی۔ جہاں وہ بے صبری سے اس کے انتظار میں ہارن پہ ہارن بجا رہا تھا۔

"کیا بات ہے... کیوں شور مچا رکھا ہے۔" وہ گاڑی میں بیٹھ کر کچھ خفگی سے بولی تھی۔ لیکن حمدان نے بنا کوئی جواب دیے گاڑی اسٹارٹ کر کے فل اسپیڈ پہ چھوڑ دی تھی۔ جیسے اسے کہیں پہنچنے کی جلدی ہو۔

"اتنا تو بتا دو... ہم اس وقت جا کہاں رہے ہیں۔"

صلہ کو اس کی خاموشی سے بے چینی ہو رہی تھی۔

"ابھی تھوڑی دیر میں پتا چل جائے صلہ..." اس کی پوری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز تھی کیونکہ سڑک پہ کافی رش تھا۔

"تم آئے کیوں نہیں آج... سب کتنا انتظار کر رہے تھے تمہارا اور جانتے ہو... سب سے زیادہ میں نے تمہارا انتظار کیا..."

"اور یہ کیا ہے..." تب ہی اس نظر ڈیش بورڈ پہ پڑے لفافے پہ پڑی تھی تو اس نے حمدان سے پوچھ لیا تھا۔

"خود... دیکھ لو۔" وہ مبہم سا مسکرایا تھا۔ صلہ نے لفافہ اٹھا کر کھول لیا تھا۔ اس کے اندر دو ٹکٹس تھے دبئی کے۔ مسٹر اور مسز حمدان رضا کے نام سے...

"یہ..." وہ کیا کہنا چاہتی تھی حمدان جانتا تھا۔

"کل رات 11 بجے کی فلائٹ سے ہم دونوں دبئی جا رہے ہیں اور پھر وہاں سے جہاں تم کہو۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہم وہاں چلے جائیں گے۔ کیونکہ اگلے چند ماہ تک میں بالکل فری ہوں اور میں یہ وقت صرف تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔" وہ اطمینان سے بتا رہا تھا۔

"مگر... میں..." وہ حسب توقع بوکھلا گئی تھی۔

"اب اگر تم نے کچھ بھی کہا نہ صلہ... تو سچ کہہ رہا ہوں کہ یا تو میں یہ گاڑی ٹکرا دوں گا یا پھر سچ میں 'میں اکیلا ہی کہیں چلا جاؤں گا... پھر ڈھونڈتی پھرنا۔" وہ حسب توقع چڑ گیا تھا۔

"فضول باتیں مت کرو... میں تو کچھ بھی نہیں کہہ رہی صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ میں اتنے کم ٹائم میں تیاری کیسے کروں گی جانے کی۔" اس نے اپنی پریشانی اسے بتائی تھی اور سچ میں وہ اس وقت صرف یہی سوچ کر پریشان تھی۔

"یہاں سے جانے کے بعد اور کل کا پورا دن بہت

ٹائم ہے تمہارے پاس۔۔۔ آرام سے تیاری کرتی رہنا۔" اس نے تسلی دی تھی تاکہ وہ یہ سوچ کر پریشان نہ ہوتی رہے۔

"مگر ہم جا کہاں رہے ہیں۔"

"لو پہنچ گئے ہم۔۔۔ آجاؤ۔" اس نے گاڑی ایک ہوٹل کی پارکنگ میں پارک کی اور اس کا ہاتھ تھام کر اتر آیا تھا۔ وہ اسے لے کر ہوٹل کے ٹاپ فلور پہ آیا تھا۔ وہ فلور پورا خالی پڑا تھا۔ بے انتہا خوب صورتی سے سجا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کسی تقریب کے لیے سجایا گیا ہے۔ صلہ کی آنکھوں میں ستائش اتر آئی تھی۔ وہ ابھی تک اس کا ہاتھ تھامے کھڑی تھی۔

"پسند آیا۔۔۔" اس کی سرگوشی صلہ نے باغور سنی تھی۔

"بہت زیادہ۔۔۔ بہت خوب صورت ارینجمنٹ ہے۔ مگر ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔" وہ اب بھی نہیں سمجھی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے صلہ۔۔۔ دیکھو ابھی بارہ نہیں بجے۔" اس نے دھیمے سے اسے وش کرتے ہوئے اپنی کلائی اس کے سامنے کی تھی۔ جہاں گھڑی میں اس وقت گیارہ بج کر 25 منٹ ہوئے تھے۔

"ہماری شادی کے بعد یہ تمہاری پہلی سالگرہ ہے اور میں اسے بہت خاص انداز میں منانا چاہتا تھا۔ اس لیے یہ سب کچھ صرف تمہارے لیے۔۔۔ یہ پورا فلور میں نے خود کھڑے ہو کے ڈیکوریٹ کروایا ہے۔ صرف تمہارے لیے۔۔۔ اور میں پورا دن یہیں مصروف تھا اس لیے وہاں نہیں آیا۔۔۔ تمہیں اچھا لگا۔" وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامے اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا اور صلہ کے پاس جیسے الفاظ ہی ختم ہوگئے تھے۔ اس کی محبت کے آگے تمام الفاظ کم لگنے لگے تھے۔

"بہت زیادہ۔۔۔ تھینک یو سو مچ حمدان۔" اس کی آواز جیسے بھیگ سی گئی تھی۔ اس رات کو حمدان نے اس کے لیے بہت خوب صورت بنا دیا تھا۔ وہ اس کی زندگی کی یادگار ترین سالگرہ تھی۔ خوب صورت ترین رات تھی۔ اس رات صلہ کا پور پور جیسے حمدان کی محبت میں ڈوب گیا تھا اور حمدان کا پورا وجود جیسے کان بن گیا تھا کہ صلہ آج تو ایک بار کہہ دے کہ ہاں میں بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتی ہوں۔ جتنی تم کرتے ہو۔ مگر صلہ نے نہیں کہا تھا اور حمدان اب بھی منتظر تھا۔ وہ اس رات تقریباً ایک بجے تک وہاں رہے تھے اور پھر گھر آگئے تھے۔ کیونکہ انہیں کل جانے کی تیاری بھی کرنی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج لندن کی یخ بستہ سردی اور کہر آلود موسم میں ان کا پہلا دن تھا۔۔۔ وہ سالگرہ کے اگلے دن دبئی اور دبئی سے سعودی عرب گئے تھے۔ جہاں انہوں نے عمرے کی سعادت حاصل کی تھی اور رب کے حضور سربسجود ہو کر شکر ادا کیا تھا اور آج وہ وہاں سے لندن پہنچے تھے۔ یہاں انہیں حمدان کے اپارٹمنٹ میں رہنا تھا۔ مگر خراب موسم کی وجہ سے وہ وہاں تک نہیں جاسکتے تھے کیونکہ وہ اپارٹمنٹ ایئرپورٹ سے بہت دور تھا اور مسلسل ہوتی برف باری میں وہاں تک پہنچنا ناگزیر تھا اور کچھ حمدان کو صلہ کا خیال تھا کہ کہیں اسے ٹھنڈ نہ لگ جائے۔ کیونکہ وہ پہلی بار یہاں آئی تھی اور موسم کی سختی کو پہلی بار برداشت کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ سو اسے یہی مناسب لگا کہ وہ آج کی رات یہیں کسی قریبی ہوٹل میں گزاریں اور کل صبح ہوتے ہی وہاں سے جائیں۔ سو اس نے ایئرپورٹ کے سب سے قریبی ہوٹل میں ایک روم لے لیا تھا۔ ڈنر کا ٹائم ہوچکا تھا۔ انہوں نے وہیں ڈائننگ ہال میں ہی ڈنر کرلیا تھا۔ اب وہ لوگ لابی سے گزر کر اپنے روم کی طرف جارہے تھے۔ ان کا روم اوپر کی منزل پر تھا۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے صلہ اس سے دو قدم پیچھے تھی تب ہی سیڑھیوں سے اترتی دو لڑکیوں نے حمدان کو پہچان لیا تھا اور اب اس سے بات کررہی تھیں۔ صلہ وہیں رک کر اس کے فری ہونے کا انتظار کرنے لگی تھی۔ مگر جب کافی دیر گزر گئی اور ان لڑکیوں کی باتیں اور حرکتیں اس کے

ضبط کا امتحان لینے لگی تو وہ حمدان کے برابر آکھڑی ہوئی تھی۔

"حمدان' روم میں چلیں... میں بہت تھک گئی ہوں۔" اس نے حمدان کا بازو تھام کر جس لہجے اور انداز میں کہا تھا۔ حمدان کو بس ایک پل لگا تھا سمجھنے میں کہ اسے برا لگ رہا ہے۔ اس نے فوراً" ہی ان لڑکیوں سے ایکسکیوز کیا تھا اور وہ لڑکیاں صلہ کو دیکھ کر اور اس کا تعارف پاکر خود ہی پیچھے ہٹ گئی تھیں اور کمرے میں آکر جس طرح صلہ نے اپنا شولڈر بیگ اور کوٹ صوفے پہ پٹخا تھا۔ حمدان نے بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ ضبط کی تھی۔ وہ کچھ بھی بولے بنا فریش ہونے باتھ روم میں چلا گیا تھا اور وہاں جاکر دل کھول کر ہنسا تھا اور جب باہر آیا تو بڑی سنجیدہ صورت بناکر بستر میں جالیٹا تھا۔ وہ اسے کڑی نگاہوں سے دیکھتی فریش ہونے چلی گئی تھی۔

"میں نے تجھے دیکھا... صبح کے اجالوں میں...
لمحوں میں... سالوں میں... پیار کرنے والوں میں...
جنون میں... جیالوں میں...
جتنی تو ملتی جائے... اتنی لگے تھوڑی تھوڑی...
سوہنیا..."

اس نے ایک نظر حمدان پر ڈالی... جو بستر پہ نیم دراز اسے ہی دیکھ رہا تھا اور بجتے میوزک کی آواز یقیناً" اس کے سیل فون سے آرہی تھی۔ وہ خاموشی سے شیشے کی طرف رخ کیے بالوں میں برش کرنے لگی تھی۔

"کیا ہوا صلہ... اتنی خاموش کیوں ہو... طبیعت تو ٹھیک ہے۔ ٹھنڈ تو نہیں لگ رہی..." وہ اب واقعی فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔

"اگر برا لگا ہے تو کچھ کہے تو سہی... اتنی خاموش کیوں ہوگئی ہے۔" یہ حمدان نے سوچا تھا... کہا نہیں تھا۔

"کچھ نہیں ہوا... ٹھیک ہوں میں..." وہ اب بھی رخ موڑے کھڑی تھی اور حمدان اس کی پشت پہ بکھرے بالوں کی خوشبو کو محسوس کررہا تھا۔ اس کے دل میں شدت سے اس خوشبو کو قریب سے محسوس کرنے کی... انہیں چھونے کی خواہش ابھری تھی۔ مگر اس نے خود پہ ضبط کے کڑے پہرے بٹھا رکھے تھے۔

"نہیں... وہ اپنی خوشی سے میرے پاس آئے گی۔" یہ اس کا خود سے وعدہ تھا اور وہ وعدہ خلاف قطعی نہیں تھا اور دوسری طرف صلہ سوچ رہی تھی کہ آج اسے اتنا برا کیوں لگا ہے۔ حالانکہ اب وہ ان باتوں کی عادی ہوچکی تھی۔ وہ اور حمدان جہاں بھی جاتے تھے۔ لوگ ایسے ہی اس کے پاس آتے تھے... اس سے ملتے تھے... تصویریں بنواتے تھے۔ آٹوگراف لیتے تھے اور وہ خوشی اور فخر سے سب دیکھتی تھی۔

"تو پھر آج کیوں..." وہ خود ہی حیران تھی اپنی بدلی ہوئی کیفیت پہ... وہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ اسے کیا محسوس ہورہا ہے۔

"تو کیا میں جیلس ہورہی ہوں..."

"نہیں... نہیں... ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔" اس نے خود ہی اپنی نفی کی تھی۔ میوزک کی آواز اب بھی دھیمی دھیمی کمرے میں گونج رہی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو صلہ... سوجاؤ تھک گئی ہوگی۔" حمدان نے بمشکل اس سے نگاہیں چرائی تھیں اور تکیے ٹھیک کرکے سونے لیٹا تھا۔ تب ہی وہ پاس آکے لیٹی تھی اور لحاف اوڑھتے ہوئے حمدان نے پھر سے اس کی خوشبو کو قریب سے محسوس کیا تھا۔ اس نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا۔

"کچھ جلنے کی بو آرہی ہے... ہے نہ صلہ..." وہ سونے کے لیے لیٹی تو چند لمحوں بعد اسے قریب ہی حمدان کی شرارت سے بھرپور آواز سنائی دی تھی۔

"تو کیا وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ ان دو لڑکیوں سے جیلس ہورہی ہے۔"

"ہاں... میرا دل جل رہا ہے... یہی سننا چاہ رہے ہو نا... بس اب خوش۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔ کیونکہ اس کی شرارت مسلسل اسے گھبراہٹ میں مبتلا کررہی تھی اور اب اس کا قہقہہ رہے سہے حواس خطا کرگیا تھا۔ وہ خاموشی سے لیٹی کچھ سوچ رہی تھی۔

"اس دن اگر میں چلا جاتا اور کبھی پلٹ کر نہ آتا تو

صلہ... تم نے مجھے روکا کیوں نہیں تھا۔" کئی دنوں سے دل میں دبی بات آج لبوں پہ آ گئی تھی۔

"میں آئی تھی تمہارے پاس... مگر تم نے میری کوئی بات سنی ہی نہیں اور بس اپنی ہی کہتے رہے اور چلے گئے تو میں کیا کرتی۔" صلہ نے اس کی طرف کروٹ لے کر نیم اندھیرے میں اس کے نقوش کو دیکھا تھا۔

"تم نے یہ کب کہا تھا... ایک بار بھی کہ مت جاؤ... میں تمہارے لیے آئی ہوں۔ تمہیں روکنے... صرف ایک بار کہتیں... پھر دیکھتیں کہ میں کیسے جاتا... پھر میں صرف تمہیں سنتا... اور سب کچھ بھول جاتا..." اس کی دھیمی آواز ایک سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ اس نے دھیرے سے اس کے چہرے پہ بکھر آنے والے بالوں کو ہولے سے سمیٹا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو... اتنا مشکل سوال تو نہیں کیا میں نے..."

"اب میں کبھی بھی تمہیں کہیں جانے نہیں دوں گی۔" اور حمدان کو اپنے سارے سوالوں کے جواب مل گئے تھے اور اس رات پہلی بار صلہ نے خود سے بے تکلفی سے اس کے سینے پہ سر رکھا تھا۔ اس نے مان لیا تھا کہ وہ آج وہ سچ مچ ان لڑکیوں سے جیلس ہو گئی تھی اور حمدان پہلے تو اس کی کایا پلٹ پہ حیران ہوا تھا۔ مگر پھر اس نے بمشکل اپنا قہقہہ ضبط کرتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا اب وہ اس خوشبو کو قریب سے محسوس کر سکتا تھا۔

کہ دل جھوم... جھوم چلے... جھوم چلے... سوہنیا۔

میوزک ابھی بج رہا تھا... چاند کہاں تھا نہیں معلوم... ستارے تو آس پاس ہی گر رہے تھے اور باہر برف ابھی بھی گر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

صلہ نے ایک نظر جبہ اور حمدان پر ڈالی... وہ دونوں بے خبر سو رہے تھے۔ وہ محبت سے انہیں دیکھتی... مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر چلی آئی تھی۔ آپ نے

یقیناً" مجھے اور حمدان کو تو پہچان لیا ہوگا مگر آپ سوچ رہے ہوں گے کہ حبہ کون؟ حبہ حمدان یعنی میری اور حمدان کی بیٹی جو آج پورے ایک ماہ کی ہوگئی ہے۔ اور سب کو جی جان سے پیاری ہے وہ۔۔۔ ٹھہریئے میں آپ کو ذرا تفصیل سے بتاتی ہوں۔ جب میں اور حمدان ورلڈ ٹور پہ گئے تو وہاں ہمیں حبہ کے آنے کی خوش خبری ملی اور ہمیں سب کے اصرار پہ اپنا ٹرپ مختصر کرکے جلد ہی واپس آنا پڑا۔ حمدان تھوڑا بد مزا ہوا تھا مگر خوش بھی بہت تھا اور پھر آج سے ٹھیک ایک ماہ پہلے حبہ کی پیدائش ٹھیک اسی ڈیٹ کو ہوئی جو حمدان کی ڈیٹ آف برتھ ہے اور اس بات کو لے کر بھی وہ بہت خوش ہے اور حبہ کا نام بھی اسی نے رکھا ہے۔ حبہ یعنی تحفہ اور واقعی وہ ہمارے لیے اللہ کا دیا ہوا خوب صورت تحفہ ہی تو ہے۔ حمدان آج بھی بالکل ویسا ہی ہے۔ پرخلوص اور محبت کرنے والا۔۔۔ میوزک آج بھی اس کا جنون ہے اور ہاں وہ آج بھی اکثر اپنا نائٹ سوٹ بدلنا بھول جاتا ہے۔ پہلے اسے یاد کروانا ڈیڈ کی ڈیوٹی تھی اور اب یہ میری ذمہ داری ہے۔ میں آج بھی ویسی ہی ہوں۔ ذرا سی کم ہمت مگر ہاں اب میں بھی پہلے سے بہت زیادہ پر اعتماد ہوگئی ہوں اور یہ سارا کریڈٹ حمدان کو جاتا ہے۔ میں اب اس پہ خود سے بڑھ کر اعتبار کرتی ہوں اور محبت بھی۔۔۔ مگر آج بھی اس سے کہنے سے جھجکتی ہوں اور وہ آج بھی اس بات پہ چڑتا ہے اور ہاں آج کل میں اس کا نیا البم ریلیز ہونے والا ہے جو کہ حمدان مرتضیٰ رضا کے نام سے آنے والا ہے اور یہ بات صرف میں اور حمدان ہی جانتے ہیں اور یہ یقیناً" مام اور ڈیڈ کے لیے ایک سرپرائز ہے اور وہ دونوں یقیناً" اس سرپرائز سے بہت خوش ہوں گے۔

اس نے ملازمہ کے ساتھ ناشتا لگواتے ہوئے کتنا کچھ سوچ ڈالا تھا اور لبوں پہ بہت پیاری مسکراہٹ ابھی بھی موجود تھی۔ تب ہی مام اور ڈیڈ چلے آئے تھے۔

"حبہ سو رہی ہے بیٹا۔" مام نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جی مام۔۔۔ ساری رات جگایا اس نے۔۔۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی سوئی ہے۔" صلہ نے انہیں بتایا تھا۔

"اور حمدان بھی یقیناً" ابھی تک سو رہا ہوگا۔" ڈیڈ نے اپنے سامنے اخبار پھیلاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ڈیڈ میں نے نیچے آتے ہوئے اسے اٹھایا تھا۔ ہو سکتا ہے جاگ گیا ہو۔ میں دیکھتی ہوں جاکر۔" اس نے جوس کا گلاس ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں پلیز بیٹا۔۔۔ دیکھو جاکر۔۔۔ آج آفس میں بہت ضروری میٹنگ ہے۔ جس میں اس کا شریک ہونا لازمی ہے۔۔۔ بتایا بھی تھا اسے۔۔۔ مگر برخوردار کو کچھ یاد تھوڑی رہتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔۔۔ ابھی جاگ جائے گا۔" مام نے انہیں توس تھماتے ہوئے کہا تھا۔

"جاؤ بیٹا تم دیکھو جاکر۔۔۔" ساتھ ہی انہوں نے صلہ سے کہا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔

"اسے کہنا نائٹ سوٹ بدل لے۔" ڈیڈ نے حسب معمول یاد دہانی کروائی تھی۔ صلہ کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی تھی۔

"آپ بھی ناکمال کرتے ہیں۔۔۔ اب تو اس طرح اسے ڈانٹنا چھوڑ دیں۔۔۔ بیٹی کا باپ بن گیا ہے وہ۔۔۔ حد کرتے ہیں آپ بھی۔" مام نے تاسف سے انہیں دیکھا تھا۔

"ہاں اور اب بھی بیٹی سے ذرا تھوڑی ہی بڑا ہے وہ۔۔۔" ان کے اس طرح کہنے پہ مام بھی ہنس پڑی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"او تو پرنس ابھی تک سو رہے ہیں۔" صلہ کو کمرے میں داخل ہوتے ہوئے حسب توقع منظر دیکھنے کو ملا تھا۔ اس نے حبہ کو دیکھا۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ وہ دبے پاؤں چلتی حمدان کے پاس آکھڑی ہوئی تھی۔ وہ

اوندھے منہ بے خبر سو رہا تھا۔

"حمدان۔۔۔" اس نے دھیمے سے پکارا تھا۔ مبادا کہیں حبہ نہ جاگ جائے۔ مگر وہ اسی طرح بے خبر رہا تھا۔

"حمدان۔۔۔ اٹھ جائیں دیر ہو گئی ہے۔ ڈیڈ ناشتے پہ انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے کمبل سمیٹ کر ایک طرف کیا تھا۔۔۔ جو آدھا بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا اور آدھا اس کے اوپر تھا۔۔۔ وہ ذرا سا کسمسایا تھا۔ ایسی ہی گہری نیند سوتا تھا وہ۔ اور یہ بات صلہ اب اچھی طرح جان گئی تھی۔

"کیا ہے یار۔۔۔ سونے دو نا۔۔۔ ابھی تو سویا تھا۔" تیسری بار پکارنے پہ وہ نیند بھری آواز میں بولا تھا۔

"ہوں۔۔۔ سوری۔۔۔ جانتی ہوں۔ مگر ڈیڈ آفس جانے کے لیے انتظار کر رہے ہیں۔ سو اٹھنا تو پڑے گا۔" کتنی خوب صورت دلکش صبح تھی یہ۔۔۔ وہ مسکراتی ہوئی اس کے سامنے تھی۔ اس کی آنکھوں میں خمار بھر آیا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں۔" صلہ بیڈ کے کنارے پہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔

"دیکھ رہا ہوں آخر تم میں ایسا کیا ہے۔۔۔ جو یوں مجھے تمہاری طرف کھینچتا ہے۔" وہ اب اٹھ بیٹھا تھا۔۔۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"پھر کیا نظر آیا۔۔۔" وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔

"کچھ بھی نہیں۔۔۔"

"کیا مطلب۔" صلہ نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چھپی شرارت کو وہ سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔

"سوچوں تو ہزاروں خوب صورت لڑکیاں تھیں۔ جو میرے ارد گرد رہتی تھیں۔ اور صرف میرے ایک اشارے کی منتظر تھیں۔ مگر میں یہاں پھنس گیا۔" وہ تاسف سے کہتا۔ کمبل پرے ہٹاتا۔۔۔ بیڈ سے ٹانگیں لٹکائے اٹھنے کی تیاری کر رہا تھا۔

"تو کر لیتے نا۔۔۔ ان ہزاروں خوب صورت لڑکیوں میں سے کسی ایک سے شادی۔۔۔ کیوں پھنسے یہاں۔۔۔" اس نے اٹھتے ہوئے حمدان کا بازو تھام کر اسے اٹھنے سے روکا تھا۔

"ہوں۔۔۔ کر لیتا۔۔۔ پر کیا کرتا۔۔۔ میں یہاں پھنس گیا۔۔۔ میرا دل یہاں پھنس گیا۔۔۔ اور مجھے یہاں محبت ہو گئی تو کیا کرتا پھنسا پڑا یہاں۔۔۔ اب تم ہی بتاؤ کیسے نکلوں اس سحر سے۔۔۔" اس نے اپنے بازو پہ رکھے صلہ کے ہاتھ کو تھام کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ بے ترتیب سی بیٹھی تھی۔ بمشکل خود کو اس پہ گرنے سے روک پائی تھی۔

"بہت برے ہو تم حمدان۔۔۔ شرم کرو کچھ ایک بیٹی ہے ہماری اب۔۔۔" اس سے کوئی بات نہ بن پائی تو یہی کہہ دیا۔"

"ہوں۔۔۔ جانتا ہوں اور میری بیٹی یہ بات اچھی طرح جانتی ہے کہ اس کے پاپا کتنے اچھے ہیں اور اس کی ماما سے کتنی محبت کرتے ہیں اور وہ جانتی ہے کہ اس کی ماما کتنی بری ہیں۔"

اس نے باتوں باتوں میں اس کے گرد اپنا بازو بڑی چالاکی سے پھیلا لیا تھا اور وہ محسوس ہی نہیں کر پائی تھی۔ ورنہ وہ صبح صبح کے اس رومانس سے بہت چڑتی تھی۔

"کیوں! ماما کیوں بری ہیں؟" وہ یقیناً" برا مان گئی تھی۔ کیونکہ سال کے 365 دنوں میں 365 بار تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں اور تم اتنی کنجوس ہو کہ آج تک ایک بار بھی نہیں کہا۔۔۔ ایک بار تو کہہ دو یار!۔" اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی اور صلہ ہمیشہ کی طرح گڑبڑائی تھی کہ کیا کہے اور کیسے کہے لیکن اسے کہنا تھا۔۔۔ اور اسے بتانا تھا کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتی ہے۔۔۔ مگر کیسے کہے۔۔۔"

"بولو نا صلہ۔۔۔ میں سننا چاہتا ہوں۔" وہ اب بھی مصر تھا اور وہ پریشان۔۔۔

"بہت زیادہ۔۔۔ بہت زیادہ محبت کی ہے میں نے تم سے۔۔۔ تمہارے سوچ سے بھی کہیں آگے۔۔۔" یہ صلہ کہہ رہی تھی اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ "یہ سچ ہے حمدان کہ میں نے اپنی زندگی میں اپنے ماں باپ کے علاوہ کسی کو چاہا ہے اور کسی کو پانے کی خواہش کی ہے تو وہ تم ہو۔۔۔ میں سمجھتی تھی کہ محبت لفظوں کی محتاج نہیں ہوتی مگر آج سمجھ آیا کہ تم جیسے بے صبرے شوہر کے سامنے کبھی کبھی کہہ دینا چاہیے۔۔۔" حمدان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"آرام سے حبہ جاگ جائے گی۔۔۔" اس نے تنبیہہ کرنا ضروری سمجھا تھا۔ "اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تم سے محبت میں۔۔۔ میں نے بہت کم کھویا ہے اور بہت زیادہ پایا ہے۔ اور اس بات سے میں مطمئن ہوں۔۔۔ بہت خوش ہوں۔۔۔ مجھے فخر ہے کہ میں نے ایک ایسے انسان سے محبت کی جو محبت کرنا بھی جانتا ہے اور نبھانا بھی اور جسے رشتوں کو نبھانا آتا ہے۔۔۔ اتنا کافی ہے یا اور کہوں۔"

آخر میں وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔ اسے خود یقین نہیں آرہا تھا کہ اس نے اتنی آسانی سے یہ سب کہہ دیا ہے اور حمدان بس دم بخود سا اسے سن رہا تھا۔

"کہتی رہو۔ میں سن رہا ہوں اور ہمیشہ بس یہی سنتے رہنا چاہتا ہوں۔" وہ ذرا سا اس کی طرف جھکا تھا۔ آنکھوں میں وہی چمک تھی اور لبوں پہ وہی جان لیوا مسکراہٹ جو صلہ کو زیر کردیتی تھی۔ اور آج تک کرتی آرہی تھی۔۔۔ اور آج سے اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں تھا کہ وہ واقعی میں دل سے زیر ہوچکی تھی۔۔۔ ہار چکی ہے۔۔۔ حمدان رضا سے۔۔۔

"حمدان۔۔۔ ڈیڈ نیچے انتظار کررہے ہیں۔" صلہ کی یاددہانی نے یقیناً اسے بدمزا کیا تھا۔

"جارہا ہوں یار۔۔۔" وہ سستی سے کہہ کر اٹھ کر فریش ہونے گیا تو صلہ مسکراتے ہوئے نیند میں کسمساتی حبہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"میں نے اپنے حصے کا آسمان پا ہی لیا۔" اس نے حبہ کو تھپکتے ہوئے سوچا تھا۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ ہر انسان کو اس کے حصے کی زمین تو مل ہی جاتی ہے مگر آسمان مشکل سے ملتا ہے۔ حالانکہ خوب صورت تاروں بھرا آسمان تو زندگی کی علامت ہے۔ اور ہر انسان کا حق بھی۔۔۔ رشتے بنانا بہت آسان ہوتا ہے۔ مگر انہیں نبھانا ایک فن ہے۔۔۔ جو کسی۔۔۔ کسی کو آتا ہے۔۔۔ جیسے دوستی جیسا سادہ رشتہ بنانا بہت آسان ہے۔۔۔ لیکن اسے نبھانا بعض اوقات بہت مشکل لگنے لگتا ہے۔۔۔ اسی طرح تمام رشتے ہم سے پورا انصاف مانگتے ہیں اور صلہ اور حمدان نے انہیں نبھانے کا فن بھی سیکھ ہی لیا تھا۔۔۔ اور ہمیں حقیقت میں رشتوں کو اسپیس دینا آنا چاہیے۔۔۔ جیسے ان دونوں کو آتا ہے۔

جیسے مرتضیٰ انکل نے حمدان کو سمجھا اور اسے وہ سب کچھ دیا جس کی توقع وہ صرف اپنے بابا سے کرسکتا تھا۔ مگر مرتضیٰ انکل نے بخوبی اس رشتے کو نبھایا اور یوں حمدان کو ان کی اہمیت اور ان کی محبت کو اپنی زندگی میں جگہ دینی پڑی۔۔۔ جیسے صلہ نے اپنے والدین کو سمجھا۔ ان کے احساسات اور جذبات کو سمجھا اور انہیں وہ سب کچھ دیا جس کی تمام والدین اپنے اولاد سے توقع کرتے ہیں۔۔۔ اس نے ان کی ہر خوشی اور خواہشوں کو حکم سمجھ کر پورا کیا۔۔۔ یوں انہیں صلہ کی محبت کا احساس ہوا اور انہوں نے اس کا موازنہ زویا سے کرنا چھوڑ دیا۔۔۔ اور پھر وقت نے دیکھا کہ صلہ نے کیا کچھ پایا۔۔۔ سب ہی رشتے اہم ہیں۔۔۔ بس انہیں اپنی اپنی جگہ نبھانا آنا چاہیے۔۔۔ اور ان دونوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی پرورش ان ہی خطوط پہ کریں گے ان شاءاللہ۔۔۔ کیونکہ ہر انسان کو اس کے حصے کی زمین کے ساتھ ساتھ آسمان بھی ملنا چاہیے۔۔۔ جیسے صلہ کو ملا حمدان رضا کی صورت۔۔۔

✻ ✻

محترم قارئین

اگر آپ کو ہماری یہ کتاب اچھی لگے تو ہماری حوصلہ افزائی کے لیے

Google پر جا کر Urdu Books سرچ کر کے ہماری ویب سائٹ

www.urdusoftbooks.com کو ایک مرتبہ وِزٹ کر لیں

اگر آپ کو ہماری ویب سائٹ Google کے پہلے پیج پر نظر نہ آئے تو

دوسرے یا تیسرے پیج پر چیک کر لیں،

وہاں آپ کو مزید اچھی کُتب ڈاؤن لوڈ کرنے کو ملیں گی۔ شُکریہ

Google urdu books

All Images Books Videos Apps More Search tools

Page 2 of about 30,100,000 results (0.32 seconds)

Download Urdu Books PDF
www.urdusoftbooks.com/
Download or read online Urdu Books, PDF Books, Urdu Novels, Islamic Books, Computer eBooks, English to Urdu Dictionary, Free Urdu Digest and Magazine.

Urdu Books, Latest Digests, magazines
www.bookstube.net/
download pdf Urdu digests magazines suspense pakiza aanchal ruhani sarguzashat rida dosheeza cooking health naye ufaq jawab e arz kids sports khawatin.

Free E On line PDF Urdu Sindhi Balochi and Islamic Books
iqbalkalmati.blogspot.com/
Is the largest collection of free Urdu Sindhi English and Islamic Pdf Books Urdu Novels Read Online and Download.

Best Urdu Books | PDF Format Free Download
urduvirsa.blogspot.com/
Urdu Novels, Islamic Books, English Books, Umera Ahmad, Faraz Saghar, Allama Iqbal,Free Books Download In Pdf Format...

تنزیلہ ریاض

مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے۔ اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی راپنزل کا کردار ادا کر رہی ہے' اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی راپنزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے' جسے وہ راپنزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراض رہتی ہے اور ان کو سلام کرنا بھی گوارا نہیں کرتی' وہ ابا سے جتنی نالاں اور متنفر رہتی' لیکن ایک بات حتمی تھی کہ امی سے اسے بہت محبت تھی' لیکن اسے محبت کا مظاہرہ کرنا نہیں آتا تھا۔ اس کی زبان ہمیشہ کڑوی ہی رہتی۔ نینا اپنے خرچ مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔

سلیم کے محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ چند سال پہلے میٹرک کا رزلٹ پتا کر کے وہ خوشی خوشی گھر واپس آرہا تھا کہ ایک گاڑی سے اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے اور وہ ایک ٹانگ سے معذور ہو جاتا ہے۔ ذہنی بیمار ہونے کی وجہ سے اس کی ماں نے مثبت قدم اٹھاتے ہوئے محلے میں ایک چھوٹی سی دکان کھلوا دی' سلیم نے پرائیویٹ انٹر کر کے بی اے کا ارادہ کیا۔ سلیم کی غزل احمد علی کے نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہو جاتی ہے' جو اس نے نینا کے ہاتھ بھجوائی تھی۔

صوفیہ کا تعلق ایک متوسط گھر سے تھا۔ وہ اپنی بہنوں میں قدرے دبی ہوئی رنگت کی مالک' لیکن سلیقہ شعاری میں سب سے آگے تھی۔ صوفیہ کی شادی جب کاشف نثار سے ہوئی تو پورے خاندان میں اسے خوش قسمتی کی علامتی مثال بنا دیا
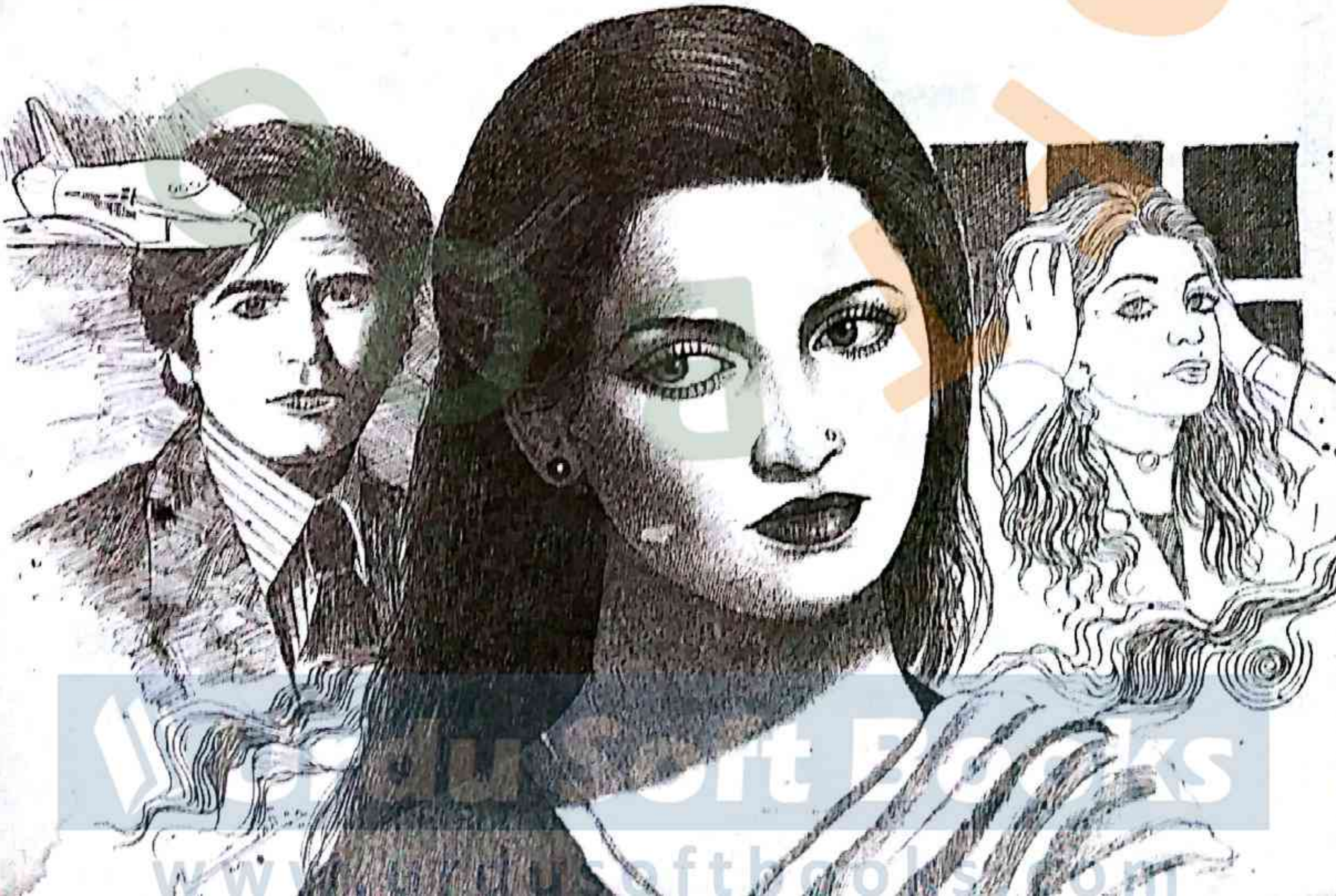
گیا۔ کاشف نہ صرف چلتے ہوئے کاروبار کا اکلوتا وارث تھا' بلکہ وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ کاشف خاندان کی ہر لڑکی اور دوستوں کی بیویوں سے بہت بے تکلف ہو کر ملتا' جو صوفیہ کو بہت ناگوار گزرتا تھا۔ صوفیہ کو خاص کر اس کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی تھی۔ جو بہت خوب صورت اور ماڈرن تھی اور اس کی خاص توجہ کاشف کی طرف رہتی۔ حبیبہ کی وجہ سے کاشف اکثر صوفیہ سے کیے ہوئے وعدے بھول جاتا تھا۔ صوفیہ کے شک کرنے پر کاشف کا کہنا تھا کہ یہ اس کا کاروباری تقاضا ہے۔

بی بی جان' صوفیہ ـــــ کو کاشف سے جھگڑا کرنے سے منع کرتی ہیں' لیکن صوفیہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی اور اکثر و بیشتر کاشف سے بحث کرنے لگتی جو کاشف کو ناگوار محسوس ہوتا۔ صوفیہ پریگننٹ ہوجاتی ہے اور بی بی جان کاشف سے صوفیہ کا خیال رکھنے کو کہتی ہیں۔

شہرین نے ضد کرکے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جاکر سمیع سے شادی تو کرلی' لیکن پچھتاوے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ حالانکہ سمیع اسے بہت چاہتا ہے' اس کے باوجود اسے اپنے گھر والے بہت یاد آتے ہیں اور وہ ڈپریشن کا شکار ہوجاتی ہے اور زیادہ تر پلز لے کر اپنے بیڈ روم میں سوئی رہتی ہے۔ سمیع نے اپنی بیٹی ایمن کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلالیا جو گھر کا انتظام بھی سنبھالے ہوئے تھیں۔ سمیع اور شہرین دونوں ایمن کی طرف سے لاپرواہیں اور ایمن اپنے والدین کی غفلت کا شکار ہو کر ملازموں کے ہاتھوں پل رہی ہے۔ اماں رضیہ کے احساس دلانے پر سمیع غصہ ہوجاتا ہے اور ان کو ڈانٹ دیتا ہے۔ شہرین کے بھائی بہن راستے میں ملتے ہیں اور سمیع کی بہت بے عزتی کرتی ہیں۔

سلیم' نینا سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ نینا صاف انکار کردیتی ہے۔ سلیم کا دل ٹوٹ جاتا ہے' لیکن وہ نینا سے ناراض نہیں ہوتا اور ان کی دوستی اسی طرح قائم رہتی ہے۔ نینا کے ابا بیوی سے' سلیم سے نینا کی دوستی پر ناگواری ظاہر کرتے ہیں اور بیوی سے کہتے ہیں کہ اپنی آپا سے نینا اور سلیم کے رشتے کی بات کریں۔

زری کے نمبر پر بار بار کسی کی کال آتی ہے۔ اور زری ماں سے چھپ کر اس سے باتیں کرتی ہے۔

نینا کی اسٹوڈنٹ رانیہ اسے بتاتی ہے کہ ایک لڑکا اسے فیس بک اور واٹس اپ پر تنگ کررہا ہے "آئی لو یو راپنزل" لکھ کر۔ نینا' سلیم کو بتا کر رانیہ کا مسئلہ حل کرنے کے لیے کہتی ہے۔

حبیبہ کے شوہر مجید کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوجاتا ہے۔ وہ اپنا سارا پیسہ کاشف کے کاروبار میں انویسٹ کردیتی ہے۔ اس کے اور کاشف کے تعلقات بہت بڑھ گئے ہیں۔ کاشف صوفیہ سے چھپ کر حبیبہ سے ملنے جاتا ہے اور صوفیہ کی آنکھوں پر اپنی محبت کی ایسی پٹی باندھ دیتا ہے کہ اسے اس کے پار کچھ نظر آنا ہی بند ہوجاتا ہے۔ حبیبہ کاشف پر شادی کے لیے دباؤ ڈالتی ہے۔ کاشف کے گریز اختیار کرنے پر اپنا روپیہ واپس مانگتی ہے اور یوں پہلی دل فریب کہانی اپنے اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔ کاشف انکار کردیتا ہے۔ حبیبہ غصہ میں کاشف کے تھپڑ ماردیتی ہے۔

شہرین' اماں رضیہ کے توجہ دلانے پر ایمن کی سالگرہ جوش و خروش سے ارینج کرتی ہے۔ سالگرہ کا تھیم "راپنزل" رکھتی ہے۔ سالگرہ والے دن شہرین کی امی اور بہنوں کے کوسنے' طعنے اور بددعائیں سارے ماحول کو داغ دار کردیتی ہیں۔ شہرین سر کے درد کی شدت سے بے ہوش ہوجاتی ہے۔

سلیم کی بہن نوشین باجی کا انتقال ہوجاتا ہے۔ نینا کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بیٹی مہر کو اپنے ساتھ گھر لے آئے' لیکن اس کی دادی ان لوگوں کو مہر سے ملنے سے منع کردیتی ہیں۔

کاشف کے تعلقات رخشی سے بڑھنے لگتے ہیں جو ایک ناکام اداکارہ ہے۔ وہ کاشف کو فلم بنانے کے لیے آمادہ کرلیتی ہے اور اس چکر میں کاشف سے بہت سا پیسا وصول کرلیتی ہے۔ رخشی کے مزید رقم مانگنے پر کاشف کا رخشی سے بھی جھگڑا ہوجاتا ہے۔ رخشی اخبار میں بیان دیتی ہے اور اس کی فوری گرفتاری کی اپیل کرتی ہے۔ اس خبر کو پڑھ کر صوفیہ کا بلڈ پریشر شوٹ کرجاتا ہے اور وہ ایک مردہ بچے کو جنم دیتی ہے۔

شہرین کو برین ٹیومر ہوجاتا ہے اور سمیع اس کی بیماری سے بہت پریشان ہے۔

اب آگے پڑھیے۔

گیارہویں قسط

"میں تمہیں دکھ نہیں دینا چاہتا تھا شہرین" سمیع نے بیڈ پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے روکھے انداز میں کہا تھا۔
شہرین بالکل چپ تھی۔ ساس سے اپنی بیماری کے متعلق سن لینے کے بعد وہ گھر میں رپورٹس ڈھونڈتی رہی تھی جو اسے نہیں ملی تھیں۔ اس نے کوئی واویلا نہیں مچایا تھا اور نا ہی جذباتی ہو کر آنسو بہائے تھے۔ یہ اماں رضیہ تھیں جنہوں نے روتے ہوئے سمیع کو گھر بلوایا تھا۔
"تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے سمیع... میں جانتی ہوں تم نے کبھی ایسا نہیں چاہا..." وہ سادہ سے انداز میں بولی تھی۔
دل کی یہ حالت تھی کہ دھڑکن بے قابو سی ہوتی محسوس ہوتی تھی۔ اگر سمیع اسے یہ بات پہلے بتا دیتا تو وہ اس بات کو برداشت کرنے میں زیادہ ہمت صرف کرتی لیکن اب یہ انکشاف بم کی طرح اس کے سر پر پھٹا تھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ اسے ری ایکٹ کیسے کرنا چاہیے۔
"تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا سمیع... مجھے پتا ہونا چاہیے تھا... مجھے کچھ تو پتا ہونا چاہیے تھا" اس نے سمیع کو دیکھتے ہوئے کہا تھا اور سمیع کے پاس اس کے اس شکوے کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ زندگی میں لاچاری کے اس مقام تک کبھی نہیں آیا تھا کہ الفاظ اور ان کا انتخاب اس کے لیے مسئلہ بنے ہوں۔
"کیا میں مرنے والی ہوں سمیع...!" اس نے اسی انداز میں سوال کیا تھا۔ سمیع سے صبر نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا تھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ شہرین کچھ نہیں بولی تھی۔ سمیع کے بے بس آنسو جیسے اسے بہت کچھ باور کروا گئے تھے۔
"کتنا وقت ہے میرے پاس..." اس نے چند لمحوں بعد پوچھا تھا۔
سمیع نے اپنا چہرہ صاف کیا اور پھر دوبارہ سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ شہرین اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت دن سے سمیع کو بے چین دیکھ رہی تھی، اس سے بار بار اس بے چینی کی وجہ جاننے کے لیے اصرار کر رہی تھی۔ وہ خود بھی مسلسل سوچتی رہتی تھی کہ ایسا کیا ہوا ہے اس کی زندگی میں کہ وہ بدلا بدلا سا نظر آتا ہے اور اب جیسے اسے سب کچھ سمجھ میں آگیا تھا۔ سمجھ میں آگیا تھا تو دل میں اس شخص کے لیے عزت اور محبت کئی گنا مزید بڑھ گئی تھی۔ اسے فخر ہوا تھا اپنے آپ پر کہ اسے اتنا چاہنے والا قدر کرنے والا جیون ساتھی ملا تھا۔
"سمیع... تم پریشان مت ہو... یقین کرو مجھے مرنے کا ذرا بھی غم نہیں ہوگا... کیونکہ مجھے یقین ہے کہ میرے مرنے کے بعد ایک شخص ایسا ہوگا جو میرے لیے ہمیشہ دعائیں کرتا رہے گا اور مجھے یاد رکھے گا... کون ہوگا میرے جیسا خوش قسمت... جسے یہ یقین ہو... تم میرے لیے مت رووٴ... تم اگر میرے ساتھ ہو تو میں خوشی خوشی مرنے کو تیار ہوں" وہ واقعی پوری دلجمعی کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ سمیع نے پوری شدت سے نفی میں سر ہلایا۔
"ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا... مرنے مارنے کی بات مت کرو... اتنا علم تو کسی کے پاس بھی نہیں کہ وہ کسی انسان کے مرنے کے بارے میں بتا سکے... تمہیں کچھ نہیں ہوگا... میں تمہیں کچھ ہونے نہیں دوں گا" وہ محبت سے چور لہجے میں بولا تھا۔ شہرین نے استہزائیہ انداز میں ہنسنے کی کوشش کی لیکن اس سے ہنسا نہیں گیا تھا۔ اسے فی الوقت کوئی تکلیف نہیں تھی لیکن اس بیماری کا انکشاف ہی دہلا دینے کو کافی تھا۔
"تم جو کہہ رہے ہو اگر یہی سچ ہوتا... تو اتنے دن سے تم اس طرح بے چین نا ہوتے سمیع..." شہرین کی بات سمیع نے کاٹ دی تھی۔
"نہیں شہرین... یہ بات نہیں ہے... اللہ قسم یہ بات نہیں ہے... میں اس بات سے پریشان نہیں ہوں... دراصل کینسر کا لفظ ہی جان نکال لینے کو کافی ہے... میں اس تکلیف کے متعلق سوچ سوچ کر پریشان ہوں جو تمہیں اس بیماری سے چھٹکارا حاصل کرنے میں سہنی پڑے گی... کینسر کا علاج بہت تکلیف دہ ہوتا ہے... میں تمہیں

ملنے والی تکلیف کا سوچ سوچ کر بے چین ہوں شہرین۔۔۔ میں نے تمہیں ہر تکلیف سے دور رکھنے کے لیے کیا کیا جتن کیے۔۔۔ اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا۔۔۔ خاندان کو چھوڑ دیا۔۔۔ وہ شہر علاقہ گلی محلہ چھوڑ دیا جہاں رہنے سے تمہیں بے سکونی ہوتی تھی۔۔۔ لیکن پھر بھی نجانے کیوں اللہ نے یہ دن دکھایا۔۔۔ کاش تمہارے بجائے یہ تکلیف میرے حصے میں آجاتی۔۔۔ کاش خدا نے مجھے اس تکلیف کے لیے چنا ہوتا۔۔۔ لیکن۔۔۔ میری دعاؤں میں اثر ہوتا تو یہ دن دیکھنا ہی کیوں پڑ رہا ہوتا شہری۔۔۔ میری دعاؤں میں اثر کیوں نہیں ہے۔۔۔ کیا میں نے خدا کو اتنا ناراض کر دیا ہے۔"

وہ اپنی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو صاف نہیں کر رہا تھا۔ اس نے بہت دن تک یہ آنسو شہرین سے چھپائے تھے اور اپنی اس کوشش میں وہ بے حال ہوتا رہا تھا۔ اس کے اندر اب مزید ہمت نہیں رہی تھی۔ اتنے دن سے بس وہ یہی سب سوچ رہا تھا۔ ایک عام انسان کی طرح حالات کے بدلتے ہی اس کے دل میں قدرت کے لیے بے پناہ شکوے پیدا ہونے لگے تھے۔ شہرین نے نفی میں سر ہلایا۔

"سمیع ایسے مت کہو۔۔۔ یقیناً" اس میں ہمارے لیے کوئی بہتری ہوگی۔۔۔ اور میں تو یہ سوچ کر بھی مطمئن ہوں کہ کچھ ڈائگنائز تو ہوا۔۔۔ ورنہ تو اتنی تکلیف کے باوجود سب ڈاکٹرز یہی کہتے تھے کہ ڈپریشن ہے ٹینشن ہے۔۔۔ اب یہ تو پتا چلا کہ اس سر درد اور چکروں کی وجہ کیا ہے۔۔۔ اب کم از کم علاج تو صحیح سمت میں ہوگا۔" شہرین نے اسی بجھے بجھے انداز میں کہا تھا۔ سمیع بھی جانتا تھا کہ یہ دل کو بہلانے کو دی گئی ایک بودی سی دلیل ہے۔ وہ مایوسی کی اس انتہا تک کبھی نہیں پہنچا تھا۔ چاہنے کے باوجود وہ اس وقت شہرین کو کوئی تسلی نہیں دے پا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"نینا۔۔۔ بات سنو۔۔۔" وہ تقریباً" نیند کی وادی میں اترنے کو تھی جب زری نے اس کا کندھا ہلایا۔ اس نے ناگواری بھرے انداز میں اس کی جانب دیکھا اور پھر گھڑی کی طرف دیکھا۔ دس نہیں بجے تھے ابھی۔۔۔ لیکن وہ چونکہ صبح کی اٹھی ہوئی تھی تو اسے اتنے بجے تک سخت نیند آنے لگتی تھی۔

"کیا آفت آگئی۔۔۔ مجھے پتا ہے بیلنس ختم ہو گیا ہوگا۔۔۔ لیکن میں کارڈ نہیں لا کر دے رہی۔۔۔ بہت تھک گئی ہوں نیند بھی آرہی ہے۔" اس نے کروٹ بدلی تھی۔ زری کو اس سے ایسے ہی کام پڑتے رہتے تھے۔

"نینا اٹھو تو سہی۔۔۔ پلیز۔" زری نے پھر پکارا تھا اور ساتھ ہی اس کے منہ پر پڑا لحاف کھینچا۔ نینا نے ناگواری سے آنکھیں کھولی تھیں۔ اسے واقعی بہت نیند آرہی تھی۔

"یار۔۔۔ وہ میرا موبائل پڑا ہے میز پر۔۔۔ اسی نوے روپے ہوں گے اس میں۔۔۔ ٹرانسفر کر لو خود ہی۔۔۔" وہ اکتا کر بولی تھی۔ زری کو بڑا برا لگا۔ اس نے لحاف چھوڑ دیا اور پھر اپنے بیڈ کی سمت جاتے ہوئے بولی۔

"تم بہت بری ہو نینا۔۔۔ کبھی تو کام پڑنے پر کام آجایا کرو۔" زری کے انداز میں ناراضی سے زیادہ شکوہ تھا۔ نینا نے آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا۔

"کام ہی تو آرہی ہوں۔۔۔ کہہ تو رہی ہوں۔۔۔ میرا موبائل استعمال کر لو۔" اس نے دوبارہ پیشکش کی تھی۔

"تمہیں کس نے کہا کہ مجھے موبائل یا بیلنس چاہیے۔۔۔ انسان نے کوئی ضروری بات بھی کرنی ہو سکتی ہے۔۔۔ تم ہی میری بہن ہو۔۔۔ میں نے اگر کوئی مشورہ کرنا ہے تو کس سے کروں میں۔۔۔ میں تمہاری طرح یونیورسٹی تو نہیں جاتی نا کہ اپنی فرینڈز سے باتیں کر لوں۔۔۔ مجھے تو تم سے ہی باتیں کرنی ہیں نا۔۔۔ اور پھر بہت ساری باتیں تو انسان صرف اپنی بہن سے ہی کر سکتا ہے نا۔" زری نے ایموشنل بلیک میلنگ کا سہارا لیا تھا۔ نینا کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ زری اس قسم کے جذباتی ڈائیلاگ بولنے کی عادی تو تھی لیکن آج اس کا انداز کچھ زیادہ ہی دکھی سا تھا۔ زری کو کچھ عجیب لگا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"اچھا اچھا زیادہ ملکہ جذبات نا بنو... بتاؤ کیا ہوا ہے... تمہارا ناخن ٹوٹ گیا ہے یا تمہارے چہرے پر کوئی پمپل نکل آیا ہے۔" اپنے بالوں کو لپیٹ کر کیچو لگاتے ہوئے وہ ناک چڑھا کر پوچھ رہی تھی۔ یہ طنز نہیں تھا، معمول کا مذاق تھا جو وہ زری سے کرتی رہتی تھی، لیکن زری نے انتہائی برا منہ بنا کر اس کی جانب دیکھا۔

"اس سے بہتر ہے تم سو ہی جاؤ... میں خود ہی کرلوں گی اپنے لیے کچھ... تم بس سلیم اور مہر کے لیے سوشل ورک کرتی رہو... حمزہ اور برکت کی پڑھائی کے لیے پریشان رہو... یا اپنے دوسرے اسٹوڈنٹس کے لیے نوٹس بناتی رہو... تمہاری بلا سے تمہاری بہن بھاڑ میں جائے۔" وہ بجھے ہوئے انداز میں بولی تھی۔ اس کا لہجہ آخری الفاظ ادا کرتے کرتے کچھ گلوگیر بھی محسوس ہونے لگا تھا۔ نینا کو اس کے انداز میں کچھ نیا پن محسوس ہوا تھا۔ اسے شرمندگی بھی ہوئی۔ ہمیشہ مشکل پڑنے پر زری واقعی اس کی مدد کو آگے آجاتی تھی۔ بے وقت اس کے لیے کھانے کو کچھ اسپیشل بنانا ہوتا یا عین وقت پر کوئی شرٹ سلائی کرنے کا معاملہ ہوتا، زری اس کے کام آتی تھی جبکہ نینا کو نخرے کرنے کی عادت تھی۔ وہ دل نا چاہنے پر اس کی شکل دیکھنے سے بھی انکار کردیتی تھی۔ وہ اٹھ کر اس کے بیڈ پر آ گئی تھی۔

"تم تو ناراض ہی ہوگئی جان من... اچھا چلو غصہ تھوک دو... میں ذرا نیند میں تھی نا... اس لیے... بولو... لیکن ایک بات میں پہلے ہی بتا دیتی ہوں... میرے پاس ابھی تک تمہارے ہونے والے دولہا کا سیل نمبر نہیں آیا ہے... اس کی بہن نے کافی باتیں کیں مجھ سے... لیکن پہلی ملاقات میں اس کے بھائی کا سیل نمبر مانگنا اچھا تو نہیں لگتا تھا نا... وہ مجھے کوئی آوارہ لڑکی سمجھتے ہوئے تمہارا رشتہ لینے سے انکار کردیتی تو..."

"تو اچھا ہی ہوتا... جان چھوٹ جاتی میری..." زری اس کی بات کاٹ کر چڑ کر بولی تھی۔ نینا نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی سوال کرتی زری بولی تھی۔

"نینا، تم امی سے کہہ دو... مجھے اس لڑکے سے شادی نہیں کرنی۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولی تھی۔ نینا کی چھٹی حس یکدم جاگی تھی۔ اسے جیسے آدھی کہانی سمجھ میں آنے لگی تھی۔

"کیوں... کیا بہت برا ہے؟" مشکل یہ تھی کہ نینا کو سنجیدہ صورت حال میں بھی سنجیدہ ہونے میں ذرا وقت لگتا تھا۔ وہ مزاحیہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"نینا... پلیز مذاق بند کرو میں نے اسے نہیں دیکھا... اور میں اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔ تم بس امی سے کہہ دو کہ مجھے اس سے شادی نہیں کرنی۔" وہ ضدی لہجے میں بولی تھی۔ ضد کبھی بھی زری کا ڈیپارٹمنٹ نہیں رہا تھا۔ وہ تو امی ابا کے اشاروں پر بہت آرام سے چلنے کو تیار رہتی تھی۔ نینا کو سنجیدہ ہونا ہی پڑا۔

"وہ تو نو پرابلم... میں کہہ ہی دوں گی... لیکن مجھے ساری بات پتا ہونی چاہیے... اس سے شادی نہیں کرنی... تو "کس" سے کرنی ہے۔" وہ سارا زور آخری جملے پر لگاتے ہوئے استفسار کررہی تھی۔ زری کی اس درجہ ضد کی یقیناً "یہی وجہ" تھی۔ نینا کافی پریشان ہوگئی تھی۔ ابا اتنے بھی ماڈرن نہیں ہوئے تھے ابھی کہ بیٹیوں کے رشتے اس طرح سے طے کردیتے۔ معاملہ کافی گمبھیر ہو رہا تھا۔ زری نے بھی انکار نہیں کیا تھا۔

"اس کا نام اظفر ہے" زری نے بغیر کسی جھجک کے ایک نام لیا تھا۔ نینا سے ایک لمحے کے لیے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

☆ ☆ ☆

"مجھے ایک ایسے شخص کی مدد درکار تھی، جو مجھ پر بھروسا کرتے ہوئے اپنا سرمایہ بغیر کسی سخت شرائط کے میرے حوالے کردیتا... صوفیہ ایسا شخص گلف میں ڈھونڈنا ممکن نہیں ہے... حبیبہ کے ساتھ میرے... میرا مطلب

ہمارے خاندان کے اچھے روابط ہیں۔۔۔ اور پھر حبیبہ دل کی بری نہیں ہے۔۔۔ تم اگر شک اور تعصب کی عینک اتار کر دیکھو تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ وہ بہت اچھی عورت ہے۔۔۔ ہر مشکل گھڑی میں میری کام آئی ہے۔۔۔ اب بھی ایک کروڑ دیا ہے اس نے مجھے۔۔۔ اور یہ فلیٹ بھی حبیبہ کا ہی ہے۔۔۔ مجھے پریشان دیکھ کر خود ہی کہنے لگی کہ صوفیہ اور زرمین کو بلوا رہے ہو تو یہاں ٹھہرا لو۔۔۔ تین مہینے تک کوئی کرایہ نہیں لے گی مجھ سے۔۔۔ حتیٰ کہ ویزا اور ٹکٹوں کا سب انتظام اس نے خود کیا ہے۔۔۔ ایسے ظرف والی عورت تو میں۔۔۔ میرا مطلب ہم چراغ لے کر بھی ڈھونڈیں تو نا ملے۔۔۔ تم پلیز اس کی جانب سے اپنا دل صاف کر لو۔۔۔" کاشف نے اس کا ہاتھ تھام کر محبت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

صوفیہ تو حبیبہ کو دیکھ ہکا بکا ہی رہ گئی تھی۔ اس نے ان سب کے ساتھ ہی کھانا کھایا تھا اور اس دوران وہ زری سے اور اس سے ہلکی پھلکی باتیں کرتی رہی تھی۔ کھانے کے بعد اسی نے چائے بنائی تھی اور وہ سب اتنے استحقاق سے کر رہی تھی کہ صوفیہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس گھر میں اس کا روز کا آنا جانا ہے۔ اس کا دل بالکل ٹوٹ گیا تھا۔ کوشش کے باوجود وہ اپنی ناگواری چھپا نہیں پائی تھی۔

حبیبہ کافی دیر ٹھہرنے کے بعد واپس گئی تھی اور اس کے جانے کے بعد بھی صوفیہ بجھی بجھی سی تھی۔ زرمین کو سلا کر جب وہ سونے کے لیے لیٹی تھی تو کاشف نے بہت محبت سے حبیبہ کی وہاں موجودگی کی وضاحت کر دی تھی۔ اس وضاحت کے بعد وہ اس سے اپنی باتیں کرنے لگا تھا کہ وہ اسے اور زرمین کو کتنا یاد کرتا رہا ہے۔ اور وہ کس قدر خواہش مند تھا کہ وہ دونوں تین مہینے کے لیے اس کے پاس ضرور آئیں۔۔۔ صوفیہ جس قدر خوش خوش یہاں آئی تھی۔ تین مہینے کی اس گردان اور پھر اپنی سب سے بڑی حریف کو یہاں دیکھ کر اس کی ساری خوشی ماند پڑ گئی تھی۔ قسمت اس کے ساتھ اچھا نہیں کر رہی تھی۔

٭ ٭ ٭

"کیا شادی کرنے کے لیے صرف نام کافی ہوتا ہے؟" نینا نے سوال کیا تھا۔ زری نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بغاوت تھی اور نینا کو یہ بغاوت پسند نہیں آئی۔ بے شک زری اس سے اڑھائی تین سال بڑی تھی لیکن اس نے ہمیشہ اسے برابر کی ہی سمجھا تھا اور اس کا کریڈٹ زری کو ہی جاتا تھا۔ وہ نینا کو چھوٹی بہن کی بجائے بڑی بہن کی طرح ٹریٹ کرتی آئی تھی۔

"نینا باقی سب باتیں تو بعد کی ہیں۔۔۔ فی الحال تو تم امی سے کہو کہ وہ اس رشتے سے انکار کر دیں۔۔۔ مجھے نہیں شادی کرنی کسی قطری شہزادے سے۔" وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔

"اچھا فرض کر لو کہ میں یہ امی کو تمہارا پیغام دے بھی دوں۔۔۔ اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ ابا تمہارا یہ مطالبہ مان لیں گے۔۔۔" زری نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔

"ابا کی فکر مت کرو۔۔۔ ان کو میں منا لوں گی۔۔۔ وہ میری بات سے کبھی انکار نہیں کریں گے۔۔۔ یہ رشتہ امی کے توسط سے آیا ہے۔ امی چاہیں تو فوراً" انکار کر سکتی ہیں۔۔۔ اور میرا نہیں خیال کہ امی ابا اتنے قدامت پسند ہیں کہ بیٹی کا رشتہ اس کی مرضی کے بغیر طے کر دیں گے۔۔۔ تم سے اس لیے کہہ رہی ہوں کہ میں خود سے یہ بات شروع کروں گی تو ہو سکتا ہے امی برا مان جائیں۔۔۔ تم بس ایک بار ان تک یہ بات پہنچا دو۔"

زری کا اعتماد کافی حد تک بحال ہو چکا تھا۔ اب وہ بہت اطمینان سے سب باتیں کر رہی تھی۔ اس نے خود ہی ساری باتیں سوچ کر رکھی ہوئی تھیں۔ نینا کو بھی احساس تھا کہ یہ معاملہ مذاق یا طنز کرتے رہنے سے حل نہیں ہونے والا سو وہ بھی سنجیدہ ہو گئی تھی۔

"میں تمہاری بات امی تک پہنچادوں گی لیکن مجھے بھی تو کچھ پتا ہونا.... بہن ہوں تمہاری.... مجھ سے نہیں شیئر کروگی تو کس سے کروگی؟" اس نے بالکل اسی کا انداز اپنا کر کہا تھا۔ زری کے چہرے پر مسکراہٹ سی چمکی۔
"اس کا نام اظفر ہے.... ہماری بات چیت ایف بی پر شروع ہوئی تھی۔ وہ ایک گروپ میں شاعری وغیرہ پوسٹ کیا کرتا تھا.... مجھے اس کی پوسٹ اچھی لگتی تھیں سو میں لائک کرتی رہتی تھی.... پھر آہستہ آہستہ ہمارے درمیان ان باکس پر باتیں ہونے لگ گئیں.... وہ بہت ڈیسنٹ سا لڑکا ہے.... عام لڑکوں کی طرح چھچھورا سا نہیں ہے، کبھی بھی کوئی فضول یا اخلاق سے گری ہوئی بات نہیں کرتا.... پتا ہی نہیں چلا کب اس کی شاعری کو پسند کرتے کرتے میں اسے پسند کرنے لگ گئی.... وہ بھی مجھے پسند کرتا ہے.... ہمارے درمیان فون نمبرز ایکسچینج ہوگئے.... واٹس ایپ پر باتیں ہونے لگیں.... ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہوچکے ہیں نینا.... میں اس کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گی نینا۔" اس کے انداز میں وہی ہٹ دھرمی چمکی جو اس کی طبیعت میں کبھی بھی نہیں رہی تھی۔
"اس سے بھی پوچھا ہے.... وہ بھی تم سے شادی کرے گا یا....؟" نینا نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"وہ بہت محبت کرتا ہے مجھ سے.... جتنی محبت میں اس سے کرتی ہوں۔ اس سے کہیں زیادہ وہ مجھ سے کرتا ہے.... کل سے کھانا نہیں کھایا اس نے.... کہتا ہے جب تک اس قطر والے رشتے کو انکار نہیں کروگی.... کچھ نہیں کھایا جائے گا مجھ سے...." زری ذرا سا شرما کر اور اترا کر بولی تھی۔
"اچھا تو نام اور فون نمبر کے علاوہ بھی کوئی معلومات ہیں اس کے بارے میں.... یا پھر...." نینا نے بدقت اپنی اکتاہٹ چھپا کر ایک بار پھر ادھورا جملہ بولا تھا۔
"سب معلومات ہیں.... میں بتا تو رہی ہوں تمہیں.... اس کا نام اظفر ہے.... اس کی فیملی تو کہیں جھنگ وغیرہ میں رہتی ہے شاید.... خود یہاں لاہور میں ہی رہتا ہے.... جاب کرتا ہے.... اچھی جاب ہے.... گاڑی وغیرہ بھی ہے اس کے پاس۔" زری پرجوش لہجے میں بولی تھی۔
"ماشاءاللہ.... بہت معلومات اکٹھی کرلیں تم نے تو.... اب یہ بتاؤ کہ جاب کس کمپنی میں ہے، کہاں رہتا ہے۔ جھنگ میں اس کی فیملی کہاں رہتی ہے.... ذات برادری کیا ہے اور باقی ضروری باتیں۔" نینا نے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

"نینا یہ سب تو نہیں پتا نا مجھے.... اتنی پرسنل باتیں تو نہیں پوچھ سکتی نا میں اس سے۔" زری ناگواری سے بولی تھی۔

"سبحان اللہ.... تو پھر یوں کہو نا کہ تمہاری معلومات بس شرٹ کے کالر سائز اور جوتے کے نمبر تک ہی محدود ہیں.... ایسے رشتے ہوتے ہیں بھلا...." وہ اسے جھاڑ کر بولی۔
"میں نے کہا نا نینا تم نہیں سمجھوگی.... محبت میں باقی ہر بات غیر ضروری ہوجاتی ہے.... یہ وہ جذبہ ہے جو کچھ سوچنے ہی نہیں دیتا.... میرے لیے تو بس یہ احساس ہی کافی ہے کہ جس سے میں محبت کرتی ہوں.... وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے.... میں اب کسی اور سے شادی نہیں کرسکتی نینا.... میں تو مرجاؤں گی اس کے بغیر۔"
نینا نے گہری سانس بھری۔ اسے ہمیشہ ایسی باتیں کرنے والی لڑکیوں پر غصہ آجایا کرتا تھا لیکن اب اس کے سامنے اس کی بہن بیٹھی تھی اور جس طرح کی ہٹ دھرمی اس کی آنکھوں میں جھلک رہی تھی، وہ نینا کو مزید کچھ کہنے سے روک رہی تھی۔
"مجھے یہ بتاؤ کہ میں تمہارے لیے کیا کرسکتی ہوں.... میرا نہیں خیال کہ میں اب تمہارے لیے کچھ کرسکتی ہوں.... تمہارا مرض لاعلاج ہوتا نظر آرہا ہے مجھے۔" وہ بنا مسکرائے بولی تھی، لیکن زری کے چہرے پر مسکراہٹ چمکنے

گی۔

"تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔۔۔ تم بس یہ کرو کہ میرا ساتھ دو۔۔۔ امی کو بولو کہ وہ اس رشتے سے انکار کر دیں۔"

"زری میں تمہارا ساتھ دوں گی' لیکن میرا مشورہ مانو کہ پہلے اس لڑکے سے ساری معلومات حاصل کرو۔۔۔ بالخصوص اس کی فیملی اور ویئرا باؤٹس (اتا پتا) کے متعلق۔۔۔ اور کیا وہ تم سے صرف فلرٹ تو نہیں کر رہا۔ اس سے صاف صاف پوچھو کہ اپنی فیملی کو لائے گا ہمارے یہاں رشتہ مانگنے۔۔۔ شادی کرے گا نا تم سے؟" نینا نے دوٹوک لہجے میں پوچھا تھا۔ زری نے پھرناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں اسے دیکھا۔

"آف کورس کرے گا نینا۔۔۔ کہہ تو رہی ہوں اس نے صرف یہ سن کر دو دن سے کھانا نہیں کھایا کہ میرا کوئی رشتہ آیا ہوا ہے۔۔۔ وہ فلرٹ نہیں ہے نینا محبت کرتا ہے مجھ سے" زری برامان کر بولی تھی۔

"یہ بات اس نے اپنے منہ سے کہی ہے تم سے؟" نینا کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ زری نے گہری سانس بھری۔

"نینا محبت میں کہنا سننا ضروری نہیں ہوتا۔۔۔ کچھ باتیں خود بخود سمجھ میں آجاتی ہیں۔۔۔ تم اس بات کے لیے پریشان مت ہو۔۔۔ کرے گا وہ مجھ سے شادی بس تم صرف امی کو کہہ کر اس رشتے سے تو انکار کرواؤ۔"

"کروں گی بات امی سے صبح۔۔۔ لیکن یاد رکھو جب تک تم مجھے اس کے متعلق ساری معلومات نہیں دو گی۔۔۔ میں تمہارا ساتھ نہیں دے پاؤں گی اور اس بات کا بھی یقین کر لو زری کہ میں تمہاری بہن ہوں۔۔۔ کبھی بھی تمہاری بھلائی کے برخلاف کوئی بات نہیں کروں گی۔۔۔ ہمیشہ تمہارا اچھا ہی چاہوں گی۔" نینا نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس کی چھٹی حس اسے مسلسل کچھ سگنل دینے لگی تھی۔ زری خوش ہو کر اس کے گلے سے لگ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"میری عمر بھی تمہیں لگ جائے میری بچی" اماں رضیہ نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے اسے زندگی کی دعا دی تھی۔ وہ بجھے ہوئے انداز میں مسکرائی۔ جب تک لاعلم تھی تب تک احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ اماں رضیہ آج کل کچھ الجھی الجھی سی لگتی ہیں۔ اب جب سب جانتی تھی تو احساس ہوا تھا کہ وہ اس کے لیے پریشان نظر آتی تھیں۔ ان کی دعائیں اس کی وجہ سے لمبی ہونے لگی تھیں۔ وہ کیوں ہمہ وقت اس کے کھانے پینے کے لیے پہلے سے زیادہ پریشان رہنے لگی تھیں۔

"اماں آپ کے بڑے احسان ہیں مجھ پر۔۔۔ نا صرف مجھ پر بلکہ سمیع پر بھی۔۔۔ آپ نے کبھی ہمیں یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ ہمارے بڑے ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔۔۔ آپ کی دعائیں ہمیشہ ہمارے ساتھ رہی ہیں۔" وہ ان کا ہاتھ تھام کر بولی تھی۔

"تم مانو یا نا مانو میری بیٹی۔۔۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ مجھ بوڑھی عورت کو جس قدر عزت اور پیار اس گھر سے ملا ہے۔ کہیں اور سے نہیں ملا۔۔۔ اللہ کا احسان ہے کہ خاندان میں محبت تو ملی ہے سب سے۔۔۔ سب قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔۔۔ لیکن جو قدر تم نے اور سمیع نے میری کی ہے اتنی تو کوئی سگی اولاد بھی دی ہوتی قدرت نے تو شاید نا کرتی۔۔۔ ماں کو اپنے بچوں سے جانے کیسی محبت ہوتی ہوگی۔۔۔ میں نہیں جانتی' میرے بچے ہی نہیں ہوئے لیکن تم دونوں سے بے حد محبت ہے مجھے۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ تم لوگ قابل محبت ہو۔" اماں رضیہ نے محبت سے مغلوب ہو کر اسے اپنے سینے سے لگایا تھا۔

وہ اور سمیع کل صبح لاہور جا رہے تھے۔ ایمن کو گھر میں ہی اماں رضیہ کے ساتھ رہنا تھا۔ سمیع کا کہنا تھا کہ وہ باقی

کالا ئحہ عمل لاہور جاکر پلان کرے گا۔ اماں اس کی پیکنگ کر رہی تھیں' لیکن شہرین خود کو بہت مجبور اور بے بس محسوس کر رہی تھی۔

"اماں بس اس محبت کا واسطہ دے کر آپ سے ایک آخری فیور چاہتی ہوں.... ایک آخری التجا جو میں کسی سے نہیں کر سکتی.... لیکن چونکہ آپ میری ماں بھی ہیں اور سہیلی بھی ہیں.... آپ میری بات کا مان رکھیں گی۔" وہ تمہید باندھ رہی تھی۔

"میری بچی شرمندہ مت کرو.... نمک کھایا ہے اس گھر کا.... بڑی عزت بخشی ہے تم لوگوں نے مجھے.... ماں کہتے ہی نہیں ہو' سمجھتے بھی ہو.... اللہ تم پر کرم کرے.... تمہیں آسانی دے.... ہر مشکل سے بچائے' بتاؤ میری بچی.... مجھ بوڑھی کے بس میں جو ہو گا ضرور کروں گی۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولی تھیں۔

"اماں.... مجھے اگر کچھ ہو گیا تو پلیز میری ایمن کو سنبھال لیجئے گا.... بڑی بد قسمت بچی ہے میری.... ننھیال والوں کا پیار ملا' نا ددھیال والوں کا.... اور ماں ملی تو مجھ جیسی ناکارہ.... جس نے کبھی گود میں لے کر لاڈ تک نا اٹھائے.... آپ ہی ہیں جو اسے یہاں تک لائی ہیں.... آپ کے حوالے ہے میری بچی.... میرے بعد میری بچی کو ایسے ہی محبت سے رکھیے گا اماں رضیہ جیسے اب تک میری موجودگی میں رکھتی آئی ہیں.... آپ کا احسان ہو گا میری ذات پر۔" شہرین نے سوچا تھا وہ یہ بات اماں رضیہ سے کرے گی تو روئے گی نہیں.... بلکہ اس نے دل ہی دل میں تہیہ کیا تھا کہ وہ کسی کے سامنے بھی نہیں روئے گی.... لیکن انسان تھی.... نہیں سنبھالا جا رہا تھا اپنے غم کا بوجھ.... دل و دماغ میں بس ایک ہی سوال گونج رہا تھا.... "یہ سب میرے ساتھ ہی کیوں...."

"اللہ تمہیں دونوں جہانوں کی خوشیاں دے.... میری عمر بھی تمہیں لگ جائے.... کچھ نہیں ہو گا میری بچی تمہیں.... میں دن رات اپنے رب سے تمہارے لیے دعائیں کر رہی ہوں۔ روزانہ عشا کے بعد آیت کریمہ کا ورد شروع کیا ہے.... یہ بے حد جلالی عمل ہے۔ اللہ سوہنا ضرور سنے گا ہماری۔" وہ اسے تسلی بھی دے رہی تھیں اور رو بھی رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"کیا کہا.... شادی نہیں کرنا چاہتی.... کیوں.... یہ کیا بات ہوئی بھلا؟" امی اس کے لیے چائے کے کپ میں چینی مکس کر رہی تھیں' جب اس نے زری کا پیغام بہت ڈھکے چھپے الفاظ میں ان تک پہنچانے کی کوشش کی۔ حسب معمول امی کے لیے یہ انکشاف نا صرف حیران کن تھا بلکہ ناقابل قبول بھی.... کبھی کبھی نیناں کو لگتا تھا محبت کے معاملے میں وہ بالکل امی کے جیسی ہے۔ اسے اور امی دونوں کو ہی اس انقلابی افلاطونی محبت سے چڑ ہوتی تھی۔ امی تو ایسے سیریلز کو دیکھ کر بھی غصہ کرنے لگتی تھیں جس میں کوئی لڑکا یا لڑکی محبت کے چکر میں پڑ کر گھر بار بھول بیٹھتے تھے۔

"اس نے گھر بیٹھے ہی پر پرزے نکال لیے ہیں.... اور میں خواہ مخواہ تمہیں یونیورسٹی بھیجتے ہوئے ڈر رہی تھی۔" امی نے ایک ساتھ ان دونوں کو طعنہ دیا تھا۔ نیناں نے ناک چڑھا کر انہیں دیکھا۔

"مجھے یا یونیورسٹی کو اس معاملے میں کیوں گھسیٹ رہی ہیں.... میری فکر مت کریں.... میں نے تہیہ کر رکھا ہے۔ شادی صرف آپ کی مرضی سے کروں گی.... پر ہر ہفتے اس اللہ کے بندے سے لڑ کر آپ کے پاس آجایا کروں گی.... پھر آپ جانیں اور آپ کے کام.... میں تو بس ابا کے سینے پر مونگ دلوں گی۔" اس نے رس کو چائے میں بھگویا اور پھر اطمینان سے منہ میں رکھ کر چبانے لگی۔ امی نے اسے گھور کر دیکھا۔

"تم تو اپنی بک بک بند کرو.... بتاؤ یہ نیا ہی قصہ شروع ہو گیا یہاں.... ایسا ہوتا ہے بھلا.... ہمارے گھروں میں

ایسی باتیں معیوب سمجھی جاتی ہیں۔۔۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی اتنی بڑی بات منہ سے نکالنے کی"امی کا پارہ نینا کی آدھی بات سن کر ہی چڑھ گیا تھا۔وہ انتہائی برامان کر بولی تھیں۔

نینا یونیورسٹی کے لیے نکل رہی تھی جبکہ زری ابھی تک سوئی ہوئی تھی۔نینا نے مناسب سمجھا کہ اس وقت امی سے بات کرلے۔اسے امی کے ردعمل کا اندازہ تھا۔امی کچھ معاملات میں بالکل جھاگ کی طرح تھیں۔۔۔ جتنی جلدی چڑھتی تھیں اتنی جلدی بیٹھ جاتی تھیں۔

"اوہو۔۔۔ آپ بھی بہار بیگم ہی بن جاتی ہیں کبھی کبھی۔۔۔ ایسا بھی کیا کہہ دیا اس نے۔۔۔ اپنی مرضی سے شادی کوئی بری بات تو نہیں ہے امی۔۔۔ آپ خود ہی تو کہتی ہیں اب وہ زمانے نہیں رہے۔۔۔ جب اولاد کی زندگی کے سارے معاملات ماں باپ طے کرلیتے تھے۔۔۔"اس نے پہلے سے بھی زیادہ نرم انداز گفتگو اختیار کیا تھا۔امی نے اس کے ساتھ ہی اپنے لیے بھی کپ میں چائے ڈالی تھی'لیکن اب وہ بالکل ہی بے دم سی ہوگئی تھیں۔وہ دو تین دن سے زری کے رشتے کے لیے بہت پرجوش دکھائی دیتی تھیں اب اس انکشاف نے ان کا دل توڑ دیا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے زمانہ بدل گیا ہے'لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اولاد کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر کنویں میں چھلانگ لگانے دے دیا جائے۔۔۔ ایک بچی کو ان سب معاملات کی کیا خبر۔۔۔ بتاؤ اپنی مرضی سے شادی کریں گی۔۔۔ یہ زری۔۔۔ مارکیٹ میں کوئی ڈوپٹا خریدنے چلی جائے تو سو بار مجھ سے پوچھتی ہے اور پھر آخر میں میری ہی پسند کا دوپٹا خریدتی ہے۔۔۔ یہ کریں گی اپنی مرضی سے شادی۔۔۔ ارے تم یہ بات کہتی تو چلو میں سوچتی کہ تم تو ہو ہی خود سر۔۔۔ ضدی۔۔۔ اپنے باپ کے جیسی۔"امی اپنے دھیان میں مگن بولتی جارہی تھیں۔نینا نے گھور کر انہیں دیکھا۔اچھا بھلا رس کا ٹکڑا منہ میں لے جارہی تھیں۔امی کی بات سن کر رک گئی۔

"تمہاری جانب سے اس قسم کے دھڑکے تو جان کو لگے ہی رہتے تھے۔۔۔ اب ان محترمہ کو بھی نیا بخار چڑھ گیا۔۔۔ ماں باپ کے فیصلے مان لینے میں ہی دنیا اور آخرت کا سکون ہے۔۔۔ لیکن تم لوگوں کو کون سمجھائے یہ باتیں۔۔۔ بتاؤ یہ تو یونیورسٹی بھی نہیں جاتی۔۔۔ اس میں کہاں سے آگئی یہ ہوشیاری چالاکی۔۔۔"امی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فی الوقت دل کا سارا غبار ہی نکال کر رکھ دیں۔نینا کا موڈ خوش گوار تھا اس لیے اس نے ان کے تمام طعنوں کا برا منانے کے باوجود کوئی بات نہیں کی تھی۔

"کیو موبائل اے آٹھ سو سے۔۔۔ جو ابا نے اسے پچھلے سال اس کی برتھ ڈے پر لے کر دیا تھا۔۔۔ وہاں سے آئی ہے یہ چالاکی ہوشیاری۔۔۔ اور امی میرے پیچھے تو ہاتھ دھو کر پڑی ہی رہتی ہیں آپ۔۔۔ یونیورسٹی نے کیا بگاڑ دیا۔۔۔ کیسی بھگو بھگو کر لگائی ہیں آپ نے مجھ معصوم پر۔۔۔ چلیں کوئی بات نہیں کبھی تو ہمارے دن بھی آئیں گے نا۔۔۔ جب آپ کہیں گی کہ میری نینا بیٹی نے فخر سے میرا سر اونچا کردیا۔۔۔"وہ صرف ان کے مزاج کو معتدل رکھنے کے لیے اس انداز میں باتیں کررہی تھی۔زری کا انکار ان کے لیے واقعی بہت حیران کن تھا۔

"اس بات میں تو میں ہمیشہ تمہاری تعریف کرتی ہوں۔۔۔ کالج سے لڑکوں کے ساتھ پڑھتی آئی ہو۔۔۔ سارے محلے کے آٹھویں'دسویں کے لڑکوں کو پڑھاتی ہو۔۔۔ اب یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہو۔۔۔ لیکن مجال ہے کبھی الٹی سیدھی کوئی بات منہ سے نکالی ہو۔۔۔ ہاں بس ضدی ہو۔۔۔ اور بدمزاج اور بدکلام بھی۔۔۔ ورنہ تو کوئی شکایت نہیں ہوئی مجھے تم سے۔۔۔"امی انہی باتوں پر جس پر اسے پہلے ٹوک رہی تھیں'اب سراہنے لگی تھیں۔نینا نے سر جھٹکا پھر خالی کپ لے کر کچن کی جانب چل دی'واپس پلٹی تو کمرے میں چل دی۔ڈوپٹا اور بیگ اٹھا کر لائی اور جانے کی تیاری میں لگ گئی۔کن انکھیوں سے امی کو بھی دیکھتی جاتی تھی جو کسی سوچ میں گم تھیں۔

"میں جارہی ہوں۔۔۔ یونیورسٹی۔"اس نے نکلنے سے پہلے انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے لفظ یونیورسٹی کو طنزیہ انداز میں ادا کیا تھا۔امی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اے نیںنا... اس نے کچھ بتایا... کون ہے کیا کرتا ہے۔ ہماری ذات برادری کے ہیں کیا؟" امی بہت بجھے بجھے انداز میں پوچھ رہی تھیں۔ نیںنا کو ہنسی بھی آئی اور دکھ بھی ہوا۔ ہنسی اس لیے کہ وہ پسند کی شادی کو برا نہیں سمجھتی تھی اور دکھ اس لیے کہ امی کا جوش و خروش یکدم ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

"اچھا میں سب پوچھ کر بتاؤں گی... آپ پریشان نا ہوں... اس معاملے کو دل پر نا لیں... قطروالا رشتہ زیادہ پسند آگیا ہے تو مجھے بیاہ دیں اس نمانے سے... میں بھی آپ کا خون ہوں... میرا بھلا کر دیں کوئی... دعائیں دوں گی آپ کو۔" وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھتے ہوئے ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ امی مسکرائی تک نا تھیں۔

☆ ☆ ☆

وہ وہاں لمبا عرصہ قیام کا سوچ کر آئی تھی لیکن پہلے ہفتے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ تو ان حالات میں ایک مہینہ بھی نہیں رہ پائے گی۔ کاشف کا رویہ اس کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ وہ اپنے کاروباری معاملات کو ایک طرف رکھ کر سارا وقت اسے اور زرمین کو دیتا تھا۔ ایک گاڑی ان کی بلڈنگ کے باہر ہر وقت موجود رہتی تھی۔ دن میں ایک وقت کا کھانا باہر سے آتا تھا یا وہ خود باہر چلے جاتے تھے۔ کاشف انہیں ان کی مرضی اور پسند کی ہر چیز دلوانے پر تیار رہتا تھا۔ اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ صوفیہ خوش اور مگن رہتی لیکن ایسا تھا نہیں۔ حبیبہ جیسی خوب صورت عورت کا خیال ایک آسیب کی طرح اس کے حواسوں پر چمٹا رہتا تھا۔ اس کے وہی انداز تھے۔ دن کے ایک دو گھنٹے وہ ان کے گھر پر گزارتی، جب بھی آتی اس کی اور زرمین کے لیے کچھ نا کچھ ضرور لے کر آتی۔ کبھی پرفیوم، کبھی بیگ... بالکل پہلے کی طرح کی دل جلا دینے والی ہنسی ہنستی... پہلے کی ہی طرح بولتی، باتیں کرتی اور ستم ظریفی یہ تھی کہ پہلے کی ہی طرح حسین و جمیل نظر آتی... اور اسی لیے صوفیہ بھی پہلے کی ہی طرح اس سے چڑتی رہتی۔ وہ چاہ کر بھی اپنے رویے کو اس کے ساتھ نارمل نہیں کر پاتی تھی۔ اس نے اکتا کر ایک دن بالآخر کاشف سے کہہ ہی دیا۔

"کیا مطلب حبیبہ یہاں کیوں آتی ہے... ارے یار یہ اس کا فلیٹ ہے اس نے ہمیں رہنے کے لیے دے دیا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا حق ختم ہو گیا... اور پھر ہمارے کاروباری معاملات ہیں... وہ ہر چیز میں حصے دار ہے..." کاشف نے اکتائے ہوئے انداز میں تو نہیں کہا تھا لیکن اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ اسے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔

"وہ ہر چیز میں حصے دار ہے؟ کیا واقعی ہر چیز میں؟" صوفیہ نے اسی کا جملہ دہرایا اور استہزائیہ انداز میں اس کا چہرہ دیکھا کہ شاید شوہر کو کھوج سکے... لیکن کاشف کے چہرے کے تاثرات میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔

"صوفیہ میں تم سے درخواست کرتا ہوں... یہ پنڈورا باکس دوبارہ مت کھولنا... میں بہت عرصے سے وضاحتیں دے رہا ہوں... اب کوئی میرے کردار پر ذرا سی بھی انگلی اٹھاتا ہے نا... دل چاہتا ہے اس کا منہ توڑ دوں... ارے ہمارے کیا ماتھے پر لکھا ہے کہ ہم ہر عورت کو دیکھ کر پھسل پڑتے ہیں... جس کو دیکھو ہم پر انگلی اٹھانے کو تیار ہے!"

اب کی بار وہ اکتا کر بولا تھا۔ اس کا واضح اشارہ رخشی والے معاملے کی طرف تھا۔ وہ اس انداز میں بولا کہ صوفیہ چپ ہو کر رہ گئی۔

یہ حقیقت تھی کہ کاشف اس پر پہلے سے کہیں زیادہ مہربان ہو چکا تھا۔ وہ اس کے کہنے پر واقعتاً" تارے توڑ لانے تک کو تیار رہتا۔ وہ اکثر اس سے زرمین کے مستقبل کی باتیں کرتا اور بیٹے کے لیے اپنی خواہش کا اظہار بھی کرتا رہتا... صوفیہ کے لیے باقی سب کچھ اچھا تھا لیکن جیسے ہی حبیبہ یا پھر حبیبہ کا خیال ہی آجاتا تو اس کے منہ کا ذائقہ کڑوا ہونے لگتا۔ اس نے دوبارہ بھی ایک دوبار کاشف سے یہ ذکر چھیڑا لیکن کاشف اس ذکر سے نہایت غصے میں آجاتا... اس لیے صوفیہ چپ ہو جاتی لیکن چپ ہو جانے سے کڑھنے جلنے کا عمل رکتا نہیں تھا۔ اسی طرح

ایک مہینہ تو خیریت کے ساتھ گزر گیا۔

☆ ☆ ☆

یہ دوسرے مہینے کی بات تھی جب صوفیہ کو احساس ہوا کہ وہ پریگننٹ ہو چکی تھی۔ ایک مس کیرج کے بعد یہ بڑی خوش آئند اطلاع تھی اور وہ دونوں اس خوشخبری کے بہت بے چینی سے منتظر بھی تھے۔ اس خوشی کو سیلیبریٹ کرنے کے لیے کاشف نے پلان بنایا تھا کہ وہ زرمین کو حبیبہ کے پاس چھوڑ کر ڈنر کے لیے باہر جائیں گے۔ صوفیہ زرمین کو حبیبہ کے پاس چھوڑنا نہیں چاہتی تھی لیکن ایک عجیب سے احساس برتری میں گھر کر اس نے کاشف کی یہ تجویز مان لی تھی۔ پریگننسی کی اطلاع اس نے اپنے گھر والوں کو بھی نہیں دی تھی لیکن حبیبہ کو وہ یہ بات ضرور بتانا چاہتی تھی۔ اس لیے رات کو تیار ہو کر کاشف کے ہمراہ گھر سے نکلی۔ زرمین بھی ساتھ تھی۔ ارادہ تھا کہ اسے حبیبہ کے پاس چھوڑ دیں گے۔ وہ فلیٹ کی بجائے ولا میں رہتی تھی۔ اس شاندار ولا میں صوفیہ ایک بار پہلے بھی آچکی تھی۔ کاشف اسے وہیں گاڑی میں بیٹھا چھوڑ کر زرمین کو حبیبہ کے پاس چھوڑنے چل دیا... اسے ضرورت سے زیادہ کچھ دیر ہو گئی تو صوفیہ بھی گاڑی سے اتر آئی تھی۔ نجانے کس جذبے کے تحت وہ دبے قدموں چلتی اندر آ گئی تھی۔ اتفاق کی بات تھی کہ آٹومیٹک ڈور لاکڈ نہیں تھا۔ صوفیہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اندر داخل ہوئی۔ ہال میں تو اسے کوئی نظر نہیں آیا لیکن کاشف اور حبیبہ کی آوازیں ضرور باہر تک آ رہی تھیں۔

"بیوی اگر اولاد پیدا کرنے جا رہی ہو تو اس سے یہ بات تو کنفرم ہو گئی کہ شوہر کو اس سے محبت ہے۔"

"مجھے بیٹے کی خواہش ہے حبیبہ... بیٹے باپ کی آدھی ذمہ داریاں سنبھال لیتے ہیں... تم سمجھنے کی کوشش کرو" کاشف تسلی دینے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ صوفیہ تیز قدم اٹھاتی اس سمت چلی گئی تھی جہاں سے یہ آواز آئی تھی۔ کاشف کی پشت دروازے کی سمت تھی لیکن حبیبہ کی نگاہیں دروازے پر ہی لگی تھیں۔

"میں صوفیہ سے بہت محبت کرتا ہوں... وہ بہت ظرف والی عورت ہے۔" وہ اسے سراہ رہا تھا۔

"کاشف..." صوفیہ نے پکارا تو ساتھ ہی اس نے مڑ کر اسے دیکھا اور پھر مسکرایا۔

"کتنی لمبی عمر ہے تمہاری... میں حبیبہ سے تمہارا ذکر ہی کر رہا تھا..." وہ اس کے قریب آیا تھا اور آتے ہی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیے تھے۔ صوفیہ کے دل میں اگر کوئی خدشہ پیدا بھی ہوا تھا تو یہ انداز دیکھ کر دم توڑ گیا۔

گناہ کی اگر کوئی خوشبو ہوتی تو اس لمحے اسے اپنے شوہر کے وجود سے اٹھنے والا تعفن بے حال کر دیتا لیکن ایسا کچھ نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

یہ اس کے ویزے کی معیاد ختم ہونے کے تقریباً" ایک ہفتے پہلے کی بات تھی۔ وہ کاشف سے بار بار کہہ رہی تھی کہ اگر ممکن ہو تو وہ اس معیاد کو بڑھا لے۔ اور کاشف بھی اس طرح ظاہر کر رہا تھا کہ جیسے اس کی بھی یہی خواہش ہے لیکن اس نے ان کی سیٹ بھی کنفرم کروالی ہوئی تھیں۔ ایک دن بعد اس کی شام کی فلائٹ تھی۔

اس روز حبیبہ بھی معمول کے مطابق ٹائٹ سی جینز اور شرٹ پہنے اپنے سنہرے بال کھولے انہی کے یہاں بیٹھی تھی جب صوفیہ نے یہ ذکر چھیڑا۔ اسے بھی حبیبہ کے سامنے بار بار یہ جتانا اچھا لگتا تھا کہ کاشف اس کی محبت میں ہمہ وقت سرشار رہتا ہے اور ان کے جانے کے خیال سے بہت اداس بھی ہے۔

"میں تو کہہ رہی ہوں کہ ہم ابھی نہیں جاتے... کاشف بھی یہی چاہتے ہیں... وہ نہیں رہ سکتے زرمین اور میرے بغیر... بار بار کہتے ہیں صوفیہ مجھے بھی ساتھ لے جاؤ" اس نے اترا کر کہا تھا۔ حبیبہ نے سر ہلایا۔

"اس کی باتوں کا بھروسا مت کیا کرو... یہ اپنے راستے میں آنے والی بیسیوں عورتوں سے یہ ڈائیلاگ بولتا رہتا

ہے" وہ مزاحیہ انداز میں بولی تھی۔ کاشف کے چہرے پر بھی مسکراہٹ چمکی لیکن صوفیہ کو برا لگا۔
"ایسے نہیں ہیں میرے کاشف....." وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ بولی تھی۔
"تمہیں کچھ خبر نہیں ہے اس میسنے انسان کی صوفیہ ڈارلنگ..... بڑی چیز ہے تمہارا کاشف....." حبیبہ اب مسکراتے ہوئے بولی تھی، لیکن صوفیہ کو پہلے سے بھی زیادہ برا لگا۔
"تم میری بیوی کو میرے خلاف بھڑکا نہیں سکتی....." کاشف بھی اسی انداز میں بولا تھا۔
"ہاں بھئی..... جب ایک انسان بیوقوف بنے رہنے پر رضامند ہو تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔" حبیبہ کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ چمکنے لگی تھی۔
"یہ بیوقوفی نہیں اعتماد ہے..... بھروسا اور یقین ہے..... کاشف بہت محبت کرتے ہیں مجھ..... اس بات کا مجھے یقین ہے" صوفیہ نے جتا کر کہا۔ حبیبہ چند لمحے خاموش رہی لیکن اس کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ غائب نہیں ہوئی تھی۔ وہ یکدم سیدھی ہوئی اور کاؤچ کے ہینڈل پر بازو کو پھیلا کر رکھ لیا۔
"اچھا تو تمہیں واقعی یقین ہے..... کہ یہ بندہ تم سے محبت کرتا ہے۔" وہ اب ..... اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ صوفیہ کو اس کا انداز اتنا برا لگا کہ اس کا دل چاہا اسے اس جگہ سے دھکا دے کر باہر پھینک دے۔ صوفیہ اس کے اس سوال کا جواب فوراً" دینا چاہتی تھی لیکن اس کی استہزائیہ مسکراہٹ نے اسے جلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ کچھ بول ہی نہیں پائی۔ حبیبہ نے قہقہہ لگایا۔
"تمہاری محبت کی نشانی کو تم گود میں لے کر بیٹھی ہو..... اس سے بڑا کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا ان کی محبت کا" صوفیہ نے اس کی گود میں بیٹھی زرمین کی جانب اشارہ کیا تھا۔
"آہ..... صوفیہ پیاری..... بہت اچھی ہو تم..... بہت خالص ہو..... بڑی نیک ہو..... لیکن افسوس بیوقوف بھی ہو..... تمہیں انسانوں کی سمجھ نہیں ہے..... شادی کرنے اور بچے پیدا کرنے کا مطلب محبت نہیں ہوتا۔" حبیبہ نے زرمین کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا تھا۔ صوفیہ اپنی جگہ سے اٹھی اور زرمین کو اس کی گود سے اٹھالیا پھر دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔
"تو پھر اور کیا مطلب ہوتا ہے..... شادی کرنے اور بچے پیدا کرنے کا..... دراصل یہی مطلب ہوتا ہے محبت کا حبیبہ..... مرد جس عورت سے شادی کرتا ہے وہ اسی سے محبت کرتا ہے..... لیکن یہ بات وہ عورت نہیں سمجھ سکتی جسے شادی کے بغیر محبتیں کرنے کا شوق ہوتا ہے۔" یہ ایک کھلا طعنہ تھا جو صوفیہ کو نہیں دینا چاہیے تھا۔
"تم لوگ کیا فضول کی بحث کرنے لگ گئے ہو..... چھوڑو بے کار کی باتیں..... بور کر دیا تم لوگوں نے..... چلو کہیں باہر چلتے ہیں..... کولڈ کافی پی کر آتے ہیں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا تھا۔
"مجھے کافی نہیں پینی..... انہیں پلاؤ..... جن کے اعصاب سوئے ہوئے ہوں..... میں بس چلتی ہوں اب..... لیکن آج ذرا صوفیہ کی غلط فہمی دور کر دینا کہ میں بغیر شادی کے محبت کرنے والی عورت نہیں ہوں..... بھلا شادی کے بغیر کون سی عورت کسی مرد اور اس کی آل اولاد پر اتنا روپیہ خرچ کرتی ہے..... کوئی نا کوئی وجہ تو ہوتی ہو گی کہ نا کہ کوئی عورت اپنا گھر بار بینک بیلنس کسی مرد پر آنکھیں بند کر کے لٹاتی رہتی ہے۔" وہ آنکھیں مٹکا کر بولی تھی۔ اس نے اپنا بیگ اٹھایا تھا اور پھر کسی فاتح کی طرح باہر نکل گئی تھی۔ صوفیہ کچھ لمحے تو بس ہکا بکا ایک ٹک اسے جاتے دیکھتی رہی تھی پھر اس نے کاشف کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پر کھسیانی سی مسکراہٹ تھی۔
"پاگل عورت ہے..... مذاق میں بھی بک بک کرتی رہتی ہے..... چلو آؤ باہر چلتے ہیں....." وہ پیشکش کر رہا تھا۔ صوفیہ نے اس کا چہرہ دیکھا اور پھر وہ زرمین کو گود میں لیے گرنے والے انداز میں کاؤچ پر گر گئی تھی۔ ایک عورت مذاق میں اتنی بڑی بات تو نہیں کہہ سکتی تھی.....

"کیا کہہ گئی تھی حبیبہ..." وہ اس کے آخری جملے میں کہیں اٹکی رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کیا سوچا پھر تم لوگوں نے...؟" یہ اسی شام کی بات تھی جب سلیم نے نینا سے پوچھا۔ وہ بنا کسی وجہ کے اس کے پاس آبیٹھی تھی۔

"سوچنا کیا ہے... میں تو دو سو فیصد راضی ہوں... اتنا اچھا رشتہ ہے... انکار کرنا تو کفران نعمت ہوگا۔" وہ چپس چباتے ہوئے مزے سے بولی تھی۔ سلیم نے سرہلایا جیسے کہنے کو کچھ نا ہو پھر اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"زری نے کیا کہا... وہ خوش ہے...؟"

"وہ خوش ہونا ہو... مجھے کیا... میں تو خوش ہوں نا... کیسی لگوں گی میں مسز پپو بن کر..." وہ مزاحیہ انداز میں بولی تھی۔ سلیم نے اسے گھورا۔

"یہ کیا بکواس ہے... تم بھولی نہیں ہو وہ فضول بات۔" وہ اسے بالکل ایسے ڈانٹ رہا تھا جیسے کوئی بڑا کسی چھوٹے کو کسی غلط حرکت پر ٹوکتا ہے۔

"سلیم... کیسے بھول سکتی ہوں... میرا پہلا پروپوزل... میری پہلی محبت بھی بن سکتا ہے... تمہیں کیا پتا..." اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ سلیم نے پھر اسے ٹوکا۔

"چپ رہو... میں نوٹس کر رہا ہوں... تم دن بدن اپنی گفتگو میں بہت لاپروا ہوتی جا رہی ہو... اچھا نہیں لگتا لڑکیاں ہر وقت ایسی باتیں کرتی رہیں... خبردار جو تم دوبارہ ملی اس خاور پپو سے... میں تمہیں وارن کر رہا ہوں... اگر مجھے پتا چلا کہ تم دوبارہ اس سے ملی ہو تو میں خالو سے شکایت کردوں گا۔"

وہ سابقہ انداز میں اسے ٹوک رہا تھا۔ نینا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سلیم کے ساتھ اس کا رشتہ ایسا تھا کہ وہ اس کی بات کا برا بھی نہیں مانتی تھی لیکن اس کی کبھی سنتی بھی نہیں تھی۔ آج کل اس کا مزاج بہت اچھا رہتا تھا اس لیے اس نے تڑخ کر کچھ نہیں کہا تھا لیکن آنکھیں گھماتے ہوئے اسے دیکھا پھر مزاحیہ انداز میں بولی۔

"ہمت ہے تم میں خالو سے بات کرنے کی۔ ان کو دیکھ کر تو تم کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلیتے ہو... ڈرپوک۔" سلیم نے گہری سانس بھری۔

"ڈرپوک نہیں ہوں... بس اپنی اوقات نہیں بھولتا... اپنی کم مائیگی ان سے بات کرنے سے روک دیتی ہے... قسمت کے کھیل ہیں نا... ورنہ میں بھی کوئی قابل انسان ہوسکتا تھا... پڑھا لکھا... دو اڑھائی لاکھ کی نوکری کرنے والا... جس کے پاس گھر گاڑی بھی ہوتی" وہ بہت لاچار سے انداز میں بولا تھا۔ نینا نے گفتگو کا رخ اس جانب موڑنا نہیں چاہا تھا لیکن ایسا نا چاہتے ہوئے بھی ہوگیا تھا۔

"سلیم یہ قسمت کی ہی بات ہے... کہ تم اتنے قابل اتنے اچھے ہو... اس سارے خاندان میں کون ہوگا تمہارے جیسا... ہے کوئی ایسا جس کے پاس اپنے ذاتی کاروبار کا اعتماد ہو... جس کے پاس کوئی ڈگری نا ہو... لیکن وہ رائٹر ہو... اس کی لکھی کہانیاں نظموں اخباروں میں چھپتی ہوں... تم نکل آؤ اس احساس کمتری سے... تم بہت اچھے ہو... بہت اچھے۔" وہ اسے سمجھا رہی تھی۔ اسے یک دم ہی احساس ہوا تھا کہ وہ کس قدر بجھا بجھا نظر آتا تھا۔

"مت حوصلہ دو نینا... بے کار کی باتیں ہیں سب... اتنا ہی اچھا ہوتا تو..." اس نے ایک بار پھر اس کا چہرہ دیکھا اور پھر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"خیر چھوڑو۔۔۔ میری قسمت ہی ٹھنڈی ہے۔۔۔ جس کے نصیب ہی غریب ہوں وہ کسی قابل نہیں ہوتا۔۔۔ تم بتاؤ سچ سچ۔۔۔ دوبارہ ملی ہو خاور سے۔۔۔؟" وہ سر جھٹک کر پوچھ رہا تھا۔ نینا کا منہ بن گیا۔ سلیم جب بھی اپنی کم مائیگی کے احساس سے اس طرح دکھی نظر آتا تھا' نینا کو بھی دکھ ہوتا تھا۔

"کیوں۔۔۔ ملنا چاہیے تھا کیا۔۔۔؟" نینا نے سنجیدگی کے خول کو مزید پہنے رہنے کا ارادہ ترک کیا تھا۔

"ارے کہہ تو رہا ہوں کہ مت ملو۔۔۔ مجھے نہیں پسند وہ۔۔۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی تم سے ایسی بات کرنے کی؟" وہ تڑخ کر بولا تھا۔

"لیکن۔۔۔ کیوں۔۔۔ کیوں نہیں پسند وہ تمہیں۔۔۔ سچ کہوں سلیم۔۔۔ وہ انسان اچھا ہے۔۔۔ سادہ اور ہمدرد۔۔۔ اس کے رویے میں منافقت نہیں ہے۔۔۔ اپنے گھر والوں کے برعکس وہ بہت مخلص اور اچھا ہے۔" وہ اس کی تعریف کر رہی تھی۔

"اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ وہ منہ اٹھا کر تمہیں پرپوز کر دیتا۔۔۔ اسے اپنی اوقات نہیں بھولنی چاہیے تھی۔" سلیم ناک چڑھا کر بولا تھا۔ نینا نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا پھر دیکھتی رہی۔

"اوقات کیا ہوتی ہے سلیم۔۔۔ گھر بار گاڑی۔۔۔ بینک بیلنس۔۔۔ جاؤ یار۔۔۔ میں نہیں مانتی یہ باتیں۔۔۔ اللہ نے تو یہ پیمانے نہیں بنائے۔۔۔ اب تم یہ مت سمجھنا کہ میں خاور سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔۔۔ ارے نہیں بھئی۔۔۔ خاور صاحب میں مجھے بس مہر کی ذات تک دلچسپی ہے۔۔۔ اور مجھے یقین ہے اس نے بھی یہ بات صرف اس لیے کہی کہ مہر کے لیے بہت حساس ہو رہی تھی۔ ورنہ اس کو بھی پتا ہے کہ اس کی اماں اب ہمارے خاندان سے کوئی لڑکی نہیں لے جانے والیں۔۔۔" وہ اسے تسلی دے رہی تھی۔

"تم دیکھنا سلیم۔۔۔ جب میں شادی کروں گی نا۔۔۔ تو ان سب باتوں کی بالکل پروا نہیں کروں گی۔۔۔ میرے لیے بس ایک پیمانہ ہوگا اپنے جیون ساتھی کو ماپنے کا۔۔۔ اور وہ ہوگا وفاداری۔۔۔ جیون ساتھی کو وفادار ہونا چاہیے۔۔۔ مجھے اچھا نہیں لگتا وہ مرد۔۔۔ جس میں وفا نہ ہو۔" نینا اپنے دھیان میں مگن بولی تھی۔

"اچھا۔۔۔ زیادہ تقریروں کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ خالو آرہے ہیں اس طرف۔۔۔ نکلو یہاں سے۔۔۔ پھر وہ ناراض ہوتے ہیں۔" سلیم نے سامنے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ نینا بھی فوراً "الرٹ" ہوئی۔

"آئے ہائے۔۔۔ ایک تو تمہاری یہ دکان دن بدن منحوس ہوتی جا رہی ہے۔ لگتا ہے یہاں آنا کم کرنا پڑے گا۔۔۔ جاتی ہوں میں۔۔۔ لیکن اپنے خالو کو بتانا کہ مرد کی فطرت میں اور کچھ ہو نا ہو۔۔۔ ایک عنصر ضرور ہونا چاہیے۔۔۔ وفاداری۔۔۔ کیا ضرور ہونا چاہیے۔۔۔؟۔۔۔ وفاداری۔۔۔ خیر انہیں کیا غرض اس چیز سے۔۔۔ ان کے یہاں یہ جنس ناپید ہے۔" وہ پچھلے دروازے سے سلیم لوگوں کے گھر کی جانب جاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بول رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کاشف مجھے سچ سچ بتائیں۔۔۔ اس کی بات کا کیا مطلب تھا۔۔۔ کیا آپ نے حبیبہ سے شادی کر لی ہے؟" صوفیہ نے عجیب سے لہجے میں اس سے پوچھا تھا۔ حبیبہ کے چلے جانے کے بعد سے اس کا دل جیسے لرز رہا تھا۔ کیسا لگتا ہے اپنے ہی شوہر سے پوچھنا کہ کیا اس نے کسی اور سے شادی کر لی ہو۔۔۔ اور اگر اس شوہر سے آپ کو بے حد محبت بھی ہو۔۔۔ تب۔۔۔ اس نے سوچا تھا وہ روئے گی نہیں۔۔۔ بلکہ وہ بے حد ناراض ہوگی۔۔۔ خفا ہوگی۔۔۔ لیکن اس کی آنکھیں اور لہجہ بھیگ رہا تھا۔

"صوفیہ۔۔۔ پاگل ہو گئی ہو۔۔۔" کاشف نے اس کی جانب حیرانی سے دیکھا۔۔۔ پھر اس کی بھیگتی آنکھیں دیکھ کر اس

نے قہقہہ لگایا۔

"ایسا مر کر بھی نہیں ہو سکتا..... میں کبھی تمہارے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گا..... کسی سے بھی نہیں..... اور یہ بات تم اپنے دل میں محفوظ کرلو....." کاشف نے اس کی ہنسلی کی ہڈی کو اپنی انگلی سے ذرا سا دباتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اسے بہت محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا لیکن صوفیہ کے دل کو قرار نہیں آیا۔

"کاشف پھر وہ ایسے کیوں کہہ رہی تھی..... اس کا لہجہ ایسا کیوں تھا..... مضبوط..... ٹھوس..... خطرناک..... جھوٹا لہجہ ایسا نہیں ہوتا..... اس میں جھول ہوتا ہے..... وہ پہچانا جاتا ہے..... وہ اگر جھوٹی تھی تو اس کے لہجے میں کھوٹ کیوں محسوس نہیں ہوا مجھے....." صوفیہ کی آواز میں جھنجلاہٹ یا غصہ نہیں تھا۔ بس ایک ہارے ہوئے شخص کی بے بسی تھی۔ کاشف کے چہرے کے تاثرات یک دم بدلے۔

"صوفیہ..... اس کا مطلب میں جھوٹا ہوں..... میں تم سے جھوٹ بول رہا ہوں..... بس اسی لیے میں تمہیں یہاں بلواتا نہیں تھا..... تمہیں ایک خطرناک لاعلاج بیماری لاحق ہے..... وہم کی بیماری..... اور وہ کبھی ٹھیک نہیں ہوگی..... مجھے اگر اندازہ ہوتا نا اس بات کا تو یقین کرو میں تمہیں بلواتا ہی نہیں..... میں قسم کھانے کو تیار ہوں..... حبیبہ سے میرا وہی تعلق ہے..... جو پہلے تھا..... مفاد کا تعلق..... بزنس کا تعلق..... روپے کا تعلق..... یہ دبئی ہے..... کوٹ لکھپت یا شاہدرہ نہیں ہے..... یہاں ایک فرد کے لیے ایک وقت کا سادہ سا کھانا پتا ہے کتنے روپے میں آتا ہے..... ایک ہزار روپے میں.....

اور تم اتنے دن سے جو لگژری لائف گزار رہی ہو..... اس پر میں نے کتنا سرمایہ خرچ کیا ہے..... تمہیں اندازہ بھی ہے..... تمہیں اندازہ ہے کہ یہ روپے کس محنت سے کمائے تھے میں نے جو تم نے ان گزشتہ تین مہینوں میں اڑائے ہیں..... وہ سب روپے کمانے کے لیے حبیبہ جیسی عورت کا ساتھ ضروری تھا..... بس یہی تعلق..... ایک بزنس انویسٹر کا تعلق..... اس کے علاوہ کوئی تعلق ہو اس سے تو یہیں موت آجائے مجھے..... لعنت ہے میری زندگی پر جو آدھی وضاحتیں دینے میں گزر چکی اور باقی آدھی وضاحتیں دینے میں گزر جائے گی....."

وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بول رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ تھا..... خفگی تھی..... صوفیہ کی آنکھیں جو پہلے صرف بھیگی ہوئی تھیں اب پانی سے بھر گئیں اور پھر بنا کسی رکاوٹ کے ابلنے لگیں۔

"اب رونا شروع ہو جاؤ..... بس یہی بلیک میلنگ آتی ہے تم عورت کو..... مرد رو نہیں سکتا..... ورنہ اس وقت میں بھی دھاڑیں مار مار کر رو رہا ہوتا..... ایک تو دل پہلے ہی اداس ہے کہ تم لوگ جا رہے ہو..... اور اب تم نے یہ بازار لگالیا..... صوفیہ ایسے الزامات سے بہتر ہے کہ اپنے ہاتھوں سے میرا گلہ دبا دو..... تم بھی سکھی اور میں بھی۔"

کاشف کا لہجہ اس کے آنسو دیکھ کر بھی نرم نہیں ہوا تھا بلکہ وہ پہلے سے زیادہ اونچی آواز میں چلا کر بولا تھا۔ صوفیہ نے اپنا چہرہ ہاتھوں سے صاف کیا۔ وہ کاشف سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"صوفیہ تم اگر شک کرنا نہیں چھوڑ سکتی تو ایک اور حل ہے اس مصیبت کا میرے پاس۔ مجھے چھوڑ دو..... آرام سے اپنے گھر میں رہو جو بی بی جان نے تمہارے نام کیا تھا..... اور ہر مہینے تمہارے اور زرمین کی خرچے کے لیے چیک بھیج دیا کروں گا..... چھوڑ دو بس مجھے اگر میں تمہیں اتنا ہی بدفطرت نظر آتا ہوں تو..... میں روز روز کے ان ڈراموں سے تنگ آگیا ہوں..... بس ہو گیا فیصلہ..... مت رہو میری ساتھ..... چھوڑ دو مجھے....." وہ مزید چلایا تھا۔

صوفیہ نے بلک بلک کر رونا شروع کر دیا۔

"کاشف ایسے مت کہیں..... خدارا ایسے مت کہیں..... آپ ناراض مت ہوں..... میں جانتی ہوں میری اور

زرمین کی خاطر آپ کیا کچھ نہیں کر رہے..... لیکن آپ میرے دل کی کیفیت بھی سمجھیں..... میں آپ کو کسی سے بانٹ نہیں سکتی..... بھوک سے مرنے سے کہیں زیادہ تکلیف دہ آپ کو کسی اور کا ہوتے دیکھ کر مرنا ہے..... آپ چھوڑ دیں سب کچھ..... چلیں واپس پاکستان..... ہم تنگی ترشی میں گزارا کرلیں گے..... میں اپنی ضروریات کو محدود کرلوں گی..... لیکن میں ایسے نہیں جی پاؤں گی..... میری سب کشتیاں جل چکی ہیں..... اب تو ماں جیسی ساس بھی نہیں رہیں..... جن کے سامنے۔
رو کر اپنا دل ہلکا کرلوں۔

یہ سب باتیں وہ صرف سوچ رہی تھی۔ اس نے کاشف سے کچھ کہا نہیں تھا۔ کاشف اسے اس طرح روتا دیکھ کر چڑ کر اس کے پاس سے اٹھ گیا تھا اور پھر کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

''نینا تم نے امی سے بات کی.....؟'' وہ سلیم کے پاس سے اٹھ کر ابھی گھر آئی ہی تھی جب زری نے اس سے پوچھا۔ ابا کو تو وہ باہر دیکھ آئی تھی، لیکن امی بھی گھر نہیں تھیں۔
''امی ہیں کہاں.....؟'' نینا نے اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے سوال کیا تھا۔
''پتا نہیں..... کہیں باہر نکلی ہیں چادر لے کر..... مجھ سے تو خفا خفا سی ہیں..... بات نہیں کر رہیں۔'' زری نے سر جھٹک کر کہا تھا۔ نینا کو بہت عجیب لگا۔ زری ایسی نہیں تھی۔ امی کی خفگی کے خیال سے ہی وہ بے چین ہونے لگتی تھی، لیکن اس ایک موضوع پر اس کے بدلے بدلے اطوار کچھ عجیب لگتے تھے۔
''اب تو بتاؤ..... تم نے امی سے بات کی.....؟'' زری نے اسے خاموش دیکھ کر دوبارہ پوچھا تھا۔
''ہاں..... میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ زری اپنی مرضی سے شادی کرنا چاہتی ہے۔'' نینا سادہ سے لہجے میں بولی۔
اسے واقعی کچھ عجیب سا لگا تھا۔ وہ امی سے بدتمیزی کرتی تھی۔ ان کے سامنے زبان چلاتی تھی، لیکن اسے ان سے محبت بھی تھی اور اس کی بدکلامی کے بعد جب زری امی کو حوصلہ دیتی تھی یا ان کا دھیان بٹاتی تھی تو اسے اچھا لگتا تھا۔ اسے بہت اطمینان ہوتا تھا کہ امی کی ایک بیٹی تو اچھی ہے جو انہیں دکھی نہیں ہونے دیتی، لیکن اس لمحے زری کا لاپرواسا رویہ اسے کچھ کھٹک رہا تھا۔
''امی نے کیا جواب دیا..... غصہ کر رہی ہوں گی؟'' زری نے پہلے جوش سے کہا اور پھر ناک چڑھا کر سوال کیا تھا۔
نینا نے پھر اسے بغور دیکھا اور ابھی وہ کچھ بولی بھی نہیں تھی کہ زری مزید اکتائے ہوئے انداز میں بولی۔
''نینا تم میری طرف سے امی کو ایک بات اور کہہ دینا..... میں اظفر کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گی..... وہ ناراض ہو ہو کر مجھے بلیک میل نہیں کر سکتیں۔ میں یہ بات خود بھی ان سے کہہ سکتی تھی، لیکن وہ مجھ سے بات نہیں کر رہی ہیں۔'' زری کا انداز مزید لاپروا ہوا تھا۔ نینا حیران ہی رہ گئی۔ یہ راتوں رات زری کو کیا ہو گیا تھا۔ وہ تو بہت فرماں بردار مؤدب قسم کی بیٹی تھی۔ ایک عام سے مرد کی محبت نے اس کے دل کو کیسے بدل کر رکھ دیا تھا۔
''امی نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا..... زیادہ ہیروئن نا بنو.....'' نینا برا سا منہ بنا کر بولی، پھر لاؤنج میں پڑے دیوان پر بیٹھتے ہوئے بولی۔
''ذرا حوصلہ کرو..... امی کو بتا دیا ہے میں نے..... انہیں کچھ وقت تو لگے گا نا اتنی بڑی بات کو ہضم کرنے میں..... تم تو بدتمیزی پر ہی اتر آئی ہو۔''
''بہت اچھے..... یعنی اب تم مجھے بدتمیزی کے طعنے دوگی..... تمہیں خود بھول گیا ہوگا کہ تم امی کے ساتھ کتنی

بدتمیزی کرتی ہو۔ امی تمہاری پسند کا کھانا ہی نا بنائیں تو تم زبان چلا چلا کر ان کا جینا دو بھر کر دیتی ہو۔۔۔ میں تو ایک جائز بات کر رہی ہوں۔ اپنی پسند کی شادی کرنا گناہ نہیں ہے۔ ہمارے مذہب میں بھی اس کی ممانعت نہیں ہے۔ اس لیے مجھے ٹوک ٹوک کر شرمندہ مت کرو۔" زری تڑخ کر بولی تھی۔ نینا چپ ہی رہ گئی۔ زری کتنی منہ پھٹ ہو رہی تھی۔ نینا کی ایک بات اچھی تھی۔ اسے حالات کے مطابق سمجھ دار ہونا آتا تھا۔ اسے احساس ہوا تھا کہ اس لمحے زری کو ٹوک کر یا شرمندہ کر کے بات نہیں بنے گی۔ اس لیے اس نے اپنے لہجے کو معتدل کیا تھا۔

"زری تسلی رکھو۔۔۔ اور ایک بات کا یقین کر لو۔۔۔ امی ابا تمہارے لیے کوئی غلط فیصلہ نہیں کریں گے۔ وہ دونوں ہی بہت چاہتے ہیں تمہیں۔۔۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ تم مجھے اظفر کے متعلق سب باتیں تفصیل سے بتاؤ۔۔۔ ہم ضروری چھان بین کے بعد ہی باقی معاملات طے کریں گے۔" اس نے جیسے اسے تسلی دی تھی۔ زری چند لمحے کچھ نہیں بولی، پھر اس نے کندھے اچکائے۔

"میں نے اظفر سے کہا ہے۔۔۔ وہ مجھے آج رات فون نمبر ایڈریس وغیرہ سب دے دے گا۔۔۔ پھر تم امی کو بتا دینا۔" نینا نے اس کی بات سن کر سر ہلایا، لیکن وہ کچھ بولی نہیں تھی۔ وہ تو بس زری کا بدلا چلن دیکھ کر ہی سوچ میں گم ہوئی جا رہی تھی۔

"میں تمہیں اظفر کی تصویر دکھاؤں؟" چند لمحے کی خاموشی کے بعد زری نے پوچھا تھا۔ نینا کا دل چاہا تھا کہ کہہ دے۔

"سنبھال کر رکھو اپنے مہینوال کی تصویر۔۔۔ مجھے نہیں دیکھنی۔۔۔" لیکن یہ اصولاً" بہت بڑی بداخلاقی ہو جاتی سو اسے کہنا پڑا۔

"ہاں۔۔۔ دکھاؤ۔۔۔ میں نے تو تمہیں رات ہی کہا تھا۔"

"میرے پاس اس کی کوئی اچھی تصویر تھی ہی نہیں۔۔۔ میرے کہنے پر اس نے ابھی واٹس ایپ کی ہیں۔۔۔" وہ پراشتیاق لہجے میں کہتے ہوئے اپنا سیل فون آن کرنے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی اس کے سیل کی اسکرین پر ایک چہرہ چمکنے لگا تھا۔ وہ ستائیس اٹھائیس سال کے ایک خوش شکل مرد کا چہرہ تھا۔ گندمی رنگت، تیکھے نقوش۔۔۔ چہرے پر ہلکی داڑھی۔۔۔ نینا کو بظاہر وہ اچھا ہی لگا۔ اس نے زری کے ہاتھ سے سیل پکڑ لیا تھا۔

"اس طرف سے آگے چلو۔۔۔ اور بھی تصویریں ہیں۔۔۔" زری نے کہا تھا۔ نینا ایک کے بعد ایک تصویر دیکھنے لگی۔ ظاہری شکل و صورت کی حد تک وہ شخص برا نہیں تھا۔ تصویریں دیکھتے ہوئے ایک تصویر دیکھ کر یک دم ہی نینا کو حساس ہوا کہ جیسے اس نے اس شخص کو پہلے کہیں دیکھا ہے۔ اس نے دوبارہ اسی تصویر کو غور سے دیکھا تھا اور پھر سب تصویریں باری باری دوبارہ دیکھیں۔ ہر تصویر کو دیکھتے ہوئے اسے ایسا لگنے لگا تھا جیسے اس نے اس شخص کو کہیں دیکھا ہے۔ اس نے سوچ کے گھوڑے دوڑائے، لیکن یہ احساس بڑا مبہم سا تھا۔ اسے یاد نہیں آیا۔

"ہینڈسم ہے نا۔۔۔ سچ سچ بتاؤ۔۔۔" زری اسی اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"زری مجھے لگتا ہے جیسے میں نے اس کو کہیں دیکھا ہے۔" اس نے کہہ دیا تھا، زری مسکرائی۔

"ہاں۔۔۔ جب میں پہلی بار اس کی تصویر دیکھی تو مجھے بھی ایسا ہی لگا تھا۔۔۔ یہ ترکش ڈراموں کے ہیروز سے ملتا ہے نا۔" وہ اب شرما بھی رہی تھی۔ نینا نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔ دل کو پھر کوئی سخت جملہ کہنے سے روکا۔

"سنا تھا محبت اندھی ہوتی ہے۔۔۔ لیکن اتنی اندھی۔۔۔" وہ اتنی پر زور دیتے ہوئے بولی۔ زری نے قہقہہ لگایا۔

"سچ کہتی ہو۔۔۔ محبت واقعی اندھی ہوتی ہے۔۔۔ لیکن یقین کرو نینا اس اندھے پن میں بڑا مزا ہے۔۔۔ محبت ایسی

انوکھی بیماری ہے کہ بیمار پڑے رہنے میں بھی لطف آتا ہے۔" وہ آرام سے اعتراف کر رہی تھی نینا کچھ نہیں بولی۔ وہ بس اس شخص کی تصویر کو دیکھتے ہوئے یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس نے اسے کہاں دیکھا تھا۔۔۔"

☆ ☆ ☆

اس رات کاشف گھر نہیں آیا تھا اور اگلے روز صوفیہ کی فلائٹ تھی۔ وہ دوپہر کے قریب گھر میں گھسا تو اس کا حلیہ عجیب سا ہو رہا تھا۔ شرٹ کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ آنکھیں چڑھی ہوئی اور سرخ ہوتی جا رہی تھیں۔ وجود سے عجیب سی بساند اٹھ رہی تھی۔ صوفیہ نے وہ رات بہت بے چینی میں گزاری تھی، لیکن کاشف کو دیکھنے کے بعد اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ کاشف نہانے کے لیے باتھ روم میں گھس گیا۔ واپس نکل کر اس نے دو کپ کافی بنائی تھی۔ اس کا رویہ ایسا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نا ہو۔ وہ کافی پیتے ہوئے زرمین کو گود میں لے کر باتیں کرنے لگا تھا، درمیان درمیان میں وہ صوفیہ کو بھی مخاطب کر لیتا تھا اور صوفیہ اسے جواب دینے کے لیے خود کو مجبور پاتی تھی۔ اس کا دل اداس، بے چین اور کسی قدر خوف زدہ بھی تھا۔

کاشف نے وہ لیدر پاؤچ نکال لیا تھا، جس میں زرمین اور صوفیہ کی ٹکٹس اور پاسپورٹ وغیرہ تھے۔ اس کے بعد اس نے کال کر کے کھانا آرڈر کر دیا تھا۔ اس کا رویہ اتنا نارمل تھا کہ صوفیہ کو مزید دکھ ہونے لگا۔ اس کا حوصلہ ختم ہونے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں پھر بہنے لگیں۔ کاشف نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

"مت روؤ صوفیہ۔۔۔ تمہارے آنسو سیدھے یہاں جا کر لگتے ہیں۔" اس نے اپنے سینے پر دل کے عین اوپر ہاتھ رکھا تھا۔

"دو پہلے ہی تم لوگوں کی واپسی کے خیال سے دل مردہ ہوا جا رہا ہے۔ تم مزید رو کر کیا کرنا چاہتی ہو میرے ساتھ۔۔۔ بس کرو پلیز۔۔۔ دفن کر دو میرے دل میں اپنے سارے وہم، خدشات۔۔۔ بس اتنا یاد رکھو کہ یہ بندہ تمہارے بغیر خاک اور دھول کے سوا کچھ نہیں ہے۔" وہ دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔

صوفیہ کے آنسو تھمے نہیں تھے، لیکن کاشف کے الفاظ جیسے گرمی میں خوش گوار ہواؤں کے جیسے تھے۔ اسے اچھا لگا، پھر یک دم اسے کچھ محسوس ہوا۔ اس کے بالوں میں بھی نمی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر کاشف کے چہرے کی جانب دیکھا۔ وہ بھی رو رہا تھا۔ ہوا ہی خوش گوار نہیں تھی۔ بادل بھی امڈ آئے تھے۔ صوفیہ کے دل کی تپتی زمین پر جیسے ابرِ رحمت برس پڑی تھی۔

آپ جس کی محبت میں آنسو بہا رہے ہوں۔ جب وہ بھی آپ کے ساتھ مل کر آپ کی محبت میں آنسو بہائے تو بھلا کیسا لگتا ہے۔۔۔ اچھا لگتا ہے۔۔۔ بہت اچھا لگتا ہے۔۔۔ صوفیہ کو بھی بہت اچھا لگتا تھا۔۔۔ اس کے چہرے پر دھوپ چھاؤں جیسا موسم چھانے لگا تھا، یعنی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، لیکن دل کو قرار آگیا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

مکمل ناول

ثوبیہ حسین گل

ضبط کا موسم

سارے کچن میں بہت خوب صورت مہک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سیدھی وہیں آ گئی۔ حسب معمول مما بہت مصروف تھیں۔ ”واؤ۔۔۔ بریانی!“ اس نے پتیلے کا ڈھکن اتار کر خوشبو اپنے اندر اتاری۔ ”ہوں رائتہ بھی“ اس نے اب ڈونگے کا ڈھکن اتارا‘ طاہرہ نے آخری برتن دھوتے ہوئے گھور کر اقصیٰ کو دیکھا جو ندیدوں کی طرح دیکھ رہی تھی۔

”واؤ مما! یو آر گریٹ آج کیا اسپیشل ڈے ہے؟“ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

”نہیں۔ سمیع آ رہا ہے۔ پہلی مرتبہ۔۔۔ اس کے لیے ہے یہ سارا اہتمام۔“ وہ برتن صاف کرتے ہوئے بولیں۔

”اوہ میں سمجھی کوئی گونگی کو دیکھنے آ رہا ہے۔“ اس نے فریج سے پانی لیتی مہو کو دیکھتے ہوئے چوٹ کی۔

وہ پیدائشی گونگی تھی۔ اس نے اسپیشل تعلیم حاصل کی تھی۔ فائن آرٹس میں۔۔۔ اور زیادہ تر وہی اقصیٰ کے مذاق کا نشانہ بنا کرتی تھی۔

اقصیٰ نہایت دھڑلے سے سب کے سامنے اسے عجیب و غریب باتیں سنا جاتی اسے صرف پاپا منع کر سکتے تھے۔

ابھی بھی مہو نے ٹھنڈے پانی کا گلاس اس کے آگے رکھا جسے عنایت سمجھ کر اقصیٰ نے بڑے غرور سے وصول کیا فوراً ”غٹاغٹ چڑھا گئی۔

”اب کہاں جا رہی ہو؟“ اسے دروازے سے باہر نکلتا دیکھ کر وہ پیچھے سے بولیں۔

”سبین کے گھر مما۔“ اس کے قدم نہیں رکے تھے‘ البتہ ہاتھ ہلا کر وہ بولتی ہوئی گیٹ بھی پار کر گئی تھی۔

”اف۔۔۔! اس لڑکی میں ذرا سا احساس نہیں ہے۔ اب پتا بھی چل گیا ہے کہ گھر میں مہمان آنے والے ہیں پھر بھی منہ اٹھا کر نکل کھڑی ہوئی ہے۔“ طاہرہ نے تلملا کر کہتے ہوئے چیزیں سمیٹنی شروع کر دیں۔

مہو نے ہولے سے ان کے شانے پہ ہاتھ رکھا اور اشارے سے بتایا کہ ”پریشان نہ ہوں۔۔۔ وہ سب کچھ سنبھال لے گی۔“ بے اختیار طاہرہ بی کی آنکھیں بھر آئیں۔

ان کی یہ بیٹی بہت صابر اور سلیقہ مند تھی۔ دونوں بہنوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق واضح تھا۔

مہو کے چہرے پہ معصومیت کا حسن‘ نو عمری کا بانکپن اور حیا جھلکتی تھی۔

جبکہ اقصیٰ کم عمر ہونے کے ساتھ بے تحاشا شوخ و شنگ زندگی سے بھرپور ایک پراعتماد لڑکی تھی۔

اس کی نظر میں صرف اس کی اپنی اہمیت بہت زیادہ تھی۔۔۔ دوسروں کا نمبر بعد میں آتا تھا۔

اس پہ مستزاد کہ اس سے محبت کرنے والوں کی بھی کمی نہ تھی‘ جو بھی اس کے شوخ و شنگ خوب صورت چہرے کو دیکھ لیتا تھا وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کم از کم سبین کے گھر ڈیڑھ گھنٹا لگا کر آئی تھی۔ سب ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے۔

کسی نے اس کا انتظار بھی نہ کیا‘ اس نے ایک شکوہ کناں نگاہ ماں کی طرف ڈالی۔

اسی اثنا میں سلمان صاحب بھی اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

”بیٹا! یہ کون سا وقت ہے کہیں آنے جانے کا۔۔۔ جب آپ کی والدہ آپ کو مہمان کی آمد کے متعلق آگاہ

کر چکی تھیں تو کیا ضرورت تھی آپ کو اپنی نام نہاد دوستیاں نبٹانے کی؟" وہ اسے نرمی سے تنبیہہ کر رہے تھے۔

مہمان کے سامنے اپنی عزت افزائی سے زیادہ اسے باپ کے انداز پہ غصہ آیا تھا انہیں اچھی طرح پتا تھا کہ وہ کتنی ذمہ دار تھی۔ اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ مہمان پہ ڈالی جو گاہے بہ گاہے پرشوق نگاہوں سے اس کی طرف متوجہ تھا اس نے ہلکا سا سوری کہہ کر پاپا کے دائیں طرف والی سیٹ سنبھال لی۔

"سلام کرنے کا رواج نہیں ہے غالباً" آپ کی طرف۔" اس نے چکن قورمہ کا ڈونگا اٹھانا چاہا تھا۔ دوسری جانب سے فوراً" اچک لیا گیا۔ اس نے غصے

سے ہونٹ بھینچے۔
اس نے ضبط کا گھونٹ پی کر اب کوفتوں کی ڈش کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ نہایت عمدگی سے اسے بھی اچک لیا گیا تھا۔
"بدتمیز۔" اب کے اس کی بڑبڑاتی آواز باآسانی اس تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پہ اب دبی دبی سی مسکراہٹ جھلکنے لگی تھی۔
اقصیٰ غم و غصے سے پاگل ہونے کے قریب قریب ہی تھی... لیکن اس نے نہایت تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرائیڈ رائس کی جانب نگاہ کی وہ ماما کی طرف رکھی ہوئی تھی... اور سمیع اسے اچکنے کی ہمت نہیں کر سکتا کہ وہ اس کی دسترس سے کافی دور تھی۔
"ممی وہ..." ابھی اس کے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا کہ وہ بول اٹھا۔
"چچی جان... فرائیڈ رائس کی ڈش پکڑائیے گا ذرا۔"
کسی نے بھی دھیان نہیں دیا تھا لیکن وہ غصے سے بھر گئی۔
اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنی ہائی ہیل کی نوک سے اس بدتمیز کی کھوپڑی میں سوراخ کر دے... جس پہ اس نے عامر خان اسٹائل کٹنگ کروا رکھی تھی...
"ارے اقصیٰ تم کیوں نہیں کھا رہیں؟" ماما نے حیرت سے اسے یونہی بیٹھے دیکھا۔
"مجھے بھوک نہیں ہے۔" کہتے ہوئے تیزی سے کمرے میں چلی گئی... سمیع نے ہونٹ سکوڑ کر ایک نظر اسے جاتے دیکھا اور پھر دوبارہ مزے سے اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔
"چچی کیا لذت ہے آپ کے کھانے میں۔ واہ مزا آ گیا آج تو۔ جو سنا تھا آپ کے بارے میں وہ آج سچ ہو گیا ہے۔"
اب وہ چچی کی تعریفوں میں رطب اللسان تھا۔
وہ شام تک وہاں رہا اور شام ڈھل بھی گئی لیکن اقصیٰ اپنے کمرے سے برآمد نہیں ہوئی۔

☆ ☆ ☆

ٹررن... ٹررن فون کی گھنٹی متواتر بجے جا رہی تھی۔ "آ رہی ہوں بھئی... طاہرہ بی نے فوراً" باقی کام چھوڑے اور تقریباً" بھاگتے ہوئے ٹیلی فون اسٹینڈ تک پہنچیں' اتنے میں سلمان صاحب بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔
"ہیلو جی' السلام علیکم' کیسے ہیں سعید صاحب آپ! آ... ہاں' ہاں یہ سلمان صاحب پاس ہی ہیں لیجیے۔" انہوں نے کون ہے' اشاروں سے پوچھا۔
"مہو کی متوقع سسرال سے فون ہے۔" وہ پرجوش مگر دبے دبے انداز میں بولیں۔
سلمان صاحب کے چہرے پہ بھی بشاشت رونما ہوئی... وہ فوراً" ہی نشست سنبھال کر بیٹھ گئے اور طاہرہ بی مسکراتی ہوئی دوبارہ کچن میں چلی گئیں۔
وہ دراصل چائے بنا رہی تھیں' جس کی فرمائش سلمان صاحب نے کچھ دیر پہلے کی تھی۔ مہو پڑوس میں کسی کے ہاں قرآن خوانی پہ مدعو تھی۔ جبکہ اقصیٰ حسب معمول کالج گئی ہوئی تھی۔
وہ چائے کی دو پیالیاں لیے جونہی لاؤنج میں پہنچیں' انہیں تشویش نے گھیر لیا۔ سلمان صاحب دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے بیٹھے تھے۔
"یا اللہ خیر...! طاہرہ بی زیر لب کہتی ہوئی تیزی سے ان کے پاس پہنچیں۔
چائے ٹیبل پہ رکھی اور ان کی طرف دیکھنے لگیں۔ ان کے چہرے پہ اذیت کے آثار تھے اور انہوں نے آنکھیں موند رکھی تھیں۔
"کیا بات ہے۔ آپ یوں پریشان کیوں بیٹھے ہیں؟ خیریت تو ہے نا۔ کیا کہہ رہے تھے؟ مہو کی سسرال والے۔"
"نہیں ہے اب وہ مہو کی سسرال۔" وہ دھیمے سے گویا ہوئے۔ پھر دونوں ہاتھ گھٹنوں پہ گرا کے بے بسی سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔
"طاہرہ! ہماری مہو کے نصیب میں خوشیاں ہیں بھی کہ نہیں؟ آج کتنا عرصہ ہو گیا ہمیں ہمیں اس کے لیے بر ڈھونڈتے ڈھونڈتے... ! اس مارچ میں وہ ستائیس سال کی ہو جائے گی..." طاہرہ بی کی آنکھوں

سے وہ آنسو ٹوٹ کر ان کی ہتھیلیوں پہ گر گئے۔

"اس کا قوت گویائی سے محروم ہونا ہمارے لیے سخت آزمائش کا باعث بن رہا ہے۔ کیا تھا سعید صاحب کے بیٹے میں وہ پیدائشی بھینگا اور پکّے پن کا شکار ہے اور ہماری مہو۔۔۔ خوب صورت سلیقہ شعار 'باادب' باتمیز۔۔۔ لیکن صرف ایک خامی کی وجہ سے ان لوگوں نے دو مہینوں کی نسبت توڑ ڈالی۔۔۔ اب ہم لوگوں کو کیا جواب دیں گے۔ اتنی دھوم دھام سے کی گئی منگنی۔"

وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولے اور طاہرہ بی مزید سننے کی تاب نہ لاتے ہوئے تیزی سے وہاں سے اٹھ گئیں۔

وہ دونوں ایک دوسرے کا دکھ بخوبی سمجھتے تھے۔ مہو ان کی پہلوٹی کی اولاد تھی اور بہت پیاری اور عزیز تھی دونوں کو۔۔۔

اگرچہ اقصیٰ نے ان کی جنت میں پانچ سال بعد قدم رنجہ فرمایا تھا لیکن جو حیثیت مہرالنساء عرف مہو کی تھی وہ اقصیٰ کی کبھی نہ ہو سکی۔

اس پہ مستزاد وہ پیدائشی قوت گویائی سے محروم بچی تھی۔ کچھ اس وجہ سے بھی دونوں ماں باپ اسے نہایت پیار کرتے تھے۔

بچپن گزرا' لڑکپن یہاں تک کہ جوانی بھی جوبن پہ آ گئی تھی۔۔۔ مہو کے حصے میں آیا پیار اس کی شخصیت میں اتنا نکھار لے آیا کہ۔ دیکھنے والے ایک بار ٹھٹک جاتے تھے۔ وہ بلا کی معصوم صورت رکھتی تھی اور اس کے ظاہر میں بہت نزاکت جھلکتی تھی۔

وہ کہیں سے بھی ستائیس سال کی نہیں دکھتی تھی۔

وہ اس کے رشتے کے لیے جب سے کوشاں تھے جب وہ میٹرک میں تھی اور اب دس سال سے بھی اوپر کا عرصہ ہو گیا تھا۔

مہو کی قسمت ہنوز خاموش تھی اور وہ اب تھکنے لگے تھے۔

٭ ٭ ٭

مہو کی منگنی ٹوٹنے کی خبر جہاں جہاں پہنچی ہر کوئی ایسے افسوس کے ساتھ آ رہا تھا جیسے خدانخواستہ کوئی موت ہو گئی ہو۔

مہو سب کی خاطر داری میں تندہی سے مصروف تھی۔

"چہ چہ۔۔۔ بچی کی ہمت ہے جو برداشت کر رہی ہے۔"

"گونگی ہے بے چاری کون لے گا اسے۔" جتنے منہ اتنی باتیں۔

"آپ کو اتنی تکلیف کیوں ہو رہی ہے آنٹی۔۔۔ ہمیں تو کوئی دکھ نہیں ہے۔ اس منگنی کے ٹوٹنے پر۔۔۔ شکر ہے پہلے ہی پتا چل گیا کہ لالچی لوگ ہیں۔۔۔ بعد میں کیا حال ہوتا۔۔۔ اور آپ کو اگر اتنی تکلیف ہو رہی ہے تو آپ دے دیں اپنے بیٹے کا رشتہ ہماری مہو کے لیے۔" کب سے ضبط کرتی اقصیٰ ایک دم ہی پھٹی تھی۔

طاہرہ بی اسے گھرکتی رہ گئیں۔ وہ ہونہہ کہہ کر تن فن کرتی وہاں سے چلی بھی گئی۔

"اف توبہ میرے اللہ۔ معاف کرنا بہن۔۔۔! لڑکیاں زبان چلاتی اچھی نہیں لگتیں۔۔۔ میں تو کہتی ہوں شکر کرو کہ ایک گونگی ہے۔ نہیں تو جان عذاب میں آجاتی تمہاری۔۔۔" طاہرہ بی نے جھکے سر کے ساتھ ان عورتوں کے تبصرے سنے اور خاموشی سے سب کو جاتا دیکھتی رہیں۔

ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہوا تھا۔ اقصیٰ کی وجہ سے اکثر انہیں اسی طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ وہ حد درجہ۔ منہ پھٹ ہونے کے ساتھ انتہائی صاف گو تھی۔

مہو چپکے سے ان کے پاس آ بیٹھی اور دونوں ہاتھ ان کے گھٹنوں پہ رکھ دیے۔

انہوں نے نم آنکھوں کے ساتھ چہرہ اونچا کیا تو دھک سے رہ گئیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری تھی اور پھر وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ رہی تھی۔۔۔ وہ خود کو ان کے لیے پریشانی کا سبب سمجھتی تھی۔

طاہرہ بی نے تڑپ کر اسے آغوش میں سمیٹا اور مہو ہنس پڑی۔
گھٹ گھٹ کے روتی رہی۔۔۔۔

☆ ☆ ☆

آج تو بظاہر وہ نیک پروین بی بی بنی سب کے ساتھ کام میں ہاتھ بٹارہی تھی۔ لیکن یہ اسی کے دل کو خبر تھی وہ کتنا برداشت کررہی تھی۔

"وجہ" پاپا کا مہمانوں کی موجودگی میں گھر میں موجود ہونا تھا۔ کیونکہ وہ اس کی غلط باتوں پر مہمانوں کے سامنے بھی ٹوک دیتے تھے۔

وہ وقفے وقفے سے بے جان چیزوں کو پٹخ پٹخ کر اور ساتھ ساتھ بڑبڑاتے ہوئے اپنی بھڑاس نکال رہی تھی۔

"پاپا کے مہمان پاپا جیسے ہی ہیں۔ ناانصاف۔۔۔!"

اس نے سالن کا ڈونگا زور سے شیلف پہ پٹخا۔۔۔ مہو نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے کو تھپتھپا کر پرسکون رہنے کی تلقین کی۔۔۔ لیکن اس پہ تو جیسے بھوت سوار ہو گیا تھا۔

"ویسے مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ دور پرے کے رشتے داروں کو اپنے رشتے دار اتنے عرصے بعد کیوں یاد آتے ہیں۔۔۔ بقول ممی کے وہ ہمارے کزن اور پاپا کے بھتیجے لگتے ہیں۔

اف بائے گاڈ۔۔۔ وہ سڑیل۔۔۔ تم نے دیکھا کہ وہ کتنا "باادب" ہے۔۔۔ ہونہہ تمہیں کیا پتا۔ ایک دم ہی اسے احساس ہوا تھا کہ اس کے بولتے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ مہو محض سن کر مسکرا سکتی تھی۔

"اقصیٰ۔۔۔" "ماما فورا" ہی کچن میں آگئی تھیں۔۔۔ اس نے پیچھے مڑ کر طاہرہ بی کو دیکھا۔ ان کے چہرے پہ برہمی صاف واضح تھی۔

"اپنی چونچ ذرا آہستہ ہلاؤ۔۔۔ ڈرائنگ روم تک آواز آرہی ہے۔" وہ جس طرح بولتی ہوئی آئی تھیں ویسے ہی چلی بھی گئیں۔

"لو جی۔۔۔ اب ہم بھی گونگے ہو گئے۔" اس نے دونوں ہاتھ لہرا کر کچھ اس انداز میں کہا کہ مہو بے اختیار

نعمان فاروق اور سلمان فاروق دونوں بھائی ضرور تھے لیکن سوتیلے۔۔۔ نعمان فاروق بڑے تھے اور بے جی کے بیٹے تھے۔

بے جی در حقیقت سلمان فاروق کی خالہ لگتی تھیں۔۔۔ ان کی ماں کے فوت ہو جانے کے بعد باپ نے خالہ سے عقد ثانی کرلیا تھا کہ وہ بھی بیوہ تھیں۔ اس وقت سلمان فاروق نے مڈل کا امتحان پاس کیا تھا۔

نعمان فاروق، سلمان سے سات آٹھ سال بڑے تھے۔۔۔ رسمی سی تعلیم کے بعد بے جی نے انہیں جلد ہی گھر بار کا کردیا۔

جبکہ سلمان پڑھنا چاہتا تھا۔ بہت زیادہ تعلیم حاصل کرنا اس کا شوق تھا۔۔۔ بے جی نے دونوں بیٹوں کو بہت محبت سے پروان چڑھایا تھا۔۔۔ وہ لاکھ مہربان سہی لیکن اپنے اصولوں سے انحراف ان کے لیے ناممکن تھا۔

چنانچہ گریجویشن تک آتے آتے انہوں نے بغیر بتائے سلمان کی بھی بات پکی کردی۔

جب سلمان فاروق کو خبر ہوئی تو وہ بہت سیخ پا ہوا۔ باقاعدہ ماں سے لڑا اور سب تعلق توڑ کر ہمیشہ کے لیے گھر سے نکل آیا۔ وہ۔۔۔ اندرون شہر میں رہنے والی اجڈ لڑکیوں کو ناپسند کرتا تھا اور زینب بھابھی بھی کچھ اسی قسم کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔۔۔ نتیجتاً" بے جی ناراض ہو گئیں۔

وہ آخری بار باپ کی وفات پر آیا تھا۔۔۔ لیکن وہ تب بھی اس سے بولنے پہ آمادہ نہ ہوئیں۔

کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ اس نے بے جی کا دل دکھایا ہے۔۔۔

وقت کا تیز رفتار گھوڑا بہت بے لگام تھا۔۔۔ بیس سال گزر گئے انہوں نے اپنے محترم استاد کی بیٹی سے بیاہ رچالیا تھا۔

شوہر کی وفات کے بعد بے جی نے نعمان بھائی کے ساتھ ٹھکانا بدل لیا اور وہ گردش دوراں میں بے یارو

مدد گار رہ گئے۔
سمیع اتفاقاً" ان کی کمپنی میں انٹرویو دینے آیا تھا اور بس پھر قسمت کا ہیر پھیر بالآخر پھر ماضی کا پہیہ گھما بیٹھا۔

نعمان بھائی اب اس دنیا میں نہیں رہے تھے۔ زینب بھابھی تیسرے بچے کی پیدائش کے وقت ہی اللہ کو پیاری ہو گئی تھیں اور پھر بچہ بھی جانبر نہ ہو سکا۔
کتنی ہی دیر وہ بے جی کے گھٹنوں میں منہ دیے بچوں کی طرح بلکتے رہے۔
"بے جی آپ کہاں چلی گئی تھیں.... اتنا بڑا جرم تھا میرا جو آپ نے جدائی کی اتنی لمبی سزا دی۔ کہاں کہاں نہ ڈھونڈا میں نے آپ کو.... ایک عمر گزری اسی دکھ کے احساس میں کہ میں نے آپ کا دل دکھایا ہے.... اگر آپ خدا نخواستہ یونہی مجھے چھوڑ کر چلی جاتیں تو میں کس سے معافی مانگتا بے جی۔" وہ ان کے ہاتھ چومتے ہوئے زار و قطار رو رہے تھے۔
وہاں موجود سب کے چہروں پہ اداسی اور آنکھوں میں نمی آ گئی۔
"میرا بچہ.... میرا چاند.... ! میں نے واقعی تیرے ساتھ اچھا نہیں کیا تھا.... جب مجھے احساس ہوا تو تو واپس چلا گیا تھا.... اور تیرے ابا کا مکان' کاروبار میں گھاٹے کی وجہ سے لیے گئے قرض میں مکان گروی رکھ دیا تھا.... تیرے ابا نے اسی غم میں وہ زیادہ نہیں جی سکے اور مکان گروی رکھنے والوں نے قبضے میں لے لیا.... ہمیں مجبوراً" وہاں سے جانا پڑا.... ہمارے پاس تمہارا کوئی اتا پتا نہ تھا۔ اس لیے ایک شہر میں رہتے ہوئے ہم ایک دوسرے سے کتنے سال دور رہے ہیں .... رب کی اس میں کوئی مرضی ہی ہو گی.... نا؟" بے جی نے سلمان صاحب کے آنسو پونچھے.... ساتھ ساتھ اپنے دوپٹے کے پلو سے اپنی بوڑھی آنکھوں کو بھی صاف کرتی رہیں۔
"ارے بھئی باتیں تو یونہی ہوتی رہیں گی.... کھانا تیار ہو گیا ہے۔ کھانا کھا لیں۔" طاہرہ بی نے ماحول کی سوگواریت کو کم کیا اور اقصیٰ کو آواز دینے لگیں۔

اقصیٰ نے گن انکھیوں سے دیکھتے سمیع کو گھور کر نخوت سے سر جھٹکا اور اپنے لیے ٹرے میں لوازمات لیے باہر آ گئی۔
موسم تمام تر خوشگواریت لیے ایک اچھا تاثر پیدا کر رہا تھا۔ وہ ٹیرس پہ جانے والی سیڑھیوں پہ بیٹھ گئی۔
چونکہ ان کا مکان کافی اونچائی پہ تھا تو وہ ہر چیز با آسانی دیکھ لیتی تھی۔ چپکے چپکے لوگوں کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینا اب اس کا پسندیدہ مشغلہ بن چکا تھا۔
بریانی سے بھرپور انصاف کرتے ہوئے وہ صرف یہ سوچ رہی تھی کہ پاپا اس بات پر کتنے برہم ہوں گے کہ اس طرح وہاں سے اٹھ کر یوں چلی آئی۔ یہاں آنے کو ترجیح دی تھی۔
"ارے بھئی آرام سے.... کوئی چھین کر نہیں لے جا رہا آپ سے...." اس غیر متوقع آواز پہ اقصیٰ اپنی جگہ بری طرح اچھل کر رہ گئی.... جو چاول اس کے منہ میں تھے وہ اس کی حواس باختگی سے حلق میں پھنس کر رہ گئے۔
اتنی سی دیر میں اس کا سارا چہرہ کھانسنے کی وجہ سے آنسوؤں سے لبریز ہو چکا تھا۔ آنکھیں سرخ انگارہ بن گئی تھیں۔
اس نے پاس رکھی منرل واٹر کی بوتل کو اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔
"اف اللہ...." ایک سانس میں ساری بوتل چڑھا لینے کے بعد وہ نڈھال سی سیڑھیوں کی گرل سے ٹیک لگا کر اپنے اندر کی جلن پہ قابو پانے لگی۔
سمیع حقیقتاً" بری طرح شرمندہ ہو چکا تھا.... مارے شرمندگی کے وہ اب تک کھڑا تھا....
"آئی ایم سوری.... وہ مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ...." اس نے وضاحت کی۔
"جائیں یہاں سے آپ...." اس کی آواز ہموار نہیں تھی۔
"سوری.... میرا ارادہ آپ کو یوں ڈسٹرب کرنے کا نہیں تھا اقصیٰ....!" وہ نادم لہجے میں بولا۔
"اچھا.... تو کیا ارادہ تھا آپ کا.... بولیے.... ہاں اب

بولیے نا!" وہ ایک دم اٹھی اور خونخوار لہجے میں کہتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔

وہ بوکھلاہٹ میں ایک دو قدم پیچھے ہوا اور نتیجتاً" اس کا پیر پھسلا اور بر گڑ کھاتا آخری سیڑھی پہ جا رکا۔

"اف" اس نے اٹھنا چاہا لیکن اس کے پاؤں میں بری طرح موچ آچکی تھی۔

وہ وہیں گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا اب بوکھلاہٹ کی باری اقصیٰ کی تھی اس نے ایک سیکنڈ میں سیڑھیاں پھلانگیں اور اس کے پاس آ پہنچی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں نا۔۔۔!" اس نے عجلت میں کہتے ہوئے تشویش سے کہا۔ "سمیع نے بڑی ضبط کا مظاہرہ کر کے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"اب ٹھیک ہو گیا ہوں۔" وہ اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔۔۔ بالاخر گرل کا سہارا لے کر اٹھنے میں کامیاب ہوا تو ایک نظر اپنے پاؤں اور مس اقصیٰ کو دیکھا جو چہرے پر ہلکی سی خفت لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"بہت شکریہ مس اقصیٰ! معافی مانگنے کی تجل خواری سے بچا لیا آپ نے۔۔۔ ویسے بڑی کینہ پرور واقع ہوئی ہیں آپ۔۔۔ میں تو آپ سے صرف دوستی کرنا چاہ رہا تھا۔۔۔ سمیع حدید نام ہے میرا۔" ہلکے پھلکے لہجے میں کہتے ہوئے آخر میں اس نے اپنا تعارف بھی کرا ڈالا۔

اقصیٰ کو اس کی تمیزداری ایک آنکھ بھی نہ بھائی۔۔۔ الٹا اس نے نخوت سے آنکھیں سکوڑ کے اس کی طرف دیکھا۔

"جانتی ہوں۔۔۔" اقصیٰ کہتی آگے بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ کالج سے آئی تو گھر میں خلاف توقع خوب چہل پہل تھی۔ پورے لاؤنج میں جھلملاتے۔ ست رنگے پیراہنوں کی بھرمار تھی۔ ایک سے ایک لشکارے مارتا جوڑا نگاہوں کو خیرہ کیے دے رہا تھا۔

اس نے مہو اور ماما کی طرف دیکھا۔ وہ اسے بہت مطمئن اور پر سکون دکھائی دیں۔

"صد حیرت۔۔۔" اس نے طاہرہ بی کی جانب دیکھا جو خوب صورت جوڑوں کے ڈھیر اٹھائے اس کے پاس صوفے پر رکھ رہی تھیں۔

"تم بھی دیکھ لو۔۔۔ کتنے خوب صورت کپڑے بھیجے ہیں بے جی نے اپنی مہو کے بری کے لیے۔" ان کے چہرے پہ مسرت کے بڑے انوکھے رنگ تھے۔ اس نے سنا ضرور لیکن دھیان نہیں دیا۔

"ارے واہ۔۔۔ بے جی کی کوئی دکان لگی ہوئی ہے کیا۔۔۔ اتنے خوب صورت اور مہنگے جوڑے۔۔۔ ایسے جوڑے تو بس شادیوں پر پہنے جاتے ہیں۔"

اس نے ایک سوٹ کھول کر دیکھا۔۔۔ واقعی قابل ستائش تھا۔

"واؤ۔۔۔!" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"تو بتایا تو ہے۔ مہو کی بری کے ہیں۔۔۔!" اقصیٰ نے حیرت سے ماما کو دیکھا۔

"مہو کی بری کے؟" حقیقتاً" وہ چلائی تھی۔

طاہرہ بی نے مسکرا کر مہو کو دیکھا، جس کے چہرے پہ شفق کی لالی پھوٹ پڑی تھی۔۔۔ وہ تمام جوڑے سلیقے سے رکھ رہی تھی۔

"اور کیا۔۔۔! تم کیا سمجھ رہی ہو۔ خیر سے بے جی نے اپنے پوتے رافع کے لیے مانگا ہے مہو کو۔۔۔ اس لیے زیادہ وقت نہیں ہے ہمارے پاس صرف دو مہینے ہیں۔ لوگوں کو بھی پتا چلے۔ میرے مہو کے نصیب کتنے اونچے ہیں۔ اچھے خاندان میں اور اپنوں میں جائے گی۔ ہمیشہ سکھ پائے گی ان شاء اللہ!

طاہرہ بی کے چہرے پہ بھرپور آسودگی نظر آرہی تھی اور آنکھوں کے گوشے کہیں کہیں نم تھے۔ جیسے خوشی میں وہ رو پڑی ہوں۔

اقصیٰ نے مصنوعی اداکاری کرتے ہوئے سرہلایا۔

"واقعی۔۔۔! مہو جیسی خوب صورت دوشیزہ اور دولہا بھائی شام کی سیاہی جیسا رنگ۔۔۔ کیا خوب جوڑ ہو گا۔" وہ تمسخرانہ ہنسی۔

طاہرہ بی نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

"بے شرم لڑکی... اللہ کے بنائے ہوئے بندوں کا یوں مذاق نہیں اڑاتے... مہو اس رشتے سے خوش ہے۔"

"آف کورس مما...! مہو جیسے بے زبان کیا احتجاج کریں گے۔ اگر معاملہ میرا ہوتا تو شاید۔" وہ معنی خیز لہجے میں کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

اس کا سانس غیر ہموار ہو رہا تھا۔ "لو جی آخر وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا... آج انہوں نے رافع کے لیے مہو کا رشتہ مانگا تھا کل سمیع کے لیے اسے بھی مانگ سکتے تھے۔"

وہ دانستہ اپنی پڑھائی میں اتنی مصروف نظر آنے لگی... اسے اس شادی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی... ماما جب بھی اسے دیکھتیں خفا نظروں سے ہی دیکھتیں۔

وہ چاہتی تھیں کہ اقصیٰ بہن کی خوشی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے جو کہ اس کے بس سے باہر تھا۔

ایک دوبار سلمان صاحب نے بھی اسے ٹوکا۔ لیکن وہ امتحان کا بہانہ کر کے رہ گئی۔ چونکہ وہ سب اس کی موڈی طبیعت سے واقف تھے' سو دوبارہ کسی نے اصرار نہیں کیا۔

شادی میں محض دو ہفتے رہ گئے تھے جب وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔

بے جی مع رافع کے ایک روز صبح ہی صبح تشریف لے آئیں۔

"وہ بیٹا سلمان۔" انہوں نے ایک نظر اپنے پوتے کو دیکھا جو انہیں بات کرنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

انہوں نے ڈرتے ڈرتے سلمان صاحب سے اپنا مدعا بیان کیا۔

"وہ ہم چاہتے ہیں کہ اقصیٰ...! اقصیٰ کو بھی تم ہمارے سمیع کے لیے..." ادھورا مدعا... لیکن مطلب پورا' طاہرہ بی نے دہل کر سینے پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔

جبکہ سلمان صاحب خوشی سے بے حال ہو گئے۔

"ارے... یہ تو خوشی کی بات ہے۔ اس میں سوچنے والی کیا بات ہے۔ آپ کی بیٹیاں ہیں۔ اس گھر رہیں یا اس گھر ایک ہی بات ہے۔" سلمان صاحب نے اس وقت ہاں کر دی۔

مہمان گئے اور اقصیٰ کی آمد ہوئی اس کے کانوں میں بات پہنچنے کی دیر تھی اور پورے گھر میں گویا قیامت کا سا سماں ہو گیا۔

"کیا ماما... پاپا نے بات طے کر دی میری اور آپ لوگوں نے مجھ سے پوچھنا بھی گوارا نہ کیا۔" جس خدشے کو وہ دل میں دبائے بیٹھی تھی وہ بالآخر پورا ہی ہو گیا۔

اس کے کمرے کی ساری چیزیں پل بھر میں زمین بوس ہوئی پڑی تھیں۔

پاپا وہ جانے کب اپنے کمرے سے نکل کر یہاں آ کھڑے ہوئے تھے وہ اب شکستہ سے انداز میں نیچے کارپٹ پہ بیٹھی دونوں ہاتھوں سے سر کو جکڑے رونے میں مصروف ہو گئی۔

"مجھ سے پوچھے بغیر... کیسے کر سکتے ہیں پاپا یہ سب؟" اس کی سسکیاں رکنے میں ہی نہیں آ رہی تھیں...

"میں کر چکا ہوں یہ سب یہ فضول کی اداکاری بند کرو اور شکر کرو اللہ کا کہ باعزت طریقے سے تمہارا رشتہ طے ہو گیا ہے دنیا میں کتنی خوش نصیب لڑکیاں ہوں گی جنہیں تمہاری طرح گھر بیٹھے رشتے انعام کی صورت مل جاتے ہوں گے... بند کرو یہ ماتم کرنا... تمہاری شادی سمیع سے ہو گی اور مہو کے ساتھ ہی ہم تمہیں رخصت کر دیں گے۔" دو ٹوک لہجے میں کہتے ہوئے وہ مڑے۔

"مجھے یہ رشتہ نامنظور ہے پاپا... میری مرضی میرا حق ہے پاپا اور آپ کیسے میری حق تلفی کر سکتے ہیں۔" وہ پیچھے سے چلائی تھی... سلمان نے رک کر ایک نظر غور سے اس کی طرف دیکھا اور پھر باہر نکل گئے۔

اقصیٰ نے بے وقعتی کے احساس کے ساتھ خود کو پھر صوفے پہ گرا لیا اور مچل مچل کے رونے لگی۔

☆ ☆ ☆

"یہ تربیت کی ہے تم نے اس لڑکی کی۔" طاہرہ بی سر

جھکائے کارپٹ پہ بنے نقش و نگار کھوجتی رہیں۔

"اتنی منہ زور اور خودسر میری بیٹی نہیں ہو سکتی۔۔۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ یوں میرے مدمقابل آکر مجھ سے بات کرے گی۔" سلمان صاحب مسلسل انہیں ملامت کر رہے تھے۔

یہ واقعی سچ تھا کہ اقصیٰ باپ سے بہت ڈرتی تھی اور ان کے سامنے جواب دینے کی اس کی کبھی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ پہلی بار اب اس کی ہمت نے سلمان صاحب کو ششدر کر دیا تھا۔

"میری تربیت پہ انگلی مت اٹھائیں آپ۔۔۔ انکار یا اقرار کا حق شریعت نے دیا ہے اسے۔" طاہرہ بی خفا سے انداز میں اقصیٰ کی حمایت میں بولیں۔

"ہاں دیا ہے حق' میں کب انکار کر رہا ہوں اس بات سے۔ لیکن کسی وجہ پہ انکار کا حق حاصل ہے۔ ہم اس کے ماں باپ ہیں۔ اس کے لیے برا تو نہیں سوچیں گے۔ اور پھر سمیع کتنا اچھا اور سلجھا ہوا بچہ ہے۔ ہمیں ایسا رشتہ اور کہاں ملے گا۔ جس طرح اس کی ضد اور ہٹ دھرمی میرے سامنے آرہی ہے' مجھے مشکل لگتا ہے کہ یہ کہیں بھی اپنا گھر بسا پائے گی۔" وہ انتہائی برہمی سے گویا ہوئے۔

"اللہ نہ کرے کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔۔۔! ایک مہو کے لیے ہم نے کم عذاب جھیلا ہے۔"

"مہو کی بات مت کرو تم۔۔۔ جگر کا ٹکڑا ہے وہ میرا۔۔۔ بہت صابر بچی ہے۔ ہمارے کسی بھی فیصلے پہ وہ چوں بھی نہیں کرتی۔" مہو کا ذکر کرتے ہی ان کی زبان میں مٹھاس در آئی۔۔۔ طاہرہ بی نے افسوس سے سر جھٹکا۔

"آپ کے اسی متضاد رویے اقصیٰ کو ہٹ دھرم بنا دیا ہے اور بات کرتے ہیں میری تربیت کی۔" سلمان صاحب نے ناگواری سے بیوی کو دیکھا اور پھر اپنا چشمہ لگا کے زیر مطالعہ کتاب اٹھالی۔

"کل تک مجھے اقصیٰ کی رضامندی مل جانی چاہیے۔۔۔ اب میں مزید بہانے و ڈرامے نہیں سن سکتا۔"

یہ حتمی لہجہ تھا۔۔۔ گویا نشست برخاست ہو گئی۔۔۔ طاہرہ بی اقصیٰ کا فیصلہ اور رد عمل پہلے ہی جانتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"بیٹا تم نے خواہ مخواہ کی ضد بنالی ہے۔۔۔ بعض اوقات جیسا نظر آتا ہے ویسا ہوتا نہیں ہے۔" انہوں نے دیکھا کہ ان کی بات کا اس پہ خاک اثر ہوا تھا۔

وہ ٹس بیٹھی پر سوچ نظروں سے باہر کھڑکی کی طرف دیکھتی رہی۔۔۔ طاہرہ بی نے ایک گہرا سانس کھینچ کر دوبارہ کمر باندھی۔

"تم جانتی ہو اقصیٰ! تمہارے پاپا مہو اور تم سے کتنا پیار کرتے ہیں۔ ہاں وہ مہو سے کچھ زیادہ پیار کرتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں تمہاری کوئی پروا نہیں ہے۔ کل وہ تمہاری وجہ سے ساری رات نہیں سو پائے۔"

طاہرہ بی نے آزردہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ جس کی آنکھیں پھر بھیگنے لگی تھیں۔۔۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں گویا وہ بھی ساری رات روتی رہی تھی۔

انہیں یکدم ہی اس پہ پیار آیا۔۔۔ وہ اسے اب تک بچی ہی سمجھتی رہیں۔ آج معلوم ہوا کہ وہ جوان ہو گئی۔۔۔ آنسو پھسل کر اس کے گالوں پہ بکھر گئے تھے۔ لیکن وہ لاتعلقی سے باہر دیکھتی رہی۔

"سمیع بہت اچھا بچہ ہے بیٹا! وہ تمہیں بہت پیار دے گا۔۔۔! تم اور مہو بہت خوش رہو گے ایک گھر میں۔"

اقصیٰ کی آنکھوں میں اضطراب سمٹ آیا اور اس نے جھٹکے سے ان کی جانب رخ کیا۔

"مہو۔۔۔ مہو۔۔۔ مہو اب آئیں نا آپ اصل بات پہ۔ آپ لوگوں کو صرف اسی کی فکر ہے۔

ماما۔۔۔ میرا کسی کو کوئی خیال نہیں۔۔۔ جھوٹ بولتے ہیں آپ دونوں۔۔۔ ڈھونگ رچاتے ہیں مجھ سے پیار محبت کا۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ لوگوں نے مجھے ہمیشہ اگنور کیا ہے۔ پاپا نے ہمیشہ مجھے ڈانٹا۔۔۔ مجھے ہر اس کام سے

منع کرتے جس کا میرا دل کرتا... اور مہو پہ وہ ہمیشہ مہربان رہے ہیں۔"

"کیا قصور ہے میرا؟ اور اس پہ یہ الزام کہ میں آپ لوگوں کو دکھ دے رہی ہوں... پاپا سے پوچھیے گا ماما۔" آپ کیا سکھ دے رہے ہیں مجھے؟" وہ تیز بولتی اب ہانپ چکی تھی۔

طاہرہ بی خاموش نظروں سے اسے بولتا سنتی رہیں

وہ آہستہ آہستہ چلتی کھڑکی کی طرف آگئی۔ اس نے ایک سائڈ کے پردے سرکائے اور سلائیڈ ونڈو پرے دھکیل دی۔

ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اس کے بال ہوا سے اڑنے لگے۔

"خوشی اس ہوا کی مانند ہے مما... جسے ہم دلوں کی کھڑکی بند کر کے اندر آنے سے روک دیتے ہیں۔ سب یاد ہے مجھے... چھوٹی تھی تو کیا ہوا سب سے اچھا کھلونا... سب سے اچھے کپڑے۔ مہو کے لیے ہوتے۔

غرض بہترین کی صف میں، ناشتا، بیڈ روم یہاں تک کہ چاکلیٹس، کینڈیز اسنیکس سب کچھ ماما اس کا مجھ سے برتر رہا ہے... اور مجھے آپ لوگ۔

"بیٹا وہ اسپیشل ہے... آپ سمجھ دار ہیں۔" کہہ کر ٹال دیا جاتا۔

وہ صرف بول ہی نہیں سکتی اور تو سب کچھ نارمل ہے اس کے پاس، پھر اتنا فرق کیوں ماما... مہو کی اسپیشلٹی کو ہتھیلی کا چھالہ بنا کر اور مجھے اگنور کر کے آپ سب نے مل کر مجھے اسپیشل بنا دیا ہے۔"

وہ ملال زدہ لہجے میں بولی... آزردگی اس کے لب و لہجے سے ہی نہیں اس کے پورے وجود سے ٹپک رہی تھی... طاہرہ بی اٹھ کر اس کے پاس آئیں۔

"میں تمہارا دکھ سمجھتی ہوں بیٹا... لیکن تمہارے پاپا کو نہیں سمجھا سکتی۔" ان کی بات پہ اقصیٰ کی دھڑکن مزید مدھم ہوئی وہ اشک بار آنکھوں سے انھیں دیکھنے لگی۔

"ماما، مجھے وہ شخص اچھا نہیں لگتا... پلیز پاپا کو سمجھائیں نا۔" اس کا لہجہ آنسوؤں سے بوجھل ہو رہا تھا۔

طاہرہ بی نے اسے سینے سے لگا لیا... اور اس کے آنسوؤں کو بہہ جانے کا مزید رستہ مل گیا۔

☼ ☼ ☼

طاہرہ بی، سلمان صاحب کو نہ جانے کس طرح قائل کر پائیں۔ بہرحال، انہوں نے اقصیٰ کا انکار پہنچا دیا تھا...

اس کے امتحانات تقریباً" تین ماہ بعد تھے۔ وہ تندہی سے تیاری میں مصروف ہو گئی۔

شادی میں محض پانچ دن رہ گئے تھے جب بے جی کی طرف سے شادی دو ماہ لیٹ کرنے کا حکم آ گیا...

سلمان صاحب کا بلڈ پریشر خطرناک حد تک ہائی ہو گیا تھا... بہرحال کسی کو بھی بتانے سے گریز کیا گیا البتہ انہوں نے اقصیٰ کی طرف سے منہ پھیر لیا تھا۔

"اس سے کہہ دو طاہرہ! کہ مجھے اپنی شکل نہ دکھایا کرے۔ مجھے نافرمان اولاد پسند نہیں ہے۔" وہ اسے دیکھتے ہی بولے۔" اقصیٰ دلبرداشتہ ہو کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا تھا۔ پاپا مہو کے لیے اس کی حق تلفی کر دیا کرتے تھے۔

بے شک مہو کا کوئی قصور نہیں تھا۔ لیکن ہر بات اسی کے وجود سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی تھی اور وہ ہونے میں، نہ ہونے میں برابر تھی۔

انہیں انکار کی وجہ چاہیے تھی اس نے وجہ بتا دی۔ لیکن یہ وجہ ان کی نظر میں قابل قبول نہ تھی۔

اسے شکل و صورت سے کوئی غرض نہ تھی... بس اسے یہ شخص قطعی پسند نہ تھا۔ پتا نہیں کیوں اسے دیکھ کر وہ مشتعل ہو جایا کرتی تھی...

وہ کالج سے گھر آئی۔ ابھی اس کے قدم اپنے کمرے کی جانب اٹھے ہی تھے کہ سمیع رستے میں پھیل کر کھڑا ہو گیا۔

"اقصیٰ آپ نے انکار کیوں کیا ہے؟"
"اف میرے اللہ یہ معاملہ ختم کیوں نہیں ہو جاتا۔"
اس نے سرخ انگارہ آنکھوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے سوچا۔
"میں تمہیں جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔" منہ بھی پھیر لیا۔
"غور سے دیکھیں گی تو اتنا برا نہیں لگوں گا۔" وہ اس کے رویے پہ غور کیے بغیر بولا۔
"تو میں نے کب کہا کہ تم برے ہو۔" اسے اچنبھا ہوا۔
"یعنی اچھا ہوں۔" وہ خوش فہم ہوا۔
"میں نے یہ بھی نہیں کہا۔" اس نے ایک سانس بھر کر کہا۔
"بس پھر تو مسئلہ ہی ختم! تم تیاری کرو ہم بہت جلد تمہیں بھی لینے آجائیں گے۔" وہ چہکتے ہوئے دوستانہ لہجے میں بولا.... اقصیٰ کے چہرے کا رنگ غائب ہو گیا ....
"میری بات سنو.... تم لوگ ایسا کچھ نہیں کرو گے .... کیوں کہ مجھے تم جیسے لوگ پسند نہیں ہیں جو الٹی سیدھی حرکتوں سے نہ جانے دوسروں کو کیا باور کروانا پسند کرتے ہیں۔ مجھے کم از کم تم سے شادی نہیں کرنی .... کیونکہ تم مجھے بالکل پسند نہیں۔" دو ٹوک انداز میں کہتی اسے منہ کھولے چھوڑ کر تیزی سے نکلتی چلی گئی۔
سمیع حدید حیران و پریشان کھڑا رہ گیا.... اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ معصوم سی صورت رکھنے والی لڑکی، لہجے سے اتنی تلخ ہو گی۔ اسے بالکل پریشانی نہیں ہوئی تھی جب چچا نے انکار کہلوا کر معذرت کی تھی۔ وہ سمجھا تھا شاید چچا ایک گھر میں دو بیٹیاں نہیں دینا چاہ رہے ہوں گے۔ بعد ازاں اسے معلوم ہوا کہ یہ انکار اقصیٰ کی جانب سے تھا.... کیوں؟ وہ بس اس سوال کا جواب لینے آیا تھا۔ لیکن وہ اس کے وجود کو ایک جھٹکے سے پرے کرتی جیسے آگے بڑھ گئی تھی۔
پہلی بار اسے کینہ توز نظروں سے گھورتی یہ لڑکی بہت پیاری لگی تھی اور پھر غیر ارادی طور پہ وہ اسے تنگ کر کے اس کے چڑتے تاثرات سے بہت حظ اٹھاتا رہا تھا۔ لیکن بہت جلد اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس کی بے تکلفی سے چڑتی تھی۔ سو پہلی بار ہی معیوب ٹھہر گیا۔
کوئی بات نہیں وہ اس سے سوری کرے گا۔ اس نے سوچا تھا۔ لیکن اس کی تمام منصوبہ بندی پہ پانی پھر گیا.... وہ سرپھری لڑکی کچھ سننے پہ راضی ہی نہ تھی۔
پھر نہ جانے کتنے دن گزر گئے۔ وہ خود سے بھی لاتعلق ہو گیا۔ عجیب بے گانوں کا سا انداز لیے سب گھر والے الگ اس کی حالت دیکھ کر پریشان تھے!
اس کا بس ایک ہی جواب تھا۔ "کچھ نہیں آپ لوگوں کو وہم ہوا ہے۔"
لیکن وہم کیسے ہو سکتا تھا۔ وہ اتنا زندہ دل تھا۔ شوخ و شنگ تھا۔
چپ بیٹھنا تو جیسے اس نے سیکھا ہی نہ تھا.... ہمہ وقت اس کی باتیں "کاشانہ حدید" میں گونجتی رہتیں .... پھر کوئی خوامخواہ کیوں کر وہم کرتا۔
یہ تو سامنے کی بات تھی.... وہ صبح جاتا اور شام گئے واپس آتا۔ اس پہ مستزاد سیدھا اپنے کمرے میں۔ اس نے بات کرنا ہی چھوڑ دی تھی۔
"کاشانہ حدید" اس کے قہقہوں کے بنا ویران تھا اور وہ کہتا تھا کہ سب وہم کرنے لگے ہیں۔
رافع بھائی کی شادی نزدیک آتی جاتی جا رہی تھی، لیکن وہاں سناٹوں کا راج تھا.... بے جی پریشان، رافع بھائی بے حد پیاری بھری فکرمندی سے اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔
"میری شادی ہو رہی ہے اور تو یہاں پوستیوں کی طرح پڑا ہے.... خوشی نہیں ہوئی شاید تجھے؟" انہوں نے اوندھے لیٹے حدید پہ دھپ مارا تھا۔
اس نے تکیہ منہ پہ رکھ لیا۔ غیر ارادی طور پہ وہ اپنے غم زدہ تاثرات چھپانا چاہتا تھا۔ رافع اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ یہ بیچ کا وقت انہوں نے ہی اسے کمپوز ہونے کے لیے دیا تھا، لیکن بات انہیں ہاتھ سے نکلتی

ہوئی محسوس ہو رہی تھی... بات پسند سے بڑھ کر تھی اور سمیع نے کہا تھا کہ وہ محض اقصیٰ کو پسند کرتا ہے۔

"اوئے اٹھ نا یار..." اپنی باتوں کا کوئی رد عمل نہ پاکر وہ اسے جھنجھوڑ بیٹھے۔

"پلیز بھیا تنگ نہ کریں۔" کافی کمزور آواز میں بولا تھا وہ۔

رافع نے غور سے دیکھا... سانولا رنگ مزید گہرا ہو گیا تھا... اس کی آنکھوں میں موجود درد اور تکلیف واضح نظر آ رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے سمیع؟ ادھر دیکھو۔" اسے نظریں چراتے دیکھ کر انہوں نے یکدم اس کا چہرہ موڑ کر اپنی طرف کیا تھا اور سمیع یک لخت ان سے لپٹ گیا۔

"بھیا میں بہت برا ہوں کیا! اتنی بری شکل ہے میری کہ میری محبت پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا..." وہ گلوگیر لہجے میں بولا... اس کی سانس پھول رہی تھی رافع ششدر رہ گیا۔

واقعی بات تو پسند سے بڑھ کر تھی۔

"اسے میں جاہل لگتا ہوں، بہت برا لگتا ہوں۔"

"یہ سب تم سے اس لڑکی نے کہا۔" رافع نے جھٹکے سے اسے سامنے کرتے ہوئے پوچھا... اس نے نڈھال سے انداز میں سر ہلا دیا۔

وہ کافی دیر تک اس کی جانب دیکھتے رہے۔ انہوں نے کبھی اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے تھے... وہ تھا ہی ہر دل عزیز، بڑی سے بڑی بات کو چٹکیوں میں اڑا دینے والا... وہ کبھی بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ ان کا اتنا مضبوط اعصاب کا مالک یہ چھوٹا سا بھائی... ایک لڑکی کی بے اعتنائی سے یوں ٹوٹ جائے گا۔

وہ بکھر رہا تھا... وہ شوخی جو اس کی ذات کا خاصہ ہوا کرتی تھی۔ مفقود ہو چکی تھی۔

انہوں نے گہرا سانس بھر کر اسے دیکھا۔ سوچنے کے لیے چند لمحے ہی کافی تھے... اور وہ فیصلہ کر چکے تھے۔

"کھڑے ہو جاؤ سمیع! میں اب دوبارہ تمہاری یہ رونی صورت نہیں دیکھوں گا... شاباش ہری اپ! اور ہاں تم فکر مت کرو... میں پھر چچا سے جا کر بات کروں گا... دیکھتا ہوں وہ کیسے نہیں مانتے میری بات۔" وہ پیار بھرا مان دے کر بولے... ساتھ ہی ہاتھ پکڑ کر اسے بھی کھڑا کر دیا۔

وہ بادل ناخواستہ کھڑا ہوا اور پھر کچھ سوچ کر بولا۔

"نہیں بھیا! آپ چچا سے نہیں بلکہ اقصیٰ سے بات کیجیے گا۔" رافع نے پر سوچ نظروں سے اس کی جانب دیکھا اور مسکرا کر سر ہلا دیا۔

☆ ☆ ☆

"اب کہاں جا رہی ہو اقصیٰ تم!" اس کے ہاتھ میں کتابیں تھیں اور باہر کی طرف رخ تھا... طاہرہ بی نے اسے جاتے دیکھ کر روکا...

"وہ امتحانات میں صرف دو ہفتے رہ گئے ہیں... میں اور ہبین کمبائن اسٹڈی۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

"چولہے میں جھونکو اپنی پڑھائی کو... مہرو کی شادی میں محض ہفتہ رہ گیا ہے اور تمہیں اپنی پڑھائی کی پڑی ہے۔ بیٹا! بہن پرائے گھر جا رہی ہے۔ تم سگی بہن ہو، کچھ اس کا ہاتھ بٹاؤ اس کی دلداری کرو... اسے کیوں تم نے تنہائی کا احساس دلا رکھا ہے۔ بہن کے ہوتے ہوئے وہ... اکیلی سب کاموں میں جتی رہتی ہے۔" طاہرہ بی نے خفگی سے بہت کچھ جتلا دیا۔

اقصیٰ نے شرمندہ ہوتے ہوئے سر جھکا لیا۔

واقعی اس معاملے میں اب وہ بے حس ہو رہی تھی۔

"جی اچھا ماما..." کہہ کر وہ واپس اپنے کمرے کی جانب مڑ گئی۔

طاہرہ بی کو اس کے اوپر ترس آ گیا اور انہوں نے اسے کچھ دیر کے لیے جانے کی اجازت دے دی۔

پاپا اسے دیکھ کر منہ پھیر لیتے تھے۔ اسے اور زیادہ دکھ ہوتا۔ پاپا کو اس کی کوئی فکر نہیں تھی... یہ اس کا خیال تھا۔

کئی بار تو اس نے سوچا کہ کاش ہاں کر دیتی، کم از کم پاپا

اس سے خوش تو ہو جاتے.... وہ بھی دیکھ سکتی کہ اس کے لیے پاپا کے چہرے پہ خوشی کیسی لگتی ہے؟ اس کی بدگمانی کی کوئی حد نہ تھی.... اس نے کبھی غور نہیں کیا تھا کہ وہ بھی اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ خیالات کی یلغار نے اسے ٹھیک سے پڑھنے بھی نہیں دیا تھا۔

سیمین نے کئی بار اسے غائب دماغی پہ ٹوکا.... "مہو کی ماما پاپا کو بہت فکر تھی۔" اس کے دماغ میں بس یہ ایک بات سوار تھی۔

کچھ بھی ہو وہ مہو کی اکلوتی بہن تھی' اور اسے بہن سے بہر حال محبت تھی' اور مہو ویسے بھی ان دنوں بات بات پہ آبدیدہ ہو جاتی۔

کتنی ہی بار بے جی آئیں.... وہ اپنے پوتے کی معصوم سی دلہن کو خوب پیار کرتیں اور ہر دفعہ ڈھیروں ساز و سامان کے ساتھ لاتیں۔

"خبردار سلمان فاروق.... جہیز مت دینا.... ورنہ میں پھر تم سے ناراض ہو جاؤں گی....!" ان کی دھمکی بہت کارگر ثابت ہوئی اور دونوں میاں بیوی منمنا کر رہ گئے۔

ان کے اتنے ارمان تھے خاص کر سلمان صاحب کا بس نہ چلتا تھا کہ ہر چیز ہر ضرورت و آسائش سے مہو کا گھر بھر دیں۔

اور مہو.... واقعی خوش بخت لے کر پیدا ہوئی تھی .... وہ اتنے اچھے گھر جا رہی تھی.... یہ سب کو یقین تھا۔

آج اس کی شادی کا دن بھی آن پہنچا تھا.... اقصیٰ نے دلہن بنی مہو کو نظر بھر کر دیکھا.... خوب صورت ریڈ اور گرین عروسی جوڑے میں وہ کوئی آسمانی مخلوق لگ رہی تھی.... اس پہ نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔

اقصیٰ نے محبت کے جذبے سے مغلوب ہو کر اسے گلے سے لگا لیا.... وہ اس کی بے زبان بہن تھی.... اس کا کوئی قصور نہیں تھا.... ہر بدگمانی اقصیٰ نے دل سے دھو ڈالی۔ اب وہ ہمیشہ کے لیے اس گھر سے جا رہی تھی.... کتنی بے ضرر تھی وہ.... اور اقصیٰ خوامخواہ اسے رکاوٹ سمجھتی رہی۔

اسے افسوس ہوا.... مہو نے اشارے سے اسے رونے سے روکا۔ اب وہ وجہ بتلا رہی تھی۔

"ارے...." اقصیٰ بے ساختہ ہنس پڑی.... مہو نے بے چارگی سے اپنے میک اپ کے خراب ہونے کا خدشہ ظاہر کیا تھا.... ظاہری سی بات تھی۔ اقصیٰ سے زیادہ مہو بھری بیٹھی تھی.... اس نے نرمی سے اس کی آنکھوں سے نکل آنے والے آنسو صاف کیے....

اسی اثنا میں طاہرہ بی اندر آئی تھیں.... "اقصیٰ تم باہر نکلو.... نکاح خواں آ رہے ہیں۔" اور اقصیٰ سرعت سے اٹھ کر باہر نکلی تھی۔

نکاح خواں تو نہیں آیا۔ لیکن اس نے باہر رشتہ داروں میں تیزی سے پھیلتی بے چینی ضرور بھانپ لی تھی.... رافع بھائی پاپا کو اپنے دائیں بازو کے حلقے میں لیے ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے تھے اس نے صرف پاپا کے بے حد مضطرب چہرے کو دیکھا تھا اسے انہونی کا احساس قبل از وقت ہونے لگا۔

"ماما۔" اس نے اپنے سوکھتے لبوں پہ زبان پھیری۔ اب کیا ہونے والا تھا.... یا کیا ہو گیا تھا؟

وہ پھر سے مہو کے پاس چلی آئی.... اس کے چہرے پہ حیا کی سرخی' ربڑی الوہی سی چمک پھیلی ہوئی تھی۔

دروازے پہ پھر آہٹ ہوئی اور اقصیٰ تیر کی سی تیزی سے پلٹ کر دیکھنے پہ مجبور ہو گئی.... طاہرہ بی دروازے میں ایستادہ تھیں.... انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑا اور اسے کھینچتی ہوئی باہر لے گئیں۔

رافع بھائی اور پاپا ابھی تک ڈرائنگ روم میں تھے .... پاپا نے اپنا سر ہاتھوں میں تھاما ہوا تھا البتہ رافع بھائی سنجیدہ انداز میں انہیں کی طرف متوجہ تھے.... کافی پرسکون انداز میں....

اقصیٰ نے متوحش نظروں سے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"چچی پہلے اقصیٰ اور سمیع کا نکاح ہو گا.... بعد میں میرا اور مہو کا...." نہایت اطمینان سے وہ اس کی سماعتوں پہ بم پھوڑ چکا تھا۔ وہ پتھرائی نظروں سے ان کی

جانب دیکھتی رہی۔۔۔ اس کے سارے بدن میں جلن سی پھیل گئی اور اعصاب تن گئے اس کے ذہن میں بس ایک بات ٹھہر گئی کہ قسمت نے پھر اس کے ساتھ ڈنڈی ماری تھی۔

"دھوکا۔۔۔ بہت بڑی بلیک میلنگ۔" ماما کا جھکا ہوا شکستہ وجود۔۔۔ پاپا کی آنکھوں کی بے بسی۔

"یہ ہیں پاپا آپ کے سگے رشتہ دار۔ آپ کا اپنا خون۔" اس کا دل کرلانے لگا۔

اسے وہیں بٹھا دیا گیا تھا۔۔۔ ایک سرخ زرتار دوپٹا اسے اوڑھا دیا۔۔۔ پتا نہیں اتنی سمجھ داری کہاں سے آگئی تھی اس میں۔۔۔ اسے پتا تھا۔ اگر وہ انکار کر دیتی تو شاید مہو کی بارات واپس چلی جاتی۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کاش کہ میں مہو کی جگہ ہوتی بے زبان بے مہر۔۔۔ بے بسی کیا چیز ہے؟ یہ اسے آج پتا لگ رہا تھا۔ وہ اس تجربے سے گزر رہی تھی۔ لاتعداد کاش، اگر ۔۔۔ اس کے دماغ کی روش پہ آ اور جا رہے تھے۔

کاش وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں بند ہو جاتی۔۔۔ کاش وہ بے ہوش ہو جاتی اور کاش اس کا نروس سسٹم بریک ہو جاتا۔

بس اس کاش کے ساتھ ایسا کچھ ہو جاتا کہ اسے اس صبر آزما قربانی سے نہ گزرنا پڑتا۔ گھونگھٹ میں اس کے آنسو تواتر سے اس کی گود میں گرتے رہے۔

کچھ دیر بعد ہی اس کے وجود کا مجازی مالک اس کے پہلو میں بٹھا دیا گیا۔

آس پاس لوگ کیا بول رہے تھے۔۔۔ کیوں ہنس رہے تھے۔ وہ ان تمام احساسات سے مبرا ہو چکی تھی اسے علم تھا تو بس اتنا کہ اس کی عزت نفس بری طرح مجروح ہوئی تھی۔ اسے زبردستی ایک ان چاہے بندھن میں باندھا گیا تھا اور وہ چوں بھی نہ کر سکی۔۔۔

ماما اسے اس کے کمرے میں لے آئی تھیں۔۔۔ اس نے گولڈن اور براؤن کلر کا شرارہ زیب تن کر رکھا تھا۔

اس نے تقریب کی مناسبت سے خوب تیاری کر رکھی تھی، لیکن رونے کی وجہ سے سارے چہرے پہ عجیب و غریب قسم کے نقش و نگار بن گئے تھے۔

بیوٹیشن نے اس کا دوپٹا سیٹ کیا اور نئے سرے سے اس کا میک اپ ٹھیک کرنے کی کوشش کی تو وہ ایک دم جیسے ہوش میں آئی۔

"نہیں سنورنا مجھے جاؤ یہاں سے۔۔۔" اس نے زور سے اس کا ہاتھ جھٹکا اور ڈریسنگ ٹیبل پہ سجا زینت و آرائش کا سب سامان ہاتھ مار کر نیچے گرا دیا۔

طاہرہ بی نے بیوٹیشن کو باہر بھیجا اور اس کی جانب دیکھا، جو اب دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد پھیلائے منہ چھپا کے سسک سسک کے رونا شروع ہو گئی تھی۔

اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں طاہرہ بی کے کلیجے کو چھلنی کر رہی تھیں۔

وہ تو خود اب تک شاکڈ تھیں۔۔۔ یہ ان کے ساتھ کیا کھیل ہو گیا تھا۔ جاننے والے بھی حیران تھے کہ بلاوا ایک بیٹی کی شادی کا تھا یہاں آنا "فانا" دو شادیاں نمٹ گئی تھیں۔

وہ لوگ کسی کو صفائی۔ ایک لفظ تک نہ بول سکے۔۔۔ زبان تو گویا مفلوج ہو کر رہ گئی۔۔۔ اور اب اقصیٰ کو یوں بے اختیار انداز میں روتے دیکھ کر خود ان کا دل بھی پگھل رہا تھا۔

سلمان صاحب کے سگے بھتیجے۔۔۔ بے یقینی کی ایسی چوٹ دے چکے تھے کہ اب تک شکستہ وجود کے ساتھ وہ نڈھال کچھ اور سوچ ہی نہ پا رہے تھے۔۔۔ معاً" کمرے میں کوئی داخل ہوا اور رخصتی کا شور مچ گیا۔

"نہیں ماما میں نہیں جاؤں گی۔۔۔ پلیز ماما۔۔۔" اقصیٰ تڑپ کر طاہرہ بی کے وجود سے لپٹی تھی۔۔۔

"ماما پلیز روک دیں نا سب۔۔۔" رافع بھائی اندر آ گئے تھے۔۔۔ پاپا اس کے پیچھے شکستہ وجود لیے سر جھکائے کھڑے تھے۔۔۔ عجب سی انہونی تھی جو سب کے لیے ہو گئی تھی۔۔۔ طاہرہ بی جھٹکے سے اٹھیں۔۔۔

"تم نے ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ ہم اس کے لیے تمہیں معاف نہیں کریں گے۔" ان کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے۔

ایک معصوم بیٹی کے دکھ۔۔۔ وہ اتنی خود غرض تو نہ تھیں کہ ایک بیٹی کی خوشی کے لیے دوسری بیٹی کی خوشی

قربان کردیتیں۔ تلخ ہی سہی یہ حقیقت بن چکی تھی اب۔۔۔۔
رافع بھائی نے ایک نظر روتی ہوئی، خود سے بے حال اقصیٰ پہ ڈالی اور طاہرہ بی کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔۔۔۔ ان کے دونوں کاندھوں پہ نرمی سے ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر انہیں نزدیکی صوفے پہ بٹھایا اور خود ان کے قدموں میں بیٹھ گئے۔۔۔ طاہرہ بی بے آواز رو رہی تھیں انہوں نے رخ بھی پھیر لیا تھا۔
"یوں ناراض مت ہوں چچی پلیز۔۔۔! جو کچھ بھی میری وجہ سے ہوا۔۔۔ اس سب کے لیے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ لیکن یقین کیجیے۔۔۔ میری ایسی کوئی غلط نیت نہیں تھی میں اپنے پیارے بھائی کی خوشیوں کی خاطر مجبور ہو گیا تھا۔۔۔ اگر آپ لوگ نہ بھی مانتے تو میں بارات واپس لے جانے کا گناہ کبھی نہیں کر سکتا تھا ۔۔۔ یہ صرف ایک درخواست تھی۔۔۔ ہاں اس بات کے لیے بھی ضرور معافی کہ میرا طریقہ غلط تھا۔ لیکن چچی چچا! آپ لوگ مجھ پر بھروسا کریں ہم اقصیٰ کو کبھی شکایت نہیں ہونے دیں گے۔۔۔ میرے بھائی کا ساتھ اس کو اتنی خوشیاں دے گا کہ یہ بھول جائے گی ہر رنجش، پلیز چچی اب ہر بدگمانی دل سے مٹا کر کھلے دل سے بیٹیوں کو رخصت کر دیجیے۔۔۔ بارات باہر تیار کھڑی ہے۔" طاہرہ بی کی بدگمانی تو دور نہیں ہوئی لیکن ان کے سخت تناؤ والے تاثرات کچھ نرم پڑ گئے تھے۔
اقصیٰ ہنوز اسی کیفیت میں سر جھکائے رونے میں مصروف وہ اردگرد سے بے گانہ ہوئی پڑی تھی اس کا رونا سب اکارت گیا۔
بھری محفل میں اس کا نکاح ہوا تھا اور رخصتی کا واویلا مچا تھا۔۔۔ اب ایک بیٹی کی رخصتی اور دوسری بیٹی رخصتی کرنے پر سوالیہ نشان اٹھ جاتے۔
بادل ناخواستہ وہ اقصیٰ کو رخصت کرنے پہ راضی ہوئی تھیں۔۔۔ البتہ دیر تلک ان کے دل و دماغ پہ ایک ہی جملے کی تکرار ہوتی رہی۔
"ماما میں بھی تو آپ کی بیٹی ہوں۔"
رونق بھری ان کی جنت پل بھر میں ویران ہوئی تھی۔
"کاشانہ حدید" میں اصل شان بڑی دلہن کی تھی ۔۔۔ جبکہ چھوٹی دلہن کچھ بوجھل سی لگی سب کو۔۔۔ ایک تو وہ دلہن نہیں بنی ہوئی تھی۔۔۔ دوسرے اسے طبیعت خرابی کی بنا پہ جلد اس کے کمرے میں چھوڑ آنا پڑا۔۔۔
سارے "کاشانہ حدید" کو برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔۔۔ اندر لاؤنج سے لے کر باہر لان تک۔۔۔ زبردست سجاوٹ کی گئی تھی۔۔۔ رافع حدید نے اندر لاؤنج میں موجود مجمعے کو دیکھا اور پھر اکیلی دلہن کو۔
ان کی نظریں پرسوچ انداز میں گھومیں اور پیچھے سے آتے ہوئے سمیع سے ٹکرا گئیں۔۔۔ وہ کافی سے زیادہ بوکھلایا ہوا تھا۔۔۔ شہہ بالا سے یک دم دولہا کا روپ دھار لے گا یہ اسے معلوم نہیں تھا اپنی ہی شادی کا اسے آج پتا لگا تھا۔۔۔ "بھیا!" وہ ان کے پاس آ کر رکا۔۔۔
"ہاں۔۔۔ وہ سمیع دیکھو تم اپنے کمرے میں جاؤ۔۔۔ اقصیٰ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔۔۔ اسے دیکھو، میں باقی سب سنبھال لوں گا۔۔۔" انہوں نے فوراً اسے حکم دے ڈالا۔۔۔ اور وہ جو اس سب کارروائی کی وجہ جاننا چاہ رہا تھا۔
خاموش ہو کر رہ گیا۔۔۔ رافع نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کو کہہ دیا تھا۔
وہ خاموشی سے بلاچوں چراں کیے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ بہت سی مہمان خواتین نے اس کے اس اقدام پہ ذو معنی نظروں کے تبادلے کیے، لیکن وہ مضبوط قدموں سے بڑھتا چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ اس کے ردعمل سے پہلے ہی واقف تھا۔۔۔ اس نے گہرا سانس لے کر دروازہ لاک کر دیا۔۔۔ آہٹ پا کر بھی اقصیٰ نے سر نہیں اٹھایا تھا۔۔۔ سمیع نے تھوک نگل کر پہلے اسے اور پھر کمرے کی حالت زار ملاحظہ کی ۔۔۔ وہ جو اپنے کمرے کو نارمل انداز میں چھوڑ کر گیا تھا ۔۔۔ اب اس کا حشر نشر ہو چکا تھا۔ البتہ کمرے میں تازہ

گلابوں سے کی گئی سجاوٹ سے وہ ناواقف تھا کمرے میں چہار سو اصلی گلاب کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔

اس نے ایک بار پھر اقصیٰ کو دیکھا۔ وہ بیڈ کے سائڈ پہ آڑی ترچھی پڑی ہوئی تھی اس کا دوپٹا گول مول ہو کر واش روم کے دروازے کے پاس پڑا تھا اسٹیپ کٹنگ میں اس کے لمبے سلکی بال اس کے کندھے پہ ایک طرف پڑے تھے ایک بازو جس کی جھلک نظر آ رہی تھی۔

اس کی کلائی پہ ننھی منھی خراشیں اور ان پہ خون کی بوندیں دیکھ کر وہ کہہ سکتا تھا کہ اس کی کلائی کچھ دیر پہلے چوڑیوں سے بھری ہوئی ہو گی اور اب ویران نظر آ رہی تھی۔

گلابوں کی کئی لڑیاں ٹوٹ کر زمین پر بکھری نظر آ رہی تھیں... اس کے علاوہ کمرے کی سجاوٹی اشیا ایک دو جگہ پڑی ہوئی نظر آ رہی تھیں یعنی وہ جی بھر کے اپنی بھڑاس نکال چکی تھی۔

وہ بزدل نہیں تھا... لیکن پھر بھی اسے اقصیٰ کے پاس جانے کے لیے کافی ہمت مجتمع کرنی پڑی تھی... وہ آہستگی سے اس کے سرہانے آ بیٹھا۔

"اقصیٰ...!" اس کی آواز پہ وہ تیر کی مانند سیدھی ہوئی... جبھی سمیع نے اس کی متورم، سوجی ہوئی آنسوؤں سے بوجھل آنکھوں کو دیکھا... اس کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا۔

اسے کبھی روتے نہیں دیکھا تھا، وہ بے اختیار ہی اسے کاندھوں سے تھامتے ہوئے آگے ہوا... اقصیٰ نے بجلی کی سی سرعت سے اس کے ہاتھوں کو جھٹکا۔

"ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔" وہ پھنکاری سمیع ٹھٹک کر رہ گیا... شدت گریہ سے اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"تم گھٹیا ہو مجھے اس کا اندازہ تھا... لیکن تم تو میری سوچ سے بھی زیادہ گھٹیا نکلے۔ کر لی اپنی من مانی! مجھے تو ختم کر دیا، تمہیں کیا ملا۔" وہ چلاتے ہوئے آخر میں بے بسی سے بولی۔

"دیکھو اقصیٰ! یہ سب بہت اچانک ہوا میں نہیں جانتا تھا پلیز مجھ سے بدگمان مت ہو۔ یہ سب بھائی جان کا کیا دھرا ہے۔ پلیز میری جان... ایسے خود کو ہلکان مت کرو، میرا یقین کرو میں اس بارے میں لاعلم تھا جو ہوا۔" اس کے لہجے میں سچائی بول رہی تھی۔ لیکن آگے بھی اقصیٰ تھی جو اس پر بھروسا نہیں کرتی تھی۔

"جھوٹ بول رہے ہو تم... یہ تمہارا منصوبہ تھا... سوچا سمجھا منصوبہ ہم کیا سمجھتے ہو... اس طرح مجھے حاصل کر لو گے؟ کبھی نہیں سنا تم نے۔" وہ مسلسل اس کے ہاتھوں کو جھٹک رہی تھی۔

وہ چلانا چاہ رہی تھی لیکن... رونے کی وجہ سے گلا بیٹھ گیا تھا اور اب آواز بھی کانپ رہی تھی۔

سمیع نے تشویش سے اس کی طرف دیکھا... اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور آنکھیں مزید سرخ ہو گئی تھیں۔

وہ سمجھ نہیں پایا کہ کس طرح اسے قائل کرے... اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا... اقصیٰ لہرا کر بیڈ پر گری تھی۔

"اقصیٰ۔" اس نے سائڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھایا... صد شکر وہ اقصیٰ کے عتاب سے بچ گیا تھا۔

اور پانی کے چھینٹے اس کے چہرے پر مارے لیکن وہ ویسے ہی بے سدھ رہی... اس نے گلاس سائڈ ٹیبل پہ رکھ کے دونوں بازوؤں سے تھام کر اسے سیدھا کیا اور اس کے سر کے نیچے تکیہ رکھ کر کمبل اوڑھا دیا۔

پانی کے چھینٹوں کا اب اثر ہوا تھا... اس نے ہلکے سے پپوٹے کھولے اور پھر اسے دیکھتی ہی رہی "کیا ہو گیا تمہیں اقصیٰ!" وہ دل گرفتگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجھے معاف کر دو یار... اس سب کے لیے جو میں نے کیا ہی نہیں۔" وہ تمہید باندھ رہا تھا... اقصیٰ نے منہ دوسری طرف پھیر لیا...

سمیع کو بہت محسوس ہوا اس نے زبردستی اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

"ادھر دیکھو اقصیٰ... ہم اچھے دوست بھی تو بن سکتے ہیں۔ چلو وہ رشتہ نہ سہی۔" وہ بڑی آس سے بولا۔ اس کے برعکس وہ قطعیت بھرے انداز میں بولی تھی۔

"نہیں، قطعی نہیں۔" سمیع کی آنکھوں میں جلتے دیے معدوم ہوئے۔

وہ ایک گہری سانس لے کر مسکرا دیا۔۔۔ پھر یک دم وہ جھکا۔۔۔ اقصیٰ دھک سے رہ گئی۔

"سو جاؤ۔۔۔ کوئی تمہیں پریشان نہیں کرے گا۔۔۔"

اس کے ماتھے پر نرمی سے بوسہ دے کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔ اقصیٰ نے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔۔۔ وہ اسے کمبل اوڑھا رہا تھا۔۔۔ لائٹ آف کر کے۔۔۔ کچھ لمحوں کی بات تھی۔ کمرے میں ملگجا سا اندھیرا چھا گیا۔۔۔ سمیع باہر چلا گیا۔

اقصیٰ نے کب کی رکی سانس خارج کی اور کب سے تھکی ہوئی پلکوں کو موند لیا۔

☆ ☆ ☆

آنے والے دنوں میں اقصیٰ کا رویہ خراب سے خراب تر ہوتا گیا۔۔۔ وہ اکثر رافع اور بے جی تک سے بدتمیزی کر جاتی۔۔۔ سمیع عاجز آ کر رہ گیا۔۔۔ پہلے پہل وہ پیار سے سمجھاتا رہا۔۔۔

بعد ازاں اس نے سرد مہری دکھانی شروع کر دی۔۔۔ اس سے اتنا فرق پڑا کہ وہ سب کا غصہ اس پہ نکالتی اور وہ شربت کی طرح گھول کر سب پی جاتا۔۔۔ خود کا اقصیٰ کے سامنے ڈی گریڈ ہونا وہ بخوشی قبول کر لیتا تھا۔

البتہ اس کی بچکانہ باتوں پہ اکثر وہ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ یا ہنسی کو چھپا نہیں پاتا تھا تو اقصیٰ مزید سیخ پا ہو جاتی۔۔۔ "ہنسے کیوں؟ ہاں بولو! مسکرائے کیوں؟"

سمیع اپنی ہنسی دونوں ہونٹوں تلے دبا کر صلح کے لیے دونوں ہاتھ بلند کر دیتا، جبکہ اقصیٰ غصے سے صرف نتھنے پھلا کر رہ جاتی۔

"ہونہہ۔۔۔ بزدل۔" اپنے اس لقب پر وہ دل کھول کر قہقہے لگاتا، اسے مزید جلاتا۔۔۔

اقصیٰ کے بال از حد پسند تھے۔ لیکن مسئلہ یہ ہی تھا کہ وہ اسے اپنے قریب نہیں آنے دیتی تھی، پنجے جھاڑنا تو اس کی عادت تھی ہی۔۔۔ اس سب کے باوجود سمیع اس سے بدظن نہیں ہوا۔۔۔ دن بدن اس کی آنکھوں میں اقصیٰ اپنا آپ مجسم دیکھتی تو بعض اوقات وہ عجیب سے احساسات کا شکار ہو جاتی تھی۔

"کیا وہ ٹھیک کر رہی تھی؟ وہ مسلسل سمیع کو اس کے حق سے محروم کیے ہوئے تھی۔۔۔ وہ بھی اتنا صابر کبھی اس کے بعد اس کے پاس بھی نہیں پھٹکا۔

البتہ وہ جب بھی بولتا۔۔۔ اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی محبت پنہاں ہوتی۔۔۔

سمیع نے نت نئے ڈیزائنر کپڑوں سے اس کی وارڈ روب بھر دی۔۔۔ ہر فیشن کا جوتا اس کی ریک میں پڑا رہتا۔۔۔

کاسمیٹکس سے لے کر زینت و آرائش کا سب سامان ہر وقت ڈریسنگ ٹیبل کو بوجھل کیے رہتا۔۔۔ اسے کیا پسند تھا کیا نہیں، یہ وہ کچھ دنوں میں جان گیا تھا۔۔۔

ایک ماہ ہی میں اسے اتنا جان چکا تھا کہ بنا کہے ہی اس کی ہر بات جان لیتا تھا۔

ایک بات اور ہوئی تھی۔۔۔ وہ مہو سے نفرت کرنے لگی تھی، جو کچھ ہوا مہو کی وجہ سے ہوا۔۔۔ یہ اس کی سوچ بن گئی تھی۔۔۔ جہاں بھی وہ اسے دیکھتی، نفرت سے منہ پھیر لیتی۔

بے جی کی سب سے ناپسندیدہ بہو اقصیٰ تھی۔۔۔ وہ ہر صبح اسے دیکھتے ہی یہ کہنا نہ بھولتی تھیں کہ۔۔۔

"آئے ہائے میرے سمیع کی قسمت کیسے پھوٹی؟"

اور وہ۔۔۔ اندر سے جیسے آگ بن جاتی، سارا سجا سجایا کچن دو منٹ میں تلپٹ ہو جاتا۔۔۔

وہ اتنی منہ پھٹ نہیں تھی۔ جتنی یہاں آ کر ہو گئی تھی۔۔۔ ماما پاپا کئی بار آئے۔ لیکن وہ اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک کر لیتی اور پھر کسی کے کہنے پر بھی نہ کھولتی۔ جب وہ دونوں مایوس لوٹ جاتے، جب وہ دروازہ کھول لیتی۔

سمیع نے کئی بار اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"کتنی سنگدل ہو تم۔۔۔ ماں باپ ہیں وہ دونوں تمہارے ان کا کیا قصور۔۔۔" اس کا اتنا کہنا غضب ہو جاتا، پھر اقصیٰ ہوتی اور اس کے منہ سے نکلنے والا طوفان

بدتمیزی.... وہ توبہ توبہ کرتا باہر نکل کر دروازہ لاک کر کے چلا جاتا۔

اسے فی الحال اسی ٹریٹ منٹ کی ضرورت ہوتی.... اسے پتا نہیں تھا تو صرف اس بات کا کہ وہ کیوں خائف تھی اور مزید کیا چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ شور کی آواز سن کر جاگا تھا.... پہلا خیال اسے اقصیٰ ہی کا آیا تھا۔ اس نے دیکھا وہ کمرے میں نہیں تھی، اپنے خدشے کی تصدیق کے لیے وہ تیزی سے باہر آیا تھا۔

لاؤنج میں غیر متوقع صورت حال تھی۔

اقصیٰ مہو پہ بری طرح چلا رہی تھی اور وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے مسلسل اسے ٹھنڈا کرنے کی خاطر آگے آرہی تھی۔

اوپر سے بے جی کی آواز.... رافع بھائی کی آواز.... سب کچھ گڈمڈ ہو رہا تھا.... وہ جلدی سے اپنی شرٹ پہن کر دوبارہ باہر آیا تو اس نے اقصیٰ کو دیکھا تھا.... اس نے کسی بات پہ مشتعل ہو کے مہو کو ہلکا سا دھکا دیا تھا.... رافع بھائی نے بروقت مہو کو پیچھے سے سنبھال لیا.... سمیع تیر کی سی تیزی سے نیچے آیا تھا۔ اتنے میں وہ ہو چکا تھا جو نہیں ہونا چاہیے تھا.... رافع بھائی نے ردِعمل کے طور پر ایک کرارا سا ہاتھ اقصیٰ کے گال پہ جڑ دیا تھا.... اور وہ ہکا بکا آنکھوں میں نمی لیے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"رافع بھائی.... یہ، یہ کیا کر رہے ہیں آپ....!" وہ سخت مشتعل ہو چکا تھا، اس نے بے اختیاری کے عالم میں اقصیٰ کو اپنے پیچھے کر لیا تھا۔

"وہی کر رہا ہوں جو تمہارا کام ہے۔ لگام ڈال کر رکھو اس کو.... پاگل ہو رہی ہے۔ آئندہ اگر اس نے ایسی حرکت کی تو پاگل خانے چھوڑ آؤں گا۔" وہ ہاتھ اٹھا کر وارننگ دیتے ہوئے بولے....

سمیع نے بے مروتی سے سر جھٹکا.... اس کی آنکھوں میں بھی نمی آگئی تھی.... شاید وہ بھی نادم تھا....

"آپ ہی کی مہربانی ہے بھائی جان یہ.... جسے بھگت رہا ہوں.... مر تو نہیں جاتا میں اس کے بغیر۔" وہ تلخی سے بولا۔

پیچھے کھڑی اقصیٰ کا وجود سُن ہو کر رہ گیا.... اس کے ہاتھ سے سمیع کی شرٹ کا کونا بھی چھُٹ گیا.... وہ ششدر کھڑی تھی.... سمیع نے تو گویا اسے رگید ڈالا تھا۔

"ارے میں نے تو خود منع کیا.... پر اس پہ تو بھائی کی محبت سوار تھی.... اب دیکھ لیا تو نے اس کلموہی کو بھی.... ذرا جو گھر بسانے کا ڈھنگ ہو اس میں...." بے جی جو شروع ہوئیں تو بس....

اقصیٰ بھاگتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی.... اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سب کچھ تہس نہس کر دے۔

سمیع اب تک اس سے محبت کا ڈھونگ رچاتا رہا تھا۔ اور وہ جو خود سے خائف تھی کہ سمیع کی محبت کا جواب کبھی ڈھنگ سے بھی دے پائے گی.... یا نہیں، اس کی انا پہ کافی گہری چوٹ پڑی تھی.... وہ اپنی بے ساختہ امڈ آنے والی سسکیوں کو روک نہیں پا رہی تھی۔

وہ جو ایک لاشعوری زعم میں مبتلا تھی وہ آج ٹوٹ کر بکھر ہو چکا تھا.... وہ خود کو ذلت کے گڑھے میں گرتا ہوا محسوس کر رہی تھی.... آج سود و زیاں کے حساب کرنے بیٹھتی تو خسارہ اپنے ہی حصے میں آتا۔

اسے رافع بھائی کے تھپڑ نے نہیں رلایا تھا.... اسے بے جی کی باتوں سے بھی تکلیف نہیں تھی.... اسے تو سمیع کے رویے نے توڑ دیا تھا۔ اس نے واقعی اس کو اس حد تک عاجز کر دیا کہ وہ اب برملا اظہار کر رہا تھا.... دونوں بازوں گھٹنوں کے گرد لپیٹے وہ مضطربانہ خود کو سمیٹ رہی تھی۔

کافی دیر رو لینے کے بعد اس نے محسوس کیا۔ سمیع اس کے پاس کھڑا تھا.... وہ نہ جانے کب آکھڑا ہوا تھا۔ اقصیٰ نے جھٹکے سے سر اٹھایا، وہ اسی کی جانب دیکھ رہا تھا، اقصیٰ کی آنکھوں میں ویرانی سی چھا گئی، اور اس نے منہ پھیر لیا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا، پھر دو زانو ہو کے

اس کے پاس بیٹھ گیا۔
"نسٹ رو پلیز..." ہمیشہ کا جملہ...
"تمہیں کیا فرق پڑتا ہے... تم تو بھگت رہے ہو مجھے... پھر خیال کرنے کا مقصد۔" جواب اس کی توقع سے بھی پہلے آ گیا تھا۔ اور لہجہ اتنا آہستہ اور اتنا شکستہ... سمیع نے حیران ہو کے اسے دیکھا پھر اس کی حالت زار کو... آج یہ اس کا نیا روپ تھا۔ سمیع کو پشیمانی نے گھیر لیا۔ یقیناً" وہ اس کے رویئے سے دل برداشتہ ہوئی تھی۔
"ایک تمہارا ہی تو خیال ہے..." اس نے اقصیٰ کا ہاتھ پکڑا... وہ تیزی سے پیچھے ہوئی۔
"غلط... جھوٹ! جھوٹ بول رہے ہو سمیع تم... نہیں ہے تمہیں میرا خیال... تم کون سا مر جاتے میرے بغیر۔ یہی کہہ رہے تھے نا تم 'سب کو مجھ سے نفرت ہے۔ ماما پاپا کو میری ضرورت نہیں تھی... انہوں نے بوجھ کی مانند سر سے اتار پھینکا مجھے' بے جی ہر وقت مجھے کوستی رہتی ہیں... باقی ایک تم رہ جاتے ہو... تم کیوں نہیں غصہ کرتے مجھ پر تم بھی مارو نا مجھے..." وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔ اور مٹھی میں بھری سلیپنگ پلز کی وافر مقدار اپنے منہ میں سرعت سے ڈالی... اور پانی کا گلاس اٹھایا۔
"اقصیٰ...!" اس سے کہیں زیادہ تیزی سمیع نے دکھائی تھی... ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ کھینچا تھا... گلاس پہلے ہی گر گیا تھا۔
"کیا بیوقوفی ہے یہ... پاگل ہو گیا؟" اس نے دونوں ہاتھوں سے اقصیٰ کو جکڑا... جو حال سے بے حال ہو رہی تھی۔ "چھوڑو مجھے چھوڑو" اس کی تکرار جاری تھی وہ پوری طاقت لگا کر خود کو چھڑانے کی سعی کر رہی تھی۔
"خدا کے واسطے اقصیٰ ہوش میں آؤ کیا ہو گیا ہے۔ کیوں کر رہی ہو ایسا؟" وہ ہانپتے ہوئے بولا۔
اس کے لیے بپھری ہوئی اقصیٰ کو سنبھالنا مشکل ہوتا جا رہا تھا... یک دم ہی اس نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پہ دے مارا... وہ یک دم ہی ساکت ہوئی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں میں منجمد ہو گئے اور ان کی جگہ خوف نے لے لی تھی۔ سمیع نے تاسف سے سر جھٹکا۔
وہ کچھ بھی کہنے کا ارادہ ترک کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر نکل گیا۔
احساس ذلت تھا یا ایک ہی دن میں دو لوگوں کی مار نے اسے دکھ سے دوچار کر دیا تھا... شام تک وہ بخار میں پھنک رہی تھی... سمیع نے تشویش سے اس کی جانب دیکھا... متورم سا چہرہ... بے حد ریشمی بال بھیگی پلکیں آپس میں پیوست تھیں... وہ اب تک روتی رہی تھی... سمیع نے ٹھنڈے پانی کی پٹی اس کے ماتھے پہ رکھی اور دوسرے ہاتھ سے اپنا سر تھام لیا۔
"یا خدا وہ ایسا کیا کرے۔ جو اس لڑکی کی بدگمانیوں کو کم یا ختم کر سکے... آخر وہ چاہتی کیا تھی... وہ اسے پسند نہیں تھا۔ اس نے ایک بار کے بعد دوبارہ اظہار بھی نہیں کیا تھا۔ وہ جان بوجھ کے اس سے الجھتی یہاں تک کہ وہ عاجز آ جاتا' وہ اسے تنگ کرتی تھی۔ زچ کر سکتی تھی۔ لیکن یہ بات وہ بڑے وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ اقصیٰ حدید اس سے نفرت نہیں کرتی تھی... اس کی نظر میں سمیع کی کچھ اہمیت تھی تو اس نے اس کے تھپڑ کو دل پہ لیا تھا...
سمیع نے ٹھٹک کے اس کے چہرے کی طرف دیکھا... وہاں بے پناہ اذیت رقم تھی... اس کے تھپڑ کے نشان مٹ چکے تھے لیکن اس کے لفظوں کا اثر باقی تھا... اس کے رویئے نے اسے ہرٹ کیا تھا۔
وہ بہت کچھ سمجھ کے دھیمے سے مسکرایا۔ پھر ایک بھرپور والہانہ نظر سے اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا... اس نے نرمی سے اس کے بالوں کو سہلایا... اور دل ہی دل میں گویا ہوا...
"اقصیٰ بی بی... کیا چیز ہو تم؟"
اتنی انا پرست تھی یہ لڑکی... قیامت تک بھی منہ سے بھاپ نہ نکالتی' کہ وہ لحہ لحہ سمیع حدید کی اسیر ہوتی جا رہی تھی' اس کا غصہ... اس کی چڑچڑاہٹ یہ سب اس کی ناکامی کا ثبوت تھیں...
"بہت کھیل لیا ڈیر تم نے میرے جذبات سے...

اب باری میری ہے۔ میں بھی داؤ لگانے میں بہت ماہر نہ سہی لیکن اناڑی ہرگز نہیں۔" وہ پُرسوچ نظروں سے اس کے خوب صورت چہرے کو دیکھتا رہا۔

رات میں کہیں جا کے اس کا بخار کم ہوا... اس کی مسلسل خاموشی حیرت انگیز تھی۔

دو دن بعد وہ کچھ نارمل حالت میں تھی... سمیع نے اسے گم صم ایک جگہ بیٹھے پایا تو اٹھ کر اس کے برابر میں آکر بیٹھ گیا۔

"طبیعت کیسی ہے؟ وہ اس کے ماتھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا... اقصیٰ نے سکون سے آنکھیں موند کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی...

"میں تمہیں اس دن تھپڑ مارنے پہ بہت شرمندہ ہوں اقصیٰ... بس اچانک ہی غصہ آگیا تھا مجھے۔"

"تم صحیح کہتی ہو یار... میں واقعی بہت بزدل ہوں۔ میری جگہ کوئی بہادر مرد ہوتا تو شاید تمہیں سیدھا کرچکا ہوتا... لیکن یہاں مسئلہ محبت کا ہے۔ اگر تم صرف میری بیوی ہوتیں تو تمہاری اکڑ نکالنا میرے لیے مشکل نہیں تھا... مسئلہ تو یہ میرے دل کا ہے۔ کمبخت بہت ضدی ہے۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے بے بسی سے بولا...

"اس ضدی دل کو سمجھا ہی لوں گا جیسے تیسے... فی الحال میں تمہیں اب مزید دکھ نہیں دینا چاہتا... یقین کرو اقصیٰ! مجھے علم ہوتا کہ بھائی جان کیا کرنے والے ہیں تو میں کبھی انہیں ایسا نہ کرنے دیتا... صرف میری وجہ سے تمہیں ایک ان چاہا ساتھ نبھانا پڑا... میری وجہ سے تمہاری پڑھائی ادھوری رہ گئی... کتنا قصوروار ہوں میں۔" اقصیٰ نے کچھ کہنے کے لیے جھکا سر اٹھایا لیکن چپ رہی جبکہ وہ منتظر ہی رہا...

"اپنا سامان پیک کرلو کل تمہیں چچا کے گھر چھوڑ آؤں گا... تم وہاں رہ کر زیادہ بہتر فیصلہ کرسکتی ہو... اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا تمہیں پورا حق حاصل ہے اور پلیز بھائی کو بھی معاف کردینا' وہ تو بس میری خوشی کی خاطر انتہائی قدم اٹھا بیٹھے تھے۔" اقصیٰ کے چہرے پہ عجیب سا اضطراب اور بے چینی پھیل گئی... کچھ کہنے کی کوشش میں کئی بار اس کے لب پھڑپھڑائے لیکن بے بسی سے سر جھکا کر رہ گئی... سمیع نے چند ثانیے اس کے بولنے کا انتظار کیا اور پھر شاید مایوسی سے سر جھٹک کر رہ گیا۔

اقصیٰ ساری رات نہ سو سکی... اس کی آنکھوں سے مسلسل بے چینی جھلک رہی تھی... موسم بہت خوش گوار ہو رہا تھا... اس نے پردے سرکا کر باہر دیکھا... پو پھٹ رہی تھی۔

سہانی صبح چہار سو پھیل چکی تھی... اس نے دل گرفتگی سے لان میں لگے پھولوں کو دیکھا... سمیع نے کئی بار ان پھولوں کا گجرا بنا کے اس کی کلائیوں کی زینت بنایا تھا۔

وہ گزرے ہوئے ان پانچ ماہ میں جو اس نے سمیع کے ساتھ گزارے تھے۔ کوئی ایک ایسا لمحہ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی جس نے سمیع کو خوش کیا ہو۔

لیکن افسوس اسے بالکل بھی یاد نہیں تھا جب وہ یہاں آئی تھی تو اس سے سخت متنفر و بدگمان تھی۔

لیکن سمیع کی نرمی اور محبت نے اس پر جادوئی اثر کیا تھا... اس نے کبھی اس کے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش نہیں کی تھی... کبھی اقصیٰ کو اونچی آواز میں بھی نہیں ڈانٹا تھا... اس کی خوبیوں کی فہرست اتنی لمبی تھی جتنی خود اس کی اپنی خامیوں کی...

"ناشتا کرلو اقصیٰ... پھر میں تمہیں چھوڑ آؤں گا۔" وہ نجانے کب اس کے پیچھے آکھڑا ہوا تھا... اقصیٰ نے چونک کر اسے دیکھا۔

وہ اتنی صبح صبح تیار کھڑا تھا... ناشتے کے بعد وہ اس کا سوٹ کیس گھسیٹ کر باہر لے گیا... اقصیٰ نے مضطرب انداز میں خود کو ڈریسنگ ٹیبل میں جڑے آئینے میں دیکھا۔

اس کے چہرے پہ ذرّہ برابر بھی رونق نہیں تھی... اس کی آنکھیں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں کہ وہ نہیں جانا چاہتی... اور صد افسوس اس کی آنکھوں کا ہر رنگ پڑھ لینے والا سمیع آج بے گانگی سے اس کی طرف دیکھ بھی نہ رہا تھا...

وہ کہنا چاہتی تھی کہ.... اسے نہیں جانا.... وہ چاہتی تھی کہ سمیع کچھ کہہ دے.... روک لے اسے.... نہ جانے دے۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کی ایسی کیفیت کیوں ہو رہی تھی.... دونوں ہاتھ آپس میں پھنسا کر بیڈ کے کونے پہ سر جھکا کر بیٹھی ہوئی تھی.... سمیع نے اندر آتے ٹھٹک کر اسے دیکھا.... وہ بمشکل ضبط کر رہی تھی.... وہ دوزانو اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"اقصیٰ!" وہ آہستہ سے اسے پکارتا ہوا بولا۔

"ایسے کیوں بیٹھی ہو؟"

"مجھے نہیں جانا سمیع!" وہ اسی بات کی توقع کر رہا تھا۔ "میں ماما پاپا سے کیسے نظر ملاؤں گی میں تو کتنے دن ہو گئے ان سے ڈھنگ سے ملی بھی نہیں۔" اس نے کہا تو یہ....

سمیع کو خوامخواہ طیش آگیا۔ آخر یہ منہ سے پھوٹ کیوں نہیں دیتی کہ۔

وہ اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہے.... اسے نہیں جانا۔ اس نے دانت پہ دانت جما کر بمشکل اپنا غصہ کنٹرول کیا اور سرد مہری سے اسے تکتے ہوئے بولا۔

"ہوتے ہیں اقصیٰ! کچھ لوگ ہوتے ہیں بدنصیب تمہاری طرح.... جو اپنی قسمت کا گلا خود گھونٹ دیتے ہیں اور پھر سب کا ذمہ دار حالات کو ٹھہرا دیتے ہیں ہم جیسے لوگ جو نکاح جیسے مقدس بندھن کی بھی پاسداری نہیں کرتے.... وہ ساری زندگی یونہی خوار ہوتے ہیں.... مجھے بہت افسوس ہے کہ میں نے ایک مادیت پرست، خودغرض، اناپرست اور خودپسند لڑکی کو چاہا.... ایک غلطی ہم سے ہوئی.... تم نے اسے بڑھا چڑھا کر ہمارے لیے گناہ بنا ڈالا.... تم جیسی ناشکری عورتیں کبھی کسی حال میں خوش نہیں رہتیں...." وہ تو آج اسے بھگو بھگو کر مار رہا تھا۔

"میں نے بہت چاہا.... لیکن تمہارے دل میں جگہ نہیں بنا سکا اس لیے اب کوئی زبردستی نہیں کروں گا.... آج کے بعد میں تمہاری زندگی میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کروں گا، میں نے چچا سے بھی بات کرلی ہے۔ وہ منتظر ہیں تمہاری آمد کے.... انہیں تم بہت عزیز ہو.... جبکہ تمہاری خود ساختہ بدنصیبی.... تم نے زندگی میں خود سے جڑے کسی رشتے کی قدر دل سے نہیں کی.... نہ جانے تم کیا تو چاہتی ہو....؟"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گیا پھر وہ کھڑا ہوا اور باہر نکل گیا تو بادل ناخواستہ سست قدموں سے چلتی وہ بھی باہر اس کی تقلید میں آگئی۔

وہ اس کی طرف کا دروازہ کھول کر خود ڈرائیونگ سیٹ پہ آ بیٹھا.... وہ خاموشی سے اندر بیٹھی اور چہرہ کھڑکی کی طرف کرلیا۔

اس کی آنکھوں میں نمی پھیل رہی تھی.... آنے کا سفر تکلیف دہ تھا لیکن جانے کا سفر بھی اتنا ہی تکلیف دہ ہو گا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی وہ یہی سب تو چاہتی تھی 'نہ جانے کتنی بار وہ اسے واپس جانے کی دھمکی دے چکی تھی۔ اور آج سچ مچ جا رہی تھی تو خود اس کا دل بغاوت پہ اتر آیا تھا.... اس نے بے ساختہ امڈ آنے والے آنسوؤں کو صاف کیا.... اپنی ٹھوڑی پہ دائیں ہاتھ کی مٹھی جما کر بدستور باہر دیکھنے میں مگن رہی.... اس کا گھر پندرہ منٹ کی دوری پہ تھا۔

"ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مجھے اب تم سے تمام تعلق توڑ لینے چاہئیں.... لیکن پھر بھی میں تمہیں ایک موقع ضرور دوں گا.... ایک بار پھر سوچ لو.... زندگی بار بار دستک نہیں دیتی.... یہ موقع کھو دو گی تو پھر کچھ نہیں بچے گا تمہارے پاس...." اقصیٰ نے بے یقینی کے جھٹکے سے سنبھل کر اسے دیکھا....

"آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟" مرتعش لہجے میں آخر وہ بول ہی پڑی....

"میں کر رہا ہوں ایسا....؟ تم نے کسر ہی کیا چھوڑی ہے، جو میں کچھ کروں گا...." گاڑی جھٹکے سے رکی تھی.... وہ سخت قسم کے تاثرات لیے اس کی طرف مڑا....

"پہل تم نے کی ہے اقصیٰ.... کیوں بھول رہی ہو' ناقابل تلافی حد تک تم مجھے کتنی بار ذلیل کر چکی ہو.... اب بھی میں ہی کچھ کر رہا ہوں۔" وہ اس کی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے پیروں پہ نظر جما چکی تھی۔

"تم میں اتنی سی بھی غیرت ہوئی تو ضرور سوچو گی

اس بارے میں ..." گاڑی پھر چل پڑی ... کئی لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے ... اس کا گھر آگیا تھا۔

"ڈیڑھ ماہ ہے تمہارے پاس ... آج کی تاریخ نوٹ کرلو ... آج سے ٹھیک ڈیڑھ ماہ بعد میں تمہارے لوٹ آنے کا منتظر رہوں گا۔ دوسری صورت میں تمہاری خوشی مقدم ہے میرے لیے ... خود سے مزید باندھ کر نہیں رکھوں گا ... پیپرز بنوا چکا ہوں۔" وہ نہایت اطمینان سے اس کی ذات کے پرخچے اڑا رہا تھا۔

وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکلی اور کھلے دروازے سے بھاگتی ہوئی اندر غائب ہو گئی۔ جو چوکیدار نے ابھی ابھی اس لیے کھولا تھا۔

سمیع کے اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے اور اس کے چہرے پہ در آنے والی مسکراہٹ بے ساختہ تھی ... اس نے سوٹ کیس اندر ڈرائیو وے پہ رکھا چوکیدار کو اندر پہنچانے کا آرڈر دے کر خود زن سے گاڑی بھگا لے گیا۔

☆ ☆ ☆

"ماما ...!" وہ اندر آتے ہی طاہرہ بی کے گلے جا لگی ... رونا تھا کہ آئے چلا جا رہا تھا نہ معلوم اتنے دنوں کا غبار تھا یا اپنی خود ساختہ ناراضی کی شرمندگی ...! بہرحال طاہرہ بی نے اسے جب تک لپٹائے رکھا جب تک وہ خوب جی بھر کر رو نہیں لی ...

"سمیع کہاں ہے ... وہ کیوں نہیں اندر آیا؟" انہوں نے بیک وقت اقصیٰ اور چوکیدار دونوں سے پوچھا جو اس کا سامان اندر لا رہا تھا ...

اقصیٰ نڈھال سے انداز میں صوفے پہ گر سی گئی۔

"وہ چلا گیا ماما؟" اس نے کھوئے کھوئے سے انداز میں جواب دیا۔ طاہرہ بی نے تشویش سے بغور اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھا اور اس کے پاس آبیٹھیں۔

"کیا بات ہے بیٹا ... کیا ہوا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں ماما۔" وہ بدقت مسکرائی ... وہ انہیں اب مزید تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔

"اقصیٰ!" آواز پہ دونوں نے مڑ کر دیکھا تھا۔

پاپا اسٹڈی سے نکل کر آ رہے تھے ...

اقصیٰ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی ہلیکن آگے جانے کی اس کے اندر ہمت نہیں تھی ... وہیں بھری آنکھیں لیے کھڑی دیکھتی رہی۔

سلمان فاروقی نے اپنی بانہیں وا کیں ... اقصیٰ کی آنکھوں میں مسرت کی چمک نمودار ہوئی اور وہ تیزی سے آگے بڑھ کر باپ کی پرشفقت پناہوں میں جا چھپی ... ماں سے مل کر وہ اتنا نہیں روئی تھی ... جتنا باپ کے سینے سے لگ کر روئی تھی ... رخصتی کی ساری کسر پوری ہو گئی تھی۔

طاہرہ بی نے اقصیٰ کی پسندیدہ ڈشز بنوائیں ... اسے خود دونوں کا خود پر اتنی توجہ دینا بہت بھا رہا تھا ... اس کی آنکھوں کی رونق لوٹ آئی تھی اور وہ دونوں بھی اسے ایک چھوٹی بچی کی مانند ٹریٹ کر رہے تھے، کتنے دنوں بعد وہ کھل کر ہنسی اور جی بھر کر کھانا کھایا تھا۔

"سب ٹھیک ہیں نا تمہارے ساتھ ... بے جی رافع اور سمیع؟" سلمان صاحب نے کسی خدشے کے تحت پوچھا۔ اقصیٰ کے چہرے پہ ایک سایہ سا لہرا گیا

"جی جی پاپا ٹھیک ہیں" مختصر سا جواب ان کے لیے بہت تھا۔ فی الحال تو وہ اقصیٰ کی اچانک آمد پہ بہت مسرور تھے۔ اقصیٰ کے دماغ میں سب پھر سے تازہ ہو گیا۔

سمیع کی باتیں اور اپنا فیصلہ ...!

اس کا کمرہ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ گئی تھی۔ پانچ ماہ میں بھلا کیا بدل جاتا؟ اس نے شیلف پہ رکھی اپنی کتابیں اٹھا کر دیکھیں ... اس کا گریجویشن ادھورا رہ گیا تھا جس کا کئی دن تک اسے شدید قلق رہا تھا۔

اب اسے پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

یا اللہ یہ کیا ہو گیا تھا! وہ شخص جسے وہ جاہل کہتی آئی تھی۔ اچھا خاصا ڈگری ہولڈر تھا اور اس سے کہیں زیادہ تمیز دار اور با ادب تھا ... بن ماں باپ کے اس نے زندگی گزاری تھی اور وہ رشتوں کی قدر جان سے زیادہ کرنا جانتا تھا۔

ایک وہ تھی ... ساری زندگی اس نے اعلا تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کی اور اس کے سسرال والے

اسے ۔۔۔ بد مزاج اور منہ پھٹ کے علاوہ اور کوئی نام دینے کو تیار نہیں تھے۔۔۔۔

اس نے ایسا کیوں کیا؟ اسے اپنی تمام بدتمیزیاں اور بداخلاقیاں یاد آرہی تھیں، جو اس نے سمیع کے ساتھ روا رکھی تھیں۔

اس کا کتنا حوصلہ تھا جو وہ برداشت کرتا رہا۔۔۔۔ بے اختیار اس نے ٹیبل پہ پڑے کیلنڈر اسٹینڈ کو دیکھا۔

15 اپریل "آج کی تاریخ یاد رکھنا۔"

اس سے پوچھا نہ کچھ کہا۔۔۔۔ بنا کسے سامان باندھ کے ہاتھ پکڑ کے اسے اس کے گھر چھوڑ دیا۔۔۔۔ گویا "لو جان چھوڑو میری تمہیں تمہارا گھر مبارک ہو۔" جس طرح وہ اسے چھوڑ گیا تھا۔۔۔۔ یوں وہ کبھی نہیں آنا چاہتی تھی۔ البتہ انکار کرنا اسے اپنی بے عزتی لگتا تھا۔۔۔۔ جو بھی تھا اسے اپنی انا بہت عزیز تھی خود سے تو وہ کبھی پیش رفت نہ کرتی اور سمیع اسے اس مشکل امتحان میں ڈال گیا تھا ۔

پھر وہ نئے سرے سے گزرے دنوں کو سوچنے لگی تو اسے اپنی بے شمار غلطیاں نظر آئیں۔۔۔۔

سارا قصور اسی کا نکلتا تھا۔ خود احتسابی مشکل عمل ضرور ہے البتہ ناممکن نہیں۔

وہ اس مشکل ترین گھڑی سے گزر رہی تھی۔۔۔۔ طاہرہ بی اس کے لیے دودھ لے کر آئیں تو وہ ٹیبل پہ سر رکھے سو چکی تھی۔

لان میں ٹہل ٹہل کر اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں، لیکن اسے قطعاً" کوئی احساس نہیں ہو رہا تھا۔۔۔۔ وہ شدت سے خود کو اکیلا محسوس کر رہا تھا۔۔۔۔ اپنی تمام تر بدتمیزیوں کے باوجود اسے وہ بہت یاد آرہی تھی۔

پہلے دن ہی وہ بیڈ پہ قابض ہو گئی تھی اُسے مجبوراً" صوفے پہ بسیرا کرنا پڑا۔

وہ مارے باندھے اس کے کام بھی کرتی تھی لیکن بگاڑتی زیادہ تھی۔۔۔۔ چائے میں نمک ملا دیتی۔ ناشتے میں اس کے توس مزید سینک کے جلا دیتی۔۔۔۔ وہ پراٹھوں کی بات کرتا تو وہ خشک روٹی لے آتی۔

اس کے علاوہ وہ اس کے نئے جوڑوں کو اکثر استری سے جلا دیتی یا تیز استری سے ان کے رنگ اڑا دیتی۔

یہ کام بھی اس نے شاذ و نادر ہی کیے تھے۔ زیادہ تر تو وہ اس کے کاموں سے انکار ہی کر دیتی تھی۔

وہ اپنی مرضی سے الم غلم بناتی اور پورا کچن پھیلا کے آجاتی۔۔۔۔ اس کا مقصد سب کو عاجز کر دینا تھا۔

بعض اوقات اسے دورہ پڑ جاتا وہ صبح سے شام تک کمرے میں بند روتی رہتی۔

اسے روتے دیکھنا اس کے لیے سب سے تکلیف دہ امر تھا۔۔۔۔

وہ اپنے ناکردہ کی معافی مانگتا رہتا۔۔۔۔ اسے پچکارتا دلاسا دیتا۔۔۔۔ حد سے زیادہ محبت کا مظاہرہ کرتا۔۔۔۔

اور پھر اس نے یہ کیا کہ۔۔۔۔ اس کی جائز و ناجائز ہر بات کو سپورٹ کرنا شروع کر دیا۔۔۔۔ اس سے وہ اس کا دل نہیں تو کچھ توجہ جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔

اب وہ اسے اس کے نام سے پکار لیتی تھی۔

یہ اس کی نظر میں کافی بڑی تبدیلی تھی۔۔۔۔ وہ جانتا تھا کہ دیر ہو جانے پہ وہ اس کا انتظار کیا کرتی تھی اور بعد میں۔

"نیند نہیں آرہی تھی" کا بہانہ بنا کر اپنے بستر پر چلی جاتی۔۔۔۔ سمیع نے اسے یاد کر کے تصور میں اس کا دھندلا چہرہ دیکھا۔

"اف میرے اللہ۔۔۔۔ کب سب ٹھیک ہو گا۔۔۔!"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھاما اور پریشانی سے بڑبڑایا۔

کتنا مطمئن تھا وہ۔۔۔۔ اقصیٰ قبول کر رہی تھی سب کچھ آہستہ آہستہ۔۔۔۔ لیکن درمیان میں کہیں تلخ انداز ۔۔۔۔ احسان جتاتا سا لہجہ اسے یہ سب بہت محسوس ہوتا تھا۔۔۔۔

وہ اسے کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا اور نہ ہی وہ کوئی روایتی مرد تھا جو عورت کی مرضی کو اہم نہیں سمجھتا۔ اس کا مقصد اس کی انا کو زیر کرنا نہیں تھا۔ بلکہ اسے شدت سے یہ احساس دلانا تھا کہ وہ کتنی بڑی غلطی پر تھی۔

شاید دور رہ کر اسے احساس ہو ہی جاتا کہ وہ سمیع کی بے لوث محبت کے بغیر واقعی بے رنگ تھی۔
کاش وہ سمجھ جائے۔۔۔ جہاں تک وہ اسے جانتا تھا ۔۔۔ وہ ہٹ کی اتنی پکی تھی۔۔۔ وہ مر کر بھی خود کو سرنگوں نہ ہونے دیتی۔۔۔ اس نے کوئی احتجاج بھی نہیں کیا تھا۔ چپ چاپ اس کے احکامات کی تکمیل کیے گئی شاید وہ چاہتی ہی یہی تھی۔
اب صحیح معنوں میں اس کا دماغ گھوم رہا تھا۔۔۔ اس نے اشارے کنایوں میں کتنی بار اسے روکنے کی کوشش کر ڈالی۔ مگر وہ تو جیسے کب سے منتظر تھی۔۔۔
"یہ میں نے کیا کر دیا۔۔۔" سمیع بے چینی سے پھر ٹہلنے لگا۔۔۔ جو ہو چکا تھا اب وہ واپس نہیں لایا جا سکتا تھا ۔ مجبوراً" اب اسے اپنا شروع کیا ہوا کھیل سمیٹنا تھا۔
یا پھر انجام کا انتظار۔۔۔
انجام بخیر کا۔۔۔
وہ اقصیٰ کو ایک آخری موقع دے آیا تھا۔۔۔ نہیں جانتا تھا کہ قدرت نے بھی اسے ایک موقع دے کر امتحان میں ڈال دیا تھا' اب دونوں اس موقع کو کیسے بروقت استعمال کرتے یہ آنے والا وقت بتانے والا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ آنکھیں موندے سر پیچھے کیے طاہرہ بی سے سر کی مالش کروا رہی تھی ۔ وہ ساتھ ساتھ اسے ڈانٹنے کا فریضہ بھی سرانجام دے رہی تھیں۔
"یہ بالوں کو کیا کر لیا۔ گھونسلہ بنا رکھا ہے' تیل نہیں لگاتیں۔" ان کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے ۔۔۔ آدھی تیل کی بوتل وہ اس کے سر پہ بہا کر چکی تھیں ۔۔۔ اقصیٰ ان کی تشویش بھری فکر مندی پہ مسکرائے بنا نہ رہ سکی۔
وہ کیا بتاتی کہ کتنا عرصہ ہوا اس نے تو خود کو دیکھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔
یہاں آکر بھی اس کی لاپروائی برقرار رہی' ہر وقت اسے بس یہی دھڑکا لگا رہتا کہ نہ معلوم کب ماما پاپا اس سے پوچھ بیٹھیں "تمہارے چہرے پہ خوشی کیوں نہیں دکھتی۔۔۔" وہ ڈر کے مارے اپنے آپ کو آئینے میں بھی نہیں دیکھ پاتی تھی عجب ہونق دکھنے لگی تھی وہ۔۔۔
اس کا علاج پھر اس نے یوں کیا کہ ہر وقت ماما کے ساتھ لگی رہنے لگی۔
وہ کچن میں تو یہ کچن میں۔۔۔ یہ پودوں کی کانٹ چھانٹ کرتیں۔۔۔ وہ پائپ لگا کر پانی لگاتی۔
کبھی کپڑے دھلوانے لگتی۔۔۔ کبھی نت نئی ڈشنز سیکھتی' اس نے خود کو کاموں میں اتنا گم کر لینا چاہا کہ خود کو بھول جائے۔
لیکن افسوس رات کا فسوں اسے پھر ان ہی منظروں میں لے جاتا۔ سمیع کی وارننگ اس کا فیصلہ اور صبح تک سوچ سوچ کر وہ نڈھال ہو جاتی۔ نتیجتاً" اسے دس بجے تک سونا پڑتا۔
دن تیزی سے گزرتے رہے ایک بار مہو آئی تھی رافع بھائی کے ساتھ ملنے۔۔۔ اس کے چہرے پہ وہی دلہنوں والی شرماہٹ تھی۔
اس نے دیکھا وہ ماں بننے والی تھی۔
اس کے دل میں مہو کے لیے کوئی نفرت تھی۔
کوئی حسد کا جذبہ نہیں ابھرا۔۔۔ وہ بس نم آنکھوں سے دور ہی سے دیکھتی رہی۔
اسے اپنی غلطیوں کا ادراک ہونے لگا تھا۔ خود کو غلط ماننا دنیا کا سب سے مشکل ترین کام ہے اور وہ اس کام کو کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اس نے چونک کے اوپر نگاہ اٹھائی۔۔۔ مہو نے کھلے دل سے اسے ساتھ لپٹا لیا۔۔۔
پھر بڑی مشکل سے سوری کہا مہو تڑپ کر الگ ہوئی۔۔۔ وہ اس کا بھیگا لہجہ سن کر پریشانی سے دیکھنے لگی ۔۔۔ اقصیٰ کے جیسے تمام قفل ٹوٹ گئے۔۔۔ وہ اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔
"تم کیسے معافی مانگ لیتی ہو مہو مجھے بھی سکھا دو یہ ہنر ۔۔۔ میں بہت خائف ہوں خود سے' تمہیں دیکھ دیکھ کر مجھے حیرانی ہوتی ہے تم کیسے سب کو خوش کر لیتی ہو یہ گر مجھے بھی سکھا دو!"
"اپنی نیت صاف کرو۔۔۔ اور محبت کا جواب محبت

سے دو گی تو تمہیں بھی جینے کا ڈھنگ آجائے گا... دل توڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔ کیوں کہ دلوں میں اللہ رہتا ہے ... دلوں کو ملانا سیکھو... محبت کو مانو اور منواؤ... یہ ایسی طاقت ہے جو تمہیں جینے کے تمام گر سکھا دے گی۔"

"بہت ہی گمبھیر لہجہ، سنجیدہ انداز، جواب پیچھے سے آیا تھا، اقصیٰ کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ پیچھے مڑ کر دیکھ لیتی۔

اس کا سر آپوں آپ ہی جھک گیا... اس نے اپنی نم آنکھیں اوپر اٹھائیں اور دھیرے سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ میں سمجھتا تھا کہ تم وہیں یہ ایسی ہو تم تو یہاں بھی بے مروت ہو بھئی... بجائے تم ہم سے ملنے باہر آؤ... ہمیں تمہارے پاس آنا پڑا..." رافع بھائی خوش دلی سے چوٹ کرتے ہوئے بولے، اقصیٰ مزید شرمندہ ہو گئی۔

وہ ان کی خاطر تواضع کے لیے کچن میں گھسی تو بس کاموں میں جت گئی ماں کے ساتھ لگے رہنے سے ایک فائدہ تو ضرور ہو گیا تھا... اسے سب کچھ بنانا آنے لگا تھا۔

مہرو نے جاتے ہوئے اسے ایک چھوٹا سا کیس دیا تھا اس نے کیس کھولا تو اس میں خوب صورت ایک انچ چوڑا بریسلٹ پوری آب و تاب سے رکھا چمک رہا تھا۔

یہ اس کی منہ دکھائی تھی... کئی بار سمیع نے اسے سوتے میں پہنایا تھا وہ اٹھتے ہی سب سے پہلے اسے اتار کر پھینکتی تھی... لیکن اس کی مضبوطی یا خلوص تھا جو کبھی ٹوٹا نہیں...

اس نے پہلی بار نکال کر اسے اپنی کلائی میں سجا لیا ... اسے لگا وہ کسی محفوظ حصار میں آگئی تھی...

"اقصیٰ! سمیع کا فون ہے۔" ممار یسیور تھامے اس کی طرف آگئیں، سمیع کا فون اس کے دل کی دھڑکن معدوم ہونے لگی... وہ کیوں کرنے لگا اسے فون...؟

اس نے ریسیور کان سے لگایا۔

"ہیلو...!"

"کیسی ہو...؟" دو لفظی خیریت۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی... سمیع ایک ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گیا۔

"مجھے کیوں نہیں لگتا کہ تم ٹھیک ہو...؟"

"کیا مطلب...؟"

"کچھ نہیں تم نے بریسلٹ پہنا..." پرجوش لہجے میں استفسار کیا گیا۔

"ہاں...!" وہ جھجک کر بولی پہلی بار اس سے نارمل لہجے میں گفتگو کر رہی تھی۔

"اوہ گریٹ! تھینک یو میں سمجھ رہا تھا کہ تم پھینک دو گی۔" وہ بے حد خوش ہو کر بولا...

"میری منہ دکھائی تھی... میری مرضی پہنوں یا نہ پہنوں۔" وہ یوں کہہ رہی تھی گویا تمہارے لیے نہیں پہنا۔

"تھی تو میری عنایت۔" وہ فخریہ بولا۔

دوسری طرف اقصیٰ کو اس کا فخریہ لہجہ ایک آنکھ نہ بھایا اور پل کے لیے وہ پہلے والی اقصیٰ بن گئی۔

"لو پکڑو اپنی عنایت میں پھینک رہی ہوں...!"

"او... ارے نہیں نہیں... خدا کے لیے یہ غضب نہ کرنا... میں تو مذاق کر رہا تھا۔" وہ بوکھلا کر دوسری جانب بولا... اسے معلوم تھا اقصیٰ ایسی ہی تھی قول و فعل کی ایک...

"میں نے بس تم سے تمہارا فیصلہ جاننے کے لیے فون کیا تھا... کیا سوچا تم نے پھر اقصیٰ..." بنا تمہید بات پہ آتے ہوئے وہ سنجیدگی سے گویا ہوا... اور یہ بات سنتے ہی اقصیٰ کے حواس گم ہو گئے۔

"پتا نہیں..." دو لفظی جواب دے کر وہ ٹھک سے فون بند کرتی اپنے کمرے میں بھاگ گئی...

کتنی بار فون کی گھنٹی بجی... لیکن اس نے فون نہ اٹھایا۔

☆ ☆ ☆

"کتنے دنوں سے آئی ہوئی ہو... مجھ سے ملنے نہیں آسکتی تھیں... بدتمیز!" وہ ٹیرس پر کھڑی تھی جب پیچھے سے سین آدھمکی، ساتھ ہی دو مکے کمر پہ جڑ دیے۔

"آہ...!" اقصیٰ نے مصنوعی کراہ کر اسے دیکھا۔"

"کتنا بھاری ہاتھ ہے تمہارا۔۔۔ میری کمر توڑ دی۔" اس نے ہائے ہائے جاری رکھی۔

"اچھا بکو مت۔۔۔ میں تمہیں لینے آئی ہوں اور اگر تم نہ آئیں تو ٹانگیں بھی توڑ دوں گی بے وفا کہیں کی۔" اقصیٰ نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا' پل بھر کے لیے اس کا رنگ متغیر ہو گیا۔

شکر ہے وہ اپنی جھونک میں تھی جو اس کا رنگ اڑتا چہرہ نہیں دیکھ پائی۔۔۔ اقصیٰ نے سر جھٹک کر دائیں طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

"میں تم سے بات کر رہی ہوں۔۔۔ دیواروں سے نہیں" سبین نے زبردستی اس کا رخ اپنی طرف موڑا ۔۔۔

"تم نے ایگزام کیوں نہیں دیا اور بائی دا وے یہ تمہاری "آناً" فاناً" شادی کا کیا قصہ ہے؟" وہ ایک ہی سانس میں کئی سوال کر گئی۔۔۔ اقصیٰ نے فارمل سا مسکرا کر اسے دیکھا۔

"دفعہ کرو یہ باتیں۔۔۔ آؤ لان میں بیٹھتے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگی۔۔۔ سبین بدک کر پیچھے ہٹی۔

"جی نہیں۔۔۔ بہت باتیں ہوں گی اور بہت ہوں گی ۔۔۔ ہاں لان میں بیٹھتے ہیں۔ لیکن میرے گھر کے لان میں رائٹ؟" وہ اس کی طرف انگلی اٹھا کر حتمی لہجے میں بولی۔

اقصیٰ بے ساختہ ہنس پڑی اور بے چارگی سے سر ہلایا۔

"ویسے تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ مجھ سے زیادہ باتونی تم تھیں اور اب دیکھو مسلسل میں ہی بولے جا رہی ہوں ۔۔۔ تمہاری زبان کیا مہو آپی ادھار لے گئی ہیں۔۔۔" سبین اسے بولنے پہ اکسا رہی تھی۔۔۔ وہ اسے اپنے کچن میں لے آئی تھی۔۔۔

"نہیں سبین! بس دل نہیں چاہ رہا بولنے کو۔۔۔ مجھے مجبور مت کرو پلیز۔" ایک دم ہی وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔۔۔ سبین نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور خاموشی سے فریج سے نکالی ہوئی کولڈ ڈرنک گلاسوں میں انڈیلنے لگی۔

"لو دماغ ٹھنڈا کرو اپنا پھر بتانا اپنا مسئلہ۔" ایک گلاس اسے پکڑا کر اور ایک اپنے لیے لیتے ہوئے وہ نرمی سے بولی۔۔۔ اقصیٰ ایک نظر اسے دیکھ کر رہ گئی۔

سبین اس کی بہت بچپن کی سہیلی تھی اور ان کا ساتھ برسوں پر محیط تھا' وہ اس کے دل کی ہر بات سے واقف تھی وہ اپنے تمام ذاتی معاملات تقریباً" اسی سے شیئر کرتی تھی۔۔۔ اور اب وہی غم گسار سہیلی پھر اس کا دکھ بانٹنے کو تیار تھی' سچ کہتے ہیں۔ اچھا دوست ایک بہت بڑی نعمت ہے اس نے خاموشی سے اپنی ڈرنک ختم کی اور اس شش و پنج میں مبتلا رہی کہ اسے اپنا دل کھولنا چاہیے یا نہیں۔

"سیانے سچ کہتے ہیں۔۔۔ شادی کے بعد لڑکیاں بدل جاتی ہیں۔ اب یہی دیکھ لو کچھ ماہ پہلے ہی میں تمہاری بہت بہترین دوست کی فہرست میں تھی اور آج تمہیں اپنی دل کی بات کہنے کے لیے کتنا سوچنا پڑ رہا ہے۔" سبین نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے اسے شرمندہ کیا۔۔۔ وہ واقعی شرمندہ بھی ہو گئی۔

"کیا بتاؤں شادی کے بارے میں۔۔۔ بہت تلخ تجربہ رہا ہے۔۔۔" وہ دھیمے سے بولتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگی۔۔۔

پھر اس نے ایک ایک کر کے اپنے دماغ میں الجھی تمام گرہیں کھول دیں۔۔۔ پھر آخر میں تھک کر ڈائننگ چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"اب تم بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟" سبین جو کب سے خاموش کھڑی اسے سن رہی تھی۔۔۔ پر سوچ انداز میں سر ہلاتے ہوئے خود بھی اس کے مقابل بیٹھ گئی۔۔۔

"بڑی ڈرامائی شادی ہوئی ہے اور انجام بھی بڑا ڈرامائی ہو گا۔۔۔ وہ مصنوعی جوش سے بولی۔۔۔ اقصیٰ نے تیکھے چتون اس پہ جمائے۔۔۔

"ابھی انجام نہیں ہوا ہے۔۔۔"

"ہو جائے گا۔۔۔ دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔۔۔ ویسے میں صدقے جاؤں تمہاری عقل اور بیوقوفی کے۔۔۔ جو گھاس چرنے نکلی تھی آج تک نہیں لوٹی۔" سبین

طنزیہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولی۔
"مجھ پر طنز کرنا بند کرو اور کوئی اچھا سا مشورہ دو مجھے۔"
اقصیٰ حسب عادت چڑ گئی۔
"چہ چہ چہ... سب کچھ تو تم انجام دے آئی ہو اب مزید کچھ کرنے کی ضرورت ہے یار؟ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم نے ایسا بھی کیا ہو گا۔" سبین افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے بولی... اقصیٰ خاموشی سے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہی...
"پتا نہیں مجھے خود یقین نہیں آتا۔" وہ غائب دماغی سے بولی۔
"سنو... ! جب سب کچھ تمہاری منشا کے مطابق ہوا ہے تو اتنی پریشانی کیوں...؟"
"کیوں کہ میں اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں... میں علیحدگی نہیں..." تیزی سے بولتے ہوئے وہ ایک دم رکی تھی، سبین اس کے منہ سے یہی سننا چاہتی تھی یہ اس کی دبی دبی مسکراہٹ سے معلوم ہو رہا تھا...
وہ کچھ دیر غصے سے اسے دیکھتی رہی، پھر دونوں ہاتھوں میں اپنا سر گرا لیا... ایک دم ہی اسے ڈھیر سارا رونا آیا تھا...
اس کی جان پر بنی تھی اور سب اس سے لاتعلق تھے کوئی تو اس کا غم سمجھتا، اس کا خود ساختہ غم؟ سبین نے اسے رونے دیا... وہ دس منٹ تک لگاتار روتی رہی... جب خوب رو چکی تو اس نے ٹشو کا ڈبہ اور پانی کا گلاس اس کے آگے رکھا... اقصیٰ نے دیکھا بھی نہیں۔
"میں علیحدگی نہیں چاہتی سبین اور... اور سمیع تو جیسے سارے بدلے لینا چاہتا ہے مجھ سے..."
"غلط سوچ رہی ہو تم... وہ تم سے کوئی بدلہ نہیں لے رہا، بلکہ وہ تمہیں مسلسل بولنے پہ، کچھ کہنے پہ اکساتا رہا... تمہاری بار بار بے عزتی کرنے کا مقصد... وہ چاہتا تھا کہ تم اپنے منہ سے کچھ عذر، معذرت کرو اور وہ خود جی جان سے تمہیں روک لیتا پھر! اسے اس انتہائی حد تک تم نے پہنچایا ہے اقصیٰ! اور اس آخری موقع دینے کا مطلب جانتی ہو؟" اقصیٰ نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا... سبین ہولے سے مسکرائی۔
"وہ تمہیں نہیں چھوڑنا چاہتا... اس نے اتنے دن تمہاری بدمزاجی جھیلی، اب اس کی اتنی سی ناراضی تو اس کا حق بنتا ہے یار... وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم اس سے سوری کرو اور اپنی مرضی و دل کی خوشی سے اپنے گھر واپس آؤ... یہ اتنی سی بات ہے، جو تمہاری کھوپڑی میں سما نہیں رہی... کتنی انا والی ہو تم...؟"
"ہاں تو کیا کروں؟ جا کر اس کے قدموں میں ڈھیر ہو جاؤں...؟" جواباً وہ تنک کر بولی۔
"ہاں اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں..." وہ تائیداً بولی۔ اقصیٰ اسے گھور کر رہ گئی سبین اٹھ کھڑی ہوئی...
"میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا... صرف یہ بتانا تھا کہ
اگر تمہیں سمیع سے محبت ہے تو پلیز آگے بڑھ کر اس کا بڑھایا ہوا ہاتھ تھام لو... ایسا نہ ہو کہ بدگمانیوں کا اندھیرا تم دونوں کی خوشیوں کو چاٹ جائے... شادی شدہ زندگی میں
پہل کرنے میں برائی ہوتی ہے۔ رسوائی نہیں اقصیٰ... پلیز... جو بھی فیصلہ کرنا اپنے حق میں اچھا ہی کرنا۔"

☼ ☼ ☼

اسے کسی کل چین نہیں آ رہا تھا کل تک ڈیڑھ ماہ کی مدت پوری ہو جاتی جو سمیع کی جانب سے اسے دی گئی تھی...
وہ سارے گھر میں بے چینی سے بے مقصد ڈولتی رہی، آخر پاپا کی اسٹڈی کے پاس آ کر رک گئی... اس نے دیکھا کہ وہ ایزی چیئر سے ٹیک لگائے سوچوں میں گم تھے۔
وہ دبے قدموں چلتی ہوئی اندر آ گئی... لیکن انہیں احساس تک نہ ہوا۔
"پاپا... !" سلمان صاحب نے چونک کر اس کی جانب نگاہ کی...
"کیا بات ہے اقصیٰ..." انہوں نے اس کا پھیکا ہوتا چہرہ دیکھا تو تشویش سے گویا ہوئے۔

"پتا نہیں پاپا..." وہ آہستہ سے ان کے قدموں کے پاس دو زانو ہو کر بیٹھ گئی اور سر ان کی گود میں رکھ دیا... سلمان صاحب ٹھٹک گئے... اقصیٰ ان سے کبھی اتنا قریب نہیں رہی تھی جتنا اس ڈیڑھ ماہ میں ہو گئی تھی ... سلمان صاحب نے بہت پیار سے اسے دیکھا اور آہستہ آہستہ اس کے بال سہلانے لگے۔

"پاپا... کاش آپ مجھے بھی مہو کی طرح چاہتے... اتنا ہی پیار دیتے... کم از کم مجھے احساس تو ہوتا کہ رشتے کیسے نبھائے جاتے ہیں۔" کچھ توقف کے بعد وہ گلوگیر لہجے میں گویا ہوئی۔

پھر سر اٹھا کر بولی۔

"پاپا مجھے رشتوں کی قدر کرنا نہیں آتی... میں بہت بری ہوں۔" سلمان صاحب نے تڑپ کر اس کا سر اٹھایا اور آنسوؤں سے تر اس کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں... میری بیٹی تو بہت اچھی ہے۔ کون کہتا ہے تم رشتوں کی قدر نہیں کر سکتیں... تم نے تو میرا سر فخر سے اونچا کیا ہے... اور میں تمہیں بتاؤں اقصیٰ ... مجھے اپنی یہ چھوٹی بیٹی بے حد پیاری ہے۔ سب سے پیاری مہو سے بھی زیادہ پیاری۔" انہوں نے پیار سے اس کی ناک دبائی... اقصیٰ شاد سی ہو گئی... لیکن اگلے ہی پل پھر متوحش سی نظر آنے لگی۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا پاپا کہ میں کیا کروں... آپ مجھ سے پوچھتے کیوں نہیں ہیں کہ میں کیوں پریشان ہوں۔" وہ الجھ کر بولی۔

"اپنے فیصلے خود کرنے کی عادت ڈالو بیٹا... سہارے وقتی ہوتے ہیں... عارضی سہاروں کو پائیدار نہیں سمجھنا چاہیے... تم سمجھ دار ہو... باشعور ہو... اپنی عقل کا صحیح استعمال کرو اور دل کی بات پہ لبیک کہہ ڈالو۔

وقت ضائع کرنا عقلمندوں کا شیوہ نہیں ہوتا عملی زندگی کا ایک سنہرا اصول اپنے دماغ میں بٹھالو... کبھی بھی رشتوں میں انا کی دیوار نہیں کھڑی کرنی چاہیے۔

"میں" صرف اس پاک ذات پر جچتی ہے... انسانوں کو عاجزی میں رہنا چاہیے۔"

انہوں نے شہادت کی انگلی سے آسمان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"اللہ تمہیں آسان راہ سجھائے، تمہیں تمہاری پریشانی دور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) اقصیٰ کے من سے کوئی ٹنوں بوجھ سرکا تھا... اس نے سرشار ہو کر دوبارہ ان کی گود میں سر رکھ دیا...

☼ ☼ ☼

اس نے کئی کئی بار خود کو آئینے میں دیکھا... آئینہ بتا رہا تھا کہ وہ اس وقت کیسی لگ رہی ہے... لیکن وہ مطمئن ہی نہیں ہو پا رہی تھی...

اس نے ڈارک گرین اور میرون کامبینیشن میں بہت خوب صورت فراک زیب تن کر رکھا تھا... یہ ماما اس کے لیے اپنی پسند سے لائی تھیں...

لمبے ریشمی بال اس کے شانوں پر پڑے جھول رہے تھے۔

پہلی بار وہ خاص طور پر تیار ہو رہی تھی اور اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے تیار ہو...

اس نے کانچ کی چوڑیاں بھر بھر کر اپنی کلائیوں میں ڈال لیں۔ سمیع کو اس کے ہاتھوں میں چوڑیاں اتنی پسند تھیں کہ... نت نئے رنگوں کی چوڑیوں سے اس کی ڈریسنگ ٹیبل بھری رہتی تھی۔

یہ اور بات کہ اس نے کبھی انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا... اس نے ایک بار پھر خود کو سامنے دیکھا... وہ سادگی میں بھی اتنی دلکش لگ رہی تھی... اسے کسی بناؤ سنگھار کی ضرورت نہیں تھی...

"اقصیٰ... !فون ہے تمہارا... سن لو آکر..."

باہر سے ماما کی آواز آرہی تھی اور اس کا دل گویا اچھل کر حلق میں آ گیا۔ دھڑکن معمول سے زیادہ ہو گئی۔

وہ جانتی تھی کہ آج کے دن اس کال نے آنا تھا اور وہ منتظر بھی تھی... لیکن پھر بھی وہ حواس باختہ سی ہو گئی

"ہیلو..." دوسری طرف یقیناً "وہی تھا... ہمیشہ کی مانند گمبھیر لہجہ... آواز کا خوب صورت اتار چڑھاؤ... اقصیٰ اپنی اتھل پتھل ہوئی سانسوں کو ہموار کرنے میں لگ گئی۔

"تو تم نے فیصلہ کرلیا... ثابت ہوگیا کہ... تم سے زیادہ کٹھور اس دنیا میں کوئی نہیں... تم ایک خود غرض... انا پرست اور خود پسند لڑکی ہو۔

میری بدقسمتی کہ تمہیں میرا ساتھ قبول نہیں... اس سے بڑھ کر میری بدقسمتی کہ مجھے تم جیسی سنگدل لڑکی سے محبت ہوئی... جس کے سینے میں ہی دل نہیں ہے۔" اقصیٰ بالکل گنگ ہو کر کھڑی رہی... اس سے بولا ہی نہ گیا۔

"لیکن خیر... میں نے تم سے کہا تھا نا کہ مجھے تمہاری خوشی تمہاری چاہت عزیز ہے... اب بے فکر ہو جاؤ تم، مزید تنگ نہیں کروں گا... ایسے ساتھ کا کوئی فائدہ نہیں ہے جس میں ایک فریق راضی نہ ہو۔"

"مم... میری بات سنیں... آپ کیا کہہ رہے ہیں سمیع..." اقصیٰ گھبرا کر جلدی سے بولی۔

"وہی جو تم چاہتی ہو... بس آدھے گھنٹے میں... میں تمہیں..."

"نہیں... آپ ایسا نہ کریں... پلیز میری بات سنیں۔" اقصیٰ نے سکڑے دل کے ساتھ دہائی دی۔

اور بنا سمجھے ٹھک سے ریسیور کریڈل پر پٹخا اور دونوں ہاتھوں سے منہ سختی سے بند کر کے خوف زدہ نظروں سے فون کو دیکھے گئی۔ وہ کیا کہہ رہا تھا...

آدھے گھنٹے میں وہ کیا کرنے والا تھا۔ یعنی اس کے پاس آدھے گھنٹے کا موقع اب بھی تھا... اور یہ اس کے ہاتھ سے ضائع ہو جاتا تو پھر ساری زندگی وہ پچھتاتی رہتی شاید...

"مجھے جانا ہے... ہاں جانا ہے..." وہ تیزی سے اٹھی اور آناً فاناً فیصلہ کیا...

وہ بھاگتی ہوئی پاپا کے کمرے میں گئی... وہ تیار ہو کر بس آفس کے لیے نکلنے والے تھے۔

"پاپا..." وہ بھاگتی ہوئی... ان کے بازو سے آلگی...

"پاپا مجھے چھوڑ آئیں، میرے پاس بس آدھا گھنٹہ ہے۔" وہ اتنی بدحواسی سے بولی کہ سلمان صاحب کو تشویش ہونے لگی۔

"کیا ہوا ہے؟ کہاں چھوڑ آؤں اقصیٰ... تم ٹھیک تو ہو؟" وہ ایک سانس میں پوچھے گئے۔

"مجھے میرے گھر چھوڑ آئیں... بس جلدی کریں نا۔" وہ مزید کچھ کہے بغیر ان کا بازو کھینچتے ہوئی بولی...

"اچھا اچھا... چھوڑ آتا ہوں..." انہوں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اسے ٹھنڈا کرنا چاہا...

"یہ تو بتاؤ سب خیریت ہے... بے جی تو ٹھیک ہیں... ؟ مہو... سمیع..." وہ جان بوجھ کر دیر کر رہے تھے۔ اسے تو کم از کم یہی لگا۔

بے بسی سے اس کی آنکھیں چھلک پڑیں... وہ الٹے قدموں مڑی اور بھاگتے ہوئے لاؤنج کا دروازہ پار کیا پھر ڈرائیو وے... بڑے گیٹ تک پہنچی تو... پاپا اسے مسلسل آوازیں دیتے ہوئے اپنی گاڑی تک آ پہنچے تھے... وہ گیٹ کھول کر باہر نکل گئی۔

سلمان صاحب نے گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے باہر نکال کر لے گئے۔

"بیٹھو، کہاں بھاگ رہی ہو..." وہ جو ٹیکسی کی تلاش میں باہر نکلی تھی... پاپا کی گاڑی سامنے آتے دیکھ کر لپک کر بیٹھی اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"بتاؤ گی نہیں ہوا کیا ہے؟" وہ اب بھی اس سے پوچھ رہے تھے... جب کہ اقصیٰ کا دماغ نہ جانے کہاں پہنچا ہوا تھا... اس کے چہرے پہ اضطراب پھیلا ہوا تھا اور وہ مسلسل باہر کی جانب دیکھتی رہی۔

سلمان صاحب نے اس کی دلی کیفیت کا اندازہ لگایا اور پھر مزید کچھ بھی پوچھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"کاشانہ حدید" پہنچ کر انہوں نے گاڑی جیسے روکی اقصیٰ نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا اور بھاگ کر ادھ کھلے گیٹ سے اندر چلی گئی۔

لاؤنج کا دروازہ... سیڑھیاں... راہداری اس کی آنکھوں کے آگے آنسوؤں کی دھند چھا گئی... اپنے نقصان کا احساس ہر احساس پر غالب آگیا۔

آخری سیڑھی پہ پہنچ کر وہ رک گئی... سیڑھیوں کے سرے سے لے کر اس کے کمرے تک گلاب کے پھولوں کی پتیاں بکھیر کر خوب صورت چادر سی بنائی گئی تھی اور دروازے کے اطراف لائٹنگ کی ہوئی تھی۔

اس نے دزدیدہ نظروں سے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑے سمیع کو دیکھا جو بہت نرم مسکراہٹ لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا... وہ فیصلہ جو وہ ڈیڑھ ماہ میں نہیں کرپائی ... وہ سمیع کے ایک ادھورے جملے نے کروادیا تھا۔

ان کے درمیان بس چار پانچ قدم کا فاصلہ تھا۔ کوئی بھی اس فاصلے کو سمیٹ سکتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ کام بھی اسے ہی کرنا تھا... یہاں تک آگئی تھی تو آگے بھی جاسکتی تھی... بار ندامت سے اس کی پلکیں نہیں جھکی تھیں بلکہ سمیع کی وسعت قلبی کے آگے زیر ہوئی تھیں۔

اس نے واقعی محبوب بنا ڈالا تھا اسے... اس نے دھیرے سے نظریں اٹھائیں۔ سمیع پرشوق نظروں میں دنیا جہاں کا پیار سموئے اسے دیکھنے میں مگن تھا... اس نے ایک قدم اٹھایا... دوسرا... تیسرا... آخر سارا فاصلہ سمٹ گیا۔ وہ اس کے مقابل پاس کھڑی تھی۔

"اقصیٰ...!" سمیع کی پکار میں محبت پنہاں تھی۔ اس نے خود ہی اس کا جھکا سر ٹھوڑی سے پکڑ کر اونچا کیا ... پھر ٹھٹک کر رہ گیا... وہ آنسوؤں سے تر گلابی چہرے کے ساتھ کھلے بالوں کے ساتھ... اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ وہ اس کے رونے کی پروا کیے بغیر یک ٹک اسے دیکھے گیا۔

"کیوں رو رہی ہو؟" وہ پرسکون تھا... اس کی خاموشی ہی ندامت تھی... یہ اس کے چہرے پہ بھی لکھی نظر آرہی تھی... لیکن وہ براہ راست سمیع کو اب بھی نہیں دیکھ پارہی تھی۔ اس کی نظریں نیچے جھکی ہوئی تھیں۔

"کچھ کہو گی نہیں...؟" وہ اسے بولنے پہ اکسا رہا تھا ...

"آئی ایم سوری!" معذرت کے چند روایتی الفاظ سمیع حدید زیر لب مسکرا کر رہ گیا...

"میرا فون کیوں بند کیا تھا تم نے..." وہ اب جرح کررہا تھا...

"میں کہنے والا تھا کہ آدھے گھنٹے میں تمہیں لینے آنے والا ہوں... تم کیا سمجھیں؟" وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو... اقصیٰ نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور تحیر بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اوہ میرے اللہ...!" اس نے بے ساختہ کہا اور ایک گہرا سانس لیا... اس کے تمام خدشات دم توڑ گئے ... سیین ٹھیک کہتی تھی... سمیع نے اسے چھوڑنے کے لیے نہیں اپنایا تھا۔

"کیا ہوا...؟"

"نہیں کچھ نہیں... وہ میں... ڈر گئی تھی۔"

"ڈر تو میں گیا تھا کہ نہ جانے تم آؤ گی یا نہیں۔ لیکن تھینکس گاڈ... تم خود ہی آگئیں... مجھے تمہیں لانا نہیں پڑا..." وہ شرارت سے گویا ہوا... اقصیٰ جھینپ کر مسکرادی۔ اسے بالکل بھی برا نہیں لگا طیش نہیں آیا' وہ جان گئی تھی کہ محبت کرنے والوں کے دل نہایت وسیع ہوتے ہیں۔

سمیع نے دلچسپی سے اس کے شرمندہ چہرے کو دیکھا اور دائیں بازو کے گھیرے میں لے کر اندر کمرے میں آ گیا۔

"اگر تمہاری اتنی سی معافی... پرانے تمام دکھوں کا ازالہ کرسکتی ہے تو معاف کرتا ہوں..." اس نے دانستہ اسے امتحان میں ڈالا۔

اقصیٰ پھر ہونق بن گئی... آنا" فانا" آنکھیں دھندلا گئیں... ایسا تو ممکن نہیں تھا۔

"تمام غلطیوں اور کوتاہیوں کے مداوے کے لیے تو معافی قبول کی جاسکتی ہے نا... تو پھر دکھوں کا ازالہ تو وقت گزرنے کے ساتھ ہو ہی جائے گا۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔ سمیع نے اسے خود سے قریب کرلیا...

"بے شک' میری جان... میں تو یونہی کہہ رہا تھا... اور ایک بات یاد رکھنا... میں تم سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوسکتا... خواب میں بھی نہیں..."

اقصیٰ کے چہرے پہ حیا آلود مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اور میں اب آپ کو کبھی بھی تنگ نہیں کروں گی خواب میں بھی نہیں۔" وہ جھکی نظروں سے اسی کے انداز میں بولی... سمیع بے ساختہ قہقہہ لگا کر رہ گیا۔

☆ ☆

فاخرہ گل

میں مرزا سبطین کسی زمانے میں اپنی بیوی سے جنون کی حد تک عشق کرتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سسر محترم اس رشتے کے حق میں نہیں تھے۔ ہمیشہ کہا کرتے.... "جو لڑکے سلیقے قرینے سے بال نہیں بنا سکتے وہ شادی کے بعد بیوی اور اس کے رشتے داروں سے کیسے بنا کر رکھیں گے۔"

نتیجتاً" میں ان کے سامنے حاضر ہونے سے پہلے بادام کا تیل لگا کر بالوں کو سنوار نکھار کر خود کو آئینے میں دیکھتا، مجال ہے جو میرا ایک بال بھی مانگ کی سرحد عبور کر کے دوسری طرف ملتا اور پھر میں بادام کا تیل لگاتا ہی گیلے بالوں میں تھا۔ جس سے بال چپک سے جاتے اور ایسے چمکتے جیسے اس زمانے میں لوگ اتوار بازار کے رش میں چپک جایا کرتے۔ لیکن میری یہ کوشش بھی رائگاں گئی کہ اس کے بعد انہیں اعتراض میرے چشمے پر ہوا جو بغیر بتائے ڈھلک جایا کرتا۔ میں نے بڑی سوچ بچار کے بعد چشمے کی ڈنڈیوں پر ربڑ چڑھائی جوان کے سامنے جاتے ہوئے پہن لیا کرتا۔

تیسرا اعتراض انہیں یہ ہوا کہ میرے پاس معقول رہائش نہیں ہے۔

ظاہر ہے تب میں اکیلا تھا اور چند لڑکوں کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ شاید انہیں یہ گمان تھا کہ میں شادی کے بعد اپنی بیگم کو بھی اسی مکان میں رکھوں گا۔ میں نے ان کا اعتراض دور کرنے کے لیے ایک چھوٹا سا کرائے کا مکان لیا تو بولے "ساری" تنخواہ کا نصف کرائے میں دے دو گے تو میری بیٹی کے اخراجات کیسے پورے ہوں گے؟"

غرضیکہ میں نے زچ ہو کر ایک دن ان کے برآمدے میں ٹاٹ بچھایا اور بیٹھ گیا۔ وہ بڑے سٹپٹائے اور میری اس حرکت کا مقصد پوچھا تو میں نے بھی ہاتھ باندھ کر بڑے ہی تابعدارانہ انداز میں وضاحت پیش کی کہ "حضور خود کو ہر طرح سے آپ کی پسند کے پیمانے میں ڈھال کر دیکھا لیکن آپ جناب پھر بھی مطمئن نہ ہوئے تو سوچا اس مرتبہ یہ ہے کہ آپ کے دولت خانے کا فقیر ہو جاؤں اور جب اگلے سو پچاس سالوں میں آپ کے معیار پر پورا اتروں تو قبلہ مجھے اپنی فرزندگی بخش کے احسان کے قابل سمجھ لیجیے۔"

میرا یہ کہنا تھا کہ ان کے بارعب چہرے پر ایک معصوم سی مسکراہٹ کھیلتی نظر آئی۔ اور میں جو یہ سمجھ رہا تھا کہ ان کے چہرے پر شاید ہمیشہ سیمنٹ کا لیپ رہتا ہے' میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ اسی وقت ان کا ملازم مالٹوں سے بھرا ٹوکرا سر پر اٹھائے بڑے پھاٹک کے پہلو میں بنے چھوٹے دروازے سے داخل ہوا۔ پیچھے پیچھے آمنہ بھی تھی۔

منہ میں مالٹے کی ایک پھانک ڈالتے ہوئے اس نے بازو سیدھا کر کے چھلکے ملازم کے ٹوکرے میں رکھے' سارا منظر گویا دھندلا گیا تھا۔ مجھے لگا کہ آمنہ زوم کردی گئی ہے اور زوم کر کے میرے فوکس میں ہے اور جب پہلی مرتبہ میں نے اسے دیکھا تھا تب بھی وہ کوئی فروٹ کھا رہی تھی اور یہی ملازم اس کے ساتھ تھا اور مجھے یقین تھا کہ اگر میری شادی آمنہ سے ہو گئی تو یہ ملازم یقینی طور پر جہیز میں آئے گا لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرا یقین ٹوٹ گیا۔

تو میں ذکر کر رہا تھا آمنہ اور ملازم کے اندر آنے کا' اب ذکر بھی کیا کرنا لیکن بتا ہی دیتا ہوں کہ آمنہ کو دیکھتے ہی میرے چہرے پر مسکراہٹ ایسے ظاہر ہوئی کہ میں نے گھبرا کر اپنا چہرہ نیچے کر لیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا

کہ سسر صاحب اس وقت کن انکھیوں سے میرے ہی تاثرات نوٹ کر رہے ہوں گے۔ لہٰذا خود کو تارک الدنیا ظاہر کرنے کی کوشش میں سر اتنا جھکا لیا کہ میری ٹھوڑی سینے کو چھونے لگی۔ اس دوران مجھے سمجھ ہی نہیں آئی کہ آمنہ کہاں تحلیل ہو گئی۔ کیونکہ اندر جانے کا واحد راستہ میرے ٹاٹ کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا۔ اور میں ٹھوڑی کو اپنے سینے پر ٹکائے شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ چلو آمنہ کے سفید پاؤں ہی دیکھ لوں گا جن میں وہ ہمیشہ ایک موتی کی پازیب پہنا کرتی تھی۔ لیکن کافی دیر گزرنے کے بعد نہ تو اس کے گزرنے کی کوئی آہٹ ہوئی نہ ملازم کے

بولنے کی آواز آئی تو میں نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھایا۔

سسر صاحب اپنی لاٹھی پر ہاتھ رکھے وہیں موجود تھے۔ میرے سر اٹھانے پر بڑی ہی مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"آمنہ سے شادی کرنا چاہتے ہو نا تم؟"

میں نے خاموشی سے تائید میں گردن ہلا دی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے تم نے دیکھا نا وہ ملازم کے ساتھ باہر سے آ رہی تھی؟"

"جی.... جی نہیں.... ہاں جی ہاں جی دیکھا تو تھا لیکن بس سرسری سا۔" سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں اس وقت کون سا جواب خوش کر سکتا ہے' اس لیے میں تذبذب میں تھا۔

"کمال ہے.... یعنی گھر کی عزت ایک ملازم کے ساتھ آ رہی ہے' جو میں نے ہی کہا تھا کہ آئے' تاکہ میں تمہارا ردعمل دیکھوں اور تم ہو کہ سر جھکا لیا کہ بس ٹھیک ہے ملازم کے ساتھ بے شک اندر چلی جائے۔"

"جی.... ؟" میں حیران تھا۔

"کیا تمہیں نہیں چاہیے تھا کہ ملازم سے مالٹوں کا ٹوکرا لے کر خود اٹھاتے اور آمنہ کو اندر تک چھوڑ آتے؟"

مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہ چاہتے کیا ہیں جو بھی کام کرتا انہیں اس کے الٹ میں ہی خوشی محسوس ہوتی۔ یہ تو صرف آمنہ ہی کی تجویز تھی اور کچھ مجھے بھی اب ضد سی ہو گئی تھی کہ رشتہ لے کر ہی چھوڑوں گا۔ آمنہ کی طرف سے خاص ہدایت تھی کہ کہیں بھی یہ واضح نہ ہو کہ وہ بھی مجھ سے نکاح کی خواہش رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ ہر حال میں اپنے والد کی عزت کو اہمیت دیتی تھی اور مجھے بھی اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر اس کے والد نے رشتے سے انکار کر دیا تو وہ ان کے آگے ایک حرف نہیں کہے گی۔ لہٰذا جو کچھ بھی کوشش کرنی تھی وہ میں نے خود ہی کرنی تھی۔ اسی لیے مختلف طریقوں سے راہ ہموار کرنے کی کوششیں کرتا رہا اور باوجود اس کے کہ وہ ہمارے رشتے دار تھے پھر بھی انہوں نے سخت سے سخت آزمائشیں لیں۔

ایک دن فرمانے لگے کہ "چلو مانا میں تمہیں آمنہ کے لیے منتخب کرتا ہوں لیکن اس نے تو آج تک بڑی ہی لاابالی زندگی گزاری ہے کھانے بھی بدمزا پکاتی ہے گھرگرہستی بھی نہیں آتی' پھر تم کیا کرو گے؟"

"ارے چچا اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ میں اسے کھانا بازار سے لا دیا کروں گا۔"

اپنے تئیں میرا خیال تھا کہ وہ میری اس بات پر بے حد خوش ہوں گے۔ سراہیں گے اور داد دیں گے لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا' شاید وہ جلدی خوش ہونے والوں میں سے نہیں تھے اسی لیے تیوری چڑھا کر بولے۔

"آمنہ کو تو بازاری کھانے کی عادت ہی نہیں ہے اس طرح تو اس کا معدہ خراب ہو جائے گا۔"

"تو اس کے علاوہ پھر میں کیا کر سکتا ہوں؟" میں سٹپٹایا اور انہوں نے مجھے گھورا۔

"لیکن میں.... میں خود بھی تو پکا سکتا ہوں آمنہ کے لیے وہ جو کھانا چاہے جیسا کھانا چاہے۔" اب وہ مسکرائے ان کی مسکراہٹ میں اطمینان تھا اور ان کے مسکرانے نے مجھے بھی مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"تو ٹھیک ہے' آج تم کھانا پکا کر کھاؤ۔"

"جی؟ میں؟ کھانا؟" مجھے لگا جیسے میرے منہ کا تھوک خشک ہو گیا ہو۔

اب وہ پھر مسکرائے' ان کی مسکراہٹ میں اطمینان تھا لیکن ان کے مسکرانے نے مجھے رونے پر مجبور کر دیا اور اس سے پہلے کہ میری آنکھوں سے آنسو ڈھلکتے سامنے والے کمرے کی کھڑکی کا پردہ سرکا' آمنہ کی ایک جھلک نظر آئی اور پھر ایک سفید کاغذ نمودار ہوا جس پر لکھا تھا "کھانا بن جائے گا۔"

چچا کی کھڑکی کی طرف پشت تھی اس لیے وہ نہ دیکھ پائے البتہ میں نے بازو بلند کیا۔

"کھانا بن جائے گا۔"

چچا خوشی سے لاٹھی کے سہارے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے۔

"باورچی خانے میں تمام مسالاجات گوشت سبزی انڈے سب موجود ہیں جاؤ اور تیاری کرو۔"

"جی بہتر۔" میں تابعداری سے برآمدے کے کونے میں کھڑا تھا وہ میرا کندھا تھپتھپا کر اندر چلے گئے اور مجھے اس سوچ میں ڈال گئے کہ وہ اپنی بیٹی کے لیے شوہر منتخب کر رہے ہیں یا نوکر۔۔۔ ابھی اس کشمکش و پیچ میں تھا کہ اندر سے خانساماں بلانے آیا۔

"آئیے اور آکر کھانا بنا لیجیے پھر تاخیر نہ ہو جائے۔"

میں نے کھا جانے والی نظروں سے اس کے پتلے سے منہ کو دیکھا اس کے منہ کے زاویے کو دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ وہ منہ بند کر کے زبان تالو سے چپکائے کھڑا ہے اس پر اس کے گھنگھریالے بال۔۔۔ مجھے وہ انسان کم اور کبھی زیادہ لگ رہا تھا۔

"تمہارا مطلب ہے میں کھانا بناؤں گا؟"

وہ بے چارہ ملازم آدمی تھا۔ خاموش رہا لیکن میں تپ کر پھر بولا۔

"میں یہاں رشتہ لینے آیا ہوں داد لینے نہیں اور یہ جو تم خوش ہو رہے ہو ناکہ اب تمہاری کھانا پکانے سے چھٹی ہو جائے گی تو یاد رکھنا یہ تمہاری بھول ہے۔"

"آپ تو واقعی بڑا پکاتے ہیں۔" خانساماں نے زچ ہو کر لیکن مسکراتے ہوئے کہا۔

اسی دوران ایک مرتبہ پھر کھڑکی کا پردہ ہلا اور مجھے باورچی خانے جانے کا اشارہ ملا میں فوراً" ٹاٹ کے قریب رکھے سلیپر زاڑسنے لگا۔

"اماں ابا کو کیا پتا کہ ان کا دور شہر میں نوکری کرتا بیٹا اب زنانہ کام بھی کرنے لگا ہے۔" خانساماں کو دیکھ کر میں نے منہ بسورا حالانکہ دل قابو میں ہرگز نہیں تھا کہ آمنہ نے خود بلایا تھا اور وہ بھی باورچی خانے میں مجھے اس وقت باورچی خانے سے بڑھ کر رومانٹک اور کوئی جگہ معلوم نہیں ہوتی تھی۔

"تم ایسا کرو اصلی سرسوں بازار سے لے کر اس کا تیل نکلوا کر لاؤ۔" میں اندرون خانہ کی طرف جاتے جاتے پلٹا۔ ارادہ یہی تھا کہ اسے کوئی ایسا کام کہہ دوں کہ دیر تک گھر سے باہر رہے تاکہ میں آمنہ کو بتا سکوں کہ چچا مجھے داماد سے زیادہ ایک سگھڑ نوجوان کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

"لیکن سرسوں کا تیل؟ کتنا؟ کیا نو من؟" وہ نا سمجھی سے اپنے گھنگھریالے بالوں کے بل سیدھے کرنے لگا اور میں نے بھی بے دھیانی میں کہہ دیا۔

"ہاں ہاں کم نہ زیادہ پورا نو من۔ مجھے کھانا پکانے کے لیے ضرورت ہوگی۔"

"تو یوں کہیے ناکہ نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔" وہ مسکرایا۔

"مطلب رادھا نو من تیل میں ناچتی ہے؟ کچھ تو عقل کر لیا کرو۔۔۔ اور اگر تمہارے پاس نہیں تو پاؤ بھر خرید لو۔" مجھے اس کے ترکی بہ ترکی جواب پر غصہ تھا کہ پہلے کیا چچا کم تھے جواب یہ بھی آگیا تھا۔

"اور میں نے کہا ہے ابھی اسی وقت چلے جاؤ یہاں سے ورنہ تمہیں نو من تیل میں نہ نچایا تو میرا بھی نام رادھا نہیں۔"

خانساماں کی ہنسی کا فوارہ پھوٹنے سے مجھے لگا کہ میں کچھ غلط بول گیا ہوں۔

"میرا مطلب ہے میرا نام سبطین نہیں۔"

"جی ہاں آپ کا نام سبطین نہیں کیونکہ آپ کا نام تو رادھا ہے۔" خانساماں جی بھر کر چڑاتے ہوئے اپنے پتلے سے منہ سے مسکرایا تو مجھے قینچی یاد آئی جو بند ہوتی تو پتلی اور کھلتی تو مکمل کھل جاتی یہی حال خانساماں کے منہ کا تھا۔

"اٹھ کر شام کے کھانے کا بندوبست کرلیں وقت نکلا جا رہا ہے۔" ہم دونوں کی بحث سے تنگ آکر آمنہ اب خود برآمدے میں آگئی تھی اور اسے دیکھتے ہی لگا میں حاضر سے غائب کے صیغے میں منتقل ہو رہا ہوں کہ ایک دم خانساماں کا وہاں ہونا یاد آیا۔

"تم ایسا کرو۔۔۔ گرم مسالا ہے نا باورچی خانے میں؟"

"جی جی دار چینی' کڑی پتا' لونگ' کالی مرچ' سوکھا دھنیا' سفید زیرہ' کالا زیرہ' موٹی الائچی چھوٹی الائچی سب کو جمع کر کے یعنی ملا کر میں نے ایک بڑے ڈبے میں بھر کر رکھے ہیں۔"

"اوہو۔۔۔ یہی تو تم نے غلطی کی ہے ناں یار۔"

خانساماں کی تعریف کرنے کے بجائے میں نے مایوسی سے اپنے ہی ہاتھ پر تالی ماری۔ خانساماں اور آمنہ نے حیرت سے دیکھا۔

"مجھے تو کھانا بناتے ہوئے چاہیے تھا سفید زیرہ اور وہ بھی ایسا جو ایک عرصے تک باقی تمام مسالوں کے ساتھ رہا ہو اس طرح اس سفید زیرے میں تمام مسالوں کی افادیت آجاتی ہے۔" میں نے ایک خواہ مخواہ کا حکیم نامہ کھولا۔

"تو پھر تم ایسا کرو یہاں روشنی میں بیٹھو اور گرم مسالے میں شامل سفید زیرہ ایک ایک چن کر نکالو۔"

آمنہ پیچھے کھڑی اپنی مسکراہٹ دبا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح مٹھاس اور ملائمت تھی۔ جبکہ خانساماں گم سم کھڑا تھا اور اس نے دونوں ہاتھوں کی کنگھی بنا کر سینے پر ٹکا لیے تھے۔ اس کے ہاتھ اس کے منہ کے برعکس چوڑے تھے یا شاید زیادہ کام کاج کرنے والوں کے ہاتھ ایسے ہو ہی جاتے ہیں۔

لیکن ایک بات تو طے ہے کہ وہ بہت سیدھا اور معصوم تھا۔ آج کل کے لوگوں کی طرح شاطر یا شک کرنے والا نہیں تھا۔ جبھی تو پانچ کلو کا گرم مسالا پرات میں لے کر بیٹھ گیا اور سفید زیرہ چننے لگا وہ دن یادگار تھا!

میں نے اور آمنہ نے مل کر کھانا بنایا اور تب ہی مجھے مکمل معلوم ہوا کہ واقعی وہ کھانے پکانے کے فن سے نابلد تھی۔ جبکہ میں چونکہ نوکری کے سلسلے میں اماں ابا سے دور تھا لہٰذا کھانا پکانے سے لے کر باقی گھر کے کام بھی کر لیا کرتا تھا۔ لیکن اس نے میری مکمل مدد کی سبزیوں کو کاٹ کر باقی تمام کام نبٹاتے ہوئے اس کے چہرے پر شرمندگی تھی کہ اس کی وجہ سے مجھے یہ سب کرنا پڑ رہا ہے۔ بار بار کہتی۔

"آپ نے خواہ مخواہ خانساماں کو باہر بٹھا دیا... وہ ہوتا تو سارا کام چٹکیوں میں کر لیتا اور نام آپ کا ہو جاتا۔"

میں اس کے جذبے کی قدر کرتا تھا لیکن اسے کیا معلوم کہ اس کے ساتھ اس کے قریب رہ کر وقت گزارنا میرے لیے کس قدر سکون اور خوشی کا باعث تھا۔ اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس دن چچا بہت خوش تھے۔ رات کو کھانا کھلانے کے بعد مجھے ٹاٹ لپیٹنے کو کہا تو میں ہونق ہو گیا کہ کہیں گھر سے نکلنے کا تو حکم نہیں... لیکن ایسا نہیں ہوا' انہوں نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا۔ کچھ دیر کے لیے اپنی چھڑی کو بلا مقصد زمین پر اس انداز میں ہلکا ہلکا مارتے رہے کہ لگ رہا تھا کچھ ٹھوک رہے ہیں۔ پھر گلا صاف کیا اور بولے۔

"جانتے ہو نا آمنہ میری اکلوتی بیٹی ہے' اس کی ماں کے دنیا سے جاتے وقت اس کی عمر چھ سات برس تھی تب سے آج تک میں اس لگن میں رہا کہ اسے کسی طور ماں کی کمی محسوس نہ ہو۔ ہمیشہ لاڈ پیار دیا اس کے آرام سکون کا خیال رکھا اور اپنی زندگی کا محور بس اسے مان لیا اور وہ بھی ایسے کہ پھر لگا دنیا میں میری بیٹی کے سوا اور کچھ نہیں ہے یا پھر ہے تو میری بیٹی جیسا نہیں ہے۔" وہ چند لمحے رکے۔

"مجھے نجانے کیوں آج وہ بے حد شکستہ محسوس ہو رہے تھے۔ نہ پہلے کی طرح آواز میں رعب محسوس ہوتا تھا حیرت انگیز طور پر نہ ہی مجھے آج ان سے کسی بھی قسم کا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ انہوں نے ایک نظر مجھے دیکھا پتا نہیں کیوں لیکن مجھے ان کی آنکھوں میں ایک فریاد نظر آئی' ایسے لگتا تھا وہ مجھ سے کچھ مانگ رہے ہیں اور یہ معمہ بھی اگلے ہی لمحے حل ہو گیا۔

"مجھے تمہارے کردار اور تربیت پر کوئی شبہ نہیں لیکن اس کے باوجود جب مجھے پتا چلا کہ تم آمنہ کے لیے پسندیدگی رکھتے ہو تو تم سے چڑنے لگا۔ مجھے لگا جیسے تم میری آمنہ کو مجھ سے دور لے جاؤ گے اور میں اکیلا رہ جاؤں گا دوبارہ اسے کبھی دیکھ نہ پاؤں گا۔ جان بوجھ کر تمہاری آزمائشیں لیں لیکن آخر کب تک؟" رک کر انہوں نے گہرا سانس لیا۔ تھکاوٹ سے بھرپور بوجھل سا!

وہ زمانہ شناس انسان تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ خواہش اور جذبات کے بہتے دریاؤں کے آگے بند باندھنے سے پانی چڑھ آتے ہیں... اور وقت پر ان کا نکاس نہ ہو پائے تو طوفان آنے کے خطرات بڑھ جاتے

ہیں۔

اسی لیے آج آمنہ اور مجھے باورچی خانے میں ایک ساتھ کھانے بنانے کے دوران گپ شپ کرتے دیکھ کر یقینی طور پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہو گا کہ اب میری آزمائش ختم ہو جانی چاہیے۔ آمنہ ان کی آمد اور کھڑکی کے پاس چند لمحے رکنے سے بے خبر تھی' لیکن میری چھٹی حس کہتی تھی کہ وہ ان کے سوا کوئی اور نہ تھا لیکن پھر بھی نہ تو میں نے آمنہ کو بتایا اور نہ ہی خود محتاط ہوا۔ بلکہ جس طرح ان کی آمد سے پہلے ہم دونوں خوش گپیاں کرنے کے ساتھ کام کر رہے تھے بعد میں بھی اسی طرح کرتے رہے اور یقیناً" تبھی انہیں اندازہ ہوا تھا کہ میں اور آمنہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور یہ کہ میرا اصرار کسی یکطرفی محبت کا نتیجہ نہیں۔

"میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ اپنے اماں ابا کو کہو کہ باقاعدہ رواج کے طور پر آمنہ کا رشتہ لینے آئیں لیکن ایک بات یاد رکھنا بیٹا.... میں نے آمنہ کو آج تک اس گھر میں پھولوں کی طرح رکھا ہے۔ تم وعدہ کرو کہ کبھی بھی اسے دکھ نہیں دو گے۔ اسے اتنی محبت دو گے کہ اسے اپنا میکا اور میکے میں موجود تنہا اور بوڑھا باپ بھی یاد نہ آئے۔"

انہوں نے آج پہلی مرتبہ اس طرح مجھے بیٹا کہا تھا' ورنہ بے شک میں ان کے سگے بھائی کا بیٹا تھا لیکن وہ مجھے میرے نام سے ہی بلاتے اور آج خلاف توقع میرے سامنے ان کے کندھے جھکے ہوئے تھے اور گردن کا وہ تناؤ جو ان کی شخصیت کا خاصہ تھا۔ آج کہیں نظر نہ آتا تھا۔ انہیں اس کیفیت میں اپنے سامنے بیٹھا دیکھ کر میرے دل کو کچھ ہوا اور میں فوراً" ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قدموں میں جا بیٹھا' میرے ہاتھ ان کے گھٹنوں پر تھے' مجھے لگا جیسے وہ ہلکا ہلکا کانپ رہے ہیں یا شاید شدت ضبط کی وجہ سے وہ اس کیفیت میں تھے۔

"آپ چاہیں تو مجھ سے قرآن پر حلف لے لیں۔ اگر میں نے اپنی زندگی کے آخری سانس تک بھی آمنہ کو کبھی کوئی معمولی سا بھی دکھ دیا تو بے شک مجھے مجرم قرار دیا جائے۔"

میرے لفظوں اور جذبوں کی سچائی ان کے دل کو چھو گئی تھی جبھی تو ان کے ہاتھ اب میرے بالوں میں تھے۔

"آمنہ میں بچپنا ہے۔ شاید میرے لاڈ پیار نے اسے بڑا ہونے ہی نہیں دیا.... ہو سکتا ہے تمہیں تنگ کرے' اپنی منوانے کی عادی ہے۔ لیکن تم نرمی سے سمجھاؤ گے نا تو تمہاری مان جایا کرے گی.... میں آمنہ کے ساتھ ایک ملازمہ بھیج دوں گا۔ دراصل اس کے ہاتھوں کو جھاڑو وغیرہ پکڑنے کی عادت نہیں ہے نا ایک دو مرتبہ جھاڑو لگائی تھی ہاتھوں میں نشان پڑ گئے تھے۔ اور ایک خانساماں بھی بھجواؤں گا.... وہ دراصل.... ایک تو اسے کھانا بنانا نہیں آتا اور دوسری بات یہ کہ چولہے کے پاس اتنی گرمی میں وہ کیسے تین وقت کھڑی ہوا کرے گی۔"

میں مسکرایا وہ بے حد حساس ہو رہے تھے اور جس ناز و نعم میں انہوں نے اسے پالا تھا تو شاید ہونا بھی چاہیے تھا کہ میں ایک ملازم پیشہ بندہ' یقینی طور پر اور چاہنے کے باوجود اسے اس قدر پروٹوکول شاید نہ دے پاتا۔ انہوں نے میری مسکراہٹ دیکھی تو مجھے لگا جیسے وہ شرمندہ ہوئے ہوں۔ پھر خود ہی بولے۔

"کسی کے حوالے اپنی بیٹی کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے بیٹا' سمجھو تو جسم کا آدھا دھڑ کاٹ کر پیش کیا جاتا ہے اور اگر پھر بھی کوئی قدر نہ کرے تو سوچو ماں باپ کے دل پر کیا گزرتی ہو گی؟"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں' لیکن میں ایک بار پھر آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آمنہ کو خوش رکھوں گا اور کبھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔"

"جیتے رہو' خوش رہو.... پھلو اور پھولو۔"

ان کی طرف سے اجازت ملنے کی دیر تھی میں نے اماں ابا کے نام خط ارسال کیا کہ وہ کام جو آپ لوگ نہیں کر سکے وہ میں نے کر لیا ہے.... اب آیئے اور رسمی کاروائی کر لیجیے اور وہ بھی چٹ منگنی اور چند مہینوں بعد ہی پٹ بیاہ ہو گیا۔

کشمیری چائے سی گلابی، چنار کے درختوں کی طرح متناسب اور ہروقت کھلکھلاتے رہنے والی آمنہ کے آنے سے میری زندگی مکمل ہو گئی تھی۔ بہت کوشش کی کہ سسر محترم بھی ہمارے ساتھ رہنے لگتے لیکن وہ بیٹی کے گھر رہنے کو اپنی توہین خیال کرتے ہمیشہ انکار کر دیتے۔ البتہ ہم دونوں اکثر اوقات ان سے ملنے جاتے۔ چھٹی کا تمام دن ان کے ساتھ گزارتے۔ ان کے گھر جا کر میں بطور خاص خود کھانا بناتا، صرف یہ دکھانے کے لیے کہ میں اپنے کیے گئے وعدے نبھا رہا ہوں اور صرف دکھاوا انہیں اپنے گھر پر بھی میں خود ہی کھانا بنایا کرتا تھا۔ آمنہ میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود ساتھ ساتھ رہتی، پیاز آلو کاٹ دیتی لہسن چھیلتی، برتن دھوتی، پھر آہستہ آہستہ اس نے بھی کھانا پکانا سیکھنا شروع کیا اور اتفاق سے جس دن وہ آٹا گوندھ رہی تھی، سسر محترم ہمارے گھر تشریف لے آئے اس نے شاید باورچی خانے سے ہی انہیں آتا دیکھ لیا تھا۔ جبکہ میں اپنے کمرے میں بیٹھا جوتے پالش کر رہا تھا۔ آمنہ کو پالش کی خوشبو پسند نہ تھی اس لیے میں اس سے کافی فاصلے پر جا کر جوتے پالش کیا کرتا۔

اس روز وہ بوکھلائی ہوئی کمرے میں آئی اور آتے ہی میرے ہاتھ پکڑ کر ان سے برش لے کر پرے رکھا۔ اس کے ہاتھ آٹے میں لتھڑے ہوئے تھے اور اس کے یوں میرے ہاتھ پکڑنے پر اب میرے ہاتھوں پر بھی آٹا لگ گیا تھا۔ اور یہی نہیں بلکہ وہ جان بوجھ کر میرے ہاتھوں پر آٹا لگا رہی تھی۔ پھر مجھے کھینچ کر لے گئی اور آدھ گندھے آٹے میں میرے ہاتھ ڈال دیے۔

"اوہو ہوا کیا ہے تمہیں؟" میں نے اسے یوں بوکھلائے ہوئے ناسمجھی سے دیکھا۔

"اباجی آگئے ہیں، جا کے دروازہ کھولیں میں جلدی سے ہاتھ دھولوں۔" یہ کہہ کر وہ تو باتھ روم میں گھس گئی اور میں ہاتھوں پر لگے آٹے کو دیکھتا تو کبھی پالش کو۔ اسی دوران دروازہ بجا۔ میں نے اسی طرح دروازہ کھولا۔ سسر صاحب مجھے اس طرح دیکھ کر مسکرائے۔ میرا کندھا تھپتھپایا اور اندر داخل ہوتے ہوئے میرے سلام کا جواب دیا اسی دوران آمنہ بھی آن پہنچی سلام دعا کے فوراً بعد بولی۔

"دیکھیے اباجان۔۔۔ میں نے کتنی مرتبہ کوشش کی ہے گھر کے کام کرنے کی لیکن یہ کچھ کرنے نہیں دیتے، ابھی بھی آٹا گوندھ رہے تھے جب آپ نے دروازہ بجایا۔" اس کی شکایت پر میں نے حیرت سے آمنہ کو اور سسر صاحب نے انتہائی تشکر سے مجھے دیکھا۔

"تم نے جو کہا وہ کر دکھایا۔۔۔ تم جیسا داماد جو بیٹوں سے بڑھ کر فرمانبردار ہو ملنا یقینی طور پر میری کسی نیکی کا صلہ ہے۔"

"اباجان، سارا دن فارغ بیٹھ کر اوب جاتی ہوں یقین کریں صبح اپنے دفتر جانے سے پہلے سارا گھر صاف کر کے جاتے ہیں مجھے ایک جھاڑو تک پکڑنے نہیں دیتے کہ میرے ہاتھوں پر نشان نہ پڑ جائیں۔"

سسر صاحب کی اس قدر تعریف پر جو میں نے سر جھکا لیا تھا آمنہ کی باتوں سے پھر اوپر کیا اور اسے دیکھا کہ وہ اتنی روانی اور صفائی سے جھوٹ بول رہی تھی۔۔۔ کیونکہ معاملات اس کے برعکس تھے۔ گھر کی صفائی ستھرائی میرے ہزار ہا مرتبہ منع کرنے کے باوجود وہ خود ہی کیا کرتی تھی اور واقعی اس کے ہاتھ روئی کے گالوں کی طرح اتنے نرم تھے کہ چائے کا بھرا ہوا مگ کچھ دیر کے لیے پکڑے رکھتے تو اس کی نازک انگلیوں پر نشان پڑ جاتے۔ لیکن اس کا حل بھی اس نے جھاڑو پکڑنے کی جگہ پر فوم لپیٹ کر اس پر ربڑ چڑھانے کی صورت میں نکال لیا تھا اور سارا گھر شیشے کی طرح چمکائے رکھتی۔

"لیکن آپ انہیں کہا کریں نا اباجان کہ اب مجھے گھر کے کام کرنے دیا کریں، ورنہ اس طرح تو میں بہت بور ہو جاؤں گی۔" میری طرف دیکھے بغیر اس نے منہ بسورا تو میں نے سسر صاحب کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں نمی سے چمک رہی تھیں اور سلیٹی داڑھی

کانپتی محسوس ہوتی تھی۔ ذرا سے غور کرنے پر مجھے محسوس ہوا کہ شاید ان کے ہونٹ لرز رہے ہیں۔۔۔ لیکن وہ کچھ بولے نہیں۔

"آپ لوگ بیٹھیں میں ہاتھ بھی دھولوں اور آپ کے لیے ستو کا شربت بھی لے آؤں۔"

"تم ہاتھ دھو کر آجاؤ بیٹا۔۔۔ ستو کا شربت آمنہ بنا لاتی ہے۔" ان کے کہنے پر میں نے حیرت اور آمنہ نے خوشی سے دیکھا اور باورچی خانے کی طرف لپکی۔

سسر صاحب جب بھی آتے وہ اسی طرح اڑی اڑی پھرا کرتی۔ نہ انہیں بٹھانے کی جگہ ان کے قابل معلوم ہوتی نہ کچھ کھانے کی چیز۔ اس کا بس چلتا تو شاید آسمانوں سے کوئی خوان لا کر ان کے سامنے پیش کر دیتی۔ پتا نہیں صرف وہ ہی ایسے کیا کرتی تھی یا تمام لڑکیاں والدین کو سسرال میں دیکھ کر یہ سوچتی ہیں۔ میری کوئی بہن تو تھی نہیں کہ اس کا رویہ دیکھا ہوتا۔ البتہ آمنہ کی اپنے ابا جان سے محبت اور ان کا اس درجہ خیال رکھنے پر میں اپنے گریبان میں جھانکتا۔۔۔ گو کہ میں بھی اپنے والدین سے بے حد محبت کرتا تھا ان کا فرمانبردار تھا لیکن محبت میں جو والہانہ پن آمنہ میں اس کے ابا جان کے لیے نظر آتا وہ مجھ میں بہت کم تھا۔

سسر صاحب ستو کا شربت پی کر فارغ ہوئے ہی تھے کہ وہ سنگھار میز کے سامنے رکھی کریم اٹھا کر ان کے پاس جا بیٹھی۔ کریم کا ڈھکن کھولا ' اپنی ہتھیلی پر کریم نکالی اور ان کے کنکھی بنے ہاتھوں کو الگ کر کے ان کے منع کرنے کے باوجود ان پر کریم لگانے لگی۔

"کریم کا کوئی فائدہ نہیں ہے بیٹا۔۔۔ یہ سب فضول چیزیں ہیں۔"

"آپ اب باقاعدگی سے ہاتھوں پر کریم نہیں لگاتے نا۔۔۔ دیکھیں کتنے کھردرے اور خشک ہو گئے ہیں پہلے تو کبھی ایسے نہیں تھے۔" وہ ان کے ہاتھوں پر کریم لگاتے ہوئے افسردہ ہو گئی۔

"دراصل وضو کرنا ہوتا ہے نا' تو وضو کے بعد میں سستی کر دیتا ہوں۔" انہوں نے اپنے ہاتھ چھڑانے چاہے لیکن آمنہ نے دونوں ہاتھوں میں لے کر ہتھیلی اور پشت پر کریم کا مساج شروع کر دیا تھا لہٰذا انہیں اپنے ہاتھ ڈھیلے چھوڑنے پڑے۔

میں اس کا پیار دیکھ رہا تھا اور خود مجھے اس پر پیار آ رہا تھا۔

"اور یہ آپ کے کرتے کا بٹن ڈھیلا ہو رہا ہے ' خانساماں نے استری کرتے ہوئے دیکھا نہیں؟"

"یہ تو جانے کتنے عرصے بعد میں نے پہنا ہے۔ الماری میں جیسا ٹنگا تھا ویسے پہن لیا۔"

"ایک منٹ۔۔۔ میں ابھی دھاگا لا کر اسے مضبوط کر دیتی ہوں ورنہ رستے میں کہیں گر گیا تو کھلا گریبان گھر جانے تک بہت برا لگے گا۔" وہ پھرتی سے اٹھی اور دوسرے کمرے میں رکھے ڈبے سے سفید دھاگا اور سوئی لے آئی اور بٹن مضبوط کرنے لگی۔

سسر صاحب اب کسی مودب بچے کی طرح بیٹھے تھے۔ آمنہ کا سر ان پر جھکا ہوا تھا اور وہ ایسے لگتا تھا جیسے صرف بٹن نہیں اپنی محبت بھی مضبوط کر رہی ہے۔

تھوڑی دیر بعد بٹن سے دھاگا الگ کر کے اٹھی تو بھی اس کی باتیں جاری و ساری تھیں۔ میکے کی گلیوں تک کے حال احوال سن کر خوشی سے اس کی رنگت دمک رہی تھی۔ میں بھی وقتاً فوقتاً ان کی باتوں میں حصہ لیتا اور جب کھانے کا وقت قریب ہوا تو میں اٹھنے ہی والا تھا کہ سسر صاحب نے ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ لمحہ بھر خاموش رہے اور پھر میرا ہاتھ چوم کر اپنے آنکھوں سے لگایا۔

"تم نے مجھے فتح کر لیا ہے۔ واقعی مجھے اعتراف ہے کہ اس دنیا میں تم سے بڑھ کر اور کوئی بھی آمنہ کو اس قدر خوش نہ رکھ پاتا۔ تم نے اپنے الفاظ اور میری امید کی لاج رکھ لی۔ میں تمہارا احسان مند ہوں۔" ان کے اس قدر ممنون ہونے پر میں شرمندہ ہو گیا تھا لہٰذا اپنا ہاتھ آہستگی سے ان سے چھڑوایا اور بولا۔

"یہ صرف میرا کارنامہ نہیں ' بلکہ میرا شرعی اور قانونی فرض ہے کہ اپنی بیوی کو خوش رکھوں۔ پھر آپ سے وعدہ بھی مجھے یاد تھا اس لیے کوشش تو ہمیشہ یہی کی کہ اسے یا آپ کو مجھ سے کوئی بھی شکایت ہو۔"

"آمنہ... گھر کے کام کاج میں سبطین کے ساتھ مدد کیا کرو، کھانا بنانا بھی سیکھو اور گھر کو سنبھالنا بھی، کیونکہ ایک عورت مکمل ہی تب ہوتی ہے جب وہ گھر گرہستی کے تمام امور سمجھنے لگے۔" آمنہ کو اس سے بڑھ کر کیا چاہیے تھا۔ فوراً" بولی۔

"کوشش تو کرتی تھی اباجان... لیکن یہ کبھی کچھ کرنے ہی نہیں دیتے تھے۔ اب آپ نے کہہ دیا ہے نا تو پھر یقیناً" یہ مجھے منع نہیں کریں گے۔"

یہ اور اس طرح کے کئی جھوٹ پتا نہیں وہ کیوں بولا کرتی تھی۔ گو کہ ان میں کسی کا فائدہ یا نقصان نہ ہوتا لیکن مجھے لگتا اس کا مقصد صرف میری تعریفیں کروانا ہوا کرتا تھا۔ وہ خوبیاں جو کبھی مجھ میں تھی ہی نہیں وہ بھی بیان کرتی رہتی۔

☆ ☆ ☆

ہماری شادی کے تیسرے سال سسر صاحب انتقال کر گئے تو اس کی حالت دیکھنے لائق تھی۔ سفید ہونٹ پپڑی زدہ ہی رہتے۔ ہفتوں تک تو اسے اپنے کھانے پینے کا نہ ہوش رہا اور نہ ہی طلب میں ہی بڑی زبردستی اسے کھلایا کرتا لیکن مجھے بھی محسوس ہوتا کہ وہ لقمے کس مشکل سے نگل رہی ہے۔ لہٰذا نتیجتاً" گال جو ہمیشہ پھولے ہوئے میرے ہوا کرتے اب پچکے سے لگنے لگے۔ آنکھوں کی ویرانی الگ دل دہلایا کرتی۔ اور میں جس نے شادی کے تین سال تک اولاد کی خواہش نہیں کی تھی۔ اسے زندگی کی طرف واپس لانے کے لیے اس کے سامنے اس خواہش کا اظہار کر دیا۔ جس پر پہلے پہل تو وہ ہکا بکا ہو کر میری طرف دیکھنے لگی۔ پھر بولی تو اس کی آواز میں شرمندگی تھی۔

"معذرت چاہتی ہوں کہ میں نے آج تک آپ سے اسی لیے ذکر نہیں کیا کہ شاید آپ کو دلچسپی نہیں ورنہ یہی خواہش تو خود میرے دل میں بھی سر اٹھانے لگی ہے۔"

"ارے تو پھر دیر کیسی ہم کسی اچھی ڈاکٹر سے مشورہ کرتے ہیں لیکن اس کے لیے پہلے تم خوب بہترین ڈھنگ سے کھانا پینا شروع کرو تاکہ کچھ تو جان بنے۔"

سسر صاحب کے انتقال کے ہفتوں بعد اس دن ہم نے بہت سی باتیں کی تھیں۔ دیر تک اپنے ہونے والے بچے کے نام سے لے کر اس کے لیے کی جانے والی شاپنگ کی دکانوں تک کو نوٹ کیا تھا۔ اسے قلق تھا کہ اس کے اباجان 'نانا بننے کی خوشی محسوس کیے بغیر ہی دنیا سے چلے گئے۔ لیکن جیسے ہی وہ ان کا ذکر کر کے اداس ہونے لگتی اور اس کی آنکھیں بھیگنے لگتیں میں موضوع دوبارہ بچے کی طرف لے آتا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کی پہلی اولاد بیٹا ہو۔ جبکہ میری دعا تھی کہ بیٹی ہونی چاہیے کیونکہ میں بھی بیٹیوں کا پیار محسوس کرنا چاہتا تھا۔ آمنہ اور اس کے اباجان کے درمیان جو تعلق میں نے دیکھا تھا اور ان کی محبت کا جو مشاہدہ میں نے کیا تھا میں چاہتا تھا کہ میری بیٹی بھی میرے ساتھ وہی تعلق رکھے۔ لیکن ابھی شاید منزل آسان نہ تھی۔

لیڈی ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد نوید سنائی تھی کہ ہم دونوں تندرست ہیں اور تاخیر بے شک ابھی نصیب میں ہے لہٰذا اپنی سی کوشش کر لیتے ہیں... تب بے اولادی کے لیے اتنے زیادہ علاج معالجے کی سہولت بھی نہیں تھی، لیکن جو ہو سکا اور جتنا ہو سکا۔ ہم دونوں نے کیا اور اپنے تئیں سب کچھ کر کے پھر آخر تھک ہار کر بیٹھ گئے کہ مولا ہم تو جو کر سکتے تھے ہم نے کیا اب صرف تیری طرف سے "کن" کا انتظار ہے۔"

آخر کار شادی کے پورے آٹھ برس بعد ہماری سنی گئی اور ہم دونوں ایک پیاری سی بیٹی کے والدین بن گئے۔ علیزے ہو بہو آمنہ پر تھی، وہی نین نقش ہم اتنی ہی اجلی رنگت اور وہی عادتیں۔ آمنہ بتایا کرتی کہ وہ بھی بچپن میں ایسی ہی تھی۔ دونوں میں مماثلت بھی اس قدر تھی کہ اگر آمنہ نے چھ مہینے کی عمر میں بیٹھنا شروع کیا تو علیزے نے بھی ایسا ہی کیا۔ آٹھ مہینے کی عمر میں دونوں ہی چلنا شروع کر چکی تھیں اور ایک برس کی عمر میں... دونوں کی والدہ اس دنیا میں نہ رہیں۔

میری آمنہ علیزے کی پہلی سالگرہ سے پہلے ہی اس دنیا سے چلی گئی تھی۔ اور یہ موت کے ساتھ میری

زندگی کا پہلا ٹکراؤ تھا۔
مجھے اس دکھ کی سمجھ ہی نہ آئی کہ یہ میرے ساتھ ہو کیا گیا ہے۔ مجھے تو لگتا شادی کے بعد سے لے کر اب تک آٹھ برس ایک حسین خواب تھا جو ایک دم ہی ٹوٹ گیا ہے اور خواب سے حقیقت تک پہنچ جانے کا غم ایسا غم ثابت ہو رہا تھا کہ میں مکمل ہوش و حواس کے ساتھ باقاعدہ عقل و فہم سے دنیا کے تمام معاملات کو سمجھنے کی کوشش کرتا لیکن کامیاب نہ ہو پاتا۔
کبھی لگتا آمنہ کے ساتھ میں بھی مرچکا ہوں اور اب میرے اندر زندہ رہنے کی کوئی خواہش ہے نہ رمق ... اور واقعی دل سے خواہش مرجائے تو بعض اوقات بندہ مرہی جاتا ہے جسمانی طور پر نہ سہی لیکن ذہنی اور روحانی طور پر... اور یقیناً" میں مرہی جاتا اگر علیزے کے ننھے ہاتھ میرے چپ ہونے پر میرے چہرے کو نہ ٹٹولتے اگر میرے کان اس کی قلقاریاں نہ سنتے اور اگر آنکھیں روتے روتے مجھے دیکھ کر پرسکون نہ لگنے لگتیں۔
مجھے لگتا جیسے سسر صاحب کی وفات کے بعد میں نے آمنہ کے زندگی کی طرف لوٹنے کے جتن کیے تھے اب ننھی علیزے بھی اسی طرح کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتی جیسے میں کرتا تھا۔ اماں ابا نے مجھے دوسری شادی کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کی مجھے سمجھایا کہ ایک لڑکی میری زندگی میں آئی تو وہ مجھے سنبھال لے گی اور علیزے کو بھی ماں کا پیار دے گی۔ لیکن میرا دل نہ مانتا ۔علیزے کو وہ آمنہ کی طرح کبھی بھی نہیں پال لے گی' وہ خواہ کوئی بھی ہو اور اگر کل کو بچے ہوگئے تو علیزے کی اہمیت دوسرے درجے پر آجائے گی اور یہی میں نہیں چاہتا تھا۔
والدین اور اولاد دونوں سگے ہوں تو ہی محبت بے لوث ہو سکتی ہے۔ دوسری صورت میں گلے شکوے اور محرومیاں کبھی نہ کبھی ضرور رہنے لگتی ہیں اور میں اپنی علیزے کی آنکھوں میں کوئی محرومی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسی لیے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں اپنی زندگی علیزے کے لیے وقف کردوں گا بالکل اسی طرح جیسے سسر صاحب نے آمنہ کے لیے کردی تھی اور پھر یہی ہوا۔
میں اور علیزے ایک دوسرے کی خاطر جیتے رہے اور وقت کی تھالی پھرتی رہی۔

☼ ☼ ☼

علیزے اتنی جلدی بڑی ہوجائے گی کہ مجھے اس کی شادی کا سوچنا ہوگا یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا اور شاید اب بھی نہ سوچتا' اگر علیزے ایک روز خود مجھے یہ نہ بتاتی کہ اس کا کلاس فیلو ہادی اس کے رشتے کے لیے اپنے والدین کو ہمارے گھر بھیجنا چاہتا ہے۔
ظاہری طور پر تو میں نے اس کی آنکھوں میں اترتے رنگوں کو دیکھ کر اجازت دی اور کہا کہ ہادی کو کہو بے شک کل ہی اپنے والدین کو لے آئے لیکن یہ میں ہی جانتا ہوں کہ ساری رات نیند کیسے میری آنکھوں سے دور رہی۔ کیا علیزے چلی جائے گی؟ بارہا خود سے سوال کرتا۔
فکر مجھے اپنے اکیلے رہ جانے کی نہیں تھی بلکہ میرا دل اس لیے گھبرا رہا تھا کہ کیا واقعی کوئی میری علیزے کا اس قدر خیال رکھ پائے گا جتنا آج تک میں نے رکھا تھا۔ جس طرح میں نے اسے پھولوں کی طرح پروان چڑھایا تھا تو کیا کوئی اور بھی اسے اتنا ہی سنبھال کر رکھے گا؟
اور تب مجھے یاد آیا کہ سسر صاحب بھی آمنہ کا رشتہ دیتے وقت کس قدر تذبذب کا شکار تھے اور باوجود اس کے کہ میں ان کے سگے بھائی کا بیٹا تھا دیکھا بھالا تھا پھر بھی وہ میرے بارے میں سو فیصد یقین نہیں رکھتے تھے کہ میں آمنہ کا اس حد تک خیال رکھوں گا اور یہاں تو معاملہ ہی مختلف تھا۔ دیکھا بھالا یا جان پہچان ہونا دور' فی الحال تو مجھے اس کے نام کے علاوہ کچھ اور معلوم ہی نہ تھا۔ میں نے دیکھا تھا تو صرف وہ پیار' جو علیزے کی آنکھوں میں اس کے لیے تھا اور حیرت انگیز طور پر میری طرف سے اجازت ملنے کے چند روز بعد ہی ہادی

اپنے ماں باپ کو ہمارے گھر لے آیا۔
علیزے کی کیفیت اس دن عجیب سی تھی۔ کبھی گنگناتی، کبھی ہنستی اور کبھی میرے گلے لگ کر رونے لگ جاتی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کے آنسو میرے لیے زہر بجھے تیر کا کام کرتے ہیں لیکن پھر بھی وہ میرے سامنے روتی تو میں اپنی آنکھوں میں آئے آنسو پیچھے دھکیل کر اسے چپ کروانے میں لگ جاتا اور بڑے ہی اوپری دل سے اسے سمجھاتا کہ زندگی کا کیا اعتبار اس لیے بہتر ہے کہ میں اس کا فرض ادا کرکے پرسکون ہو جاؤں۔
اس دن ہادی کے والدین سے ملاقات میرے لیے بھی ایک خوشگوار موقع تھی کہ ہادی کے والد سے پرانی واقفیت نکل آئی۔ ہم دونوں نہ صرف ایک دوسرے کو بلکہ ایک دوسرے کے گھرانوں کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ جس روز انہوں نے آنا تھا اسی دن صبح میں نے علیزے کو اپنے سامنے بٹھا کر اس سے پوچھا تھا کہ ”اگر ہادی یا اس کے گھر والے مجھے پسند نہ آئے یا ان سے مل کر میرا دل مطمئن نہ ہوا تو کیا میں انکار کرنے کا حق رکھتا ہوں؟؟“
میری بات سن کر علیزے رو پڑی تھی۔ میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور مجھے لگا کہ وہ جیسے بھی لوگ ہوں گے مجھے ہاں کے سوا کوئی دوسری بات نہیں کرنی کیونکہ علیزے کی اسی میں خوشی ہے لیکن چند لمحے رونے کے بعد وہ بولی۔
”ابو..... میرے لیے آپ کی خوشی سب سے بڑھ کر ہے جس طرح آپ انسانوں کی پرکھ کرسکتے ہیں، میں نہیں کرسکتی اور ویسے بھی آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ ہمارے گھر رشتہ اس لیے لا رہا ہے کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہیں..... ایسا کچھ بھی نہیں ہے بلکہ اس نے مجھے دوستی کی آفر کی جسے میں نے ریجیکٹ کردیا تو اس نے پوچھا کہ اگر میں اپنے والدین کو رشتے کے لیے بھیجنا چاہوں تو؟ جس پر میں نے کہا کہ ابو کا فیصلہ ہی فائنل ہوگا آپ والدین کے ساتھ آجائیں اگر میرے ابو مطمئن ہوئے تو ٹھیک ورنہ میں اس طرح کی دوستیوں کی قائل نہیں۔“
علیزے نے میرا سر فخر سے بلند کردیا تھا میں نے نم آنکھوں کو پونچھتے ہوئے اس کے بھی آنسو صاف کیے۔
”آپ نے یہ کیسے سوچا کہ میں آپ کی خوشی پر کسی اور کی محبت کو فوقیت دوں گی؟ میں صرف اور صرف آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں ہر قیمت پر۔“
اور پھر جب میں ان سے ملا تو اس مان کے ساتھ کہ میرے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں ہیں بلکہ انکار اور اقرار کا اختیار مکمل طور پر میرے ساتھ ہے۔ میں ان کو جانتا تو تھا ہی لہٰذا ہاں کردی۔ وہ بھی اتنے عرصے بعد مجھ سے ملتے ہوئے بہت خوش تھے اور یوں میں نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کرلیا۔
علیزے کے علم میں لائے بغیر میں نے ہادی کے متعلق تمام معلومات بھی لیں تھیں اور سب نے ہی بتایا تھا کہ اس میں ظاہری طور پر کوئی ایسی برائی یا خامی نہیں جس کی بنا پر یہ رشتہ قبول نہ کیا جائے! لہٰذا رشتے کے لیے ہاں تو کردی لیکن پھر انہوں نے منگنی اور بعد میں شادی کے لیے اصرار شروع کردیا تو ایک بار پھر میرے ہاتھ پاؤں پھولتے ہوئے محسوس ہوئے بھلا اتنی جلدی تو میں علیزے کو کبھی بھی خود سے دور نہیں کرسکتا تھا اور ان کا یہ اصرار تھا کہ آئے دن بڑھتا ہی جا رہا تھا وجہ بھی تو یہ کہ انہیں اپنی بیٹی کی شادی کرنا تھی اور وہ چاہتے تھے کہ مہنگائی کے اس دور میں اگر بیٹا اور بیٹی ایک ساتھ بیاہے جائیں تو ان کے لیے یوں بھی آسانی ہوگی کہ اگر بیٹی کسی کی بہو بن کر جائے گی تو بہو ان کی بیٹی بن کر آجائے گی۔ اور ان پر بیٹی کے سسرال والوں کا بھی دباؤ تھا۔
ان کی مجبوری بجا تھی لیکن میں اپنے دل کا کیا کرتا۔ علیزے کے بعد خالی ہاتھ رہ جانے کا علم تو مجھے تھا ہی لیکن اتنی جلدی، شاید میں ذہنی طور پر تیار نہیں تھا اسی لیے ٹینشن سے بیمار پڑ گیا، اور علیزے بے چاری تو جیسے کملا کر رہ گئی۔ اپنی تمام تر مشاغل ترک کرکے اب وہ ہر وقت میرا جی بہلانے کی کوشش میں لگی رہتی تو

مجھے اپنے آپ پر غصہ آنے لگتا کہ میں کیسا باپ ہوں بھلا صرف اپنے دل کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ ظاہر ہے پیا آنگن جانے کا خواب تو علیزے کا بھی ہو گا نا جسے میں صرف اپنے پیار محبت میں ٹال رہا ہوں۔

اس رات میں تقریباً" جاگتا ہی رہا تھا۔ اٹھ کر اپنی وارڈ روب کھولی اندرونی سائیڈ پر عید، سالگرہ اور نئے سال کے موقع پر علیزے کے ہاتھ سے لکھے کارڈز چسپاں تھے۔ اور یہ اس نے خود ہی چسپاں کیے تھے۔ میں دیر تک ان کے سامنے کھڑا اس کے ہاتھ سے لکھے ایک ایک کارڈ کو پڑھتا رہا۔ اور میرے دل پر بوجھ میں اضافہ ہوتا رہا۔

"پروردگار تو نے مجھے صرف علیزے دی اور مجھ سے میری آمنہ لے لی۔۔۔ لیکن میں نے کوئی شکوہ نہیں کیا تیرے دیے پر راضی رہا۔ لیکن کہنا صرف یہ چاہتا ہوں مولا کہ علیزے اکیلی ہے۔ اس کا میرے سوا نہ کوئی بہن ہے نہ بھائی۔ اسے کوئی دکھ نہ دینا۔۔۔ جب تک میں زندہ ہوں وہ مجھ سے ہمیشہ کی طرح اپنی چھوٹی بڑی بات شیئر کرے گی لیکن میرے مرنے کے بعد اگر اسے کوئی دکھ ملا تو رونے کے لیے کس کا کندھا ڈھونڈے گی۔۔۔ بہنیں ایک دوسرے کا دکھ بانٹتی ہیں اور بھائی ان دکھوں کا مداوا کرتے ہیں لیکن میری علیزے تو میرے بعد اکیلی رہ جائے گی نا۔ اسے اتنی خوشیاں دینا کہ شادی کے بعد میں زندہ رہوں نہ رہوں لیکن اسے کبھی یاد نہ آؤں۔۔۔ میرے پاک رب میری بیٹی کی زندگی میں کبھی کوئی ایسی شکل یا پریشانی نہ لکھنا کہ مجھے یاد کر کے میری کمی محسوس کر کے روئے۔"

اس رات میں ان کارڈز کو دیکھ کر اپنے خدا سے دعائیں مانگتا رہا اور روتا رہا۔

آمنہ بھی بے حد یاد آئی اور سسر صاحب کی آمنہ سے والہانہ محبت بھی اب سمجھ میں آئی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہماری رخصتی پر بینڈ والوں نے دھن بجائی اور پیشہ ورانہ گائیکوں نے بھیگی آواز کے ساتھ گانا گایا تو ہر آنکھ اشک بار ہو گئی تھی۔

بابل کی دعائیں لیتی جا، جا تجھ کو سکھی سنسار ملے
میکے کی کبھی نہ یاد آئے، سسرال میں اتنا پیار ملے

آمنہ سمیت سبھی رو رہے تھے۔ اور پھر اچانک سسر صاحب غش کھا کر گر پڑے۔ اس وقت جب میں نے آمنہ کو برق رفتاری سے سسر صاحب کی طرف لپکتے اور اپنے دلہناپے کی پروا کیے بغیر خود بھاگم بھاگ پانی لاتے دیکھا، تو حیران رہ گیا کہ آدھے گھنٹے پہلے گھونگھٹ نکالے چھوئی موئی سی آمنہ کو ایسے نہ تو یہ یاد رہا تھا کہ وہ دلہن ہے نہ گھونگھٹ کی پروا تھی اور نہ ہی رخصتی کے وقت اوڑھائے جانے والی بڑی سی چادر کی فکر کہ وہ پاؤں میں پڑی ہے۔

بس خیال تو تھا یہ کہ سسر صاحب کسی طرح جلد از جلد ہوش میں آجائیں۔ ساتھ ساتھ وہ خود بھی رو رہی تھی اور جب انہیں ہوش آیا تو ان کے گلے لگ کر ایسی روئی کہ ہر آنکھ اشک بار ہو گئی اور پھر خود ہچکیاں لے کر روتی جاتی اور انہیں تلقین کرتی کہ نہ روئیں۔

وہ زمانہ ایسا ہی تھا۔ جب لڑکیوں کی رخصتی کے وقت دلہن سمیت سارے گھرانے کی آنکھوں میں آنسو ہوتے۔ آج کل کی طرح میک اپ بچانے کا کوئی نہیں سوچتا تھا۔ خود آمنہ بھی جب ہمارے گھر پہنچی تو اس کی آنکھوں کا کاجل اس حد تک پھیل چکا تھا کہ اس کی آنکھوں پر پانڈا کی آنکھوں کا گمان گزرتا۔

آمنہ کو یاد کر کے میں مسکرانے لگا تھا۔ پھر رات کے پچھلے پہر جب صبح دبے پاؤں ظاہر ہونے کو بے تاب تھی میں علیزے کے کمرے میں گیا وہ ہمیشہ کی طرح پرسکون انداز میں سو رہی تھی۔

دیواروں پر جابجا مجھ سے محبت کے اظہار کے طور پر میری اور اس کی تصاویر تھیں، وہ کارڈ تھے جو میں اس کی سالگرہ عید اور نئے سال کی رات کو اس کے تکیے کے نیچے اس انداز میں رکھ دیا کرتا تھا کہ آدھا باہر ہی نظر آتا۔ اور یوں صبح اٹھتے ہی اس کو مل جاتا۔ سالگرہ ہوتی یا عید اس پر اسے میری طرف سے ہمیشہ ہی کسی خاص تحفے کا انتظار رہا کرتا۔ صرف عیدی سے بہلنے والوں میں وہ نہیں تھی اور میں بھی ہمیشہ پہلے سے اس کا گفٹ لا کر چھپا کر رکھ دیتا اور جب اسے پورا یقین ہو

جاتا کہ اس سالگرہ یا عید پر اس کے لیے میں کچھ خاص لانا بھول گیا ہوں تو پیش کر دیتا۔ اس لمحے اس کے چہرے کی خوشی انوکھی اور منفرد ہوا کرتی تھی۔ ابھی میں اس کے چہرے پر نظریں جمائے مسکرا ہی رہا تھا کہ اس نے بڑے ہی آرام سے مسکراتے ہوئے آنکھیں کھول کر مجھے چونکا دیا۔

"تم جاگ رہی ہو؟" میں ایک دم ہڑبڑا گیا تھا۔

"آپ بھی تو آج ساری رات سے جاگ رہے ہیں نا۔" وہ اٹھ بیٹھی۔

میرا اور اس کا کمرہ ایک دوسرے کے مکمل سامنے نہیں بلکہ ذرا ترچھی سائڈ پر تھا۔ میرے کمرے کا دروازہ ہمیشہ رات کو اور دن میں بھی کھلا رہتا جبکہ علیزے کا دروازہ رات کو آدھا کھلا رہتا اور میرا خیال ہے کہ اس رات میرے کمرے کی جلتی روشنی نے اس کے ادھ کھلے دروازے سے میرے جاگتے رہنے کا پیغام دیا تھا۔

صبح ہونے میں ابھی ایک ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پہلے ہم دونوں آمنہ کی باتیں کرتے رہے پھر میں نے اسے بتایا کہ ہادی کے والدین اس کی بہن کی شادی بھی ایک ساتھ کرنے کی خواہش میں جلدی تاریخ مانگ رہے ہیں اور چھ ماہ پہلے کیا اور بعد میں کیا۔۔۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ انھیں تاریخ دے دوں۔ اس نے ہمیشہ کی طرح بغیر کسی بحث کے میری بات پر سر جھکا دیا۔ مجھے ڈھیر ساری ہدایات دیں کہ مجھے اس کے بعد کس طرح زندگی گزارنی ہے میں مسکراتا ہوا اسے سنتا رہا بیٹھا رہا۔

اس کا کہنا تھا کہ جیسے میں اور آمنہ اپنا ویک اینڈ اس کے نانا کے پاس گزارتے تھے اسی طرح وہ بھی ہادی کو بتائے گی کہ میں پورا ہفتہ اکیلا رہا ہوں لہٰذا وہ دونوں بھی ویک اینڈ یہاں پر میرے ساتھ گزاریں گے اور تب وہ پورے ہفتے کا نہ صرف کھانا بنا کر فریز کر جایا کرے گی بلکہ لانڈری اور استری وغیرہ بھی کر دیا کرے گی۔

میں اس کی تمام باتوں میں ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں سجے سہانے خوابوں کی تکمیل کی دعا کرتا رہا اسی دوران صبح ہوئی اور ہم دونوں فجر کے لیے اٹھ گئے۔

عید کے فوری بعد اس کی شادی کی تاریخ طے کی گئی تھی۔

✲ ✲ ✲

رمضان کا بابرکت مہینہ آغاز ہو چکا تھا۔ سخت گرمی بھی تھی اور شاپنگ کے ساتھ ساتھ باقی تیاریاں بھی کرنی تھیں۔ دن میں تو میں آفس میں ہوتا لہٰذا روزہ افطار کرنے کے بعد ہم دونوں باپ بیٹی نکلتے تو رات گئے تک شاپنگ کیا کرتے۔ عید کی وجہ سے ویسے بھی مارکیٹس میں رش تھا۔ میں ایک ایک چیز اس کی پسند کی لینا چاہتا تھا اور عین اس روز جب شام کو میں نے اور علیزے نے فرنیچر پسند کرنے شوروم پر جانا تھا ہادی کی ماں کا فون آ گیا۔

وہ سحری کا وقت تھا۔ علیزہ باتھ روم میں تھی اور میں سحری تیار کرنے میں مصروف تھا۔ ان کا فون آیا تو چولہے کی آنچ ہلکی کر کے پراٹھے پر مکھن لگایا اور اس کی سائیڈ بدل دی۔

"معذرت چاہتی ہوں آپ کو اس وقت فون کیا۔۔۔ لیکن دراصل واضح یہ کرنا تھا کہ جہیز کے نام پر آپ علیزے کو کچھ بھی دینے کا اگر سوچ رہے ہیں تو یہ خیال دل سے نکال دیجیے۔"

"جی؟ یہ کیا بات ہوئی؟ بھئی میرا علیزے کے سوا اور ہے ہی کون؟ اسے نہیں دوں گا تو اور کسے دوں گا؟ اور پھر میری بیٹی کیا خالی ہاتھ جائے گی؟" میں جذباتی ہو گیا تھا پراٹھا سنہری ہونے پر ہاٹ پاٹ میں رکھا اور وقتی طور پر چولہا ہلکا کر کے فرائنگ پین ہٹایا اور خود کھڑکی کے پاس کھڑا ہو کر پورے دھیان سے ان کی بات سننے لگا۔

"آپ کی تمام باتیں بجا ہیں اور میں آپ کے جذبات کو بخوبی سمجھتی ہوں لیکن علیزے ہماری بھی تو بیٹی ہے نا اور ویسے بھی ہم جہیز کی رسم کے سخت خلاف بھی ہیں۔"

"میں آپ کی تمام باتیں مانتا چلا آرہا ہوں لیکن معافی چاہتا ہوں یہ بات میں بالکل بھی نہیں مانوں گا۔"

باہر مکمل اندھیرا تھا لیکن اکثر گھروں کے بیرونی گیٹ پر لگے بلب روشن تھے اور ساتھ تمام گھروں کا کوئی نہ کوئی کمرہ بھی روشن دکھائی دے رہا تھا جس کا ثبوت تھا کہ مکین سحری کرنے کے لیے جاگے ہوئے ہیں۔

"بھائی صاحب آپ خدارا بات سمجھنے کی کوشش کیا کریں۔"

"لیکن یہ تو سیدھی سادی بات ہے۔ بس اس میں نا سمجھی کی تو بات ہی کوئی نہیں۔" مجھے لگا وہ کچھ چھپا رہی ہیں اور میرا خدشہ درست بھی تھا۔

"وہ دراصل ہم اپنی بیٹی کو جہیز نہیں دے رہے۔ اس کے سسرال والوں سے یہی کہا ہے کہ ہمارے بڑوں نے بیٹیوں کو جہیز دینے کی رسم ختم کر دی ہے ایسے میں اگر بہو سے جہیز لے لیں گے تو دنیا والوں اور اپنی بیٹی کے سسرال والوں کے سامنے تو ہمیں بہت سبکی ہو گی' اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہماری عزت کا بھی خیال کریں اور علیزے کو جہیز کے نام پر کچھ نہ دیں اور نہ ہی بہت زیادہ زیور ہو..... بس جتنا ہم اپنی بیٹی کو پہنا رہے ہیں اتنا ہی آپ بھی علیزے کے لیے بنوائیں تاکہ کسی کو بات کرنے کا موقع نہ ملے ..... یہ میری آپ سے درخواست ہے۔"

اب ظاہر ہے میں کیا کرتا۔ انہوں نے وجہ ہی ایسی بتادی تھی کہ اگر میں پھر بھی زور دے کر علیزے کے لیے زیور وغیرہ اپنی مرضی سے زیادہ بنواتا تو شادی سے پہلے ہی رنجش کا آغاز ہو جاتا اور یہی کہا جاتا کہ میں ان کی عزت کا خیال نہ کیا۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ علیزے عروسی زیورات کی کس قدر شوقین ہے جھومر ٹیکا پہنے بغیر تو اسے دلہن 'دلہن نہ لگا کرتی۔ اور میں نے اسے کہا تھا کہ سسرال والے تو جو زیور بنوائیں وہ ان کی مرضی ہے لیکن میں خود تمہارے لیے جھومر بھی بنواؤں گا' ٹیکا بھی گلوبند بھی یہاں تک کہ پازیب بھی.....

میں اس کی کوئی بھی خواہش ادھوری نہیں رہنے دینا چاہتا تھا اور ویسے بھی میں نے اگر تمام عمر کمایا تھا اور اب تک کما رہا ہوں تو یہ سب کس لیے؟ اور علیزے کے سوا میں نے یہ سب دینا بھی کسے ہے؟ لیکن ان کی بات نے میرا دل بوجھل کر دیا تھا۔

اسی دوران علیزے کچن میں داخل ہو گئی۔ ہم دونوں نے مل کر سحری کی چیزیں میز پر رکھیں۔ اس دن میں نے صرف پانی پی کر روزہ رکھا تھا۔ دل پر ایسا بوجھ پڑا کہ کچھ کھانے کو دل ہی نہ چاہا علیزے کو میں نے جان بوجھ کر سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد ان کے فون کے بارے میں بتایا تو اس کے چہرے کی بشاشت کو منجمد ہوتے میں نے خود دیکھا۔ لیکن پھر صرف چند ہی لمحوں بعد وہ مسکرائی۔

"دراصل میں خود بھی آپ سے یہی کہنا چاہتی تھی۔"

"کیا کہنا چاہتی تھیں تم؟" میں نے اس کے تاثرات کھوجے۔

"یہی کہ اتنا زیادہ زیور پہنے دیکھ کر سخت گھبراہٹ ہونے لگتی ہے مجھے اس لیے میرے لیے بہت کم اور ہلکا سا زیور بنوایئے گا۔"

"لیکن تمہیں تو جھومر' ٹیکا وہ بڑی والی نوز رنگ ....."

"نہیں نہیں بالکل بھی نہیں' بندہ بہت اولڈ ڈیٹڈ محسوس ہوتا ہے ان سب چیزوں میں.... اور ویسے بھی آج کل یہ سب چیزیں بالکل بھی فیشن میں نہیں ہیں۔"

وہ بڑی مہارت سے بات بنا رہی تھی لیکن میں اس کی ان کوششوں کا مقصد سمجھ رہا تھا اور مجھے اس کے چہرے میں آمنہ کا چہرہ نظر آنے لگا تھا۔ میں سسر صاحب کے مقابلے میں ایک نہایت کم آمدن والا شخص تھا۔ ابا سے بھی کبھی خرچے کے نام پر کچھ نہ لیتا۔ یہاں تک کہ شادی کے موقعے پر بھی اپنی تمام تر جمع پونجی ان کے سامنے حاضر کر دی کہ اس میں باقی ماندہ رقم ملا کر فرائض سرانجام دے لیجیے۔ اور ابا نے اماں کی طرف دیکھ کر مجھے بے حد دعاؤں سے نوازا تھا۔

مجھے احساس تھا کہ ان پر دوسرے بہن بھائیوں کی بھی ذمہ داریاں ہیں لہٰذا بھی ان سے ایک پیسہ نہ مانگتا البتہ اکثر اپنی تنخواہ میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز کر کے انہیں منی آرڈر کر دیتا جب تک کہ میرے باقی بہن بھائی اپنی ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل نہ ہوئے۔ اور شادی کے بعد جب آمنہ کو میکے والی عادتوں کے مطابق میں کچھ مہیا نہ کرپاتا تو میری شرمندگی مٹانے کے لیے وہ بھی اسی طرح کی باتیں کرنے کی عادی تھی۔

"اور یہ تو آپ کو بھی پتا ہے نا کہ جہیز ہمارے معاشرے میں ایک لعنت بن چکا ہے ایسے میں اگر وہ اس لعنت کو ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی ان کا ساتھ دینا چاہیے۔" اس مرتبہ وہ پھر اپنی کی گئی باتوں اور ارادے سے پیچھے ہٹ رہی تھی کیونکہ رات ہی تو وہ کہہ رہی تھی کہ اپنا بیڈ روم اپنی پسند کے فرنیچر سے سجانا چاہتی ہے اور اب....

یہ اس کی زندگی میں آنے والا معمولی سہی 'لیکن پہلا سمجھوتا تھا جو کم از کم میرے لیے معمولی نہ تھا۔ علیزے کی آج تک کی زندگی میں 'میں نے اس کی کوئی خواہش ادھوری نہ رہنے دی تھی کہ میری تو زندگی کا محور و مقصد ہی وہ تھی۔ لہٰذا آج اسے یوں ایک دم اپنی خواہشوں سے دستبردار ہوتے دیکھا تو اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ لیکن علیزے کے چہرے پر کوئی دکھی تاثر نہ تھا بلکہ وہ مسکرا رہی تھی اور ساتھ ساتھ مجھے سمجھا رہی تھی کہ مجھے احساس ہوا خواب تو اس کے ٹوٹے ہیں تو بجائے اس کے کہ میں اسے سمجھاؤں وہ مجھے سمجھا رہی ہے۔ لہٰذا خود کو سنبھالا اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس کا دل بہلانے لگا۔

اس دوران میں نے سوچ لیا تھا کہ جہیز نہ سہی لیکن میں علیزے کو ایک چیک میں اپنا تمام بینک بیلنس لکھ کر دے دوں گا۔ اس کے ساتھ ہی 'جس گھر میں' میں رہائش پذیر تھا وہ بھی اس کے نام کرنے کا ارادہ کر لیا۔

جہیز تو دینا نہیں تھا۔ اس لیے ہمارے روز روز مارکیٹ کے چکروں کو ایک دم بریک لگ گیا لیکن چونکہ عید کی قریب تھی اس لیے ہمیشہ کی طرح علیزے کو یہ بے چینی ضرور تھی کہ اس مرتبہ عیدی کے ساتھ اسے کیا گفٹ ملنے والا ہے۔ چلتے پھرتے مجھے یاد دلاتی اور میں جان بوجھ کر سنی ان سنی کر دیتا۔

عید قریب آئی تو اس کی ہونے والی ساس اس کی عیدی کے طور پر کپڑے، جوتے مٹھائی وغیرہ کے ساتھ ایک انگوٹھی پہنا گئیں۔ میں عید کی تیاریوں کے معاملے میں ہمیشہ کا سست ہوں۔ علیزے نے ہر سال کی طرح اس مرتبہ بھی جانے کب کپڑا خریدا اور کب درزی کو دیا۔ مجھے تو بس اتنا معلوم ہے کہ چاند رات کو وہ استری شدہ میرا نیا جوڑا لے کر آئی اور وارڈ روب میں ہینگر میں لٹکا کر میری سائڈ ٹیبل پر ٹوپی رومال اور جرابیں رکھ دیں۔

"یہ کپڑے میں نے اسی طرح لیے اور سلوائے ہیں جیسے آپ میری سالگرہ اور عید کا گفٹ لیتے ہیں اور مجھے کانوں کان خبر تک نہیں ہونے دیتے۔" وہ مسکرائی۔

عید کی نماز کے بعد میں نے اسے عیدی دی اور پھر اپنی الماری سے ایک پیکٹ اٹھا کر اسے پیش کر دیا۔

"اس نے بڑی ہی خوشی سے وہ پیکٹ کھولا۔ مگر اندر موجود کاغذات دیکھ کر وہ کبھی حیرت سے مجھے دیکھتی اور کبھی ان کاغذات کو وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھی سو میں خود بولا۔

"بیٹا' میں چاہتا تھا کہ تمہیں تمہاری زندگی کے اس نئے سفر پر دنیا کی ایک سے ایک بہترین چیز لا کر پیش کروں اور اب جب کہ تمہارے سسرال والوں نے کسی بھی قسم کا جہیز لینے سے منع کیا ہے تو میں نے اپنی آج تک کی جتنی بھی جمع پونجی تھی وہ تمہارے نام کر دی ہے۔ بنک میں موجود جتنی بھی رقم ہے وہ آج سے تم پر حلال اور مجھ پر حرام ہے۔ میری زندگی اور ضروریات کے لیے میری تنخواہ اور اس کے بعد ملنے والی پنشن بھی بہت زیادہ ہے۔ اسی لیے یہ گھر جس میں ہم دونوں نے اپنی زندگی کے خوب صورت ترین لمحات گزارے۔ میں نے تمہارے نام کروا دیا ہے اب یہ

تمہاری ملکیت ہے۔"
"لیکن بابا..." وہ اب تک حیران تھی اور یقینی طور پر اسے امید نہیں تھی کہ میں یہ سب کروں گا۔
"تمہارے نانا کا گھر جو انہوں نے آمنہ کے نام کیا تھا، وہ بھی میں تمہارے نام منتقل کر چکا ہوں۔ نہ ان کا آمنہ کے سوا دنیا میں کوئی تھا اور نہ ہی میرا کوئی ہے، جو اس تمام پراپرٹی کا صحیح حق دار ہو۔"
"بابا وہ لوگ انجان ہیں، کل کو اگر کچھ ہوا تو... میرا مطلب ہے کہ اگر ان لوگوں کے ذہن میں لالچ آگئی یا کچھ بھی... میرا مطلب ہے کچھ بھی ہو سکتا ہے نا۔"
میں جو اب تک اسے بھولا بھالا سمجھتا تھا آج اندازہ ہو رہا تھا کہ دنیا کی سمجھ بوجھ مجھ سے بھی زیادہ اسے تھے اور یہ بات، جو میرے گمان سے بھی نہیں گزری تھی وہ اس کے ذہن میں پل رہی تھی اسی لیے اس نے کچھ نہ کہتے ہوئے بھی مجھے بہت کچھ ہو سکنے کا اشارہ دیا تو مجھے اپنے جسم میں کپکپاہٹ سی محسوس ہوئی۔ وہ پھر بولی۔
"بابا مجھے ان سب چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ آپ کو صحت والی لمبی عمر دے۔ آپ نے کیوں یہ سب کیا؟ ایک مرتبہ مجھ سے پوچھ تو لیتے نا اور پھر اگر آپ نے یہ فیصلہ کیا ہی ہے تب بھی یہ سب کاغذات اپنے پاس ہی رہنے دیں اور میرا خیال ہے کسی کو بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ نے سب کچھ میرے نام کر دیا ہے۔ بس یوں سمجھیں کہ آپ نے دیا اور میں نے لے لیا۔" میں اس کے الفاظ کے پیچھے چھپے مفہوم کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔ لہٰذا اس کے سامنے تائید میں گردن ہلا دی۔
مجھے یقین تھا کہ یہ محض اس کے خدشات ہیں کیونکہ ہادی اور اس کے گھر والے بہت محبت کرنے والے لوگ تھے اور گو کہ علیزے نے مجھے کہا نہیں تھا لیکن اس کی پسندیدگی کا مجھے بھی بخوبی اندازہ تھا۔ کہ میں اس کی ماں نہیں تھا لیکن باپ ہونے کے باوجود اسے ماں بن کر ہی پالا تھا۔ اس کے مزاج کے سبھی موسموں سے بھی میں واقف تھا۔ ہادی کی ماں نے مجھ سے اجازت لے کر پہلی مرتبہ ہادی اور علیزے کو ساتھ لیا اور بری کی شاپنگ کی۔ علیزے اس دن واپس آئی تو اس کا چہرہ چمک رہا تھا ایسی ملاحت اور چمک میں نے آج تک اس کے چہرے پر نہیں دیکھی تھی۔ اور اس کا یہ تاثر خود میرے لیے بھی ایک خوب صورت احساس تھا۔ جبھی یہ فریضہ انجام دیتے ہوئے دل بوجھل تو تھا لیکن پریشان نہیں تھا۔
شادی کے دن قریب آئے تو اس کی کزنز نے گھر میں ڈیرا ڈال لیا۔
میں بھی اپنے بہن بھائیوں اور ان کے بچوں کو دیکھ کر بہت خوش تھا کہ تمام رسموں کے انتظامات اپنوں نے اس طرح سنبھالے کہ خود مجھے خبر تک نہ ہوئی۔
علیزے کی ان دنوں عجیب کیفیت تھی، ہنستے مسکراتے ہوئے بھی مجھے دیکھ لیتی تو آنکھیں بھگو لیتی اور میں ذرا سا قریب بیٹھتا تو چھم چھم آنکھیں برسنے لگتیں۔ اور رخصتی پر آمنہ ہی کی طرح اپنے میک اپ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے مجھ سے لپٹ کر ایسی روئی کہ سب کی آنکھیں نم کر گئی اور میں جو یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ شاید پرانے زمانوں کی روایت تھی کہ لڑکیاں الوداع ہوتے ہوئے روتی ہیں یہ صرف میری خام خیالی ہی ثابت ہوئی۔
اور یوں وہ مجھے رلا کر اور خود روتے ہوئے ماں باپ کے گھر سے رخصت ہو کر ایک نئی دنیا میں جا پہنچی۔ جہاں مزاج نئے، ماحول نیا، لوگ نئے، میں اس کے لیے چلتا پھرتا دعائیں کرتا رہتا پہلے تو آفس سے آنے کے بعد علیزے میری منتظر ہوتی لیکن اب خالی گھر سائیں سائیں کرتا ہوا ملتا۔
ایسے میں میری توجہ نماز کی طرف ہوئی میں نماز پڑھتا اور سجدوں میں اپنی بیٹی کے اچھے نصیب کی دعائیں مانگا کرتا۔
علیزے شادی سے ایک رات پہلے مجھے لمبی چوڑی ہدایات کر کے گئی تھی۔ اتفاق کی بات تو یہ ہے کہ ان میں اکثر پر میں عمل نہیں کرتا تھا۔ اس لیے کہ ان میں سے اکثر ہدایات میری صحت وغیرہ کے متعلق تھیں اور میں ٹھہرا اپنی ذات سے لاپروا اور کچھ سست سا

بندہ۔۔۔ شروع کے ایک دو ویک اینڈز پر وہ اور ہادی ملنے آئے تو یہیں رک گئے۔ علیزے نے ہفتے بھر کے کھانے بنا کر میری وارڈ روب وغیرہ بھی سیٹ کر دی تھی۔ لیکن اس کے بعد ہادی کی کچھ مصروفیات کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہوا تو علیزے نے بہت ضد کی اور ہادی کا بھی اصرار تھا کہ میں ویک اینڈ ان کی طرف گزاروں لیکن یہ مجھے مناسب نہ لگا اور بڑے معقول لفظوں میں معذرت کرلی۔

میرے لیے کیا یہ احساس کم تھا کہ میری بیٹی میری علیزے اپنے گھر میں خوش ہے۔

بیاہی بیٹیاں اپنے گھر میں سکھی ہوں تو والدین کی صحت قابل رشک اور عمر دگنی محسوس ہوتی ہے۔

دوسری صورت میں مثل مشہور ہے کہ کنواری کھائیں روٹیاں اور بیاہی کھائیں بوٹیاں اور یہ سچ ہی تو ہے کہ والدین کو بیاہی بیٹیوں کی تکلیفیں پتا چلیں تو ان کے تن سے ماس غائب ہونے لگتا ہے اور جسم پر بوٹیوں کی جگہ ہڈیاں لینے لگتی ہیں۔

ویسے بھی علیزے' آمنہ کی طرح امور خانہ داری سے نابلد نہیں تھی بلکہ میرے منع کرنے کے باوجود اپنے شوق سے تمام تر کھانا پکانا سیکھ چکی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے مجھے بتایا تھا کہ سسرال میں سب کو اس کے ہاتھ کے کھانوں کا ایسا چسکا لگ گیا ہے کہ پہلے تین وقت کا کھانا ساس بناتی تھیں اور اب صبح پراٹھوں سے لے کر رات کے کھانے کے بعد حسب پسند چائے کافی بھی علیزے ہی بناتی ہے۔

میں بہت خوش تھا کہ اس نے اپنے بہترین انداز میں گھر والوں کے دل میں جگہ بنالی ہے۔ میں سوچتا اپنی بیوی کے ہاتھ کے پکے کھانوں کی تعریفیں سن کر خود ہادی کتنا خوش ہوتا ہوگا۔ اسی لیے جب علیزے کی نند ہنی مون پر نہیں جاسکی تھی تو ہادی نے علیزے سے درخواست کی تھی کہ اگر ہم دونوں ہنی مون پر جائیں گے تو شاید اس کی بہن فیل کرے اس لیے اگر اسے اعتراض نہ ہو تو ہم فی الحال ہنی مون پر جانا ملتوی کردیں؟

اور علیزے نے مجھے بتایا کہ وہ اسی وقت مان گئی تھی جس پر ہادی نے کہا کہ مجھے تم جیسی بیوی ملنے پر فخر ہے۔ علیزے مجھے یہ سب باتیں اسی طرح بتایا کرتی جیسے لڑکیاں شادی کے بعد اپنی ماں کو چھوٹی چھوٹی باتیں بتاتی ہیں۔

اس دن وہ ہادی سے اجازت لے کر مجھ سے ملنے آئی تھی۔

وہ بہت خوش تھی۔ نہ صرف ہادی بلکہ اس کے ساس سسر نے بھی اسے پھولوں کی طرح رکھا ہوا تھا بلکہ اس کی ساس تو اسے اپنی بیٹی کی جگہ دیتیں۔

"بابا' آنٹی مہمانوں کے سامنے آپ کی تربیت اور پھر میری اتنی تعریفیں کرتی ہیں کہ یقین کریں مجھے اپنے منہ پر ہوتی تعریفیں سن کر شرمندگی ہونے لگتی ہے۔۔۔ جو بھی چیز وہ اپنی بیٹی کے لیے خریدتی ہیں نا بالکل وہی اور اسی جگہ سے میرے لیے بھی خریدتی ہیں۔۔۔ ہادی کو اگر کبھی ٹائم نہ ملے تو انہیں ڈانٹتی ہیں کہ تم علیزے کو باہر کیوں نہیں لے کر گئے؟ کبھی کہیں گی کہ ہادی جاؤ تم اور علیزے آج باہر کھانا کھا کر آؤ اور پھر ان کی خاص ہدایت یہ بھی ہوتی ہے کہ واپسی پر مجھے دکھانا کہ ہادی نے تمہیں موتیے کے گجرے بھی لے کر دیے کہ نہیں؟" یہ سب باتیں کرتے ہوئے وہ ہنستی جاتی اور کبھی تو خوشی سے اس کی آنکھیں نم ہوجاتیں تو میرے گلے لگ جاتی اور ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی۔

"بابا' وہ سب جتنے بھی اچھے ہوں۔۔۔ لیکن ان کی محبت کا ایک فیصد بھی آپ کی کمی کا احساس ختم نہیں کرسکتا۔۔۔ جب میں ان سب کو اکٹھے بیٹھ کر ٹی وی دیکھتے ہوئے دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں میرے بابا تو اس وقت اکیلے بیٹھے ہوں گے۔ اب تو میں بھی ان کے پاس نہیں ہوں' وہ حالات حاضرہ کے پروگرامز سیاسی حالات کس سے ڈسکس کرتے ہوں گے؟ جب وہ سب کھانا کھاتے ہیں نا مل کر۔۔۔ تب بھی مجھے آپ کی یاد آتی ہے کہ ان کو تو میں گرم سالن اور تازہ بنی ہوئی روٹیاں پیش کررہی ہوں لیکن میرے بابا اس وقت آفس سے آکر فریج کا ٹھنڈا سالن تازہ کرنے میں لگے ہوں گے

"...... آپ یقین کریں بابا' رات کو سوتے میں بھی کبھی آنکھ کھل جائے نا تو تمام رات آپ کی یاد میں گزر جاتی ہے......"

آنسوؤں کی شدت اسے مزید بولنے سے روک دیتی اور بھلا میں کیسے یقین نہ کرتا کہ میں تو خود ہر پل اسے یاد کرتا رہتا تھا۔ لیکن قدرت کے نظام کا پابند تھا لہٰذا خود کو دانستہ تسلی دے لیا کرتا اور اس کے سامنے کبھی بھی خود کو کمزور نہ پڑنے دیتا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ بہت ہی حساس دل کی مالک ہے اگر میں اس کے سامنے افسردہ ہوا تو وہ اپنے گھر میں بالکل بھی دل نہیں لگا پائے گی۔ اسی لیے میں نے اسے ٹشو پیپر دیا اور اس کے آنسو صاف کر لینے کے بعد اس کا ہاتھ پکڑ کر سمجھانے لگا۔

لیکن اس کے ہاتھ بڑے ہی کھردرے سے محسوس ہوئے۔ میں نے اس کے ہاتھ کی پشت اور ہتھیلی دیکھی تو مجھے لگا کہ اس کے ہاتھوں کی ساخت میں پختگی آنے لگی ہے۔ اس کے ہاتھ بتا رہے تھے کہ یہ کام کرنے والے ہاتھ ہیں' پہلے کی طرح بالکل بھی نہیں تھے۔

میرے دل کو پہلے پہل تو جیسے ایک دھکا سا لگا اور میں نے سوچا کہ میری بیٹی اتنے کام کرتی ہے اور اتنے لوگوں کو سنبھالتی ہے' لیکن اگلے ہی لمحے میں نے خود کو سمجھایا کہ صرف میری ہی نہیں بلکہ سب کی بیٹیاں سسرال جاتی ہیں تو تخت پر بیٹھ کر نہیں کھاتیں بلکہ انہیں کام کرنا ہی پڑتے ہیں اور اگر ہمارے گھر میں بھی میرے اور علیزے کے علاوہ تین چار لوگ رہتے تو بھی اسے کام کرنا ہی پڑتے۔

وہ باتیں کر رہی تھی۔ میں نے اس کی باتیں سننے کے دوران لوشن لا کر اسے دیا تو وہ ہنسنے لگی۔

"ابھی پرسوں آنٹی کے ساتھ جا کر مینی کیور کروا کر آئی ہوں..... بس آتے ہوئے آپ سے ملنے کی خوشی ایسی تھی کہ یاد ہی نہیں رہا۔"

اپنے سے پہلے اس نے میرے ہاتھوں پر لوشن لگایا اور پھر باتیں کرنے کے دوران اپنے ہاتھوں پر مساج کرنے لگی اسی دوران ہادی کے آنے کا وقت قریب ہو چلا تھا۔ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے فرض نبھانا چاہا اور کہا کہ بیٹیاں وہی اچھی ہوتی ہیں جو سسرال کو بھی میکا سمجھ کر رہیں اور اسے اپنا بنائیں۔

"نہیں بابا' جو لڑکیاں سسرال کو میکا سمجھتی ہیں وہ کبھی بھی اپنی شادی شدہ زندگی میں کامیاب نہیں ہو پاتیں۔"

میں نے اسے دیکھا وہ ہادی کے آنے سے پہلے تیار ہوتے ہوئے بال بنا رہی تھی۔

"میکے میں بندہ اپنی مرضی سے سوتا جاگتا ہے آتا جاتا ہے۔ اگر سسرال میں بھی ایسا کریں تو پھر آپ سوچیں ہر وقت جھگڑے ہی ہوں کہ بھئی یہ لڑکی تو اپنی مرضی کرتی ہے۔" وہ ہنسی۔ میں بھی اس کی بات کی تائید میں سر ہلانے لگا۔

"اس لیے سسرال کو سسرال سمجھ کر رہنا چاہیے۔ سسرالیوں کے دلوں میں زندہ رہنا ہو تو اپنے اندر مرنا پڑتا ہے ایک بار نہیں کئی بار..... اور پھر بھی اگر قدر کر لی جائے نا تو بڑی قسمت کی بات ہے ورنہ اپنا اپنا نصیب۔" اس نے مسکراتے ہوئے لپ اسٹک لگائی اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ اس قدر سمجھ دار اور میچور ہے۔

مجھے یاد ہے جب آمنہ بھی بیٹی کی خواہش کرنے لگی تو میں نے پوچھا کوئی ایک ایسی بات بتاؤ جس سے معلوم ہو کہ واقعی بیٹی کا والدین ہونا کس قدر سکون کا باعث بنتا ہے؟

وہ بڑی ہی خوب صورتی سے مسکرائی اور بولی۔

"بیٹی ہر کوئی اور بیٹا کوئی کوئی..... یا یوں کہوں کہ بیٹا بیاہ تک اور بیٹی آخری آہ تک۔" اس نے خود سے ہی ساری کہاوت بنا ڈالی تھی۔

جس طرح بیٹیاں ماں باپ کا احساس کرتی ہیں ان کے دکھ سکھ بانٹتی ہیں' بیٹے نہیں بانٹ پاتے۔

آج احساس ہو رہا تھا کہ آمنہ سچ کہا کرتی تھی۔

شادی ہوتے ہی علیزے اتنی میچور ہو گئی تھی کہ اکثر معاملات میں مجھے سمجھایا کرتی اور بالکل ٹھیک طریقے سے بہترین انداز میں سمجھاتی۔

چند مہینے اور اسی طرح گزر گئے۔ میں کبھی کبھار چکر لگالیا کرتا تھا اور نہ ہادی اسے خود لے آتا البتہ میں جانے سے پہلے فون ضرور کرلیتا تھا کیونکہ وہ لوگ گھومنے پھرنے کے شوقین تھے اور ڈنر تو اکثر اوقات ہی باہر کیا کرتے کہ اگر میں دس مرتبہ 'علیزے کے گھر جانے کے لیے اطلاع کی غرض سے اسے فون کرتا تو کم و بیش چھ سات مرتبہ وہ مجھے آنے سے منع کردیتی اور کہتی "بابا' آج نہ آئیں ہم ڈنر کرنے باہر آئے ہوئے ہیں۔"

اور میرا ابھی ارادہ ہوتا کہ ہادی کی موجودگی میں ہی جاؤں تاکہ اس سے بھی کچھ گپ شپ ہوجائے اس لیے پھر خیال ترک کردیتا۔ اور چند دن بعد وہ خود ہی ملنے آجاتی۔

پھر میں نے نوٹ کیا کہ اس کی صحت پہلے جیسی نہیں رہی۔ رمضان المبارک کا بھی آغاز ہوچکا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں کے نیچے ہلکے سے براؤن رنگ کے نشانات نظر آنے لگے۔ ملنے کے لیے آتی تو پہلے کی طرح ہشاش بشاش بھی نظر نہ آتی۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس کا وزن بھی پہلے کی نسبت کم ہوچکا ہے۔ اس سے پوچھا تو ہنس کے روزوں کا بہانہ کرکے ٹال گئی اور قبل اس کے کہ میں کچھ کرید تا' مجھے خیال آیا علیزے کی پیدائش پر آمنہ کے ساتھ بھی یہی صورت حال تھی' اسی طرح آنکھوں کے نیچے حلقے' کمزور جسم اور انتہا کی سستی!

اور تب میں نے علیزے کے چہرے پر تھکن کے تاثرات کو دیکھا تو فوراً" اس کے ہاتھ سے پتی کا ڈبا لے کر چائے بنانے سے روک دیا۔ وہ حیران پریشان کھڑے مجھے دیکھے جارہی تھی اور میری خوشی کا یہ عالم تھا کہ دل چاہتا اسے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر گول گھما دوں' اچھلوں' کودوں ناچوں گاؤں.... جس خوشی کے لیے میں اور آمنہ کئی سال ترسے تھے وہ ایک سال سے بھی کم عرصے میں علیزے کو ملنے والی تھی میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور دل ہی دل میں خود کو ڈانٹا بھی کہ اب ہر بات باپ سے نہیں کرنے والی ہوتی.... اور وہ تو شکر ہے کہ مجھے وقت پر عقل آگئی اور میں خواہ مخواہ کرید کرا سے پریشان نہیں کرتا رہا۔ ورنہ وہ کتنی جز بز ہوتی اور تب میں نے سوچا کہ اس حالت میں ایک تو وہ روزے رکھ رہی ہے پھر گھر والوں کے لیے کھانا پکانا بھی اور پھر میرے پاس آنے کی ذمہ داری بھی.... ایسے میں وہ کہیں بیمار نہ پڑجائے۔

لہٰذا میں نے اسے کہا کہ "اب جب تک رمضان المبارک کا مہینہ ہے وہ اتنی سخت گرمی میں نہ آئے بلکہ میں خود اس سے ملنے آجایا کروں گا۔" پہلے تو وہ اتنی گرمی میں میرے اتنی دور آنے پر راضی نہ ہوئی لیکن پھر میرے سمجھانے پر مان گئی۔

وہ اوائل روزے تھے جب وہ آخری مرتبہ مجھ سے ملنے آئی تھی۔ پھر اس دن تقریباً" پندرہواں روزہ تھا جب میں نے اسے فون کرکے اپنے آنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس نے معذرت کرلی اور بتایا کہ "بابا.... آج نہ آئیں ہم ڈنر کرنے باہر آئے ہوئے ہیں۔"

مجھے بہت خوشی ہوئی کہ ہادی اور اس کے ماں باپ علیزے کا کس قدر خیال رکھ رہے ہیں۔ اور گو کہ مجھے یہ بات کسی نے نہیں بتائی تھی کہ میں نانا بننے والا ہوں لیکن پھر بھی سوچا باہر نکلنے کا موڈ تو بنا ہوا ہے کیوں نا شاپنگ کی جائے۔ سو اس دن علیزے کے لیے عید کے کپڑے وغیرہ خریدے چوڑیاں ہینڈ بیگ اور اس سب کے ساتھ میرے ہونے والے نواسے یا نواسی کے کپڑے بھی اور میں نے ایک دم ہی چھکا مارا تھا کہ پہلی بات تو یہ کہ علیزے کے لیے اکیلے اتنی شاپنگ کی اور پھر صرف اس کے لیے ہی نہیں بلکہ اس کے ہونے والے بچے کے لیے بھی کر ڈالی۔ جس کے بارے میں مجھے یہ تک علم نہیں تھا کہ وہ کتنے ماہ بعد اس دنیا میں آئے گا۔

گھر لاکر خوب صورت ڈبوں میں پیک ان تمام اشیاء کو ارینج کیا اور ساتھ ہی وہ لفافہ جو میں نے علیزے کو شادی کے وقت دیا تھا وہ بھی رکھ دیا۔ پھر خیال آیا کہ بچے کی شاپنگ ابھی سے لے جانے کی بھلا کیا ضرورت' پتا نہیں علیزے نے میری طرح ساس سسر کو بھی لاعلم رکھا ہو تو کتنی سبکی ہوگی نہ صرف میری بلکہ

علیزے اور ہادی کی بھی اور پتا نہیں میرا اندازہ درست ہے بھی کہ نہیں۔۔۔ لیکن پھر تسلی دی کہ میرا اندازہ کسی طور غلط نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا بچے کی کی گئی شاپنگ دوبارہ سنبھال کر رکھی اور علیزے کے تحائف لے کر آخری روزوں میں علیزے کو سرپرائز دینے کی نیت سے بغیر بتائے اس کے گھر جا پہنچا۔ سسر صاحب بھی جب تک زندہ رہے آخری روزوں میں آمنہ کی عیدی لے کر ضرور آیا کرتے۔ مجھے ان رسم و رواج کا اتنا معلوم نہیں تھا لہٰذا ایک مرتبہ یونہی کہہ دیا۔

''آپ خواہ مخواہ اتنی تکلیف کرتے ہیں ورنہ یہ سویاں، چاول، چینی، میوے اور باقی سب لوازمات اللہ کے کرم اور آپ کی دعا سے گھر میں موجود ہیں۔''

''بیٹے بات ان سویوں، چاولوں یا چینی کی نہیں ہوتی ۔۔۔ یا بات عیدی کے نام پر میکے سے آنے والے چند روپوں کی نہیں ہوتی بلکہ بات ہوتی ہے اس آس کی جو بیٹیوں کو ان خاص تہواروں پر میکے سے ہوتی ہے، انہیں انتظار ہوتا ہے کہ ان کے بھائی یا ماں باپ ان کے اتنے دور چلے جانے پر بھی انہیں خاص مواقعوں پر یاد رکھیں ۔۔۔ اور جن بیٹیوں کو عید یا تہواروں پر میکے میں یاد کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تو میٹھا بناتے ہوئے وہ اپنے نمکین آنسوؤں کو ظاہر نہ کرنے کی تگ و دو میں اس قدر ہلکان ہوتی ہیں کہ جذبات سے چہرے سرخ ہو جاتے ہیں۔ جسے دنیا والے چولہے کی تمازت سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ دراصل میکے کی یاد کی ہوتی ہے۔''

سسر محترم کی باتوں کو یاد کرتا میں بھی، چاول چینی تو نہیں لیکن آج کے دور کے حساب سے مختلف لوازمات لے کر علیزے کے گھر پہنچا تھا۔

نظروں میں اس کی وہی ہنستی مسکراتی شکل اور حیران آنکھیں تھیں جو وہ ہمیشہ سرپرائز ملنے کے بعد بنایا کرتی تھی۔ آج پہلی مرتبہ اس کے سسرال بغیر بتائے جا رہا تھا لہٰذا آج تو اس کی خوشی دیدنی ہو گی۔ ڈیش بورڈ سے گھر کی رجسٹری و چیک وغیرہ والا لفافہ اٹھا کر شاپر میں ڈالا گو کہ علیزے نے مجھے شادی سے پہلے منع کیا تھا۔ میں یہ لفافہ اپنے پاس رکھوں لیکن اس کی امانت میرا خیال ہے اس کے پاس ہی رہے کہ زندگی کا کیا اعتبار۔۔۔ سوچ رہا تھا کہ اسے کہہ دوں گا کہ اپنے کمرے میں الگ سے رکھ لے یا ہادی کو اعتماد میں لوں گا۔ میں نے یہ سب سوچتے ہوئے ایک بار پھر خیال بدلا کہ کہیں علیزے برا نہ مان جائے کہ جب اس نے منع کیا تھا تو میں پھر بھی کیوں لایا لہٰذا لفافہ واپس گاڑی میں رکھا اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں شاپرز پھنسا کر کھلے ہوئے دروازے میں سے اندر داخل ہو گیا۔

کار پورچ کی طرف کھلتی کھڑکی کا پردہ سرکا ہوا تھا سامنے ہی علیزے اور ہادی نظر آئے تو میں نے فوراً" سے سوچا شکر ہے آج دونوں گھر پر ہیں۔ لہٰذا آج تو افطار بھی یہیں کروں گا بلکہ تراویح پڑھ کر لوٹوں گا۔

اسی دوران اس کی ساس کی چنگھاڑتی ہوئی آواز نے میرے قدم روک لیے۔

وہ علیزے کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔ کام چور ست اور نکمی کہہ کر پکار رہی تھی۔ میرے قدم جہاں تھے وہیں رکے نہیں بلکہ جم گئے۔ یہ سب تو میری معلومات اور توقعات کے بالکل ہی برعکس تھا۔ تو کیا علیزے آج تک مجھ سے سسرال والوں کی جھوٹی تعریفیں کرتی رہی؟ کیا یہ وہ ساس تھی جو بقول علیزے اسے بیٹی بیٹی کہتے نہ تھکتی تھی؟ سب کے سامنے اس کی تعریفیں کرتی رہتی تھی؟ اور ہادی اپنی ماں کے سامنے چپ چاپ بیٹھا بیوی کی بے عزتی برداشت کر رہا ہے؟ اسی دوران انہوں نے علیزے کو بے اولاد ہونے کے طعنے دینا شروع کر دیے کہ ان کی بیٹی تو اتنی بھاگوان ہے کہ اگلے ماہ ماں بننے والی ہے اور ان کی بہو منحوس ماری دو کپڑوں میں بیاہ کر لائے نہ جہیز لیا نہ مراعات لیکن پھر آج تک ان کو سکھ کا سانس نہیں ملا اور نہ ہی اب تک انہیں دادی بننے کی خوشخبری ملی۔

جواب میں علیزے کی آنسوؤں بھری آواز تھی۔ وہ اب تک کوئی خوش خبری نہ ہونے کو اللہ کی مرضی قرار دے رہی تھی۔ لیکن سسرال میں اس کی دلیل، فلسفہ، حکمت کچھ نہیں چلا، بلکہ اسے زیادہ پڑھا لکھا ہونے کا طعنہ سنا کر منہ بند کرنے کو کہا گیا۔

میں نے آخری بار ذرا سا سرک کر علیزے کو دیکھا۔

اس کی آنکھیں ایسی تھیں جیسے ہارر فلم میں قتل ہونے سے پہلے کسی مظلوم کی ہوتی ہیں۔ میرے قدم بوجھل تھے ایسے جیسے جبری ہجرت کرنے والوں کے.... میں نے اندر جانے کے بجائے باہر جانے کا ارادہ کیا۔ شاید اس لیے کہ میں علیزے سے اس وقت نظریں ملانے کی ہمت نہیں کرپارہا تھا۔ باوجود اس کے کہ میں اس کا باپ ہوں اس کی خوشیوں کا مقدمہ میں ہی لڑوں گا لیکن شاید اس غیر متوقع افتاد کے لیے خود میں بھی تیار نہ تھا اور قسمت کے اس وار نے میری بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ میں بمشکل اپنی گاڑی تک پہنچا تحائف پہلے کی طرح پچھلی سیٹ پر رکھے اور ڈرائیونگ سیٹ پر نڈھال ہو کر بیٹھ گیا۔

لگتا تھا جیسے اپنی تمام عمر کی پونجی لٹادی ہو۔ دل چاہتا تھا اس وقت آمنہ میرے ساتھ ہوتی اور میں اور وہ مل کر اس دکھ کا رونا روتے، آمنہ کی یاد زندگی کے کون سے مقام پر مجھے نہیں آتی تھی۔ لیکن جس شدت سے آج اس کی کمی محسوس ہوئی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے علیزے کی آواز سننے کا جی چاہا۔ سوچا پھر سے واپس پلٹوں اور اس کے گھر چلا جاؤں۔ فون کیا تو علیزے نے آدھی بیل پر ہی اٹھا لیا۔ خود پر قابو پاتے ہوئے میں نے اسے بتایا کہ میں اس کے گھر آرہا ہوں لیکن اس نے فوراً" میری بات کاٹی اور بولی۔

"بابا آج نہ آئیں.... ہم ڈنر کرنے باہر آئے ہوئے ہیں۔"

میں نے بھیگی آنکھوں سے وقت دیکھا، افطار ہونے میں مشکل سے آدھ گھنٹا تھا، غروب ہونے کے قریب سورج کی آخری اور مدھم شعاعوں میں میں نے علیزے کے گھر کو دیکھا، جس کی چار دیواری میں میری بیٹی صرف مجھے خوش رکھنے کے لیے جانے کب سے اکیلے ہی دکھ جھیل رہی ہے، میں نے سوچا واقعی آمنہ ٹھیک ہی کہتی تھی۔ بیٹے بیاہ تک اور بیٹیاں آخری آہ تک۔ بیٹیاں آخری سانس تک والدین کو خوش رکھنے کے لیے خود دکھ برداشت کرتی ہیں اور اسی روز مجھے یقین ہوا کہ عید ہر آنگن میں اترتی ضرور ہے لیکن ہر آنگن میں منائی نہیں جاتی۔

کچھ بیٹیوں کی عید ایسی بھی ہوتی ہے۔

☆ ☆

ماہ وش طالب
میٹھی سی دھوپ
Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com

پیار نال نہ سہی غصے نال ویکھ لیا کر
بیماراں نوں شفا مل جاندی اے

ملیالی فضا میں دھوپ چھن چھن کر اس گھر کے صحن میں داخل ہو رہی تھی، آنگن میں لگے واحد انار کے درخت پر خوب ہرے ہرے انار جلوہ گر ہو چکے تھے۔

"اس ماہ کی اٹھائیس کو ننھی باجی کی شادی ہے، ابھی تک ڈھنگ سے شاپنگ نہیں کی ہم نے۔" کچن سے برآمد ہوتی بیلا سلائی مشین پر پھرتی سے ہاتھ چلاتی خولہ سے مخاطب ہوئی۔

"اوہو تو ہم کون سا تینوں دن مدعو ہیں، مہندی بارات ہی ہے، کوئی بھی پہن لیں گے نکال کے۔"

"دو دن جانا ہے اور وہ بھی پرانے کپڑوں کے ساتھ ہمیں پھر جوتے تو نئے ہی لوں گی جو مرضی ہو جائے۔"
بیلا کو اس کی بے نیازی اچھی نہ لگی۔

"ٹھیک ہے... سبز سوٹ کے ساتھ تو میں نے بھی ٹاپس میچ کرنے ہیں۔"

"اچھا تو پھر چلتے ہیں نا ابھی" وہ پاس رکھے پلنگ پر بیٹھ گئی اور اس کی توجہ دیکھ کر اور پھیل گئی۔

"پاگل ہو... جانا کہاں ہے اچھرہ بازار... ڈیڑھ گھنٹہ تو راستے میں ہی لگ جائے گا، پھر تم کھپاتی کتنا ہو۔ رات ہو جائے گی۔ کل پرسوں آرام سے چلیں گے۔" وہ اس کے اتاولے پن پر حیران ہوئی۔

"میٹرو ہے نا جلدی پہنچ جائیں گے۔"

"ایویں ای... میٹرو اڈے... کے جاتی ہے کیا... اوپر سے سارا رستہ لٹک کر جاؤ... صبر نہیں ہے، کل چلتے چلیں گے۔"

"اچھا جی۔"

"خولہ اٹھ کے کنڈی لگالو، میں صفیہ کے ہاں جا رہی ہو۔" اماں چادر لپیٹتی دوسرے کمرے سے برآمد ہوئیں۔

"یہ دیکھو، ہم لوگ جس شادی میں جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں، اماں اس شادی کے کینسل ہونے کی ترکیبیں لڑا رہی ہیں۔"

"ارے کیا کہہ رہی ہو۔" بیلا کی سمجھ میں خاک نہ آئی۔

"عرفان بھائی کی امی سے باتیں کریں گی اماں ننھی باجی کی طرف سے ان کا دل کھٹا کرنے کی، ایک دو بار ننھی باجی کا بی پی لو ہو گیا تھا نا، جب ہمارے ساتھ مین بازار گئی تھیں، اماں صفیہ خالہ کو الرٹ کرنے جا رہی ہیں" خولہ دھاگہ لپیٹتے ہوئے بے دلی سے بتا رہی تھی۔

"کیا، اماں کیوں کر رہی ہیں ایسا؟ تمہیں کس نے کہا ہے۔" بیلا پریشان ہوئی۔

"اماں کی سادگی کا پتا ہی ہے تمہیں، وہ چاہتی ہیں عرفان بھائی سے میری یا تمہاری بات بن جائے، دبے لفظوں میں مجھے بھی اپنے ارادوں کا رازداں بنا چکی ہیں۔"

"کیا، کیا؟ حد ہو گئی... اماں اتنی دور کی رشتہ داریاں جوڑ رہی ہیں، ہم تو جانتے بھی نہیں صحیح سے انہیں۔ اور سب سے بڑی بات نائلہ باجی کا رشتہ وہاں طے ہے، دونوں دور کے خالہ زاد ہیں۔ بھلا صفیہ خالہ، اماں کی باتوں پر یقین کر لیں گی... تم نے منع کرنا تھا اماں کو۔"

بیلا تپ گئی جبکہ خولہ خاموشی سے قمیص طے کرنے لگی، اس نے اماں کو کتنا سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر ان کی اپنی منطق تھی۔

"لو بھلا۔ میں تو خیر خواہی کے خیال سے ایسا چاہ رہی ہوں، بیمار لڑکی کے بارے میں انہیں پتا ہونا چاہیے۔"

"لاحول ولا..." خولہ جان گئی کہ مزید سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں۔

☼ ☼ ☼

"بھائی اس فیروزی والے جوتے کی کیا قیمت ہے۔"

آدھے سے زیادہ دن بازار کی خاک چھاننے کے بعد خولہ نے تو اپنے لیے بندے پسند کر لیے، مگر بیلا کے مزاج ہی اونچے تھے، کبھی جوتے کا رنگ پسند نہ آتا اور کبھی دکان دار کی بتلائی قیمت۔

"بائیس سو کا ہے باجی" بیلا منہ کھولے خولہ کی جانب دیکھنے لگی اور پھر وہ سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"باجی آپ پہلی بار آئی ہیں بیٹھ جائیں کم کردوں گا میں اور ڈیزائن دکھاتا ہوں آپ کو۔"

"نہیں بھائی ہمیں نہیں پسند۔"

"باجی دیکھ تو لیں 'دیکھنے میں کون سا بل آئے گا۔"

وہ پھر سے بیٹھ گئیں.... دکان دار نے بیسیوں ڈیزائن دکھائے مگر پھر وہی ڈیزائن 'رنگ یا قیمت کا مسئلہ' خولہ نے اسے کہنی مار کر اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"باجی اب بتائیں کون سی پیک کروں" اپنے تیل سے چپڑے پف کو دائیں ہاتھ سے سنوارتا دکان دار بولا۔

"نہیں ہمیں نہیں لینی۔" وہ تیزی سے کھڑی ہو گئیں۔

"اے تے کوئی گل نہ ہوئی' دو گھنٹا میں تہاڈے نال سر کھپایا" دکان دار شرافت کا لبادہ پھینک اپنی اوقات پر آچکا تھا۔

"آرام سے بات کریں' میں نے کہا تھا کہ ساری دکان پھولو...." بیلا کہاں دبنے والی تھی' خولہ اسے بازو سے پکڑ کر دکان سے باہر لے آئی پیچھے دکان دار کی بڑبڑاہٹیں جاری تھیں۔

☆ ☆ ☆

"میں نے نہیں جانا شادی پر۔"

"کیوں' اب کیا آفت آپڑی ہے۔ اتنے جوڑے پڑے ہیں کوئی سا بھی میچ کرکے پہن لینا۔ زیادہ نخرے نہ دکھاؤ۔ اماں کی جوتیاں کھاؤ گی پھر...." خولہ اسے تنبیہہ کر رہی تھی۔

"ہونہوں۔" بیلا چارپائی پر چت لیٹی تھی' منہ بسور کر کروٹ لے لی۔ تاروں بھرے سیاہ آسمان کے نیچے بھی جگمگ ستارے چمک رہے تھے' مہندی کی خوشبو چندہ باجی کے کھلے صحن میں پھیلی تھی۔ ڈھولک کی تھاپ' سریلی آوازیں ٹپے گاتی' تالیاں بجاتے اور آنچل سنبھالتے ہاتھ.... ننھی نظر اٹھا کر محفل کی طرف دیکھتی اور پھر شرما کر نگاہیں جھکا لیتی.... یکایک لڑکے والوں کی آمد کا شور اٹھا' سب لڑکیاں بالیاں ڈھولک چھوڑ' پھولوں سے لدی پلیٹیں پکڑے قطار میں ڈیوڑھی کے اطراف کھڑی ہو گئیں۔ بیلا جی اپنا نیلا فراک اور سرخ — لیس سے بھرا گولڈن دوپٹا سنبھالتی کھڑی ہو گئی' جانے پہچانے لوگوں سے سلام دعا اور پھول پھینکنے کے بیچ میں ہی ایک اجنبی شناسا چہرہ نظروں کے سامنے آیا' بیلا کا دل تیزی سے دھڑکا اور پھول چھڑکتا ہاتھ ہوا میں ہی رکا رہ گیا۔ وہ اجنبی بھی بیلا کی آنکھوں میں ادھوری شناسائی بھری نظر ڈال کر آگے بڑھ گیا۔

"یہ یہاں کہاں سے آگیا...." بیلا خالی پلیٹ لیے ہجوم کی جانب بڑھ گئی۔ اماں کی فضول کی کوششوں کے باوجود یہ شادی ہو رہی تھی۔ وہ اپنی ماں کی ایسی حرکتوں سے ہمیشہ بہت خائف رہی تھی۔ کسی کی ٹوہ لیتا' غیبت کرنا اور کبھی کبھی انتہائی ضرورت پڑنے پر بات ادھر سے ادھر پھیلانا.... ٹھنڈی سرمست ہوا سارے میں پھیلی بڑا پر سکون کر رہی تھی' تبھی اس کا دھیان اس اجنبی کی طرف چلا گیا وہ شادی والے دن بھی تھا' یعنی لڑکے کا قریبی جاننے والا۔

بیلا نے اس شخص کو پہلی بار اکیڈمی میں دیکھا تھا وہ بی اے پارٹ ٹو کی تیاری کر رہی تھی' نہیں جانتی تھی کہ وہ لڑکا وہاں پڑھتا ہے یا پڑھاتا ہے۔ پرکشش گندمی رنگت اور ہلکی سی شیو' اسے اکیڈمی کے داخلی دروازے پر ایستادہ دیکھ کر وہ خواہ مخواہ ہی نظریں جھکا گئی۔ اور پھر واپسی پر بھی اس نے دیکھا مین سڑک سے وہ سیدھا اس کے محلے والی سائڈ پر آرہا تھا۔ نکڑ پہ واقع کریانہ اسٹور سے پھر نجانے کہاں غائب ہو گیا۔ اور پھر امتحانات بھی آپہنچے' ننھی باجی کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تو اس کی تیاریوں میں مصروف ہو کر وہ سب بھول گئی۔ لیکن چار مہینوں بعد وہ اس انداز میں سامنے آیا کہ وہ حیران نہ ہوتی تو کیا کرتی.... کتابی چہرے پر دلفریب سی مسکراہٹ آن ٹھہری' خولہ کے آواز دینے پر ہونٹ سمٹے' دل کا بھید اتنی آسانی سے تو نہیں کھولا جا سکتا نا....

☆ ☆ ☆

بیلا کا رزلٹ آیا تھا اس نے فرسٹ ڈویژن میں بی

اسے پاس کر لیا تھا۔ اماں تو گھر گھر مٹھائی دینے خود پہنچیں۔

"آئے ہائے آج کل کے تو لوگوں کی دیدہ دلیری پر میں حیران ہوں' اپنی اوقات ہی بھول جاتے ہیں۔"

"کیا ہوا اماں کس نے کچھ کہا۔" وہ اور خولہ پالک کاٹ رہی تھیں' جبکہ بیلا باورچی خانہ سمیٹ رہی تھی۔

"ارے وہ جو صفیہ ہے نا اپنی نبھی کی ساس' اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے بیلا کا رشتہ مانگ رہی تھی... اتنا پاگل سمجھ رکھا ہے' اپنے کماؤ پوت بیٹے کے وقت نہ نظر آئی میری بیٹیاں اور اس نکمے کے لیے میری بیٹی کا ہاتھ مانگ لیا منہ کھول کے" سنک صاف کرتی بیلا کے کان کھڑے ہوئے۔

"کیا کرتا ہے ان کا بیٹا؟"

"سولھویں کررہا ہے کہ پتا نہیں پیپر دیے ہیں ابھی اور ساتھ میں اکیڈمی میں بھی پڑھاتا ہے' جہاں بیلا بھی جاتی تھی۔" گلاس ٹوکری میں لگاتی بیلا کے ہاتھ سے چھوٹا تھا...

"یہ کیا..."

"پھر آپ نے کیا کہا... نکما تو نہیں ہوا نا' کماتا ہی ہے وہ بھی" خولہ کچرے کو سمیٹ رہی تھی۔

"میں نے تو صاف منع کر دیا' اکیڈمی سے کتنا کما لیتا ہوگا؟ ویسے بھی ایسی نوکری کا کیا اعتبار۔"

"اماں' آپ ابو سے پوچھ لیں' کیا نام ہے لڑکے کا' کیا پتا بیلا جانتی ہو۔"

"بیلا کے جاننے نا جاننے سے کیا ہوگا' دسیوں محلے کے لڑکے پڑھتے ہیں وہاں اور اپنے ابو کی تم رہنے ہی دو' ان میں اتنی عقل ہوتی تو مجھے فکریں کرنے کی کیا ضرورت۔" خولہ چپکی ہو رہی۔

"ایاز نام ہے لڑکے کا... شادی پہ دیکھا تھا میں نے ہے تو ویسے ہلکی عمر کا... لیکن خیر چھوڑو پیاز لے کر آؤ ٹوکری میں سے۔" خولہ کچن میں آئی تو گم صم کھڑی بیلا کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔

☆ ☆ ☆

"اماں کتنی جلد باز ہیں... بھلا۔" رات کو خولہ نے اسے تفصیل بتائی' بیلا کی سمجھ میں نہ آئی کہ جواب میں کیا کہے' غصہ' دکھ' چڑچڑاپن۔

"تم بتاؤ کوئی ہیں ایاز نامی سر تمہاری اکیڈمی میں" خولہ نجانے کیا کھوج لگانا چاہ رہی تھی۔

"ارے مجھے کیا پتا! میں نے نام نہیں سنا یا شاید سنا ہو یاد نہیں' مجھے ایاز نام کے کسی ٹیچر نے نہیں پڑھایا" وہ کروٹ لینے لگی پھر خیال آنے پر کچھ دیر بعد خولہ کو پکارا۔

"ویسے اماں کو کم از کم ابا سے مشورہ کر کے انہیں جواب دینا چاہیے تھا۔" اور اس ایک جملے میں چھپا جذبہ خولہ نے محسوس کر لیا... کاش' امید... خوشی... یہ تینوں چیزیں ریورس ڈائریکشن میں بیلا کے لہجے سے چھلکی تھیں۔ خولہ خاموش رہی... اپنی ہم عمر بہن کا بھرم ٹوٹنے دینا نہیں چاہتی تھی وہ۔ ساتھ والی چارپائی پر لیٹی بیلا کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ وہ اس ایاز نامی اجنبی کو اچھی طرح سے تو جانتی تھی... مگر اب سوچ رہی تھی کہ وہ اس نام سے ناواقف رہتی تو اچھا تھا...

کچھ خواہشیں اس قدر ظالم ہوتی ہیں کہ پوری ہو کر بھی ادھوری رہ جاتی ہیں... اور ایسی صورت میں دل کی تکلیف اور بڑھ جاتی ہے۔

☆ ☆ ☆

"اماں آپ ذرا صبر سے کام لیتیں... اب تو وہ لوگ گھر چل کر آئے ہیں... ابو سے' بیلا سے تو پوچھ لیں..." اس بار تو خولہ کو بھی اماں کے غرور پہ غصہ آیا۔ ہفتے بعد صفیہ خالہ اور رحیم چاچا خود آئے تھے۔ اماں نے ناگواری سے انہیں پھر ٹال دیا۔

"جب وہاں رشتہ جوڑنا ہی نہیں تو مشورہ کر کے وقت ضائع کرنے کا فائدہ" اماں غسل خانے سے کپڑے سرف میں بھگو کر نکلیں۔

"آپ ضد میں یہ سب کر رہی ہیں..." بھلا گونگلو سے عرفان بھائی ہماری بیلا کے ساتھ سوٹ کرتے۔" خولہ نے بھی جرات کر ہی لی جو اماں کو ہرگز اچھی نہ لگی۔

"تم آپے میں رہو' میری اماں بننے کی ضرورت نہیں۔۔۔ بالشت بھر کی لڑکی کیسے میرے منہ کو آرہی ہے۔" اماں اسے گھور کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں بیلا بھی بے وقت سو رہی تھی۔ بہت دیر تک سوچنے کے بعد آخر اسے اس معاملے کو سلجھانے کا واحد حل مل ہی گیا۔ اس نے اگلی شام ابو کو اس صورت حال سے آگاہ کیا' اس وعدے پر کہ اس کا نام بیچ میں نہ آئے اور ابو پہلے حیران' پھر پریشان اور اپنی بیٹی کی اس شرارت بھری ہمت پر پھر حیران ہوئے۔ اماں جو اپنے شوہر کی اس رشتے پر رضامندی پر چڑھ دوڑنے لگی تھیں۔ ابو کے ہمت پکڑنے پر پسپا ہو گئیں۔

"تم نے پہلے تو مجھے ہوا نہیں لگنے دی اس بارے میں' کیا میں مر گیا تھا کہ اپنی بیٹی کے لیے صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا۔۔۔ وہ تو بھلا ہو جو تمہاری بدتمیزی کے باوجود لڑکے کے ابو نے' اپنا سرفراز نے مجھ سے دوبارہ بات کی' میرا پرانا یار ہے وہ' اتنے اچھے لوگ ہیں' تم تو مجھے شرمندہ کرانے لگی تھیں اس کے سامنے' کیسے خود ہی اپنی مرضی سے فیصلہ کر کے بیٹھ گئیں۔" ابو حق بجانب تھے۔ اماں تو آئیں بائیں شائیں ہی کرتی رہ گئیں اور خولہ۔۔۔ وہ بیلا کو ڈھونڈ رہی تھی۔ نجانے کہاں غائب رہتی تھی آج کل وہ۔۔۔ خولہ پورے گھر میں ڈھونڈنے کے بعد چھت پر گئی تو وہ زینے کی طرف پشت کیے منڈیر کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

پیار نال نہ سہی غصے نال دیکھ لیا کر
بیماراں نو شفا مل جاندی اے

اس نے بیلا کا پسندیدہ گانا اسی کے لیے گایا۔ بیلا رخ موڑے خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

"بہت ہی اجنبی سی ہو گئی ہو تم۔" خولہ سامنے والی چھت کا ویران آنگن دیکھنے لگی۔

"نہیں تو۔" اس نے نظریں چرائیں۔

"ویسے تو میرا ارادہ تھا کہ تمہیں خوب تڑپا تڑپا کر بتاؤں لیکن تمہاری بسورتی شکل دیکھ کر پلان کینسل"

"کچھ ہوا ہے۔"

"بہت کچھ۔۔۔"

"پہیلیاں مت بجھواؤ۔۔۔"

"ہم م م۔۔۔" اور پھر خولہ نے اسے الف سے ی تک ساری تفصیل بتا ڈالی۔

"تم نے کیا یہ بھی بتایا ابا کو کہ میں اس لڑکے کو۔۔۔"

بیلا نے زبان دانتوں تلے داب لی۔

"مجھ سے کچھ چھپا نہیں سکتیں تم" خولہ کے لہجے میں اعتماد بھرا شکوہ تھا۔

"مجھے معاف کر دو۔۔۔ اگر میں کچھ بتاتی اور سب یک طرفہ ہوتا تو بتاؤ پھر میں کیا کرتی خولہ۔ میں خود سے بھی نظریں نہ ملا پاتی۔" وہ نادم سی اسے وضاحت دے رہی تھی۔

"صحیح کہہ رہی ہو تم۔۔۔ جذبہ محبت کو بات بے بات بے پردہ نہیں کرنا چاہیے۔ اپنا نصیب انسان خود تھوڑی لکھتا ہے' کون جانے' کب کیا ہو جائے۔" بیلا کھلے دل سے مسکرائی۔ اس کی سمجھ دار بہن واقعی ہی اسے سمجھتی تھی۔ مگر اماں کو کون سمجھائے جو جس کے نصیب میں ہو وہ اسے بہر صورت مل کر رہتا ہے۔ جیسے بیلا کا صفیہ خالہ کے گھر جانا اس کے مقدر میں ہی تھا' مگر اس طرح نہیں جیسے اماں چاہتی تھیں' کسی کا حق چھین کر' بلکہ عزت سے مان سے اور محبت سے' جو قدرت چاہتی تھی۔ خولہ اس کے ساتھ سورج غروب ہونے کا نظارہ دیکھنے لگی۔

✲ ✲

نگہت سیما

دستِ مسیحا

"مما مما آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔"

"وہ عفان..... عفان ہے باہر۔ شامی بیٹا گیٹ کھولو۔ مجھ سے نہیں کھل رہا۔ اسے تو بجلی کی چمک اور بادل کی گرج سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

"ماما پلیز اندر چلیں، عفان نہیں ہے ادھر۔"

"نہیں اس نے دروازہ دھکیلا تھا۔ اس نے مجھے آواز دی اماں۔" ہشام نے اپنا بازو ان کے گرد حمائل کیا اور انہیں لے کر اندر کی طرف چلا۔ وہ خود سارا کا سارا بھیگ گیا تھا۔ اور ماما تو..... یک دم بارش تیز ہو گئی تھی۔

مکمل ناول

"دیکھو شامی اس نے پھر گیٹ کو دھکیلا ہے۔ آواز دی ہے۔"

"ماما یہ دیکھیں۔" وہ انہیں لیے لیے سی سی ٹی کیمرے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"دیکھیں گیٹ کے باہر کوئی نہیں ہے۔" اس نے وہاں ہی سن روم میں کھڑے کھڑے ملازمہ کو آواز دی تھی۔

"شفو۔ فوراً" ماما کے کپڑے نکال کر دو۔" اور پھر وہ انہیں لیے لیے ان کے بیڈ روم میں آیا۔

"ماما پلیز میں باہر جا رہا ہوں۔ آپ کپڑے چینج کریں۔ بھیگنے سے اگر آپ بیمار ہو گئیں اور آپ کو کچھ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے۔ میں اور عجو۔ ہم دونوں تو مر جائیں گے ماما آپ کے بغیر اور عجو تو......"

"وہ آنسو پیتا تیزی سے باہر نکل گیا۔ اور پھر کپڑے تبدیل کر کے تولیے بال خشک کرتا ہوا وہ ماما کے کمرے میں آیا تو وہ کپڑے تبدیل کر چکی تھیں شفو ان کے لمبے بال خشک کر رہی تھیں اور باہر ہوائیں اتنی ہی تیزی سے چل رہی تھیں۔ بارش اور ہوا کے چلنے کا شور اندر تک آ رہا تھا۔

"شفو الیکٹرک ہیٹر آن کر دو اور دو کپ چائے بنا کر لاؤ۔" پھر وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"ڈیڈی بھی کل واپس آ رہے ہیں پھر شاید...... وہ

بڑے ہیں تجربہ کار ہیں شاید بہتر طریقے سے اسے تلاش کر سکیں۔"

"تمہیں یقین ہے نا شانی تمہارے ڈیڈی عفان کو لے کر نہیں گئے۔"

"مجھے یقین ہے ماما۔ وہ تو عفان کے گم ہونے سے ایک دن پہلے ہی میڈم نیلوفر کو خوش کرنے کے لیے مری چلے گئے تھے سنو فال دکھانے۔"

"ولیکن انہوں نے مجھ سے کہا تھا کتنی بار کہا تھا کہ عفان کو کسی ادارے میں بھیج دیتے ہیں۔"

"ہاں ماما وہ چاہتے تھے ایسا کیونکہ اب اسے سنبھالنا بعض اوقات خادم کے لیے بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ لیکن وہ آپ کی مرضی سے آپ کو بتا کر لے جانا چاہتے تھے عفان کو تاکہ جب آپ کا دل چاہے آپ اس سے ملنے جا سکیں۔" ہشام انہیں سمجھا رہا تھا۔ اور وہ چپ سی بیٹھی تھیں۔ کبھی ان کا دل چاہتا تھا وہ ہشام کی بات کا یقین کر لیں اور کبھی انہیں لگتا نہیں عبدالرحمن ہی ضرور عفان کو لے گیا ہوگا۔ کتنے دنوں کی کوشش کے بعد ہشام کا کل رات ڈیڈی سے رابطہ ہوا تھا۔ وہ عفان کی گم شدگی سے قطعی لاعلم تھے۔ وہ تو خود حیران رہ گئے تھے۔

"شامی بیٹا اسے باہر نکل کر گھومنے کا شوق تھا۔۔۔۔ وہ ضرور کسی کی نظر بچا کر گیٹ سے باہر نکل گیا ہوگا۔۔۔۔ چوکیدار بھی تو کسی وقت گیٹ سے ہٹ سکتا ہے۔ چوبیس گھنٹے تو وہ وہاں پر نہیں بیٹھا ہوتا ہم نے باہر نکل کر ادھر ادھر سے پوچھا شاید کسی نے اسے باہر نکل کر کسی طرف جاتے دیکھا ہو۔" اور اس نے تو اس طرح سے کسی سے نہیں پوچھا تھا بس وہ تو اس طرح کے بچوں کی دیکھ بھال کرنے والے اداروں میں ہی جا کر دیکھتا اور پوچھ گچھ کرتا رہا تھا۔

"آپ یہ وہم دل سے نکال دیں ماما کہ ڈیڈی اسے لے کر گئے ہیں۔ کوئی باپ اپنی اولاد سے کیسے نفرت کر سکتا ہے چاہے وہ ابنارمل ہی کیوں نہ ہو۔"

انہوں نے اپنی بے حد خوب صورت آنکھیں جن میں عجیب طرح کی وحشت تھی ہشام کے چہرے پر جمادیں۔

"لیکن تمہارے ڈیڈی اگر نفرت نہیں کرتے تھے عفان سے تو انہوں نے محبت بھی تو کبھی نہیں کی اس سے۔ وہ مجھ سے ناراض رہنے لگے تھے کہ میں نے انہیں ابنارمل بچے دیے ہیں۔ تب ہی تو انہوں نے نیلوفر سے شادی کر لی۔"

"ڈیڈی نے اس لیے دوسری شادی نہیں کی کہ آپ سے عفان اور عجو کی وجہ سے ناراض تھے۔ بلکہ انہیں لگتا تھا کہ آپ نے انہیں اگنور کر دیا ہے آپ نے خود کو عفان اور عجو کے لیے وقف کر دیا اور۔۔۔۔" وہ بات کرتے کرتے جھجک گیا۔ وہ صرف انیس سال کا تھا لیکن ڈیڈی کے نزدیک وہ جوان تھا۔۔۔۔ انہوں نے اسے میڈم نیلوفر سے شادی کی وجہ کھل کر بتائی تھی۔

"تم بچے نہیں ہو ہشام۔۔۔۔ ملکوں کے بیٹے تو پیدا ہوتے ہی جوان ہو جاتے ہیں۔۔۔۔ میری شادی اٹھارہ سال کی عمر میں ہو گئی تھی۔ دگنی عمر کی عورت سے۔" اور اس نے ڈیڈی کی بات سمجھی تھی یا نہیں تاہم اتنا ضرور کہا تھا۔

"ٹھیک ہے آپ شادی کر لیتے لیکن کسی خاندانی لڑکی سے میڈم نیلوفر سے نہیں۔"

"ہاں شاید تم صحیح کہتے ہو لیکن میں کیسے ان کو گھر میں نوکروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر تمہارے ڈیڈ کے ساتھ پارٹیاں اٹینڈ کرتی پھرتی وہ تو ناسمجھ تھے نا بہت ہی ناسمجھ۔"

"ماما آپ ایک عظیم ماں ہیں۔" اس نے ان کے ہاتھ چومے اور شفو کو چائے ٹیبل پر رکھنے کے لیے کہا۔

"اب آپ چائے پئیں اور کمبل اوڑھ کے لیٹ جائیں۔۔۔۔" انہوں نے پھر سہلایا تھا۔

"میں ہوں نا ادھر لاؤنج میں ہی بیٹھا ہوا۔ عفان آیا تو میں دیکھ لوں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔"

"عجو کو بھی دیکھ لینا۔ کیا پتا اس نے کچھ مانگا ہو۔ بھوک لگی ہو اسے۔۔۔۔"

"دیکھ لوں گا بلکہ ابھی کچھ دیر پہلے میں گیا تھا اس

کے کمرے میں وہ اپنی گڑیا سے کھیل رہی تھی۔"
"شامی تم بہت اچھے بیٹے ہو بہت اچھے بھائی ہو لیکن میں اچھی ماں نہیں ہوں۔ میں نے تمہارا خیال نہیں رکھا۔" ان کی آنکھیں نم ہوئی تھیں اور پھر آنسو رخساروں پر پھیل آئے تھے۔
"ماما.... ابھی میں نے آپ سے کیا کہا تھا کہ اب آپ ریلیکس رہیں گی اور بالکل نہیں روئیں گی۔" اس نے اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھے۔
"آپ بہت اچھی ماں ہیں اور مجھے فخر ہے کہ میں آپ کا بیٹا ہوں۔" وہ مسکرایا۔
ان کے سونے کے بعد وہ تھکا تھکا سا باہر لاؤنج میں آکر بیٹھ گیا۔ باہر بارش اسی تواتر سے برس رہی تھی اور تیز ہواؤں کا شور سہما تا تھا۔ عجو اور شفو کارپٹ پر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں اور عجو تھوڑی تھوڑی دیر بعد تالی بجاتی تھی۔ وہ کچھ دیر لاؤنج میں ہی بیٹھا رہا اس نے عجو سے بھی ایک دو باتیں کی تھیں پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔
کتنے دن ہو گئے تھے وہ کالج نہیں گیا تھا اور نہ ہی دادی کی طرف گیا تھا۔ امل پوچھے گی میں دادی کی طرف گیا تھا تو میں کیا کہوں گا۔ ناراض ہو جائے گی، لیکن میں کیا کروں.... ماما کو اس حالت میں چھوڑ کر کیسے گھر سے نکلوں خیر اگر ابھی بارش رک جاتی ہے تو ابھی جاتا ہوں۔ سڑک ہی تو کراس کرنی ہے اور دادی امل کے جانے کے بعد کتنی اداس اور اکیلی ہیں اور یہ امل کی بچی بھی اپنے پاپا کو کہہ نہیں سکتی تھی کہ مجھے یہاں ہی پڑھنا ہے اگر بولٹن سے پڑھ کے آئے گی تو کیا کہیں منسٹر لگ جائے گی.... ہوں۔" اس نے ہولے سے سر جھٹکا۔
تب ہی اس کا سیل بج اٹھا۔ اس نے دیکھا امل کا نمبر تھا۔
"ہے شامی کے بچے مجھے فون کرو۔" آن کرتے ہی اس کی آواز آئی تھی اور ساتھ ہی فون بند ہو گیا تھا۔
"تو کیا تم خود فون نہیں کر سکتی تھیں کنجوسوں کی سردار۔" اس نے اس کے ہیلو کرتے ہی ڈپٹا۔
"کر سکتی تھی، لیکن تمہیں پتا ہے نا یہاں سے بہت مہنگا پڑتا ہے اور وہاں پاکستان سے بہت سستا.... بلکہ تم ایسا کرو کہ لینڈ لائن سے کرو نا ہمارے فون پر اور بھی سستا پڑے گا۔"
"رہنے دو اب میں تمہارے جتنا کنجوس بھی نہیں ہوں، یہ بتاؤ ٹھیک ہو نا۔"
"ہاں میں تو ٹھیک ہوں تم بتاؤ عفان کا کچھ پتا چلا۔" وہ سنجیدہ ہوئی تھی۔
"نہیں امل.... کچھ بھی پتا نہیں چلا۔ ماما کی الگ پریشانی ہے۔ کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ حواس میں نہیں ہیں۔"
"اور ڈیڈی سے بات ہوئی۔"
"ہاں ڈیڈی کو کچھ علم نہیں ہے۔ وہ تو خود پریشان ہو گئے تھے کہہ رہے تھے عبدالرحمن ملک کا بیٹا بھلے وہ نارمل نہ ہو یوں لاوارث کسی گلی سڑک پر مر جائے تف ہے اس پر۔" اس کی آواز بھرا گئی تو وہ چپ کر گیا۔
"شامی پلیز حوصلہ کرو نا.... کاش میں وہاں ہوتی تو مامی کو سنبھال لیتی۔ دیکھ لینا عفان ضرور مل جائے گا۔ اتنی دعا کر رہی ہوں میں اور میں نے موحد سے بھی کہا ہے کہ وہ دعا کرے۔ پتا ہے موحد پانچوں وقت نماز باقاعدگی سے پڑھتا ہے اور اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ضرور عفان کے لیے دعا کرے گا۔" اس کی ریل گاڑی چل پڑی تھی۔ ہشام خاموشی سے سن رہا تھا۔
"ویسے وہ خود اپنی دعا کی قبولیت پر اتنا یقین نہیں رکھتا۔ اس کی ماما ہیں ناں سات سال سے کومے میں ہیں اور وہ کہتا ہے وہ دعائیں مانگ مانگ کر تھک گیا ہے۔ سات سال سے شاید اس کی زبان میں تاثیر نہیں ہے۔"
"یہ موحد کون ہے امل۔" ہشام کو اس انجان لڑکے سے بے حد جلن سی محسوس ہوئی وہ پہلی بار امل کے منہ سے اپنے علاوہ کسی اور کا نام سن رہا تھا۔
"ہاں موحد.... موحد عثمان ہے یہ ہمارا پڑوسی.... گھر بالکل ساتھ ہیں۔ کل رات اس نے ڈنر ہمارے ساتھ

ہی کیا تھا اور پتا ہے اسے میرے ہاتھ کا بنا ہوا پلاؤ بے حد پسند آیا تھا اور پودینے کی چٹنی تو اس نے بہت شوق سے کھائی تھی۔"

"اچھا۔" ہشام بے حد بے زار ہوا۔

"کیا کرتا ہے۔ میرا مطلب ہے پڑھتا ہے یا جاب وغیرہ کرتا ہے۔" اپنے سوال سے وہ شاید اس کی عمر کا اندازہ کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں وہ پڑھتا ہے یہاں ہی بولٹن میں۔ مکینیکل انجینئرنگ کررہا ہے تیسرے سال میں ہے۔"

"کیسا ہے۔"

"اچھا ہے۔ بہت ہینڈسم اور شاندار اس کی آنکھیں اور بال اتنے پیارے ہیں وہ بالکل غیر ملکی لگتا ہے۔"

"میں نے تم سے اس کی حسن کا قصیدہ سنانے کو نہیں کہا امل۔۔۔" وہ جل کر جیسے راکھ ہوا تھا۔

"میں نے پوچھا تھا کہ مہذب اور شریف۔۔۔"

"ہاں ہاں بہت مہذب اور ڈیسنٹ ہے۔" امل نے جوش سے کہا۔ اس نے برا سا منہ بنایا اور اسے نصیحت کی۔

"دیکھو امل دھیان سے رہنا وہاں کچھ پتا نہیں ہوتا لوگوں کا دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اور حقیقت میں کیا ہوتے ہیں۔۔۔ تمہیں بہت جلدی اس سے بے تکلف ہونے کی ضرورت نہیں بس فاصلہ رکھنا اور اس کے ساتھ تنہا کہیں گھومنے مت جانا۔"

"توبہ ہے شامی۔" وہ بے اختیار ہنسی تھی۔

"تم مجھ سے صرف چند دن بڑے ہو لیکن نصیحت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔"

"تمہیں برا لگتا ہے۔" وہ سنجیدہ ہوا۔

"نہیں بالکل بھی نہیں۔۔۔" اور تب ہی فون سے ٹوں ٹوں کی آواز آنے لگی تھی بیلنس ختم ہوگیا تھا شاید۔ اس نے فون بیڈ پر پھینک دیا اور اس کے ساتھ ہی میسج کی ٹون آئی تھی۔۔۔ امل کا میسج تھا۔ اللہ حافظ شامی کل بات کروں گی۔ لگتا ہے تمہارا بیلنس "شوں" ہوگیا ساتھ ہی ہنستا ہوا کارٹون۔

اس نے فون پھر بیڈ پر پھینک دیا۔ پتا نہیں کیوں اسے امل پر غصہ آرہا تھا۔ میں دادی سے کہوں گا وہ امل کو واپس بلالیں۔ وہاں اس ملک میں کتنی آزادی اور بے حیائی ہے اور دادی کو تو اسے بھیجنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ اگر وہ منع کردیتیں تو بھلا شفیق انکل اسے بلواتے وہاں۔ اور وہ اس قدر بے وقوف اور احمق ہے کہ جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے گئے اور کسی موحد عثمان سے دوستی بھی کرلی اور تو اور اسے گھر بھی بلالیا اور اسے اپنے ہاتھ کا بنا ہوا پلاؤ کھلایا جارہا ہے۔ اس نے غصے سے بیڈ کی پٹی پر ہاتھ مارا اور پھر درد کے احساس سے برا سا منہ بناتے ہوئے بائیں ہاتھ سے دایاں ہاتھ ہولے ہولے دبانے لگا۔ تب ہی دروازے کو کھول کر عجو اندر آئی وہ کھڑا ہوگیا۔

"کیا ہے عجو۔" لیکن وہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی نفی میں سر ہلانے لگی۔

"عفو کو ڈھونڈ رہی ہو۔"

"ہاں آں اں۔" اس نے منہ سے عجیب سی آوازیں نکالیں۔

"چاکلیٹ کھاؤ گی۔" اس نے اپنا چھوٹا سا سر ہلایا تو ہشام نے بیڈ کی سائڈ ٹیبل کی دراز کھول کر چاکلیٹ نکالی اور اس کی طرف بڑھائی۔ عجو نے چاکلیٹ پکڑ کر اس کا ریپر اتارا تھا اور اس کے دو ٹکڑے کرلیے تھے ایک ٹکڑا بائیں ہاتھ کی مٹھی میں بند کرکے اور دوسرا ٹکڑا کھاتے ہوئے باہر کی طرف مڑی۔ اس نے کھلے دروازے سے دیکھا وہ عفان کے کمرے کی طرف جارہی تھی اس کی تیرہ سال بہن چھوٹے سر والی اور بے عقل بہن کو عفان کا اپنے بھائی کا کتنا خیال تھا۔ اور یہ کیسی محبت تھی اس کا دل بھر آیا اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے اور وہ عفان کے گم ہونے کے اتنے دن بعد رو رہا تھا۔ شاید ضبط کرتے کرتے وہ تھک گیا تھا۔ وہ عفان کے لیے رو رہا تھا وہ روتے روتے یک دم چونکا تھا۔ کسی کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ ہاتھوں سے آنسو پونچھتا ہوا وہ تیزی سے باہر آیا ایک لمحہ کے

لیے لاؤنج میں رکا۔ آواز عفان کے کمرے سے آ رہی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا عفان کے کمرے میں آیا۔ عجو کمرے کے وسط میں کھڑی رو رہی تھی اور اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آوازیں نکل رہی تھیں اور اس کا چھوٹا سا سر زور زور سے ہل رہا تھا کبھی کبھی اس کے منہ سے نہ سمجھ میں آنے والے لفظ نکل رہے تھے۔ شفو اسے بہلانے اور پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ بار بار اس کا ہاتھ جھٹک دیتی تھی۔

"عجو۔" اس نے کمرے کے دروازے میں کھڑے کھڑے آواز دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا اس کے ہونٹوں پر تھوڑی پر اور رخساروں پر چاکلیٹ لگی ہوئی تھی اور رال بہہ رہی تھی۔

"گندی بچی۔"

"وہ میں ابھی اس کا چہرہ صاف کرنے لگی تھی۔" شفو نے فوراً" وضاحت دی' لیکن وہ اس کی طرف دھیان دیے بغیر عجو کی طرف بڑھا۔

"یہ کیا کر رہی ہو عجو اور دیکھو کتنا گندہ کر لیا ہے اپنا چہرہ۔" اس نے بائیں ہاتھ میں پکڑی چاکلیٹ لینے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو اس نے ایک دم بند مٹھی پیچھے کر لی اور منہ سے ناقابل فہم آواز نکالیں اور کمرے میں دیوانہ وار چکر لگانے لگی۔ کبھی پردے کے پیچھے دیکھتی کبھی صوفے کے پیچھے جھانکنے لگتی۔ ساتھ ہی حلق سے عجیب و غریب آوازیں بھی نکال رہی تھی۔ وہ یقیناً" عفان کو ڈھونڈ رہی تھی ہشام بے بسی سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

بارش یک دم تیز ہو گئی تھی۔ تیز ہوا کا شور وہ سن رہی تھی۔ وہ کہاں جا رہی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اسے کہاں جانا تھا یہ بھی اس کے ذہن سے نکل گیا تھا' لیکن وہ جا رہی تھی۔ سڑک پر آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ بادل اتنی زور سے گرجا کہ اس نے بے اختیار بریک پر پاؤں رکھے اور پھر کچھ دیر تک یونہی اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہی اور پھر سر اٹھا کر سامنے اور ارد گرد دیکھنے کی کوشش کی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آیا کہ وہ کہاں تھی.... وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی رہی۔ دائیں طرف بہت سی ٹم ٹم کرتی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔

اس نے نیچے اتر کر گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور بچے کی کیری کاٹ اٹھا کر دوسرے ہاتھ میں باسکٹ اٹھا لی تھی۔ بچہ رو رہا تھا وہ روڈ سے نیچے اتر کر دائیں طرف جا رہی تھی۔ دائیں طرف کئی راستے اندر کی طرف جا رہے تھے۔ شاید یہ کوئی کالونی تھی۔ گیٹ ابھی کھلے تھے وہ اپنے سامنے نظر آنے والے گیٹ سے اندر بڑھ گئی۔ گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی پہلے گھر کے پاس رکی دائیں بائیں دونوں طرف گھر تھے درمیان میں کشادہ سڑک تھی۔ یہ سب گھر ایک ہی جیسے تھے۔ ڈرائنگ روم کے دروازہ کے سامنے روڈ کی طرف چھوٹا سا برآمدہ جس میں دروازہ کھلتا تھا۔ سب برآمدوں میں بلب جل رہے تھے۔ بارش کی بوندیں اس پر پڑیں تو وہ جلدی سے بائیں طرف والے گھر کے برآمدے کی طرف بڑھی۔ کیری کاٹ اس کے دائیں ہاتھ میں اور باسکٹ بائیں میں' دو سیڑھیاں چڑھ کر اس نے دروازے کے پاس کیری کاٹ رکھی۔ بچہ رونے لگا تھا۔ اس نے جلدی سے فیڈر نکال کر اس کے منہ میں دیا۔ چند لمحے وہ فیڈر پکڑے جھکی جھکی کھڑی رہی اور یونہی جھکے جھکے اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ کالونی کی سڑک ویران پڑی تھی۔ یک دم بجلی چمکی۔ بادل گرجے اور بارش کی بوندیں پہلے موٹے قطروں اور پھر موسلا دھار بارش میں بدل گئیں۔ وہ یک دم سیدھی ہوئی فیڈر بچے کے منہ سے نکل گیا تھا' لیکن وہ تیزی سے برآمدے کی سیڑھیوں سے اتری۔ بچہ حلق پھاڑ پھاڑ کر رو رہا تھا اور وہ سرمئی سڑک پر برستی بارش میں بھیگتی ہوئی روڈ کی طرف بھاگ رہی تھی۔

کانپتے ہاتھوں سے اس نے گاڑی کالاک کھولتے ہوئے پیچھے دیکھا تھا۔ برستی بارش میں کالونی کی طرف جانے والے گیٹ بھی دھندلے نظر آرہے تھے۔ وہ خود پوری کی پوری بھیگ چکی تھی۔ ہاتھ یخ ہو رہے تھے اور کانوں میں بچے کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ وہ تیزی سے دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ اور پھر پتا نہیں وہ کیسے گھر پہنچی تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے اندرونی گیٹ کالاک کھولا تھا۔ کچھ دیر وہ کچن روم میں کھڑی رہی۔ اس کے کپڑوں سے پانی نچڑ نچڑ کر نیچے فرش پر گر رہا تھا۔ پھر ہولے ہولے چلتی ہوئی لاؤنج تک آئی۔ نسرین لاؤنج میں بے خبر سو رہی تھی۔ لڑکھڑاتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں آکر صوفے پر گر گئی۔ گھڑی کی سوئیاں تین بجا رہی تھیں۔ جسم میں درد کی شدید لہریں اٹھ رہی تھیں۔ یہ درد کہاں تھا؟

اسٹچز میں..... نہیں شاید دل میں۔ اس نے دل پر ہاتھ رکھا اور اپنے بھیگے بالوں اور چہرے کو اپنے دوپٹے سے پونچھا اور پھر بمشکل اٹھ کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ درد لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جا رہا تھا جیسے کوئی اندر رگیں نچوڑ رہا ہو پوری طاقت سے۔ اس نے کمبل اچھی طرح اپنے گرد لپیٹا اور تکیے پر منہ اوندھا کر کے لیٹ گئی۔ صبح آٹھ بجے جب احسن کمرے میں داخل ہوا تو وہ اسی طرح کمبل میں گھسی سو رہی تھی۔

"ثمرین۔" اس نے آہستہ سے آواز دی، لیکن شاید وہ بہت گہری نیند سو رہی تھی احسن نے کوٹ اتار کر یونہی صوفے پر ڈال دیا اور بیڈ کی طرف بڑھا۔ وہ بے حد تھکا ہوا تھا۔ پوری رات تقریباً" جاگتے ہوئے ہی گزاری تھی۔ اب وہ سونا چاہتا تھا، لیکن ثمرین بیڈ کے عین وسط میں سو رہی تھی وہ اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے تکیہ اٹھایا اور یوں ہی کپڑے چینج (تبدیل) کیے بغیر صوفے پر لیٹ گیا اور فورا" ہی سو بھی گیا۔ وہ بہت گہری نیند میں تھا کہ فون کی مسلسل بجتی بیل نے اسے جگا دیا۔ اس کے اٹھ کر بیٹھنے تک فون بند ہو چکا تھا۔ اس نے ٹائم دیکھا گیارہ بج چکے تھے یعنی وہ تین گھنٹے سویا تھا۔ پھر بھی وہ کافی بہتر محسوس کر رہا تھا۔

پھر اس کی نظر بیڈ پر پڑی۔ ثمرین اس طرح کمبل میں لپٹی ہوئی سو رہی تھی۔

"ثمرین۔" وہ بیڈ کے قریب آیا اور اس کے چہرے سے کمبل ہٹایا اور پیشانی پر ہاتھ رکھا اور پھر فورا" اٹھالیا اس کی پیشانی جل رہی تھی۔ اس کا تنفس بہت تیز تھا اس نے کلائی پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے آواز دی۔

"ثمرین..... ثمرین۔" لیکن وہ مدہوش پڑی تھی۔ اس نے کمبل اتار کر ایک طرف کیا اور نسرین کو آواز دی۔

"فورا" ٹھنڈا پانی لاؤ اور کوئی کپڑا بھی۔" نسرین فورا" ہی پانی اور کپڑا لے کر آگئی تھی۔ کچھ دیر تک وہ اس کی پیشانی پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتا رہا، لیکن ٹمپریچر کم نہیں ہوا تھا اور ثمرین بے سدھ پڑی تھی۔ وہ خود ڈاکٹر تھا، لیکن اسے یہی مناسب لگا کہ وہ اسے فورا" اسپتال لے جائے۔

"بے بی کا خیال رکھنا نسرین میں ابھی زرینہ کو بھجوا دیتا ہوں۔" اس نے جانے سے پہلے نسرین کو ہدایت دی۔

"اسٹچز میں انفیکشن کی وجہ سے ٹمپریچر ہو گیا ہے اور شاید کچھ ٹھنڈ کا بھی اثر ہے۔" ڈاکٹر نے خیال ظاہر کیا اور ایمرجنسی سے کچھ دیر بعد اسے آئی سی یو میں منتقل کر دیا گیا تو ڈاکٹر احسن کو خیال آیا کہ وہ نسرین سے کہہ آئے تھے کہ زرینہ کو بھجوا دوں گا۔

"زرینہ ثمرین کی طبیعت خراب ہو گئی ہے اسے اسپتال میں ایڈمٹ کروانا پڑا ہے۔ نسرین بچی ہے وہ بے بی کو صحیح طرح سے سنبھال نہیں پائے گی۔ میں جانتا ہوں آپ کا اپنا بیٹا بھی بیمار ہے، لیکن بس تھوڑی دیر کے لیے شام تک ثمرین کی والدہ اور بہن آجائیں گی پھر آپ چلی جایئے گا۔"

"کوئی بات نہیں سر میرا بیٹا دادی کے پاس خوش رہے گا۔" اور بچے کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ پھر ثمرین کے پاس آکر بیٹھ گئے، لیکن یہ اطمینان زیادہ دیر تک نہ رہ سکا۔ کچھ ہی دیر بعد سسٹر ریٹا نے بتایا تھا کہ ان کا فون ہے دوسری طرف زرینہ تھی۔

"سر۔ بے بی گھر میں نہیں ہے۔ کہیں بھی نہیں۔"

"کیا مطلب تمہارا... کہاں گیا وہ۔"

"سر وہ کہیں نہیں ہے۔ گیسٹ روم میں، بیڈ روم میں، لاؤنج میں۔ کہیں بھی نہیں۔ نسرین کہہ رہی ہے رات کو وہ بیگم صاحبہ کے پاس بیڈ پر سو رہا تھا۔ نسرین نے خود وہاں ان کے پاس لٹایا تھا۔"

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی زرینہ آخر اس نے کہاں جانا ہے۔ وہ چل تو نہیں سکتا نا۔ ثمرین کی طبیعت بہت خراب تھی ہو سکتا ہے اس نے کہیں ادھر ادھر لٹا دیا۔"

"سر ہر جگہ دیکھ لیا ہے۔ وہ سر اس کا سامان بھی نہیں ہے۔ اس کی کیری کاٹ، باسکٹ، فیڈر۔"

"زرینہ آپ وہاں ہی رکیں میں آ رہا ہوں۔" اور احسن کو لگا جیسے اس کا دماغ خراب ہو جائے گا۔ وہ فون بند کر کے تقریباً دوڑتا ہوا آئی سی یو میں آیا تھا۔

"ثمرین... ثمرین..." اس نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔

"بے بی کہاں ہے؟" ثمرین نے ذرا دیر کو آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ دو تین بار ایسے ہی ہوا۔ وہ اس کے جھنجوڑنے پر آنکھیں کھولتی اور پھر بند کر دیتی وہ کچھ بڑبڑائی تھی کچھ کہا تھا اس نے، لیکن احسن کو سمجھ نہیں آیا۔ تب سسٹر ریٹا کو ہدایت دے کر وہ اسپتال سے باہر نکل آیا اور فل اسپیڈ پر گاڑی دوڑاتا گھر پہنچا۔ گاڑی سے اترتے ہی اس کی نظر ثمرین کی گاڑی پر پڑی اس کے ٹائروں پر کیچڑ لگا تھا اور باڈی پر بھی کیچڑ کے چھینٹے تھے۔ صبح اس نے دھیان نہیں دیا تھا۔ رات طوفانی بارش ہوئی تھی اور گاڑی یقیناً گھر سے باہر نکالی گئی تھی۔

"خان چاچا رات کو قاسم گاڑی لے کر باہر کسی کام سے گیا تھا۔"

"نہیں جی قاسم تو چھٹی پر ہے۔" خان بھی گاڑی کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"جب تیز بارش ہو رہی تھی تو مجھے ایک بار گیٹ کھلنے کی اور گاڑی کی آواز آئی تھی، میں چیک کرنے آیا تھا گاڑی کھڑی تھی اور..." خان بتا رہا تھا۔ احسن نے سر ہلا دیا۔

"لگتا ہے ٹھنڈ بھی لگ گئی ہے۔" ڈاکٹر کا خیال۔ تو کیا ثمرین باہر گئی تھی، لیکن کہاں۔

"کیا وہ بچے کو کہیں..." اور اس سے آگے سوچنے کے لیے ذہن تیار نہ تھا۔ وہ تیزی سے چلتا اندر گھر میں آیا۔ نسرین نے اسے وہی کچھ بتایا جو زرینہ بتا چکی تھی۔

وہ کچھ دیر صوفے کی پشت پر سر رکھے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ ثمرین اگر باہر گئی تھی تو کیوں اور وہ بچے کو کہاں چھوڑ آئی ہے۔ وہ بے چین ہو کر اٹھا۔ ایک بار پھر وہ اسپتال جا رہا تھا۔ تین دن تک وہ ہوش و بے ہوش کے درمیان رہی۔ اس کے اسٹچز میں انفیکشن ہو گئی تھی۔ بھیگے کپڑوں میں سو جانے کی وجہ سے اسے نمونیے کا اٹیک بھی ہو گیا تھا۔ اس کا ٹمپریچر کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا وہ ذرا دیر کو آنکھیں کھولتی تو احسن اس سے بچے کے متعلق پوچھتا تھا، لیکن پھر اس کی آنکھیں بند ہو جاتی تھیں۔ تین دن بعد اس کا ٹمپریچر کم ہوا تھا اور وہ بیڈ پر بیٹھی سیمن کے ہاتھ سے سوپ پی رہی تھی جب احسن کمرے میں آیا اس کا چہرہ ستا ہوا تھا آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ ان تین دنوں میں ایک رات بھی ٹھیک طرح سے سو نہیں سکا تھا۔

"ثمرین۔" وہ بولا تو ثمرین کو اس کی آواز اجنبی سی لگی۔

"میرا بیٹا کہاں ہے۔ کہاں چھوڑ آئی ہو اسے۔" ثمرین کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور ہونٹ لرزنے لگے۔

"بولو۔" اس نے بیڈ کے قریب آتے ہوئے اس کا بازو پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

"کسی گٹر میں کوڑے کے ڈرم میں۔"

"احسن بیٹا آہستہ بولو۔ اسپتال ہے یہ۔" ثمرین کی ممی نے ملتجی نظروں سے احسن کو دیکھا۔

"نہیں۔" ثمرین نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا نہیں منہ سے بولو۔"

"وہ... میں..." اور وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔
"کوئی بہانہ مت بنانا ثمرین۔ سچ صرف سچ سننا چاہتا ہوں میں۔"
"آپی پلیز کچھ تو بولیں۔ آپ نے بے بی کو کہاں..." سبین نے سہمی سہمی آواز میں پوچھا۔
"وہ بہت بد صورت تھا سبین۔ اس کے چہرے پر ماتھے پر اور رخساروں پر مسٹ تھیں۔" پلکیں لرز رہی تھیں اور ان کے کناروں پر آنسو اٹکے تھے۔
"تو تم نے اس کا گلہ گھونٹ دیا اور۔" احسن نے اس کی بات کاٹی۔
"نہیں... نہیں۔"
وہ تیزی سے نفی میں سر ہلانے لگی'
"بولو نا۔ چپ کیوں کر گئی ہو۔"
"میں نے ایک بار اس روڈ پر ایک عمارت پر یتیم خانے کا بورڈ لگا دیکھا تھا۔ میں اسے وہاں چھوڑنے گئی تھی۔"
"اچھا۔" احسن نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"زندہ باپ کو مار دیا تم نے۔"
"بہت بارش تھی۔ اندھیرا تھا۔ مجھے وہ عمارت نظر نہیں آئی اور مجھے ڈر بھی لگ رہا تھا۔ پھر واپس آتے ہوئے ایک جگہ روڈ پر میں نے گاڑی روکی۔ روڈ سے ادھر کوئی کالونی تھی میں اندر چلی گئی اور وہاں..." وہ خاموش ہو کر احسن کو دیکھنے لگی۔ احسن بے چینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سبین نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ ممی نے حوصلہ دیا۔
"ہاں ہاں بیٹا بولو۔"
"وہاں کالونی کے ایک گھر کے باہر والے برآمدے میں' میں نے اسے رکھ دیا۔" سبین اور ممی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
"تم نے... تم نے ثمرین اپنے بچے کو سردی اور بارش میں مرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ یقین نہیں آرہا مجھے۔ یقین نہیں آرہا۔ رات کے ایک بجے کتوں' بلیوں کی خوراک بننے کے لیے تم نے اپنے بچے کو..."
شدت غم سے احسن کی آواز پھٹ گئی اس نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ کر کھینچے۔ عجیب سی اذیت تھی جو رگ و پے میں اتر گئی تھی۔ ثمرین نے سر جھکا لیا۔
"ثمو تم نے یہ کیا کیا۔ کوئی یوں اپنے جگر کے ٹکڑے کو..." ممی نے تاسف سے سر ہلایا۔
"وہ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی تم صبر سے حوصلے سے اس آزمائش پر پورا اترتیں تو اللہ تمہاری جھولی بھر دیتا... احسن کہہ رہا ہے وہ ٹھیک ہو جاتا۔ مسٹ کو آپریٹ کر کے ریموو کر دیا جاتا... اور کٹے ہوئے اعضا کی گرافٹنگ ہو جاتی ہے۔"
"آزمائش یا سزا۔" اس نے یک دم سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔
"وہ سزا تھا ممی مسلسل سزا تھا۔ میرے کسی ناکردہ گناہ کی ہمیں نے اس کا کتنا انتظار کیا تھا۔ کتنے خواب دیکھے تھے اس کے لیے لیکن..."
"اٹھو۔" احسن نے جیسے غم کی شدت پر قابو پایا تھا۔
"چلو میرے ساتھ بتاؤ کہاں' کس جگہ چھوڑا تھا۔ کیا خبر اللہ کا کوئی نیک بندہ اس پہر جاگ گیا ہو اور اس کے رونے کی آواز سن کر اسے اٹھا لیا ہو۔" احسن اسے بازو سے پکڑے پکڑے باہر کی طرف جا رہا تھا۔ وہ تقریباً" گھسٹتی ہوئی اس کے ساتھ جا رہی تھی۔ اس کی ممی اٹھی تھیں شاید وہ بھی ساتھ ہی جانا چاہتی تھیں' لیکن احسن باہر نکل گیا تھا۔ وہ پھر بیٹھ گئیں سو سبین نے آنسو بھری آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا۔
"آپی نے ایسا کیوں کیا امی۔"
"کبھی کبھی کسی کیوں کا جواب ہمارے پاس نہیں ہوتا بس کبھی کوئی ایک غلط کام سارے راستے کھوٹے کر دیتا ہے۔ دعا کرو وہ مل جائے۔ ورنہ... ورنہ پتا نہیں کیا ہو گا۔" آنسو ان کے رخساروں پر پھسل گئے اور

انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

''بیٹھو۔'' احسن نے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ اور گاڑی چلادی۔

''ادھر مڑ کر پھر آگے سیدھا جانا ہے۔'' وہ اسے گائیڈ کر رہی تھی اور احسن مسلسل بول رہا تھا اور اس کا ہر جملہ ثمرین کو کسی خنجر کی طرح کاٹتا جا رہا تھا۔

''تو تمہیں وہ بد صورت لگا ثمرین بیگم۔ تم نے اسے دیکھا ہی کب تھا۔ تم دیکھتیں تو تمہیں پتا چلتا وہ کتنا خوب صورت تھا۔ اس کی آنکھیں کتنی خوب صورت تھیں۔ براؤن براؤن سنہری سی اور اس کی پلکیں کتنی گھنی تھیں پیچھے مڑی ہوئی۔ میں نے کسی نومولود بچے کی ایسی پلکیں نہیں دیکھیں کبھی۔ بالکل تمہاری پلکوں جیسی، لیکن تمہیں صرف اس کی پیشانی اور رخسار پر سسٹ نظر آئیں۔ تم نے اس کا کٹا ہوا ہونٹ دیکھا اس کی ناک کا سوراخ نظر آیا تمہیں۔ اور تم نے کہا وہ بد صورت ہے۔

بد صورت تو تم ہو۔ تمہارا دل، تمہاری روح، تمہارا من سب بد صورت ہیں۔ تف ہے تم پر ثمرین۔ میں نے تم سے محبت کی۔ میں نے تمہیں چاہا۔ مجھے اپنے آپ سے نفرت ہو رہی ہے۔''

وہ بول رہا تھا۔ غصے سے، نفرت سے، ناراضی سے اور ثمرین ہاتھ گود میں دھرے ونڈ اسکرین سے باہر دیکھ رہی تھی۔

''وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ نہیں بلکہ عشق کیا ہے اس نے..... میں نے غلط کیا، لیکن وہ مجھے معاف کردے گا ابھی غصے میں ہے کچھ بھی کہہ سکتا ہے، لیکن ہمیشہ ناراض نہیں رہ سکتا، میں اسے اب زیادہ انتظار نہیں کرواؤں گی اور فوراً ''ہی دوسرا بچہ.....'' اب وہ یوٹرن سے کالونی کی طرف آرہے تھے۔

''روکو..... روکو یہاں۔'' ایک جگہ اس نے گاڑی رکوائی۔ نیچے اتر کر اس نے کالونی کے گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''میں یہاں سے اندر گئی تھی اور اندر داخل ہوتے ہی بائیں طرف پہلے گھر کے برآمدے میں.....'' اس نے بات نامکمل چھوڑ دی تھی۔

''تمہیں یقین ہے۔''

''ہاں پورا یقین ہے۔ یہی برآمدہ تھا۔'' اور احسن نے چند قدم آگے بڑھ کر چھوٹے سے گیٹ پر ہاتھ رکھا۔ اسے لگا جیسے اس کا دل دگنی رفتار سے دھڑک رہا ہو۔

✡ ✡ ✡

''مینو کیا تم ناراض ہو مجھ سے۔'' موحد کو امل کی خاموشی سے الجھن ہو رہی تھی۔ امل نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ اس سے ذرا فاصلے پر اسی بینچ پر بیٹھی سامنے دیکھ رہی تھی۔ صبح صبح اس نے امل کو جاگنگ کے لیے پارک میں جاتے دیکھا تھا آج اس کی کلاسز نہیں تھیں اور وہ صرف امل کو دیکھنے کے لیے باہر نکلا تھا۔ پہلی ملاقات کو ایک ماہ چار دن گزر گئے تھے اور اس ایک ماہ چار دن میں اس کی امل سے روز ہی ملاقات ہوتی رہی تھی۔ سوائے ان آخری چار دنوں کے.... صبح جب وہ یونیورسٹی کے لیے نکل رہا ہوتا تو اکثر گیٹ پر امل سے ہیلو ہائے ہو جاتی یونیورسٹی یہاں سے بیس منٹ کی ڈاک پر تھی۔ کبھی وہ گھر چلی آتی۔ کوئی نہ کوئی چیز لے کر۔

''یہ بریانی بنائی تھی لے لو.....''

''یہ آج کڑاہی تیار کی ہے چکھو تو کیسی ہے۔'' سعد آگیا تھا اور اس کے لائے کھانے بہت شوق سے کھاتا تھا اور بہت خوش تھا۔

''یار اس کے کھانوں سے پاکستان کی خوشبو آتی ہے۔'' حالانکہ یہاں پاکستان، ہندوستان ہر طرح کے کھانے مل جاتے تھے۔ حلیم سے لے کر دہی بھلے تک، لیکن سعد کی اپنی ہی منطق تھی۔

وہ دونوں اپنے پراجیکٹ میں بزی ہو گئے تھے۔ ایک دو بلکہ تین بار دونوں نے اس کے گھر ڈنر بھی کیا تھا۔ شفیق صاحب اپنے نام کی طرح ہی مہربان اور شفیق تھے۔ اور انہوں نے انہیں ہر طرح کی مدد کی آفر بھی کی تھی کسی مسئلے کی صورت میں۔ اور یہ کل صبح

کی بات تھی جب ناشتا کرتے کرتے سعد نے کہا تھا۔
"یار وہ تمہاری دوست نے کئی دنوں سے چکر نہیں لگایا۔"
"اوہ ہاں۔" وہ اپنے پراجیکٹ کے سلسلے میں اتنا بزی تھا کہ اس نے دھیان نہیں دیا کہ امل تین چار دن سے نظر ہی نہیں آرہی۔
"شاید اپنی پڑھائی میں بزی ہوگی یا کہیں گئی ہوئی ہوگی۔"
"کیسے دوست ہو تم خبر تو لو کہیں بیمار شیمار نہ ہو۔"
"تمہیں کیوں بے چینی ہو رہی ہے۔" اسے سعد کا تجسس اچھا نہیں لگا تھا۔
"یار چار دنوں سے کوئی اچھی چیز کھانے کو نہیں ملی۔" اس نے اتنی مسکینیت سے کہا تھا کہ موحد کو ہنسی آگئی۔
"اس روز کتنے مزے کے آلو کے پراٹھے بھیجے تھے اس نے کہہ رہی تھی کسی روز قیمے والے پراٹھے بھی کھلاؤں گی۔"
سعد نے اپنے سامنے پڑے ادھ جلے ٹوسٹ کو دیکھا تھا ان کا ٹوسٹر خراب تھا اور موحد تین دن سے فرائی پین میں سلائس سینک رہا تھا اور موحد نے سوچا تھا ہاں واقعی کہیں بیمار نہ ہو اور پھر اس نے تین چار چکر لان کے بھی لگائے تھے اور اچک کر باڑہ کے اس طرف بھی دیکھا تھا، لیکن ان کا لان ویران پڑا تھا، لیکن پھر کچھ دیر بعد اسے شفیق صاحب اپنے گیٹ سے نکلتے نظر آگئے تو سلام کر کے اس نے فوراً" امل کا پوچھا تھا۔
"امل کیسی ہے انکل۔ تین چار دن سے نظر نہیں آرہی۔"
"ہاں ٹھیک ہے۔" شفیق صاحب نے نرمی سے کہا تھا۔
"آج کل ذرا پڑھائی کی طرف دھیان دے رہی ہے۔"
"تم نے تو کچھ نہیں کہا امل کو۔" کچھ دیر بعد وہ اندر آکر سعد سے پوچھ رہا تھا۔ سعد نے لیپ ٹاپ سے نظر ہٹا کر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔
"میں نے بھلا کیا کہنا تھا مجھے تو وہ بالکل اپنی چھوٹی بہن کومل کی طرح لگتی ہے اور ہم پاکستانی اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی عزت کے لیے جان دیتے ہوئے بھی نہیں جھجکتے۔" پتا نہیں سعد نے کیا سمجھا تھا۔
"سوری یار۔" وہ شرمندہ ہوا تھا۔
"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں تو سوچ رہا ہوں کہ کہیں ہماری کوئی بات اسے بری تو نہیں لگ گئی۔ ورنہ وہ....." سعد نے لحہ بھر بغور اسے دیکھا۔
"اگر وہ ناراض بھی ہے تو تمہاری کسی بات سے ناراض ہوئی ہوگی تم سوچو تم نے ایسی کیا بات کی ہے۔"
اور وہ زندگی میں پہلی بار ماما بابا کے علاوہ کسی اور کے متعلق سوچ رہا تھا۔ بے حد سوچنے کے باوجود بھی اسے کوئی ایسی بات سمجھ نہ آئی جس پر وہ ناراض ہو سکتی تھی۔ اسے لگا جیسے اس کا ناراض ہونا اس کے لیے بہت اہم ہو وہ سکون سے پڑھ بھی نہیں پا رہا تھا۔ کتنی بار اس نے سوچا کہ وہ اس کے گھر چلا جائے اور پوچھ لے کہ وہ کہاں غائب ہے، اتنے دنوں سے۔ لیکن پھر اسے مناسب لگا اور اس نے سوچا کہ وہ صبح پارک میں جائے گا۔ امل ہر روز واک کے لیے پارک جاتی تھی۔ تو وہاں پوچھ لے گا کہ وہ آج کل نظر کیوں نہیں آرہی سو جب اس نے اسے پارک میں جاتے دیکھا تو خود ہی پارک میں آگیا تھا بینچ پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا تھا۔ اس روز کے بعد وہ آج پارک میں آیا تھا اور جب وہ دوڑتے دوڑتے رکی تھی تو اس نے پکار لیا تھا۔
"ہے..... امل کہاں غائب ہو۔" وہ ٹشو سے پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے بینچ پر آکر بیٹھ گئی تھی۔
"کہیں نہیں۔" موحد کو اس سے پہلے وہ کبھی اتنی سنجیدہ نہیں لگی تھی۔ تب ہی اس نے پوچھ لیا تھا۔
"ناراض ہو۔"
اب اس نے موحد کی طرف دیکھا تھا۔
"مجھے دکھ اور افسوس تم پر ہے موحد۔" اب وہ پوری کی پوری اس کی طرف مڑ گئی تھی۔ "تم نے مجھے کیسی لڑکی سمجھا تھا موحد عثمان" اس کی سبز آنکھوں

میں موحد کو نمی سی نظر آئی تھی اور وہ بے چین ہو گیا تھا۔

"اہل پلیز مجھے تمہاری بات سمجھ نہیں آئی۔ میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں۔ میں نے کوئی ایسی بات کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو۔ کم از کم مجھے ایسی کوئی بات یاد نہیں جو تمہارے لیے باعث تکلیف ہو۔" اہل لمحہ بھر اس کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ اس کی بات پر پریشان ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ اور اس کی آنکھیں اس کا پردہ نہیں رکھتی تھیں۔

"تم نے مجھے غلط نمبر دیا تھا نا۔ تم نے سمجھا ہو گا میں کوئی ایسی ویسی لڑکی ہوں۔ ہیں نا۔"

"نہیں ہرگز نہیں۔" وہ تیزی سے بولا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا تھا۔ بس میں نے یوں ہی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ ہم کبھی دوبارہ ملیں گے۔" وہ اپنی بات کی صحیح طرح وضاحت نہیں کر پا رہا تھا اور یہ بھی چاہتا تھا کہ اہل اس کی بات سمجھ لے۔

"اور اللہ نے ہمیں دوبارہ ملا دیا۔" اس کی سبز آنکھوں میں اب ناراضی کے بجائے چمک تھی۔

"اہل یقین کرو اس روز اپنے کمرے میں جا کر بیڈ پر لیٹ کر سونے سے پہلے جتنی بار میں نے تمہیں سوچا اچھا سوچا۔ اور سچی بات ہے مجھے افسوس بھی ہوا کہ میں نے تمہیں غلط نمبر کیوں دیا لیکن میں۔۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اب مسکرا رہی تھی اور موحد عثمان کو لگا جیسے اس کی ساری بے چینی اور اضطراب اسے مسکراتے دیکھ کر ختم ہو گیا ہو۔

"چلو چھوڑو۔ تم نے بھی شاید صحیح کہا تھا۔ میں تمہارے لیے اجنبی جو تھی۔ اور۔۔۔۔" اس نے نچلے ہونٹ کا دایاں کونا دبا کر موحد کی طرف دیکھا۔

"تم نے سوچا ہو گا۔ بھلا ایک اجنبی لڑکی کو تمہاری مام سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ ضرور اس کے پیچھے کوئی مقصد ہو گا۔"

"نہیں بالکل بھی نہیں میں نے ایسا بالکل بھی نہیں سوچا تھا۔" موحد نے جلدی سے کہا۔

"یقین کرو میں نے ایک بار بھی تمہارے متعلق غلط نہیں سوچا، کوئی بھی تمہارے متعلق غلط نہیں سوچ سکتا۔" وہ مسکرایا۔

"تھینک یو۔" وہ مسکرائی اور موحد کو لگا جیسے آس پاس ارد گرد ہر جگہ روشنی سی ہو گئی ہو۔ آج موسم میں خوشگوار سی حدت تھی اور پارک میں معمول سے کچھ زیادہ لوگ تھے۔

"سنو اہل! میں اس ویک اینڈ پر برمنگھم جا رہا ہوں ماما کو دیکھنے۔ تم چلو گی میرے ساتھ۔ ماما مجھے دیکھتی نہیں ہیں۔ مجھ سے بات نہیں کرتی ہیں۔ لیکن مجھے لگتا ہے جیسے وہ میری آمد کو محسوس کرتی ہیں۔ میں ہر پندرہ دن بعد ماما کو دیکھنے جاتا تھا۔ لیکن اس بار ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا ہے۔ پتا نہیں کیوں کل سے مجھے لگ رہا ہے جیسے ماما اداس ہوں گی وہ میری منتظر ہوں گی۔ میرے لیے بے چین ہوں گی۔ میں ان کے پاس گھنٹوں بیٹھا رہتا ہوں ان کی پلک تک جنبش نہیں کرتی۔ میں پھر بھی ان سے باتیں کرتا رہتا ہوں مجھے لگتا ہے جیسے ان کے ساکت وجود سے خوشی پھوٹ رہی ہو۔ اور اب۔۔۔۔" اس کی آنکھوں میں نمی سی پھیل گئی اور وہ مسکرایا۔

"تو تم چل رہی ہو نا میرے ساتھ۔"

"پاپا شاید مجھے اس کی اجازت نہ دیں۔ میرا مطلب ہے یوں اکیلے تمہارے ساتھ دوسرے شہر جانے کی۔" موحد کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔

"اب منہ مت بنانا موحد۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میرے پاپا تمہیں کوئی غلط شخص سمجھتے ہیں۔ پاپا تمہیں بہت پسند کرتے ہیں۔ اور مجھے تو تم پہلے دن ہی اچھے لگے تھے۔" موحد جھینپ گیا۔ وہ بڑے آرام سے اپنے احساسات کا اظہار کر جاتی تھی۔

"بس ہر گھر کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ میرے پاپا یہاں رہ کر کافی لبرل ہو گئے ہیں لیکن مجھے پتا ہے وہ اس طرح کسی دوسرے شہر میں جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ دراصل ادھر پاکستان میں ہماری فیملی میں اس

طرح کا کوئی تصور نہیں ہے۔"
"اوکے۔" موحد مسکرایا۔
"تمہیں اتنی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی امل۔ میں تمہارے لیے کہہ رہا تھا کہ تمہیں ماما سے ملنے کا اشتیاق تھا۔"
"ہاں وہ تو ہے۔ میں جب کبھی پاپا کے ساتھ برمنگھم گئی تو تمہاری ماما سے ملنے ضرور جاؤں گی۔ تمہاری ماما جب صحت مند تھیں تو تم سے بہت محبت کرتی ہوں گی۔ بہت خیال رکھتی ہوں گی تمہارا۔"
"ہاں۔" اس نے سر ہلایا۔
"مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں موحد بہت محبت کرنے والی بہت خیال رکھنے والی۔ میری ماما ہوتیں تو وہ بھی میرا ایسا ہی خیال رکھتیں۔ ایسی ہی محبت کرتیں مجھ سے۔ میرے پاپا کہتے ہیں ماؤں کی اپنے بچوں سے محبت دیکھ کر محبت خداوندی کا عرفان ہوتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک تھی۔
پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
"مجھے یونیورسٹی جانا ہے اور تم۔"
"میرا آج آف ہے۔"
"تو مزے کرو۔" وہ بھی کھڑا ہو گیا۔
"پروجیکٹ ملا ہوا ہے۔ پہلے ہم نے مل کر ایک پراجیکٹ کیا۔ سعد میں اور ولیم نے۔ اب Individual (انفرادی) کرنا ہے تو بہت کام کرنا پڑے گا۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پارک سے نکلے۔
"ہاں وہ تمہارا گم شدہ کزن ملا۔" موحد کو اچانک خیال آیا۔
"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"شامی نے بتایا ہے اس کے ڈیڈی بھی آگئے ہیں اور ڈھونڈ رہے ہیں عفان کو۔ ضرور اسے کسی بھکاریوں کے گروپ نے پکڑ لیا ہو گا۔ مامی کی حالت بہت خراب ہے اور میں یہاں ہوں۔ شامی بے چارہ بھی اکیلا کیا کرے۔ اوپر سے میڈم نیلوفر بھی ہر روز آدھمکتی ہیں۔ عفان کا پتا کرنے کے بہانے۔"
"ہشام تمہیں ہر بات بتاتا ہے۔" موحد نے چلتے چلتے اس کی طرف دیکھا۔
"ہاں وہ ان دنوں تو تقریباً" روز ہی بات کرتا ہے۔ آخر دل کی بات کس سے کرے۔ ہم دونوں دراصل بہت اچھے دوست بھی ہیں۔ صرف کزن نہیں ہیں۔"
اور موحد کو اپنے دل پر نامعلوم سا اداسی کا غبار پھیلتا محسوس ہوا۔
"اور تم ہر وقت پاکستان کی تعریف کرتی ہو۔ جہاں ایک معذور بچے کو بھکاری پکڑ لیتے ہیں۔ پتا ہے یہاں اس طرح کا کوئی بچہ گھر سے نکل جائے تو جیسے بھی ملے وہ فوراً" پولیس کو خبر کرتا ہے نہ کہ اسے بھکاری بنانے کے لیے لے جاتا ہے۔" اس کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔ وہ چلتے چلتے رک گئی۔
"پاکستان تو پاکستان ہے اور جرائم کہاں نہیں ہوتے۔" اس نے کندھے اچکائے۔
"یہاں بھی ہوں گے لیکن اگر کوئی ہمارا اپنا کسی برائی میں مبتلا ہو جائے تو کیا ہم اسے ڈس اون کر سکتے ہیں۔ محبت کرنا چھوڑ سکتے ہیں نہیں نا۔ تو میں بھی پاکستان سے محبت کرنا نہیں چھوڑ سکتی۔ نہ اسے ڈس اون کر سکتی ہوں۔" اب وہ گیٹ کے پاس پہنچ چکے تھے۔
"سنو.... آج رات ڈنر ہماری طرف کرنا۔ میں نے قیمہ کریلے اور ساتھ میں کھیر بنائی ہے۔ پاپا کو بہت پسند ہے۔ دادی نے بہت سارے کریلے تل کر دیے تھے دیسی کریلے۔ میں نے یہاں آکر فریز کر دیے تھے۔"
"تھینک یو۔"
"ویلکم۔" وہ اسے خدا حافظ کہہ کر اپنے گیٹ میں داخل ہو گئی۔ وہ کچھ دیر یوں ہی کھڑا رہا۔ سعد اس ڈنر کی دعوت کا سن کر یقیناً" بہت خوش ہو گا۔ وہ مسکرا دیا۔
اور سعد خوش ہی نہیں ہوا تھا اچھل پڑا تھا۔
"آج کے دن کی یہ سب سے اچھی خبر ہے۔" وہ کچن میں سے ناشتا بناتے بناتے باہر آیا تھا اور پھر واپس کچن میں جاتے ہوئے پوچھا۔
"ویسے محترمہ کہاں غائب تھیں۔"
"مصروف تھی کچھ۔" موحد نے اس کی ناراضی کا

بتانا مناسب نہیں سمجھا۔

"یار ایک بات تو بتاؤ۔"

"ہاں پوچھو۔" وہ اس کے پیچھے ہی کچن میں آیا تھا۔

"تم اسے پسند کرنے لگے ہو۔" اس نے انڈا توڑ کر فرائی پین میں ڈالا۔

"کیا مطلب؟"

وہ کچن ٹیبل کے کنارے پر ٹک گیا۔

"مطلب یہ کہ تم اس سے محبت کرنے لگے ہو۔" سعد نے پلیٹ میں انڈا نکالتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا وہ سٹپٹایا۔

"محبت.... فضول باتیں نہ کرو سعد۔ میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا۔"

"کیا محبت کرنے سے پہلے سوچنا پڑتا ہے یار۔ یہ تو خود بخود ہو جاتی ہے میری جان اور تمہیں بھی اگر نہیں ہوئی تو ہو جائے گی.... بلکہ محبت نے اپنے قدم تمہارے دل کی سرزمین پر رکھ دیے ہیں لیکن ابھی تم اس کی آہٹ محسوس نہیں کر رہے ہو۔ لیکن ایک دن تم اس کی دھمک محسوس کرو گے۔"

"اچھا شاعری مت کرو۔" موحد نے بازو سے پکڑ کر اسے ہٹایا۔

"سلائس میں بناؤں کل بھی تم نے جلا دیے تھے۔"

"جو حکم جناب کا۔" سعد نے چولہے کے پاس سے ہٹتے ہوئے ہلکا سا سر خم کیا۔

"لیکن اگر تمہیں کبھی لگے کہ تمہیں امل شفیق سے محبت ہو گئی ہے تو سب سے پہلے مجھے بتانا۔ مجھے خوشی ہوگی۔ کیونکہ امل بہت اچھی لڑکی ہے وہ تمہارے ساتھ سوٹ کرے گی وہ بہت Pure ہے بہت خالص۔"

"ہاں جیسے اسے تو مجھ سے ہی محبت ہو جائے گی نا' پاکستان میں اس کا ایک کزن بھی ہے اور بہت انڈر اسٹینڈنگ ہے ان میں۔" بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا اور بات کر کے وہ خود بھی حیران ہوا تھا۔

"کیا تم اس کے ان دیکھے کزن سے جیلس ہو رہے ہو۔" سعد نے تلے ہوئے انڈے ٹرے میں رکھے اور فریج سے مکھن نکالا۔

"جیلس، ہرگز نہیں۔" وہ بھنایا۔

"مجھے بھلا جیلس ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے تمہارے بات کا جواب دیا تھا۔"

"لیکن مجھے تھوڑی تھوڑی جلنے کی بو آ رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ آگ اندر کہیں لگ چکی ہے اور محبت نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔" سعد اپنی بات مکمل کر کے رکا نہیں تھا اور ٹرے اٹھا کر کچن سے باہر لاؤنج میں موجود ڈائننگ ٹیبل پر رکھ رہا تھا۔ اور موحد مڑ کر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ سعد بھی۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ماہ چار دن کی ملاقات میں مجھے کسی سے محبت ہو جائے اور میرا خیال ہے کہ میں ابھی اتنا میچور نہیں ہوں کہ محبت کا بوجھ اٹھا سکوں۔ مجھے ابھی اپنی ایجوکیشن مکمل کرنی ہے۔ پھر تعلیم کے بعد سوچوں گا کہ....."

"ارے جلا دیے۔" سعد پھر دروازے پر کھڑا تھا۔

"اوہ۔" وہ تیزی سے مڑا لیکن سلائس جل چکا تھا۔

"ہٹو یار۔ تم باہر جا کر بیٹھو اور آرام سے سوچو۔ میں ڈبل روٹی سینک کر لاتا ہوں۔ کیونکہ انڈے ٹھنڈے ہو رہے ہیں اور مجھے لائبریری بھی جانا ہے۔"

"وہ صرف ایک اچھی دوست ہے اور تم ایسے ہی فضول اندازے مت لگایا کرو۔" وہ فرائی پین سلیب پر رکھ کر ہٹ گیا۔ سعد نے صرف ایک شرارتی سی نظر اس پر ڈالی۔ اور ڈبل روٹی اٹھالی۔ وہ لاؤنج میں ٹیبل پر آکر بیٹھ گیا۔ پھر سعد نے واقعی کوئی بات نہیں کی حتیٰ ناشتا کر کے وہ لائبریری چلا گیا لیکن موحد کا دل کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ کئی بار اس نے لیپ ٹاپ کھولا اور پھر بند کر دیا قلم اٹھا کر کچھ نوٹس بنانے چاہے لیکن موڈ نہیں بنا۔ اور اپنے کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے اس نے کوئی پچاس بار خود کو یقین دلایا کہ یہ محبت وغیرہ صرف افسانوی بات۔ در حقیقت صرف صنف مخالف کی کشش۔ اور یہ امل صرف ایک اچھی دوست ہے۔ بقول سعد کے بالکل خالص۔

دوسری لڑکیوں سے جن سے اب تک وہ ملا تھا۔ مختلف ہے۔ اس لیے وہ اس سے بات کرلیتا ہے اور اسے اس کی ناراضی کی پروا بھی ورنہ آج تک وہ کبھی کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کسی کو امل کی طرح اہمیت دی تھی۔ حالانکہ اسکول اور کالج لائف میں بھی لارا جین اور کورا نے اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

اور پچاسویں بار خود کو یقین دلا کر اس نے اپنا والٹ اٹھایا اور گیٹ لاک کرکے باہر نکل آیا۔ اس نے سینز بری (Sains Burry) جانا تھا۔ اپنے لیے کچھ شاپنگ کرنا تھی۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ اسے اپنے لیے خود شاپنگ کرنا پڑی ہو۔ ہمیشہ جب بابا بولٹن آتے یا وہ برمنگھم جاتا تو بابا اس کی شاپنگ کرتے تھے۔ وہ بابا پر بہت ٹرسٹ کرتا تھا اسے خود پر یقین نہیں تھا کہ وہ اچھی اور صحیح چیز کا انتخاب کرسکے گا۔ اور زندگی کے ساتھی کے متعلق بھی اس کا خیال تھا کہ وہ جس لڑکی کو اپنے لیے منتخب کرے گا بابا کی مرضی اور رائے اس میں شامل ہوگی۔ برمنگھم جاؤں گا تو بابا کو ضرور امل کے متعلق بتاؤں گا۔ وہ ایک بار پھر غیر ارادی طور پر امل کے متعلق سوچنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہشام نے لاؤنج میں قدم رکھا تو وہاں میڈم نیلوفر کو دیکھ کر اسے انتہائی کوفت ہوئی تھی وہ لاؤنج میں ماما کی ساتھ بیٹھی تھیں۔ جب سے وہ اور ڈیڈی مری سے واپس آئے تھے۔ یہ کوئی چوتھی بار تھا جب وہ ان کے گھر آئی تھی۔ اسے ان کا اپنے گھر آنا قطعی پسند نہ تھا۔ اور یہ بات وہ کتنی ہی بار ڈیڈی کو بتاچکا تھا لیکن اس بار ڈیڈی نے اسے یہ کہہ کر خاموش کروادیا تھا کہ وہ اس کی ماما کی دلجوئی کے لیے آئی ہے۔ رہنے کے لیے نہیں پھر میں اسے کیسے منع کرسکتا ہوں۔ عفان ابھی تک نہیں ملا تھا۔ اس نے آس پاس لوگوں سے پوچھا تھا کسی نے عفان کو نہیں دیکھا تھا۔ ایک ٹھیلے والے نے بتایا تھا کہ اس نے اس طرح کے لڑکے کو دائیں طرف والی سڑک پر جاتے دیکھا تھا۔ وہ ٹھیلے والا سبزی بیچتا تھا اور مختلف جگہوں پر گھومتا رہتا تھا۔ کم از کم ٹھیلے والے کے بتانے سے ہشام کو یہ یقین تو ہوگیا تھا کہ ڈیڈی اسے لے کر نہیں گئے تھے۔ ڈیڈی کے ساتھ اس نے تقریباً" آس پاس کی سب جگہیں دیکھ ڈالی تھیں۔ جگہ جگہ رک کر لوگوں سے پوچھا تھا لیکن کہیں کسی سے کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ کسی نے انہیں گجرات جانے کا مشورہ دیا تھا۔ وہاں درگاہ پر جاکر دیکھیں کیا خبر کسی نے وہاں پہنچا دیا ہو۔ درگاہ پر اس طرح کے بچے ہوتے ہیں۔ اور جھوٹ کے انبار میں سے سچ کو تلاشنا بہت مشکل کام تھا۔ وہ بے حد مایوس اور دلگرفتہ سا گجرات سے واپس آیا تھا۔ ایئرپورٹ سے وہ ٹیکسی کرکے آئے تھے۔ عبدالرحمٰن ملک نے اسے گیٹ کے پاس اتارا تھا۔ ان کی گاڑی نیلوفر کے اپارٹمنٹ کی پارکنگ میں تھی اور ہشام کا ڈرائیور گاؤں گیا ہوا تھا۔

"میں کل آؤں گا.... اس وقت بہت تھکا ہوا ہوں اور تمہاری ماما کا رونا برداشت نہیں کرسکتا۔" انہوں نے ٹیکسی والے کو کلفٹن چلنے کے لیے کہا تھا۔ یعنی ڈیڈی میڈم نیلوفر کے پاس جارہے ہیں۔ پہلے جب وہ نیلوفر کے فلیٹ میں ہوتے تو وہ بہت کڑھتا تھا لیکن اب کچھ عرصہ سے اس نے کڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ ماما نے کبھی ان سے بازپرس نہیں کی تھی۔ کبھی احتجاج نہیں کیا تھا تو وہ کیوں احتجاج کرتا۔ لیکن وہ نیلوفر کو قبول بھی نہیں کرپارہا تھا۔ اس وقت بھی وہ ماما کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گیا تھا۔ نیلوفر ان کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھی۔ ماما ملجگے سے کپڑوں میں تھیں۔ کل جب وہ گھر سے نکل رہا تھا تب بھی انہوں نے یہ ہی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ بال الجھے ہوئے تھے۔ چہرہ ستا ہوا اور پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ شاید کچھ دیر پہلے وہ روئی تھیں۔ انہوں نے یک دم اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ہشام کچھ پتا چلا میرے عفو کا؟" وہ بے تابی سے اس کی طرف بڑھیں۔ وہ خود اندر سے کتنا ٹوٹ رہا تھا اور کتنا مایوس ہو رہا تھا یہ وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایک بار بھی اس نے ماما کے سامنے حوصلہ نہیں ہارا۔

حالانکہ آج اسے یقین ہو گیا تھا کہ عفان نہیں ملے گا لیکن وہ انہیں تسلی دینے کی خاطر بولا۔

"وہ ملے گا مجھے یقین ہے وہ ضرور ملے گا۔ آپ کی دعائیں بے اثر نہیں جائیں گی۔"

اس نے ایک بار بھی نیلوفر کی طرف نہیں دیکھا تھا جبکہ نیلوفر کی نظریں مسلسل اس پر تھیں۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ اگر ہشام اور روبی کی شادی ہو جائے تو پھر تو عبدالرحمٰن ملک کا سب کچھ ہمارا۔ روبی اس کے بھائی مسعود کی بیٹی تھی۔ گھر جا کر اماں کو کہتی ہوں کہ روبی کو کچھ دنوں کے لیے بھجوا دے میرے پاس۔ ایک یہ اماں اور سودا، خود تو مہینے میں بیس دن میرے گھر پر ہی ہوتے ہیں لیکن روبی کو چھوڑ آتے ہیں گھر پر..... تب ہی عجو نے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر قدم رکھا۔

"ممّوں.... ہاں۔ ایں۔" وہ کچھ کہہ رہی تھی۔ اور ہشام کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک سی آئی تھی۔

"عجو۔" ماما ایک دم اٹھی تھیں۔

"کیا ہوا۔" عجو نے پیچھے مڑ کر کمرے کی طرف اشارہ کیا تو وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھیں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کمرے کی طرف لے گئیں۔ ہشام نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا۔ اور آنکھیں موند لیں ایک دم بے تحاشا تھکن اس کے اندر اتر آئی۔ نیلوفر جو بے حد دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اٹھ کر اس کے قریب آئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ہشام نے یک دم کندھے سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"تم اتنے پریشان کیوں ہو۔ مجھے تمہاری پریشانی سے تکلیف ہوتی ہے۔ اور تمہاری ماں کی بے وقوفی پر ہنسی آتی ہے۔ وہ ایک ابنارمل بچہ تھا۔ شکر کرو خود ہی تمہاری زندگی سے نکل گیا۔ ان بچوں کے ہوتے ہوئے بھلا کون تم سے شادی کرے گا۔ میں تو کہتی ہوں عجو کو بھی چھوڑ آؤ۔ کسی ادارے میں ٹنٹا ہی ختم۔ آرام سے اپنی زندگی جیو۔ یہ بچپن میں ہی بڑھاپا کیوں اوڑھ لیا ہے تم نے اور تمہاری بے وقوف ماں بجائے اللہ کا شکر ادا کرنے کے کہ مصیبت سے جان چھوٹی، رولا (شور) ڈال کر بیٹھی ہوئی ہے۔" ہشام ایک سکتے کی سی کیفیت میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"سمجھاؤ اپنے ماں کو خواہ مخواہ تمہاری اور عبدالرحمٰن کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے اور خود بھی بے وقوف....."

"شٹ اپ۔" وہ جیسے کسی خواب سے جاگا تھا۔ ایک لفظ بھی اور نہیں میری ماما کے متعلق ایک لفظ بھی مت کہیے گا۔ اور آپ تو میری ماما کے قدموں کی خاک برابر بھی نہیں ہیں۔ آپ کیا جانیں میری ماما کا رتبہ اور مقام۔"

"ارے واہ۔" اس نے ہاتھ نچائے۔

"ایک تو ہمدردی کرو اوپر سے باتیں بھی سنو۔"

"نہیں ضرورت ہمیں آپ کی ہمدردی کی۔" اس کی آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ ایک لمحہ بھی اسے اپنے سامنے کھڑا نہ رہنے دیتا۔

"لو ایک تو ہمارا ہنی مون خراب کیا اوپر سے بات بھی نہ کریں۔"

"ہنی مون۔" شدید غصے کے باوجود ہشام کو ہنسی آ گئی۔ "شادی کے سات ماہ بعد ہنی مون منانے گئی تھیں آپ مری۔"

"تو وہ تمہارا باپ جب لے جاتا تب ہی جانا تھا۔" اس کا انداز گفتگو ایسا ہی تھا وہ سخت بدمزا ہوا۔ "لیکن انجوائے خاک کرتے ہم۔ تمہارا رونا پیٹنا شروع ہو گیا عفان چلا گیا۔ عفان گم ہو گیا۔ ماما کی حالت ٹھیک نہیں۔" وہ کندھے اچکا اچکا کر نقل اتار رہی تھی۔

"جی بھر کے باتیں بھی نہیں کر سکے ہم دونوں۔"

"تو جائیں نا اب جا کر باتیں کر لیں جی بھر کے انتظار میں بیٹھے ہوں گے۔ ہماری جان چھوڑیں۔"

"کیا..... کیا کہہ رہے ہو عبدالرحمٰن کہاں ہے۔"

"کلفٹن گئے تھے۔"

"اوہ۔ ہو تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ وہاں اماں اور سودا (مسعود) پتا نہیں..... ارے بڑے لالچی ہیں دونوں ذرا موقع ملے ہاتھ پھیلا لیتے ہیں۔" وہ بات کر کے رکی

نہیں تھی تیزی سے لاؤنج سے باہر چلی گئی۔ ہشام نے کچھ نہ سمجھنے کے سے انداز میں سرہلایا اور شفو کو آواز دے کر چائے بنانے کے لیے کہا۔ تب ہی ڈور بیل ہوئی۔ شفو نے پوچھ کر بتایا۔

"کوئی سبزی والا ہے جی۔ وہ کہہ رہا ہے آپ جس لڑکے کے متعلق پوچھ رہے تھے اس کے متعلق کچھ بتانا ہے۔"

"کیا...." وہ تقریباً بھاگتا ہوا اندرونی گیٹ کی طرف گیا تھا اور پھر دروازہ کھولتا اور برآمدے کی سیڑھیاں پھلانگتا گیٹ تک پہنچا۔ اور بغیر کسی سلام و دعا کے اس نے سبزی والے کا ہاتھ پکڑ کر اندر آنے کے لیے کہا۔

"کیا تم نے عفان کو دیکھا ہے۔ کہاں پلیز جلدی بتاؤ۔" لان کی طرف جاتے ہوئے وہ بے چینی سے پوچھ رہا تھا۔

"صاحب آپ نے جس لڑکے کی تصویر دکھائی تھی اور جو اس گیٹ سے نکل کر دائیں طرف جا رہا تھا۔ میں نے اسے کل حیدر آباد میں دیکھا۔ میں ایک عزیز کی فوتگی پر حیدر آباد گیا تھا اور وہاں بازار میں ایک جگہ میں نے اسے دیکھا۔ اپنے فون پر اس کی تصویر بنائی تھی۔ یہ دیکھیں جی۔ اور وہاں کچھ لوگ اس کی نگرانی کر رہے تھے۔" اس نے ایک پرانا سا فون جیب سے نکال کر ہشام کی طرف بڑھایا۔ تصویر بہت واضح نہیں تھی لیکن وہ عفان تھا۔ سو فی صد عفان تھا۔

"اچھا آپ بیٹھیں میں ڈیڈی سے بات کرتا ہوں۔" اس نے اپنا سیل فون نکالا۔ اور عبدالرحمن ملک سے بات کرکے اس نے سبزی والے کو بتایا کہ اس کے ڈیڈی آرہے ہیں۔

"آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ باقی ہم دیکھ لیں گے۔ بس آپ ہمیں دور سے دکھا دیجئے گا اور ہم نے اخبار میں جس انعام کے متعلق کہا تھا وہ رقم بھی آپ کو ملے گی۔ اور ہم آپ کے احسان مند بھی رہیں گے ہمیشہ۔" اب وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر اور سوچ کر بول رہا۔ کچھ ہی دیر بعد عبدالرحمن ملک آگئے اور وہ سبزی والے کے ساتھ حیدر آباد کے لیے نکل گئے۔

☼ ☼ ☼

"ماما پلیز آپ کچھ دیر کے لیے گھر چلی جائیں۔ رات سے آپ یوں ہی بیٹھی ہیں... آپ نے رات سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہے۔ گھر جا کر کچھ کھا پی کر باتھ وغیرہ لے کے فریش ہو کر آجائیں۔" آئی۔ سی۔ یو کے باہر ایک طرف بنے چھوٹے سے کمرے کے بینچ پر بیٹھتے ہوئے ہشام نے ماما کا ہاتھ پکڑتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"شامی وہ بچ تو جائے گا نا۔ ٹھیک تو ہو جائے گا۔" انہوں نے ہشام کی طرف دیکھا۔

"ان شاء اللہ ماما۔ ہم صرف دعا کرسکتے ہیں' وہ کر رہے ہیں۔" اس نے اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھے۔

مہر علی ڈیڈی کو کلفٹن چھوڑ کر واپس آرہا ہوگا۔ آپ گھر جا کر آرام کریں۔ شام کو میں خود آکر آپ کو لے آؤں گا۔ آپ مجھے بالکل فریش ملیں گی... اور ہاں میں نے گھر فون کیا تو شفو بتا رہی تھی عجو بہت رو رہی ہے۔ چپ نہیں ہو رہی۔"

"اچھا پھر میں گھر چلی جاتی ہوں۔ تم عفان کا خیال رکھنا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسے جا کر دیکھتے رہنا۔"

"ٹھیک ہے ماما ابھی مہر علی آجاتا ہے تو آپ چلی جائیے گا۔ میں یہاں رہوں گا اور عفان کا خیال رکھوں گا۔" انہیں تسلی دے کر وہ اٹھا۔ عفان کا بیڈ سامنے ہی تھا۔ اسے آکسیجن لگی ہوئی تھی اسے نمونیے کا شدید اٹیک ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے سانس لینے میں مشکل ہو رہی تھی۔ سبزی والا انہیں حیدر آباد کے اس بازار میں لے گیا تھا۔ جہاں اس نے عفان کو دیکھا تھا۔ عفان وہاں ہی اسی جگہ پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور اس کے سامنے بچھی چادر پر چھوٹے بڑے سکے اور نوٹ پڑے ہوئے تھے۔

"عفان۔" وہ تیر کی طرح اس کی طرف لپکا تھا۔ عفان نے بند آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا تھا اور ہشام کو لگا تھا جسے اس کی آنکھوں میں پہچان کی

چمک لہرائی ہو اور اس کے ہونٹوں سے کچھ غیر مبہم سی آوازیں نکلی تھیں۔

"عفو... عفان تم کہاں چلے گئے تھے۔ ماما بہت روتی ہیں... بہت یاد کرتی ہیں تمہیں۔"

"اما... ں۔" عفان کے لبوں سے نکلا تھا اور وہ کھڑا ہو گیا تھا اس کا ہاتھ ابھی تک ہشام کے ہاتھوں میں تھا۔ جب پیچھے سے ایک بندے نے ہشام کے کندھے پر ہاتھ مارا تھا۔

"ہے۔ بابو۔" ہشام نے مڑ کر دیکھا' وہ گھنی مونچھوں' کرخت چہرے اور سرخ خوف ناک آنکھوں والا ایک شخص تھا۔

"کہاں لے جا رہے ہو اسے۔"

"میرا بھائی ہے گھر لے کر جا رہا ہوں۔"

"بھائی۔" وہ زور سے ہنسا تھا "ارے بہت دیکھے تیرے جیسے بھائی چھوڑ اسے۔" اس نے ہشام کے ہاتھ سے ایک جھٹکے سے عفان کا ہاتھ چھڑایا۔ تب ہی عبدالرحمٰن ملک اور ان کے ساتھ ایس۔ پی صاحب اور ان کے عملے کے افراد نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا۔

وہ عفان کو کراچی لے آئے تھے لیکن اسے بہت ہائی فیور تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ نمونیہ کا شدید اٹیک ہوا ہے اسے۔ شاید وہ بارش میں بھیگا تھا۔ اور اس کا جسم اور پھیپھڑے کمزور تھے۔ پتا نہیں وہ اس آدمی کے ہاتھ کیسے لگا تھا۔ وہ نہیں جان سکے تھے۔ لیکن ان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ مل گیا تھا... لیکن وہ بہت تکلیف میں تھا۔

ان لوگوں نے اسے بہت مارا بھی تھا شاید جب وہ تکلیف سے روتا ہو گا تب... یا جب فٹس پڑتے ہوں گے تب۔ خادم نے جب اس کا لباس بدلوایا تو اس کے جسم ہر جگہ نیل دکھائی دیے۔ اس کی تکلیف کے پیش نظر اسے اسپتال میں ایڈمٹ کروانا پڑا تھا اور آج صبح سے وہ آئی۔ سی۔ یو میں تھا۔

"مہر علی آگیا ہے ماما چلیں میں آپ کو گاڑی تک چھوڑ آؤں۔" اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور وہ دونوں نیچے جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔

☆ ☆ ☆

"ممی پلیز مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔" ثمرین نے التجا کی۔

"مجھ سے احسن کا رویہ برداشت نہیں ہوتا۔" ممی نے بے بسی اور تاسف سے اسے دیکھا۔

"بات کروں گی میں احسن سے' پر ثمو تم نے بہت ظلم کیا احسن پر' خود پر تم نے اسے اپنا خون پلایا۔ نو ماہ تک اپنی کوکھ میں رکھا پھر کیسے تو نے اپنا کلیجہ پتھر کر لیا۔"

"ظلم تو مجھ پر ہوا ہے ممی... میں نے اسے اپنے خون سے سینچا اور..."

"کفر مت بکو ثمرین... اللہ کے غضب سے ڈرو۔"

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ممی پلیز ٹھیک ہو جائے گا احسن ہمیشہ مجھ سے خفا اور ناراض نہیں رہ سکتا۔ ابھی شاک میں ہے۔ اسے بچوں کا بہت شوق تھا۔ ہم نے اس بچے کے لیے بہت خواب دیکھے تھے۔ ہم بہت جلد ایک اور بچہ..."

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ کاش وہ مل ہی جاتا تو احسن تمہاری غلطی معاف کر دیتا' لیکن اب..." انہوں نے تاسف سے اسے دیکھا۔

وہ کچھ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتی تھیں کہ آنے والے دنوں میں احسن کا رویہ کیا ہو گا۔ اس نے پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈا تھا۔ کالونی کے اندر جانے والے ہر راستے سے اندر جا کر ہر اس گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا جس کے ڈرائنگ روم کے باہر نیم دائرے کی شکل کے برآمدے تھے' لیکن کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ اگر کسی جانور نے اسے نقصان پہنچایا ہوتا تو اس کی باسکٹ اور کیری کاٹ تو کسی نے دیکھی ہوتی۔ اس کی باقیات ہوتیں۔ مردہ یا زندہ جیسا بھی ہوتا کالونی میں شور مچا ہوتا۔ اس نے روڈ پر جھاڑو دینے والوں اور کوڑا اٹھانے والوں سے بھی پوچھا تھا۔ کچھ لوگ حیران ہوئے تھے۔ کچھ عجیب اور مشکوک نظروں سے اسے دیکھتے تھے'

لیکن اسے کسی کی پروا نہیں تھی۔
بس ایک بار وہ مل جاتا تو پھر وہ ثمرین کو اس کی شکل تک نہ دکھاتا، لیکن وہ کہیں نہیں ملا اس طوفانی رات میں وہ کہاں گیا تھا۔ زمین نگل گئی تھی یا آسمان۔ پچھلے دس دنوں سے احسن کا حال برا تھا۔ وہ اسپتال بھی نہیں جا رہا تھا۔ سارا دن گاڑی لے کر کالونی اور اس کے ارد گرد کے علاقوں میں گھومتا رہتا تھا۔ وہ یتیم خانہ، فقیروں میں، خانہ بدوش میں ہر جگہ دیکھ آیا تھا۔ پولیس میں بھی رپورٹ لکھوائی تھی کہ کوئی اس کا بچہ اٹھا کر لے گیا ہے، لیکن اس کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔
"ممی پلیز آپ بات کریں نا احسن سے۔" اس نے پھر ان کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی بات دہرائی، لیکن سچ تو یہ ہے کہ انہیں احسن کا سامنا کرنے کی ہمت ہی نہیں تھی۔ کل رات احسن بچے کے سلسلے میں اپنی تلاش کے متعلق بتاتے ہوئے جس طرح بلک پڑا تھا اور وہ اس کے سامنے مجرم سی بنی بیٹھی رہ گئی تھیں۔ احسن کے ساتھ یہ سب ثمرین نے ان کی بیٹی نے کیا تھا۔ وہ اتنی شرمندہ تھیں کہ ثمرین کے اصرار کے باوجود انہوں نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔
"مجھ سے اماں کی باتیں برداشت نہیں ہوتیں ممی۔" آنسو اس کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔
احسن کی اماں دو دن پہلے ہی لاہور سے آئی تھیں۔ اپنی پلستر شدہ ٹانگ کی پروا کیے بغیر۔ ان سے احسن کا دکھ برداشت نہیں ہوا تھا۔ ابھی تو ٹھیک طرح سے انہوں نے اس کی خوشی بھی نہیں منائی تھی کہ احسن نے انہیں اندر تک دہلا دیا تھا۔ اور پھر وہ صبر نہیں کر سکی تھیں۔ انہوں نے ثمرین سے کچھ زیادہ نہیں کہا تھا بس چند لفظ۔
"ئی مائیں تو اپنے جگر پے سا ڑلیتی ہیں اولاد کے لیے اپنی جند ڑی لٹا دیتی ہیں۔ تو کیسی ماں ہے۔" لیکن ان کی نظریں اسے اندر تک کاٹ دیتی تھیں۔
"انہوں نے کچھ غلط تو نہیں کہا ثمرین!" ممی نے آہستگی سے کہا۔
"وہ احسن کی ماں ہیں اور یہ بچہ ان کی نسل کا امین تھا۔ ان کا وارث تھا۔"
"تو کیا ہوا وہ میرا بچہ تھا۔ میں نے اسے پیدا کیا تھا میں نے تکلیف سہی تھی۔" ان کی آہستہ سے کہی جانے والی بات پر وہ یک دم غصے سے چیخ پڑی تھی۔
"اور میں نے اپنے بچے کے ساتھ جو کیا اس کے لیے میں کسی کو جواب دہ نہیں ہوں۔"
"لیکن مجھے جواب دہ ہو تم۔" احسن کمرے سے اپنی آستینوں کے بٹن بند کرتا ہوا باہر آیا اس کی نظریں ثمرین پر تھیں۔
"وہ تنہا تمہارا بیٹا نہیں تھا، وہ میرا بھی بیٹا تھا۔ تم اس کے متعلق اتنا ظالمانہ فیصلہ خود سے کیسے کر سکتی تھیں۔ بتاؤ مجھے کیوں کیا تم نے ایسا۔" ان دس دنوں میں احسن نے اس کی طرف دیکھا تک نہ تھا۔ اس روز کے بعد وہ ہر روز اکیلا ہی اسے تلاشتا پھرا تھا اور اب ثمرین کے سامنے کھڑا اس سے پوچھ رہا تھا۔ ثمرین کی پلکیں جھک گئیں اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے وہ احسن کی یہ نظریں برداشت نہیں کر سکتی اتنی اجنبی، اتنی غیر۔
"خدا کے لیے ممی اسے ساتھ لے جائیں۔" وہ ممی کی طرف مڑا تھا۔
"میں اسے دیکھتا ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔ کہیں غصے میں مجھ سے کچھ غلط نہ ہو جائے۔"
"میں بھی سوچ رہی تھی کہ کچھ دنوں کے لیے اسے ساتھ ہی لے جاؤں۔ اس کی طبیعت بھی ابھی ٹھیک نہیں ہے اور وہاں اس کے پاپا اکیلے ہیں۔" اور احسن سر ہلا کر واپس کمرے میں چلا گیا تھا۔ جانے سے پہلے اس نے احسن سے معافی مانگی تھی۔
"پلیز احسن مجھے معاف کر دو مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔" لیکن احسن نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں تھا اور وہ سبین اور ممی کے ساتھ لاہور آ گئی تھی۔ اس یقین کے ساتھ کہ ایک روز احسن اسے معاف کر دے گا، لیکن اس کا یہ یقین اس روز ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گیا تھا جب سبین نے اسے بتایا کہ اس نے آج احسن کو اپنے گھر سے نکلتے دیکھا ہے بلکہ چوکیدار نے

بتایا ہے کہ وہ تو کئی دنوں سے آیا ہوا ہے۔

اسے لاہور آئے ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا تھا، لیکن اس ایک ماہ میں احسن نے اسے ایک بار بھی فون نہیں کیا تھا۔ خود اس نے کئی بار فون کیا، لیکن احسن نے اٹینڈ نہیں کیا اور اب وہ یہاں آیا ہوا تھا۔ ایک سڑک کراس کرکے بالکل سامنے اور ملنے نہیں آیا تھا۔ اور وہ سبین کے منع کرنے کے باوجود احسن سے ملنے اس کے گھر جا پہنچی تھی۔

"تم میرا فون اٹینڈ نہیں کرتے۔ اتنے دن سے یہاں آئے ہوئے ہو اور مجھے ملنے تک نہیں آئے۔ اتنا بڑا جرم تو نہیں تھا میرا کہ تم نے ساری محبتیں بھلا دیں۔"

"تم کہتی ہو وہ بڑا جرم نہیں تھا۔ قتل سے بڑا جرم اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"میں نے اسے قتل نہیں کیا احسن۔"

"ثمرین بیگم میں اپنے بچے کا قتل تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔ میں نے اس ایک ماہ میں بہت سوچا ہے، لیکن میں تمہارے ساتھ مزید زندگی نہیں گزار سکتا۔ تم جیسی عورت کے ساتھ مزید ایک لمحہ بھی نہیں۔ مجھے تمہاری طرف آنا تھا یہ سب بتانے، لیکن میں مصروف تھا۔ ہم اپنا گھر فروخت کرکے یہاں سے جا رہے ہیں۔"

"نہیں پلیز احسن ایسا مت کرو۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔ میں بہت محبت کرتی ہوں تم سے۔"

"تم اگر اپنے بچے کے بغیر رہ سکتی ہو تو اپنی محبت کے بغیر بھی رہ سکتی ہو۔۔۔ تمہارے ہونٹوں سے نکلے یہ لفظ مجھے منافق لگ رہے ہیں۔ تمہاری محبت بھی جھوٹ تھی شاید۔"

"چلو میں نے تسلیم کیا اپنا جرم۔ ہاں میں تمہاری مجرم ہوں تمہاری اور اپنے بچے کی مجرم ہوں۔ میری محبت جھوٹ تھی۔ تمہاری محبت تو جھوٹ نہیں تھی اور کہتے ہیں محبت کرنے والوں کا دل بڑا ہوتا ہے۔ بہت فراخ، بہت کشادہ دل ہوتی ہے محبت۔۔۔" اس نے ملتجی نظروں سے احسن کو دیکھا۔

"ہوتی ہوگی، لیکن نہ تو میرا دل بڑا ہے اور نہ ہی میری محبت کشادہ۔ میں اس عورت کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا جو میرے بچے کی قاتل ہو اور میں اس سے محبت کرنا تو درکنار اسے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کر سکتا۔ میری محبت اسی روز مر گئی تھی جس روز تم نے میرے بچے کو مرنے کے لیے اندھیری طوفانی رات میں کسی اجنبی دہلیز پر چھوڑ دیا تھا۔ شرعی اور قانونی طریقے سے تمہیں طلاق کے پیپرز مل جائیں گے۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا لاؤنج سے باہر نکل گیا تھا اور صوفے پر بیٹھے احسن کی اماں اسے تاسف سے دیکھ رہی تھیں۔

"ہائے تو نے یہ کیا کیا ثمرین اپنی گود بھی اجاڑی اور اپنی محبت بھی برباد کی۔"

لیکن سر جھکائے باہر جاتی ثمرین کا دل اس وقت بھی اپنی گود اجڑنے پر نہیں اپنی محبت کے کھو جانے پر رو رہا تھا۔ اسے صرف احسن کو کھو دینے کا دکھ تھا۔ اس نے ایک لمحہ کے لیے بھی اس بچے کے متعلق نہیں سوچا تھا جسے وہ مرنے کے لیے چھوڑ آئی تھی۔ وہ احسن کے لیے رو رہی تھی اور اس نے احسن کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ ممی کو پاپا کو حتیٰ کہ سبین کو بھی احسن کے پاس بھیجا تھا، لیکن بے سود۔ احسن وہ گھر فروخت کرنے کے بعد اپنی والدہ کو ساتھ لے کر کہیں چلا گیا تھا اور کچھ ہی دنوں بعد اسے طلاق کا پہلا نوٹس مل گیا تھا۔ اس روز محبت تڑپ تڑپ کر روئی تھی، لیکن ممتا سوئی رہی تھی۔

"ممی میں احسن کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں احسن سے بہت محبت کرتی ہوں۔ پلیز کچھ کریں۔ اس کا پتا کروائیں اس کی منت کریں وہ مجھے دوسری طلاق نہ بھیجے۔" وہ ممی کی گود میں سر رکھے تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی اور وہ بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"تمہیں بولٹن کیسا لگا۔" سر جھکائے بے حد اداس

سی بیٹھی امل سے موحد نے پوچھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ ایسی کون سی بات کرے کہ امل کا دل بہل جائے۔ وہ شاید بہت روئی تھی۔ اس کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے اور اس کی پلکیں ابھی بھی اسے بھیگی بھیگی لگ رہی تھیں۔

"بولٹن اچھا ہے خوب صورت ہے چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھرا۔ گرینری (سبزہ) بھی بہت ہے' لیکن یہاں سردی بہت ہے ہڈیوں کو کڑکڑا دینے والی۔" اس نے اپنے ہاتھ گود میں رکھے ہوئے تھے اور انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ہاں یہاں انگلینڈ کے باقی علاقوں کی نسبت زیادہ سردی پڑتی ہے۔"

"پتا ہے موحد۔" اس نے اپنی بھیگی پلکیں اٹھائیں۔

"اس رات شامی نے بتایا تھا بہت بارش ہوئی تھی اور بہت ہوائیں چل رہی تھیں جب عفان گھر سے گیا تھا۔ شاید اسے بہت سردی لگی ہوگی۔ اور اسے نمونیہ ہوگیا تھا اور ان ظالموں نے اس کی پروا بھی نہیں کی اور جب ماموں اسے واپس لائے تو اس کی حالت بہت خراب تھی۔" اس کی پلکوں پر اٹکے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔ موحد حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے اس کزن کی موت پر رو رہی تھی جو ابنارمل تھا جسے دورے پڑتے تھے اور شاید ایسے بچوں کی موت پر والدین اور خاندان والے دل میں اللہ کے شکر گزار ہوتے ہوں گے کہ اللہ نے انہیں اس آزمائش سے بچالیا اور انہیں سرخ رو کردیا۔ فطری اور خونی محبت اپنی جگہ' لیکن اطمینان اور سکون کا احساس تو ہوتا ہوگا نا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر امل کی طرف دیکھا وہ ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھ رہی تھی۔

"پتا ہے رات جب شامی کا فون آیا تو وہ بہت رو رہا تھا اور اس نے مجھے بتایا تھا مامی کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ انہوں نے بہت اثر لیا ہے۔ دراصل وہ اسپتال سے گھر پہنچی ہی تھیں کہ عفان کا سانس اکھڑ گیا۔ اور ہشام بے چارہ اکیلا تھا وہاں مامی کو یقین ہی نہیں آیا کہ ......"

"اللہ انہیں صبر دے گا امل۔" موحد نے اسے تسلی دی۔

"اللہ کی مصلحت اسی میں ہوگی۔"

آج سنڈے تھا اور سعد ابھی تک سو رہا تھا۔ اس کی آنکھ حسب معمول کھل گئی تھی اس نے اپنے لیے کافی بنائی تھی اور جب وہ خالی کپ کچن میں رکھنے جارہا تھا کہ امل کا فون آگیا۔

"سنو میں گیٹ پر کھڑی ہوں دروازہ کھولو۔" اس نے ٹائم دیکھا نو بج رہے تھے۔ ضرور اس نے ناشتے پر کوئی اسپیشل چیز بنائی ہوگی.... سعد کے تو مزے ہوگئے۔ وہ مسکراتا ہوا باہر آیا تھا' لیکن اسے دیکھ کر پریشان ہوگیا۔

"کیا ہوا امل۔"

"وہ... وہ عفان مرگیا۔" وہ رونے لگی تھی۔

"پاپا صبح صبح مانچسٹر چلے گئے کسی کام سے۔ میرا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ میں تمہاری طرف آگئی' میں نے تمہیں ڈسٹرب کردیا نا' لیکن میں کیا کرتی پاپا بھی چلے گئے اور مجھے شامی اور مامی کا خیال آرہا تھا۔" اس نے اپنے بہتے آنسو پونچھے تھے۔

"او کے.... او کے ٹھیک ہے۔ اچھا کیا تم ادھر آگئیں میں بالکل بھی ڈسٹرب نہیں ہوا۔" موحد نے اسے لاؤنج میں بٹھایا تھا اور اس نے عفان کی موت کی ساری تفصیل بتائی تھی۔ اور اب وہ اس کے سامنے بیٹھی وقفے وقفے سے پلکوں تک آنے والے آنسوؤں کو پونچھ رہی تھی۔

"پلیز امل بہت رولیا۔ اب مت رو اللہ کی مرضی کے سامنے آدمی بے بس ہوتا ہے۔" اس نے سرہلایا تھا۔

"تم نے ناشتا بھی نہیں کیا ہوگا۔ ہیں نا۔"

"ہوں۔"

"تو تم بیٹھو پہلے میں تمہارے لیے اچھی سی کافی بناتا ہوں اور پھر آج میرے ہاتھ کا ناشتا کرو۔ تمہارے ہاتھ

کا ناشتا تو کئی بار کیا ہے۔"
وہ مسکراتا ہوا کچن میں چلا گیا تو چہرے کو دونوں ہاتھوں سے اچھی طرح پونچھتے ہوئے اس نے سوچا۔
یہ موحد عثمان جو پہلی ملاقات بہت ریزرو اور کچھ مغرور سا لگا تھا آج کتنا لونگ اور کیرنگ لگ رہا ہے۔ بالکل شامی کی طرح۔۔۔ وہ سوچ رہی تھی جب موحد ناشتا بنا کر لے آیا۔ اس نے لاؤنج میں موجود گول ڈائننگ ٹیبل پر ناشتا لگایا۔
"آجاؤ امل۔" اس نے بڑے مصروف انداز میں امل کی طرف دیکھا امل بڑی دلچسپی سے اسے ٹیبل پر ناشتا لگاتے دیکھ رہی تھی۔ اس نے آملیٹ اور فرائی انڈا دونوں ہی بنا لیے تھے۔ سلائس مکھن جام اس نے ساری چیزیں ترتیب سے ٹیبل پر رکھیں۔
"امل تم شروع کرو میں آیا۔" وہ پھر کچن میں چلا گیا تھا کچھ ہی دیر بعد وہ ایک باؤل میں قیمہ اور شملہ مرچ گرم کرکے لے آیا۔
"یہ رات سعد نے پکایا تھا۔"
"آملیٹ تو تم نے زبردست بنایا ہے موحد۔" اس نے ایک لقمہ لیا۔
"میری مما بھی کبھار ایسے ہی ٹماٹر، شملہ مرچ اور پیاز ڈال کر آملیٹ بناتی تھیں۔" تب ہی سعد اپنے گاؤن کی ڈوریاں کستا ہوا اپنے کمرے سے نکلا اور ناک سیکڑ کر خوشبو سونگھی۔
"لگتا ہے ہماری سسٹر بہت زبردست ناشتا بنا کر لائی ہیں۔"
"سسٹر نے نہیں جناب میں نے ناشتا بنایا ہے۔" موحد نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔
"اب اٹھ گئے ہو تو تم بھی آجاؤ منہ ہاتھ دھو کر۔"
"کتنی دیر سے پراٹھوں اور آملیٹ کی خوشبو آرہی تھی میں سمجھ رہا تھا خواب دیکھ رہا ہوں۔"
"پراٹھے تو نہیں البتہ آملیٹ ہے۔" امل نے جواب دیا تھا۔
"ٹھنڈا ہونے سے پہلے آجاؤ۔"
"تم کبھی کسی ویک اینڈ پر Sains Burry یا Aldi وغیرہ گئی ہو۔"
"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"بہت رونق ہوتی ہے تقریباً" تمام اسٹورز کے اوپن ایریا میں ہر ویک اینڈ پر سوشل ایکٹیویٹیز ہوتی ہیں۔ مثلاً" بچوں کے لیے مختلف گیمز، رسہ کشی، ویٹ لفٹنگ وغیرہ۔ مختلف اسٹال لگے ہوتے ہیں۔"
"کیا خیال ہے آج کہیں چلیں۔" اس نے امل کی طرف دیکھا۔ امل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"آج ٹاؤن ہال چلیں گے تم تیار ہو کر آجاؤ۔" اس نے فوراً" ہی پروگرام بنالیا۔ وہ اس کا دل بہلانا چاہتا تھا۔ حالانکہ آج سعد کے ساتھ اسے لائبریری جانا تھا، لیکن اس نے اپنا پروگرام کینسل کردیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کیوں، لیکن وہ اسے اداس نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ ہنستی ہوئی ادھر ادھر کی باتیں کرتی ہوئی ہی اچھی لگتی تھی۔
"او کے چلتے ہیں۔" کافی پی کر وہ کھڑی ہو گئی تھی۔
"میں تیار ہو کر آتی ہوں۔" اور اس کے جانے کے بعد آنکھیں چمکاتے ہوئے سعد نے سر ہلایا۔
"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں کہ موحد عثمان اپنا پہلے سے ترتیب دیا ہوا پروگرام ختم کرکے کوئی اور پروگرام بنا رہا ہے۔ ہے نا حیرت انگیز بات اور یہ ان تین سالوں میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں میں۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔"
"نہ کالا، نہ پیلا۔ بس موڈ نہیں رہا لائبریری جانے کا تم چلو گے ہمارے ساتھ۔"
"نہیں مجھے کباب میں ہڈی بننے کا بالکل بھی شوق نہیں ہے۔" سعد مسکرا رہا تھا۔
"کھومت اور یہ ٹیبل سے برتن سمیٹ دو۔" سعد کو گھورتا ہوا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔
اور جب وہ کپڑے چینج کرکے آیا تو امل بھی تیار ہو کر آچکی تھی۔ اس نے بلیک جینز پر ریڈ کلر کی لانگ شرٹ پہن رکھی تھی اور بلیک کوٹ پر ریڈ اونی اسٹول تھا۔ اس نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔ امل شفیق میں کچھ ایسا خاص تھا جو دوسری لڑکیوں میں نہیں

تھا۔ سعد ابھی تک ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا تھا اور انگلیوں سے ٹیبل بجا رہا تھا۔ اس نے بے حد معنی خیز اور شرارتی نظروں سے موحد کو دیکھا۔

"کب تک واپسی ہے؟"

"پتا نہیں۔" موحد نے اس کی شرارتی نظروں کو نظرانداز کیا۔

"ہم لنچ وہاں ہی کریں اور شاید شاپنگ کا بھی موڈ بن جائے۔"

"اوکے وش یو گڈ لک۔" اس کی آنکھیں اب بھی شرارت سے چمک رہی تھیں۔ امل اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی' اس کے چہرے پر اب بھی اداسی کی جھلک تھی۔ باہر نکل کر موحد نے کیب لے لی تھی اور کچھ ہی دیر بعد وہ ٹاؤن ہال میں تھے۔

"یہاں ادھر چرچ اور کونسلر وغیرہ کے دفاتر بھی ہیں۔" وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بتا رہا تھا۔ امل نے سب کچھ بہت دلچسپی سے دیکھا تھا۔ مختلف اسٹالوں پر بھی گئی تھی۔ کھیلوں کے مقابلے بھی دیکھے تھے۔ بچوں کو بھی مختلف گیمز میں حصہ لیتے دیکھا تھا اور پھر ایک بوڑھی عورت کے پاس رک گئی تھی۔ جو اپنے سامنے پرانی چیزیں رکھے فروخت کر رہی تھی۔

"تمہیں اگر پرانی چیزوں سے دلچسپی ہے تو یہاں ایک الگ مارکیٹ بھی ہے پرانی چیزوں کی۔ کسی دن چلنا۔" موحد نے اسے کھڑے دیکھ کر کہا۔

"نہیں مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔"

"میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں اس سے اس کے بچوں کے متعلق پوچھوں۔"

"تو بات کرلیتیں۔" موحد مسکرایا۔

"مجھے وہ بوڑھی عورت اپنے ملک کی محنت کش عورت کی طرح لگی تھی جو اپنے بچوں کی خاطر محنت کرنے کے لیے گھر سے نکلتی ہے۔" امل نے مڑ کر ایک نظر اس بوڑھی عورت پر ڈالی۔

"ہوسکتا ہے اس عورت کے بچے نہ ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہوں اور اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہوں' ان کا اس بوڑھی عورت سے اتنا ہی رابطہ ہو کہ ہر کرسمس پر کارڈ بھیج دیتے ہوں اور پھر جب یہ عورت مرے گی تو اس کے فیونرل (جنازے) میں شریک ہوجائیں گے اور اگر شریک نہ ہوسکے تو پھول بھیج دیں گے۔" موحد نے خیال ظاہر کیا۔

"یہ تمہاری یورپی تہذیب کتنی ظالم ہے موحد۔" اس کے لہجے سے تاسف صاف جھلکتا تھا۔

"میری تہذیب یورپی نہیں ہے امل۔" موحد نے سنجیدگی سے کہا تو امل نے فوراً "سوری" کرلیا۔

"تم دراصل یہاں پیدا ہوئے۔ یہیں پلے بڑھے ہو اس لیے میں نے کہہ دیا' لیکن میں جانتی ہوں کہ تمہاری تہذیب یورپی نہیں ہے۔" اس نے وضاحت کی تو موحد مسکرا دیا۔

"اٹس اوکے امل چلو "نینڈوز" چلتے ہیں۔ وہاں کے برگر' اسٹیکس اور پیری پیری چکن بہت مشہور ہے۔ وہ کھاؤ گی۔"

"نہیں پہلے کافی پیتے ہیں پھر فش اینڈ چپس چلتے ہیں۔"

"ایز یو وش میم۔" موحد نے ذرا سا سر خم کیا۔

"شامی کو بھی فش اور چپس بہت پسند ہیں۔ کبھی کبھی ہم فنگر فش کھانے جاتے تھے وہاں ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ تھا' لیکن کیا غضب کی فنگر فش بناتے تھے ساتھ میں فرنچ فرائیز اسپیشل ساس کے ساتھ۔" اس نے آنکھیں بند کرکے چٹخارا لیا۔ موحد نے اس کی آنکھوں کی چمک پر غور کیا۔

"میں بھی حیران ہو رہا تھا کہ ابھی تک تم نے اپنے کراچی کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ اور شام کا بھی۔" یہ بات اس نے دل میں کہی تھی۔

"ہاں میرا کراچی اور میرا پاکستان۔" وہ مسکرائی۔

موحد کو اس کے لبوں پر بکھری مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمکتے جگنو بہت اچھے لگے اور اس نے دل ہی دل میں دعا کی کہ وہ ہمیشہ یوں ہی مسکراتی رہے اور پھر خود ہی حیران ہوا کہ وہ اس کے لیے اتنی اہم ہوگئی ہے کہ وہ اس کی مسکراہٹ اور اس کی خوشیوں کے قائم رہنے کی دعا کرنے لگا تھا۔ کیا سعد سچ کہتا ہے اور اگر ایسا

ہی ہے تو۔۔۔ اس نے چلتے چلتے رک کر اس کی طرف دیکھا۔ یہ لڑکی ایسی ہی ہے کہ اسے چاہا جائے اور اس کے ساتھ کی تمنا کی جائے۔ دل میں بہت خوش گوار احساس لیے وہ کافی کی مشین کی طرف بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

"ماما پلیز آپ یہاں بیٹھیں اور میری بات دھیان سے سنیں۔" ہشام نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں صوفے پر بٹھایا۔

"نہیں شامی پلیز تمہاری بات پھر سن لوں گی اس وقت مجھے قبرستان جانا ہے۔"

آپ اپنے آپ کو سنبھالیں وہ اتنی ہی زندگی لے کر آیا تھا۔ ہم سب نے اتنا ہی جینا ہے جتنا روز ازل کتاب میں لکھ دیا گیا۔"

وہ صبح دوپہر شام جب ان کا جی چاہتا مہر علی کو ساتھ لے کر قبرستان چلی جاتیں۔ عفان کی قبر سے لپٹ جاتیں اسے پکارتیں اتنا روتیں کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہو جاتا آج صبح بھی ان کی حالت خراب ہو گئی تھی اور مہر علی بہت مشکل سے انہیں لایا تھا۔ جب سے عفان فوت ہوا تھا وہ ماما کی حالت کی وجہ سے گھر پر ہی تھا۔ آج کتنے دنوں بعد وہ کالج گیا تھا اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس نے لاؤنج میں قدم رکھا تھا اور ماما لاؤنج میں بڑا سا دوپٹا اوڑھے جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔

"میں وہاں ہی رہوں گی اس کے پاس۔ اندھیرے میں وہ بہت ڈرتا ہو گا۔" وہ ہشام کے ہاتھ گھٹنوں سے اٹھا کر کھڑی ہو گئیں۔ ہشام حیرت زدہ سا انہیں دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری ماں پاگل ہو رہی ہے۔" میڈم نیلوفر کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

"بلکہ وہ پاگل ہے۔" میڈم نیلوفر کی ہنسی جیسے اس کے اعصاب کو چٹخانے لگی۔ اس نے ماما کی طرف دیکھا جو زمین پر لٹکتا اپنے دوپٹے کا پلو اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈال رہی تھیں۔ ان کی نظریں سپاٹ تھیں اور ان میں عجیب سی چمک تھی۔ لگتا تھا جیسے وہ اس منظر میں موجود نہ ہوں اور دور کہیں خلا میں تکتی ہوں۔

"ابنارمل بچوں نے اسے بھی ابنارمل بنا دیا ہے۔" نیلوفر کا تبصرہ۔

"نہیں میری ماما ابنارمل نہیں ہیں اور نہ ہی وہ پاگل ہیں۔" اس نے بے آواز کہا تھا اور کھڑا ہو گیا اس کے اندر عجیب سی ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ میڈم نیلوفر اس کی ماما کو پھر پاگل یا ابنارمل کہیں ان کی ماں اور محبت کا مذاق اڑائیں۔

"میں اچھی ماں نہیں ہوں بالکل بھی اچھی ماں نہیں ہوں۔" قدم آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے اپنی بات دہرائی تھی۔

"ہاں آپ اچھی ماں نہیں ہیں۔" ہشام بھی قدم بڑھا کر ان کے قریب آیا۔

"آپ کو صرف عفان اور عجو یاد تھیں۔ آپ نے کبھی میری طرف دیکھا نہیں کبھی میرا خیال نہیں کیا۔ آپ واقعی اچھی ماں نہیں ہیں ماما۔ اچھی مائیں تو اپنے سارے بچوں کا ایک جیسا خیال رکھتی ہیں ایک جیسی محبت کرتی ہیں ان سے لیکن آپ نہیں کرتیں۔ آپ کو صرف عفان کی پروا ہے جو منوں مٹی تلے سویا ہوا ہے۔" اس نے کن انکھیوں سے ان کی طرف دیکھا۔ ان کے ہونٹ لرز رہے تھے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور وہ ہشام کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"نہیں۔" ان کے کپکپاتے لبوں سے نکلا تھا۔ اور وہ ساتھ ساتھ نفی میں سر بھی ہلا رہی تھیں۔

"نہیں۔۔۔ نہیں شام میں تم سے بھی بہت محبت کرتی ہوں۔ عفان اور عجو جتنی محبت لیکن تم۔۔۔" انہوں نے ہشام کے ہاتھ تھام لیے۔

"تم مجھے معاف کر دو شام تمہارے ساتھ میں نے جو زیادتی کی ہے اس زیادتی کے لیے مجھے معاف کر دو۔ اپنی ماں کو معاف کر دو۔ میں اچھی ماں نہیں ہوں لیکن تم تو اچھے بیٹے ہو۔"

"نہیں معاف کروں گا میں۔ نہیں ہوں میں اچھا بیٹا۔" اس نے رخ موڑا اور ہاتھ چھڑا لیے۔ وہ متذبذب سی کھڑی کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں وہ یونہی

رخ موڑے کھڑا رہا۔
"میں بہت بری ہوں۔ ناشکری ہوں۔ میں نے کبھی اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ عفان اور عجو کے ساتھ اس نے تمہیں بھی تو عطا کیا تھا میں نے تمہاری پروا ہی نہیں، عفان اور عجو کی فکر میں مرنے لگی۔ ان کی دیکھ بھال کر کے ان کا خیال کر کے میں اللہ کو راضی کرنے میں لگی رہی اور میں نے تمہارے ہونے کا شکر ادا ہی نہیں کیا تو اللہ کیسے راضی ہوتا اس نے عفان کو لے لیا۔" وہ رونے لگیں بلند آواز میں اور ہشام کا صبر ختم ہو گیا۔
"ماما۔" وہ تڑپ کر مڑا۔ اور انہیں اپنے دونوں بازوؤں میں لے لیا۔
"تم۔۔۔ تم مجھ سے نفرت کرتے ہونا۔" ہشام کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔
"نہیں۔" اس نے اور مضبوطی سے انہیں اپنے ساتھ لپٹا لیا۔
"ماما میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں۔ آپ میری پروا کریں نہ کریں لیکن مجھے آپ کی پروا ہے۔ مجھے آپ کی ضرورت ہے۔ مجھے اور عجو دونوں کو۔ عفان اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ یہ اللہ کی رضا تھی۔ اس کی مرضی تھی اس نے دیا تھا۔ اسی نے لے لیا۔ ہم دونوں آپ کے پاس ہیں وہ اگر ہمیں بھی لے لیتا مجھے اور عجو کو بھی۔"
"نہیں۔" انہوں نے تڑپ کر ہشام کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیے۔
"نہیں ایسا مت کہو شام۔۔۔ تمہارے بغیر تم دونوں کے بغیر کیسے جیوں گی۔"
"مجھے اللہ کی رضا پر راضی ہونا کبھی نہیں آیا۔ میں نے ہمیشہ اللہ سے شکوہ ہی کیا۔ ہمیشہ ناراض رہی۔ ہمیشہ یہ۔۔۔"
"ادھر دیکھیں۔" ہشام نے دائیں ہاتھ کی پشت سے اپنے رخساروں پر بہہ آنے والے آنسو پونچھے اور بات بدلی۔
"ادھر وہ عجو کو دیکھیں۔" عجو اپنے دروازے سے جھانک رہی تھی۔ اس کا چھوٹا سا سر مسلسل ہل رہا تھا اور وہ مسکرا رہی تھی۔
"وہ ہمیں دیکھ رہی ہے۔ آپ کو پتا ہے ماما اس نے عفان کو بہت ڈھونڈا۔ بہت سارے دنوں تک وہ آدھی چاکلیٹ عفان کو دینے کے لیے مٹھی میں بند کر لیتی تھی۔ اس کے کمرے میں جا کر اسے ڈھونڈتی تھی۔ کبھی ادھر کبھی ادھر کبھی پردوں کے پیچھے جھانک کر لیکن اب اسے نہیں ڈھونڈتی اس کے لیے چاکلیٹ بھی نہیں رکھتی کیونکہ اس نے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ اب نہیں آئے گا۔ آپ بھی تسلیم کر لیں کہ وہ اب نہیں رہا۔ راضی ہو جائیں اللہ کی رضا پر۔" وہ بہت نرم لہجے میں آہستہ آہستہ بولتا ہوا ایک بازو ان کے گرد حمائل کیے انہیں صوفے پر لایا۔ اور انہیں بٹھاتے ہوئے خود بھی پاس بیٹھ گیا۔
"ہاں میں راضی ہو اللہ کی رضا پر۔" انہوں نے آہستگی سے کہا اور ایک بار پھر آنسو ان کی آنکھوں سے بہنے لگے۔
"آپ کو ایک بات بتاؤں آپ دنیا کی سب سے اچھی ماں ہیں۔ دنیا کی سب سے اچھی ماں اپنے بیٹے کے لیے کھانا لگوائے گی اور دونوں ماں بیٹا مل کر کھائیں گے۔" ہلکی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر نمودار ہوئی۔
"تم کالج سے آئے تھے۔ بھوکے ہو گے اور میں نے تمہارا ذرا بھی خیال نہیں کیا پھر بھی تم کہتے ہو میں اچھی ماں ہوں۔"
"ہاں۔۔۔ آپ اچھی ماں ہیں۔" وہ کھل کر مسکرایا۔
"شفو، شفو۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور شفو کو بلاتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئیں تو اس نے ریلیکس ہوتے ہوئے صوفے کی پشت پر سر ٹکتے ہوئے ٹانگیں پھیلائیں۔ دل کے اندر دور تک اطمینان پھیلتا گیا۔۔۔۔
ماما اس کے لیے کھانا لگوانے کے لیے کچن میں گئیں۔ وہ بھول گئی تھیں کہ وہ کچھ دیر پہلے قبرستان جانے کی ضد کر رہی تھیں اور وہ یوں ہی صوفے کی پشت پر سر رکھے انہیں ڈائننگ ٹیبل کے پاس کھڑا دیکھتا رہا۔ وہ شفو کی مدد سے کھانا لگوا رہی تھیں۔ اور

کتنے عرصے بعد آج وہ ماما کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا کھائے گا۔ انہوں نے اشارے سے اسے بلایا اور وہ مسکراتا ہوا ہاتھ دھو کر بیٹھ گیا۔۔۔۔ وہ اس کے لیے اپنے ہاتھوں سے کھانا نکال رہی تھیں اور اصرار کر کے اسے کھلا رہی تھیں اور یہ بہت خوش کن تھا۔ تب ہی عجو بھی کمرے سے نکل کر ان کی کرسی کے قریب کھڑی ہو گئی تو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پاس ہی کرسی پر بٹھا لیا۔ اور اس کے منہ میں بھی لقمے ڈالنے لگیں۔۔۔۔ وہ پہلے سر ادھر ادھر کرتی پھر منہ کھول دیتی۔ کتنے سالوں بعد وہ اس طرح اتنے سکون سے کھانا کھا رہا تھا۔

وہ اس کی طرف توجہ دے رہی تھیں اور مزید کچھ لینے کو کہہ رہی تھیں۔

"شفو۔" انہوں نے شفو کو آواز دے کر عجو کو اس کے کمرے میں لے جانے کو کہا۔۔۔ اور تاکید کی کہ اس کا منہ دھلا کر اس کے پاس بیٹھ کر کچھ دیر کھیلو اور پھر سلا دو۔

"ماما آپ نے کچھ نہیں کھایا۔" ہشام بغور انہیں دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے خود ہی ان کی پلیٹ میں تھوڑے سے چاول ڈالے اور چکن کا پیس رکھا۔

"تمہارے لیے قہوہ بناؤں شامی۔" کھانا کھا کر انہوں نے پوچھا تو ہشام نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پلیز۔" اسے ان کا اس طرح اپنی طرف متوجہ ہونا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا اس نے انہیں عفان اور عجو کے لیے ہلکان ہوتے دیکھا تھا لیکن اس نے آج سے پہلے کبھی شکوہ نہیں کیا تھا۔ اسے ان سے کوئی شکوہ تھا ہی نہیں لیکن اگر آج وہ ان سے اس طرح شکوہ نہ کرتا وہ بھی عفان کے غم سے باہر نہ آپاتیں۔ غم سے زیادہ وہ گلٹی تھیں۔ حالانکہ ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔ پھر بھی وہ ایسا سوچتی تھیں اسے یاد تھا بچپن میں ایک بار شاید اس نے ان سے کہا تھا کہ وہ عفان اور عجو سے زیادہ محبت کرتی ہیں تو انہوں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں شامی۔ عفان اور عجو سے بھی زیادہ لیکن انہیں میری زیادہ ضرورت ہے کیونکہ وہ اپنا خیال خود نہیں رکھ سکتے۔ اور پھر مجھے اللہ سے بھی بہت ڈر لگتا ہے۔ اگر میں نے ان کا خیال نہ رکھا تو اللہ مجھ سے ناراض ہو جائے گا کہ میں نے اس کے عطا کردہ تحفوں کی قدر نہیں کی۔۔۔۔ پھر کیا پتا وہ کیسی سزا دے مجھے۔"

"شام۔۔۔۔ قہوہ۔" ماما نے لاؤنج سے آواز دی تو وہ اٹھ کر لاؤنج میں آ گیا۔

"تھینک یو ماما۔" اس نے اپنا قہوے کا کپ لیا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

"شام" انہوں نے قہوے کا سپ لیتے ہوئے ہشام کی طرف دیکھا۔

"بیٹا کیا تم نے اپنی ماں کو معاف کر دیا ہے۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں ماما۔" ہشام نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔

"ماما میں نے وہ سب صرف اس لیے کہا تھا کہ آپ اللہ کی رضا پر راضی ہو جائیں۔ اللہ کا شکر ادا کریں اس کے لیے جو اس نے دیا اور جو لے لیا اسے اللہ کی رضا جان کر صبر کر لیں۔"

"شام۔" انہوں نے بھی اپنا کپ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"تم نے یہ اتنی بڑی بڑی باتیں کہاں سے سیکھیں بیٹا۔"

"امل کی دادی کہتی ہیں کہ اللہ کو شکر گزاری بہت پسند ہے۔ وہ اپنے شکر گزار بندوں کو ہمیشہ نوازتا ہے۔ محبت کرتا ہے ان سے۔"

"امل کی دادی کیسی ہیں۔ امل کے جانے سے وہ بہت اکیلی ہو گئی ہیں۔ مجھے ان کے پاس جانا چاہیے لیکن میں۔۔۔۔ وہ کتنی بار آئی ہیں میرے پاس اور کتنی تسلی دیتی ہیں مجھے۔۔۔۔ شام میں ان سے ملنے جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے ماما شام کو چلیں گے۔ ابھی آپ قہوہ پی کر کچھ دیر ریسٹ کر لیں۔۔۔۔ کچھ دیر سو جائیں اور پھر فریش ہو کر میں آپ کو لے جاؤں گا دادی بہت خوش ہوں گی۔" اس نے اٹھ کر قہوے کا کپ انہیں پکڑایا

اور پھر قہوہ پی کر وہ خود انہیں ان کے کمرے میں چھوڑ آیا تھا۔ واپسی پر اس نے عجو کے کمرے میں جھانکا تھا۔ وہ سو رہی تھی اور شفو اس کے بکھرے ہوئے کھلونے سمیٹ رہی تھی۔

"ماما سونے کے لیے چلی گئی ہیں تم بھی کچن سمیٹ کر اپنے کمرے میں چلی جانا۔" شفو کو ہدایت دے کر وہ کمرے میں آیا اور لیٹنے سے پہلے اس نے عبدالرحمٰن ملک کو فون کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ کچھ دن ملک ہاؤس آ کر رہیں اس طرح ماما کو سنبھلنے میں مدد ملے گی لیکن وہ حویلی جا رہے تھے۔

"کچھ دنوں کے لیے حویلی جا رہا ہوں ابھی راستے میں ہوں وہاں جا کر بات کروں گا اور تمہیں ایک اچھی خبر بھی سناؤں گا۔"

"کیسی خبر۔" وہ متجسس ہوا تھا۔

"حویلی جا کر تصدیق کر لوں پھر بتاؤں گا۔" عبدالرحمٰن کافی خوش لگ رہے تھے۔

"اور ہاں تمہاری ماما کی طبیعت اب کیسی ہے۔"

"آج کچھ بہتر ہیں لیکن مجھے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے..... آپ اگر اس وقت ماما کے ساتھ ہوں گے تو وہ بہت جلد سنبھل جائیں گی۔"

"او کے یار حویلی سے واپسی پر آؤں گا۔" وہ ہشام کی بات نہیں ٹال سکتے تھے۔ ورنہ پچھلے دنوں وہ بے زار ہو گئے تھے..... ہر وقت رونا دھونا۔

"تھینک یو ڈیڈی۔" اس نے فون بند کیا ہی تھا کہ شفو نے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ بھئی کیا بات ہے۔"

"وہ جی میڈم نیلوفر آئی ہیں۔"

"تو انہیں بتا دینا تھا کہ ماما سو رہی ہیں۔" وہ جھنجلایا۔

"بتایا تھا جی لیکن انہوں نے کہا آپ تو ہیں نا سٹنگ روم میں بیٹھی ہیں جی۔"

"اچھا تم جاؤ میں آتا ہوں۔" وہ دونوں ہاتھوں سے بال پیچھے کرتا ہوا سٹنگ روم میں آیا۔ میڈم نیلوفر ہمیشہ کی طرح آراستہ پیراستہ تھیں۔ ضرور کسی بیوٹی پارلر سے ہو کر آ رہی تھیں۔ ساتھ میں ان کا وہ بھائی بھی تھا جس سے وہ نیلوفر سے بھی زیادہ چڑتا تھا نیلوفر اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"کیسے ہو شامی۔"

"الحمدللہ"

"میں ادھر سے گزر رہی تھی تو سوچا کہ ذرا ادھر کی بھی خبر لے لیں۔ کیسی ہے تمہاری ماں اب۔"

"اللہ کا شکر ہے بالکل ٹھیک ہیں۔ اور اس وقت سو رہی ہیں۔"

"ہاں بتایا تھا تمہاری ملازمہ نے۔"

"اور مسعود صاحب آپ کیسے ہیں۔" وہ مسعود صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔

"جی بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے دانت نکالے۔

"وہ تمہاری پھپھی کی بیٹی نظر نہیں آتی آج کل..... کیا نام تھا اس کا۔ امل۔ منہ میں پانی آجاتا ہے..... امل۔ املی" اس نے چٹخارا بھرا تو ہشام کا صبر جواب دے گیا۔

"شٹ اپ۔" اپنی غلیظ زبان سے میری کزن کا نام مت لو۔"

"واہ بھئی۔ ہم نے ایسا کیا کہہ دیا جو تم ناراض ہو رہے ہو۔" ہشام نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے نیلوفر کی طرف دیکھا۔ عبدالرحمٰن کی وجہ سے وہ ان سے اخلاق برتنے پر مجبور تھا۔

"او کے میڈم میں تھکا ہوا کالج سے آیا ہوں..... آپ بیٹھیں چائے پی کر جائیے گا۔ شفو آپ کو سرو کرتی ہے۔" اس نے شفو کی طرف دیکھا جو جوس کے گلاس ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔ اور خود تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"تمہیں کہا تھا سودے کوئی فضول بات مت کرنا۔" اس نے سنا نیلوفر اسے ڈانٹ رہی تھی۔

"ارے تو میں نے ایسا کیا کہہ دیا آپ جو بول رہی ہو۔" ہشام نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور ٹہلنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے گیٹ کھلنے اور بند ہونے کی

آواز سنی۔ وہ چلے گئے تھے۔

"امل۔" اس نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اپنے شوز کے تسمے کھولتے ہوئے زیر لب کہا۔ اور سیدھا ہوتے ہوئے کلاک پر نظر ڈالی شام کے پانچ بج رہے تھے اس وقت وہاں دن کا ایک بجا ہوگا۔ اس نے بیڈ پر پڑا اپنا فون اٹھایا اور امل کا نمبر ملانے لگا۔ چوتھی بیل پر اس نے فون اٹھالیا تھا۔

"ہیلو امل کیسی ہو۔"

"شامی میں تو ٹھیک ہوں تم کیسے ہو اور مامی کیسی ہیں اب۔" اس کی آواز سے پریشانی جھلکتی تھی۔

"ہم سب ٹھیک ہیں امل اور ماما بھی بہت بہتر ہیں۔"

"شکر ہے۔" وہ یک دم خوش ہوگئی تھی۔

"میں بہت پریشان تھی تمہارے لیے۔ میں بہت روئی تھی کہ میں اتنی دور یہاں ہوں اور تم وہاں اکیلے اس دکھ کو برداشت کر رہے ہوگے۔"

"امل تم بس ہمارے لیے دعا کرنا۔ کافی ہے۔"

"پتا ہے شامی۔۔۔" ہمیشہ کی طرح وہ اسے تفصیل بتانے لگی تھی۔

"میں عفان کا سن کر بہت اداس ہوگئی تھی تو موحد مجھے ساتھ لے گیا تھا گھمانے۔" ہشام ہونٹ بھینچے خاموشی سے سن رہا تھا۔

"موحد نے ان دنوں میرا بہت خیال رکھا۔ اس روز بھی وہ اپنا کام چھوڑ کر میری اداسی دور کرنے کے لیے میرے ساتھ گیا تھا۔ سعد نے مجھے بعد میں بتایا تھا۔ بہت ضروری بکس دیکھنی تھیں اسے لائبریری میں۔۔۔"

"تم کیا کر رہی ہو اب۔" پتا نہیں یہ موحد نامہ کب تک چلنا تھا اس لیے موحد نے بات کاٹی۔

"میں کچن میں ہوں۔ بریانی کی تیاری کر رہی ہوں۔ رات سعد اور موحد ڈنر ہمارے ساتھ کریں گے۔ اور موحد کو بریانی بہت پسند ہے۔ جب تک اس کی ماما ٹھیک تھیں تو وہ ان سے فرمائش کرکے پکواتا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ میرے ہاتھ میں بھی اس کی ماما کے ہاتھ جیسا ذائقہ ہے۔"

"تو تم نے بریانی پکانے کی خاطر آج یونیورسٹی سے چھٹی کرلی ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں تلخی آگئی تھی لیکن امل نے محسوس نہیں کیا۔

"نہیں آج میری کلاسز نہیں تھیں اور ہاں کل ہم برمنگھم جائیں گے دو تین دن کے لیے پاپا کے دوست ہیں نا انکل فاروق ان کے ہاں کوئی فنکشن ہے اور پاپا کو کسی سیمینار میں بھی شرکت کرنا ہے۔"

"او کے تم موحد کے لیے بریانی پکاؤ پھر بات ہوگی۔" اس نے یک دم ہی فون بند کرکے بیڈ پر اچھال دیا اور خود بھی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ اور امل کے متعلق سوچنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"احسن نے کبھی مجھ سے محبت نہیں کی اور میں سمجھتی تھی وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔" ثمرین آج بڑے دنوں بعد دل سے تیار ہوئی تھی اور وہ سبین کے ساتھ شاپنگ کے لیے جانا چاہتی تھی اور اب سبین کی البم میں سے اپنی اور احسن کی تصویریں نکال نکال کر پھاڑ رہی تھی۔

"وہ آپ سے بہت محبت کرتے تھے آپی۔" سبین نے سنجیدگی سے کہا اور البم بند کردی۔ اس واقعے کے بعد سبین بے حد سنجیدہ ہوگئی تھی۔ حالانکہ پہلے وہ بہت شوخ و شریر تھی۔

"نہیں محبت یہ نہیں ہوتی سبو کہ اس نے مجھے میری ذرا سی غلطی پر گھر سے باہر نکال دیا۔ اگر وہ مجھ سے محبت کرتا تو مجھے گلے سے لگا لیتا اور میری غلطی معاف کردیتا۔"

"وہ ذرا سی غلطی نہیں تھی بجو۔" سبین نے اداسی سے کہا۔ ثمرین آٹھ ماہ گزرنے کے بعد بھی کبھی اس بچے کو یاد کرکے نہیں روئی تھی جسے وہ رات کے اندھیرے میں کہیں پھینک آئی تھی۔ ان آٹھ ماہ کے ہر دن میں اس نے صرف احسن کی بے وفائی کا رونا رویا تھا اسے پتھر دل اور ظالم کہا تھا لیکن اس نے خود اپنے

دل پر ہاتھ نہیں رکھا تھا کہ وہ کتنا پتھر تھا۔
وہ احسن کی منتظر تھی جب طلاق کا پہلا نوٹس آیا تھا تو اس کے بعد فون کی ہر گھنٹی پر لپک کر فون تک جاتی تھی کہ ضرور احسن نے فون کیا ہو گا کہ وہ لوٹ آئے رجوع کر لے۔ گیٹ کی بیل ہوتی تو بھاگ کر لاؤنج سے نکل کر برآمدے تک آتی کہ ضرور احسن شرمندہ ہو کر اسے لینے آیا ہو گا لیکن ہر بار مایوسی ہوتی۔ احسن نے سامنے والا گھر فروخت کر دیا تھا۔ اسپتال کی جاب چھوڑ دی تھی جہلم میں ہر جاننے والے کو فون کر کے اس نے احسن کے متعلق پوچھا تھا لیکن کسی کو علم نہیں تھا۔ اگر علم ہو جاتا کہ وہ کہاں ہے تو ایک بار پھر وہ اس کے پاس جاتی اس کے قدموں پر گر جاتی' اماں کی منت کرتی۔ اماں دل کی نرم تھیں ضرور احسن کو منالتیں لیکن احسن کا پتا نہیں چلا تھا اور دوسرا نوٹس بھی آگیا تھا اور پھر تیسرا بھی اس روز وہ تڑپ تڑپ کر روئی تھی۔
آج جیسے اس نے مجھ سے محبت کی ہی نہیں تھی۔
آج جیسے اس نے خود کو یقین دلایا تھا تو ٹھیک ہے مجھے بھی دکھ نہیں ہے۔ ثمرین ابھی اتنی گئی گزری نہیں ہے کہ احسن کی محبت میں جوگ لے لے اگر اسے میری پروا نہیں تھی تو میں کیوں اس کی پروا کروں۔ میں کیوں یاد کروں اسے۔
اور وہ بہت اچھے موڈ کے ساتھ اچھی طرح تیار ہو کر سبین کے کمرے میں آئی تھی اور یہاں سبین پتا نہیں کیوں البم کھولے بیٹھی تھی۔ "کتنے عرصہ بعد میرا جی چاہا تھا باہر جانے کو شاپنگ کرنے کو اور یہ تصاویر دیکھ کر میرا موڈ خراب ہو گیا ہے۔ سبین میں اب زندگی بھر اس شخص کو دیکھنا نہیں چاہتی۔"
"ہو سکتا ہے وہ بھی زندگی بھر آپ کو نہ دیکھنا چاہتے ہوں۔" سبین نے سوچا۔ "تب ہی اپنا آبائی گھر فروخت کر کے چلے گئے ہیں۔" اور ایک گہرا سانس لے کر ثمرین کی طرف دیکھا۔
"ٹھیک ہے چلتے ہیں آپ نے کیا شاپنگ کرنی ہے۔" وہ اس کی بہت پیاری بہن تھی اسے ثمرین سے بہت محبت تھی۔ وہ کئی ماہ سے اس کی حالت دیکھ رہی تھی۔ ہر وقت کمرے میں بند رہنا۔ فون کی گھنٹی پر دوڑ پڑنا۔ ممی ڈیڈی نے بھی اسے ہی برا بھلا کہا تھا... وہ بھی اسے ہی قصوروار سمجھتی تھی۔ جو ہونا تھا ہو چکا اور شاید ایسا ہی ہونا لکھا تھا مقدر میں۔
"ممی بتا رہی تھیں ماموں جان تمہاری شادی کی تاریخ لینے آرہے ہیں تو میں نے سوچا کوئی نئے ڈیزائن کا ڈریس لے لوں۔ اور چہرہ بھی اتنا خشک ہو رہا ہے۔ ایک چکر پارلر کا بھی لگا لوں گی۔"
"ٹھیک ہے میں تیار ہی ہوں صرف جوتے پہننے ہیں۔"
"سبین تم خوش ہو نا اس رشتے سے۔"
"ہاں۔ ممی ڈیڈی نے یقیناً" میرے لیے بہتر ہی سوچا ہو گا۔"
سبین بہت خوش تھی اس نے والدین کی پسند پر سر جھکا دیا اور اچھے برے سب کے وہی ذمہ دار تھے۔ احسن نے اسے طلاق دے دی تھی تو وہ ممی ڈیڈی سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی کیونکہ وہ اس کی اپنی پسند تھا۔
"ماں باپ کے طے کیے رشتے زیادہ پائیدار ہوتے ہیں سب ہی؟" اس نے سبین سے پوچھا۔
"نہیں یہ کوئی حتمی بات نہیں ہے آپی۔ کہیں کہیں ماں باپ کے طے کیے ہوئے رشتے بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔" سبین اس کے دل کی کیفیت سمجھ رہی تھی۔
"اور احسن بھائی میں تو بہت خوبیاں تھیں مسئلہ صرف ذات برادری کا تھا لیکن جب اسے اگنور کر دیا گیا تو ممی ڈیڈی نے خوش دلی سے انہیں قبول کیا۔ بہت پسند کرتے تھے ڈیڈی احسن بھائی کو۔ بس ساری بات تقدیر کی ہے آپی۔"
"اللہ تمہارا نصیب اچھا کرے سبین۔" اس نے پرنم آنکھوں سے دعا دی تھی۔ اس روز سبین کے ساتھ اس نے شاپنگ بھی کی پارلر بھی گئی اور انجوائے بھی کیا لیکن دل کے اندر کہیں سناٹا۔ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ کیا وہ کبھی احسن کو بھول پائے گی۔ اس نے خود سے پوچھا اور آنکھیں نم ہو گئیں۔ شاید کبھی نہیں۔

اور وہ..... آج اتنے مہینوں بعد اسے اس کا خیال آیا تھا جسے ایک اندھیری طوفانی رات میں اس نے نیم دائرے کی شکل والے برآمدے میں چھوڑ دیا تھا۔

کیا پتا وہ زندہ ہو..... کسی نے اٹھا لیا ہو اسے اور..... اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ اسے جہلم سے آئے آٹھ مہینے ہو گئے تھے اور احسن کو جہلم چھوڑے چھ ماہ ہو گئے تھے تقریباً" اور احسن جب تک جہلم رہا دیوانوں کی طرح اسے ڈھونڈتا رہا یہ بات وہ جانتی تھی..... اور کیا پتا اس کے جانے کے بعد اس کے متعلق کچھ پتا چلا ہو۔ ایک بار مجھے پتا تو کرنا چاہیے۔ اگر وہ مل جائے تو آٹھ ماہ کا ہوگا اس وقت لیکن میں اسے پہچان لوں گی۔ وہ تو سب سے مختلف تھا۔ کٹے ہوئے ہونٹ اور اس نے جھرجھری سی لی۔

اور اگر وہ مل جائے تو اسے احسن کے حوالے کر کے سرخرو ہو جاؤں۔ اسے اس کا بچہ مل جائے گا تو وہ مجھے معاف کر دے گا۔ پھر ضرور پچھتائے گا وہ..... مجھے اپنی محبت کو چھوڑ دینے پر اور اس کی خواہش تھی کہ وہ پچھتائے۔ اس نے جہلم جانے کا سوچا ہی نہیں بلکہ ممی اور سبین سے کہہ بھی دیا۔

"اب کیا فائدہ ثمو ملنا ہوتا تو تب ہی مل جاتا۔" ممی نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"لیکن ممی پلیز ایک بار مجھے کوشش تو کرنے دیں ہو سکتا ہے اب....." اور سبین کو اس سے اس پر بڑا ترس آیا۔

"ٹھیک ہے ممی میں اور ثمرین آپی کل ہی جہلم چلے جاتے ہیں..... دور ہی کتنا ہے جہلم دو تین گھنٹے کا تو سفر ہے۔" اور دوسرے ہی دن وہ جہلم تھیں۔ جہلم جہاں پہلی بار وہ احسن کے ساتھ آئی تھی۔ ایک ہوک سی دل میں اٹھی تھی اور آٹھ ماہ بعد وہ پھر اسی کالونی کے دروازے کھٹکھٹا رہی تھی۔ کئی ایک کو تو یاد بھی آ گیا تھا۔

"ارے ہاں وہ ڈاکٹر صاحب کا بیٹا جسے کسی نے اغوا کر کے ہماری کالونی میں پھینک دیا تھا۔ بے چارہ بچہ۔" ایک خاتون نے افسوس کا اظہار کیا تھا۔ اور

ثمرین کی حالت دیکھ کر سبین کے دل میں اس کے لیے جو خفگی تھی وہ خود بخود ہی ختم ہو گئی۔ انسان بہت کمزور مخلوق ہے کبھی کبھی اپنے ہی جذبات کے ہاتھوں مغلوب ہو جاتا ہے۔ اور ثمرین کے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا۔ جہلم سے آ کر کئی دن تک وہ افسردہ رہی۔ پھر سبین کی شادی کی تاریخ طے پا گئی اور گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں وہ بھی بدل گئی۔ اس روز سبین کی مہندی تھی۔ ثمرین جب تیار ہو کر آئی تو ایک لمحہ کے لیے ممی کی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔ وہ بے انتہا حسین تھی' اس میں کوئی شک نہیں تھا اور ہلکے سے حزن نے جو میک اپ کے اندر سے بھی جھلکتا تھا اسے اور بھی پرکشش بنا رہا تھا۔ حسن سوگوار۔

"تو کیا اب باقی کی عمر ثمرین یوں ہی گزار دے گی۔ کیسے کٹے گا اتنا لمبا سفر۔" ثمرین کو سبین کے پاس بھیج کر انہوں نے راجہ صاحب کی طرف دیکھا۔

"نہیں ہم اسے ساری زندگی نہیں بٹھا سکتے۔ سبین کی شادی ہو جائے تو آپ ثمو کے لیے بھی کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر رخصت کر دیں۔ ہماری زندگیوں کا کیا بھروسا۔ بھائی کوئی ہے نہیں جس کی آس پر بیٹھی رہے۔"

"وہ مان جائے گی۔" ممی خوف زدہ تھیں جانتی تھیں احسن کے ساتھ شادی کے لیے کتنی ضد کی تھی اس نے اور کتنی محبت کرتی تھی وہ احسن سے۔

"اس نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری ہے۔ ہم ساری زندگی ساتھ نہیں رہیں گے۔ اسے ماننا ہی ہوگا۔"

"احسن نے بھی تو زیادتی کی ہے نا۔" وہ ماں تھیں ان کا دل ثمرین کے لیے روتا تھا۔ "کیا تھا اگر احسن تھوڑا دل بڑا کر لیتا۔

"نہیں عالیہ بیگم احسن نے نہیں زیادتی ثمرین نے کی ہے اس کے ساتھ..... وہ صرف ثمرین کا بیٹا نہیں تھا احسن کا بھی تھا اس کے متعلق تنہا فیصلہ کرنے کا حق ثمرین کو نہیں تھا اور وہ بھی اتنا ظالمانہ فیصلہ۔" تو آج پہلی بار ڈیڈی نے اس واقعے کے متعلق کچھ کہا تھا اور

واپس آتی ثمرین وہاں ہی ٹھٹک کر رک گئی۔
"تو...... تو کیا میں ظالم ہوں...... میں نے ظلم کیا۔"
"ابھی چند ماہ اور گزر جائیں تو پھر کسی سے بات کرنا ثمرین کے رشتے کی۔" ثمرین کو یاد ہی نہیں رہا کہ سبین کے کمرے میں جاتے جاتے وہ کیا پوچھنے کے لیے پلٹی تھی۔ وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی سبین کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ جو ابھی کچھ دیر پہلے ہی پارلر سے تیار ہو کر آئی تھی۔ وہ ڈائریکٹ ہال میں جانے کے بجائے گھر آئی تھی کیونکہ ماموں (سبین کے سسرال) کی فیملی کچھ دیر پہلے ہی ملتان سے پہنچے تھے اور ابھی اپنے ہوٹل میں تیار ہو رہے تھے۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو سبی۔" اس نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر اس کی پیشانی چوم لی۔
"اللہ تمہیں فواد کے ساتھ ہمیشہ بہت خوش رکھے سبو۔ تمہارے بعد بہت اکیلی ہو جاؤں گی۔" اور سبین کا دل ثمرین کے لیے افسردہ ہوا اور اس نے دل میں ثمرین کے لیے بھی دعا کی کہ اللہ اسے بھی زندگی بھر ساتھ دینے کے لیے کوئی اچھا ساتھی دے دے۔ اور یہ شاید کوئی قبولیت کی گھڑی تھی کہ ملتان سے مہمانوں کے ساتھ آنے والے فواد کے ایک کاروباری دوست نے ثمرین کو پہلی نظر میں ہی پسند کر لیا۔ نکاح کے بعد جب وہ سبین کو اسٹیج پر بٹھا کر نیچے اتر رہی تھی تو اس کی اونچی ہیل کارپٹ میں الجھ گئی جو اسٹیج کی سیڑھی پر بچھا ہوا تھا وہ لڑکھڑائی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ گر جاتی دو ہاتھوں نے اسے تھام لیا تھا۔ یہ فواد کے ساتھ آنے والا اس کا ایک دوست تھا جو چند لمحے پہلے ہی فواد کے ساتھ اسٹیج تک آیا تھا۔
"شکریہ۔" سبین نے سنبھلتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وارفتہ سا اسے دیکھ رہا تھا۔ ثمرین جلدی سے وہاں سے ہٹ گئی تھی لیکن اس کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔ ثمرین کو یاد بھی نہیں رہا تھا کہ سبین کی مہندی والے دن کسی نے اسے گرتے ہوئے سنبھالا تھا لیکن وہ اسے نہیں بھولا تھا اس کا حسین سراپا تو جیسے اس کی نظروں میں بس گیا تھا۔ وہ لڑکی کس قدر حسین تھی۔ اتنا مکمل حسن، بارات اور ولیمہ پر بھی اس کی نظریں اسے اپنے حصار میں لیے رہیں۔
وہ فواد کی کزن اور اس کی بیوی کی بڑی بہن تھی اور یہ کہ اسے طلاق ہو چکی تھی۔ یہ ساری معلومات اس نے حاصل کر لی تھیں لیکن اس کے بعد اسے کیا کرنا تھا یہ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔ لیکن کب تک ایک روز وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر فواد کے پاس آپہنچا وہ ملتان میں مستقل رہائش نہیں رکھتا تھا فواد سے اس کی ملاقات کاروبار کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ وہ عمر میں فواد سے چند سال بڑا تھا لیکن دونوں کے درمیان پچھلے دو سال سے دوستی کا مستحکم رشتہ بن چکا تھا اور وہ اس کا بزنس میں سلیپنگ پارٹنر بھی تھا۔ دو تین بار فواد اس کی آبائی زمینوں پر بھی جا چکا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ دل کی بات کہتے ہوئے جھجک رہا تھا۔
فواد اسے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔
"ارے آپ اچانک اتنی جلدی آپ سے ملاقات متوقع نہیں تھی۔"
"بس ادھر آیا تو سوچا آپ سے ملتا جاؤں۔ بھابھی کیسی ہیں۔"
"اللہ کا شکر ہے۔" وہ سبین کے لیے گفٹ بھی لے کر گیا تھا اور انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دی تھی لیکن اظہار مدعا نہ کر سکا۔ اور واپس آگیا۔ ثمرین سے پہلے بھی وہ کئی لڑکیوں سے مل چکا تھا۔ لیکن کبھی اس طرح بے قرار نہیں ہوا تھا حالانکہ پچھلے ایک سال سے وہ دوسری شادی کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا۔ ماں جی کی بھی یہ ہی خواہش تھی کہ اولاد کی خاطر اسے شادی کر لینا چاہیے۔ اور اس کے لیے انہوں نے ایک دو لڑکیاں بھی دیکھی تھیں لیکن قرعہ فال ثمرین کے نام نکلا تھا۔
"فواد میں تمہاری کزن سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ ایک بار فواد کے پاس آپہنچا۔
"ثمرین سے۔"
فواد حیران ہوا۔

"ہاں۔"

"لیکن پتا نہیں وہ کرنا بھی چاہتی ہے یا نہیں۔ ابھی سال بھی نہیں ہوا اس کی طلاق کو۔ شادی کے صرف دو سال بعد علیحدگی ہو گئی تھی۔"

"مجھے اس سے غرض نہیں کہ طلاق کیوں ہوئی۔ اگر ثمرین کی فیملی میرا پروپوزل قبول کر لیتی ہے تو میرے لیے باعث اعزاز ہو گا۔" اور فواد نے متاثر ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے میں بیین سے بات کرتا ہوں وہ پھوپھو سے بات کر لے گی۔"

اور جب بیین نے ممی سے بات کی تو انہوں نے اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، ثمرین کے لیے اس سے بہتر کوئی اور رشتہ نہیں مل سکتا تھا۔ وہ فواد کی معلومات پر مطمئن تھیں پھر بھی بیین سے ملنے کے بہانے وہ راجہ صاحب کو لے کر فواد کے دوست کو بھی دیکھ آئی تھیں وہ خوش شکل تھا، خاندانی تھا۔ پیسے والا تھا۔ اور کیا چاہیے تھا..... راجہ صاحب کو بھی اعتراض نہ تھا۔ لیکن ثمرین نہیں مان رہی تھی۔

"ممی یہ تو سوچیں وہ پہلے سے شادی شدہ ہے۔"

"تو تم بھی تو شادی شدہ ہو ثمرین۔"

"لیکن اس کی بیوی بھی موجود ہے۔" ثمرین نے اعتراض کیا۔

"اس کے باوجود لوگ اپنی کنواری لڑکیاں بھی اسے خوش ہو کر دینا چاہتے ہیں اور اس نے کچھ چھپایا نہیں ہے صاف بتا دیا ہے کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا کیونکہ وہ اس کی چچا زاد ہے وہ آبائی گھر میں رہے گی اور تمہیں وہ الگ گھر لے کر دے گا۔"

"نہیں ممی پلیز نہیں۔ میں شادی نہیں کر سکتی۔" وہ روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اسے اس روز احسن بہت یاد آیا۔ احسن جسے اس نے ٹوٹ کر چاہا تھا۔ احسن جس کے لیے اس نے ممی ڈیڈی کو ناراض کیا تھا اور صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کرے گی اور اب کسی اور سے کیسے؟ نہیں کبھی نہیں۔ ٹھیک ہے احسن نے اسے اپنے زندگی سے نکال دیا ہے لیکن وہ احسن کے علاوہ کسی اور کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ جاب کرے گی لیکن شادی نہیں کرے گی اور اپنے فیصلے سے مطمئن ہو کر وہ سو گئی۔

☼ ☼ ☼

"پاپا مجھے بولٹن واپس جانے سے پہلے اسپتال جانا ہے موحد کی ماما کو دیکھنے۔" امل نے اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے شفیق احمد کو یاد دلایا۔

"مجھے یاد ہے بیٹا ابھی دو دن تو ہم یہاں ہیں، صبح مجھے برمنگھم یونیورسٹی میں ایک سیمینار میں شرکت کرنا ہے۔ وہاں سے واپس آکر تمہیں اسپتال لے جاؤں گا لیکن تم نے موحد سے سب پوچھ لیا تھا نا کہ کون سا اسپتال ہے اور۔" شفیق احمد نے کوٹ اتار کر وارڈروب میں لٹکایا۔ اور نیچے کارپٹ پر رکھے بیگ کو اٹھا کر بیڈ پر رکھا۔

"موحد ادھر ہی ہے پاپا۔ میں اسے فون کروں گی تو وہ پک کر لے گا مجھے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے میں مصروف ہوں گا تو تم ادھر اسپتال سے ہو آنا۔" انہوں نے بیگ کی زپ کھول کر نائٹ سوٹ نکالا اور واش روم چلے گئے۔

وہ آج صبح ہی ٹرین سے برمنگھم پہنچے تھے تقریباً بولٹن سے چار ساڑھے چار گھنٹے کا سفر تھا موحد ان سے ایک دن پہلے ہی آگیا تھا۔ وہ سیدھے پاپا کے دوست انکل فاروق کے گھر آئے تھے شفیق احمد نے اسے بتایا تھا کہ وہ جب بھی برمنگھم آتے تھے فاروق کے گھر ہی ٹھہرتے تھے۔ انکل فاروق کی فیملی میں ان کے دو بیٹے تھے اور بیٹی اور داماد پاکستان سے آئے ہوئے تھے۔ بیٹی کی شادی چونکہ پاکستان میں ہوئی تھی اس لیے اسی سلسلے میں انہوں نے اپنے جاننے والوں کو ڈنر پر انوائٹ کر رکھا تھا۔ امل نے اس ڈنر پارٹی کو انجوائے کیا تھا۔ زیادہ لوگ نہیں تھے۔ سب ہی اچھی طرح امل سے ملے تھے اور اتنے دنوں بعد اتنے سارے پاکستانی لوگوں سے مل کر اسے اچھا لگا تھا۔

"امل بیٹا کیسا لگا تمہیں سب سے ملنا۔" شفیق احمد کپڑے تبدیل کر کے آ گئے تھے اور وارڈ روب کے سامنے کھڑے تھے۔

"بہت اچھا پاپا۔ سب لوگ بہت اچھے تھے اور ڈاکٹر احسن کی بیٹی تو بہت کیوٹ ہے اور بہت جلدی مجھ سے بے تکلف ہو گئی تھی ابھی ابھی اس نے اپنا او لیول کمپلیٹ کیا ہے۔ اس نے مجھے گھر آنے کی بھی دعوت دی ہے لیکن ڈاکٹر احسن کچھ عجیب سے لگے مجھے کیا آپ کو نہیں لگا پاپا کہ وہ کچھ سائیکی سے ہیں۔" ہمیشہ کی طرح اس نے بلا تکلف اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"ڈاکٹر احسن بہت اچھے انسان ہیں۔" شفیق احمد وارڈ روب میں کپڑے ہینگ کر کے اپنے بیڈ پر بیٹھ گئے۔ امل نے کمرے میں نظر ڈالی۔ کمرے میں دو سنگل بیڈ دائیں بائیں دیوار کے ساتھ بچھے تھے۔ درمیان میں شیشے کی ٹاپ والی کافی ٹیبل تھی پردے اور کارپٹ خوب صورت تھے۔

"ڈاکٹر احسن بہت اچھے انسان ہیں لیکن ہر انسان کی کوئی کمزوری ہوتی ہے اور ان کی بھی ایک کمزوری ہے کہ وہ اپنے بچوں کے معاملے میں اپنی بیوی پر ٹرسٹ نہیں کرتے اور ایسا کرتے ہوئے وہ بعض اوقات سائیکی لگتے ہیں۔ دو بچے ہیں ان کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی.... بیٹا دس گیارہ سال کا ہے.... سات سال پہلے میری احسن سے یہاں فاروق کے گھر میں ہی ملاقات ہوئی تھی اور میں نے اسے ہمیشہ بہت اچھا پایا۔" انہوں نے تفصیل سے بتایا۔

"یقیناً" ڈاکٹر احسن کے ساتھ کوئی مسئلہ تھا۔ وہ انکل فاروق کے روکنے پر بھی نہیں رکے تھے۔"

"نہیں وہ محسن گھر پر ہے میں زیادہ دیر نہیں رک سکتا۔ اسے ٹمپریچر تھا۔ اس لیے چھوڑنا پڑا۔" انکل فاروق کے روکنے پر انہوں نے کہا تھا۔

"لیکن بھابھی بھی تو گھر پر ہیں یار کیا وہ خیال نہیں رکھیں گی محسن کا۔" کسی نے کہا تھا۔

"نہیں عورتیں بڑی لاپروا ہوتی ہیں ہو سکتا ہے محسنہ اسے گھر اکیلا چھوڑ کر شاپنگ کے لیے چلی جائے اور محسن کی طبیعت خراب ہو جائے۔" وہ کافی بے چین اور مضطرب لگ رہے تھے۔

"ارے یار وہ عورت نہیں صرف 'ماں' بھی ہے۔"

"ماں" ان کے لبوں پر تلخ سی مسکراہٹ آئی تھی وہ شاید کوئی سخت بات کہتے کہتے رک گئے تھے اور پھر لمحہ بھر بعد آہستگی سے بولے تھے۔

"آج کل کی مائیں انتہائی ناقابل اعتبار ہوتی ہیں۔ ان کی اپنی خواہش اتنی زود آور ہوتی ہیں کہ بچے ان کی نظروں میں اپنی اہمیت کھو بیٹھتے ہیں۔" کسی اور نے ان کی بات شاید نہ سنی ہو لیکن امل نے سنی تھی کیونکہ وہ ان کی بیٹی اسما کے پاس بیٹھی تھی اور وہ اس کے پاس ہی کھڑے تھے۔

"چلو اسمی۔" انہوں نے اسما کو اٹھنے کے لیے کہا تھا۔

"مگر پاپا آپ نے تو باہر سے لاک کر دیا تھا مما نے کہاں جانا ہے اور ساری چابیاں بھی آپ کے پاس ہیں۔" اسما نے بے حد آہستگی سے کہا تھا جیسے سرگوشی کی ہو لیکن وہ اتنی قریب تھی کہ اس نے اسما کی بات بھی سنی تھی اور حیران ہوئی تھی۔

"وہ گھر کے اندر بھی تو غافل ہو سکتی ہے۔ نقصان پہنچا سکتی ہے اسے۔" ڈاکٹر احسن کا لہجہ بھی سرگوشی جیسا تھا۔

"ویسے تمہارا دل چاہ رہا ہے رکنے کو تو رک جاؤ فاروق تمہیں چھوڑ جائے گا۔"

"نہیں۔" اسما کھڑی ہو گئی تھی اس نے محسوس کیا تھا کہ اس ہنستی مسکراتی لڑکی کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا اور وہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔

اس کا جی چاہا تھا وہ ڈاکٹر احسن سے بات کرے اور پوچھے کہ وہ ماؤں کے متعلق اتنے تحفظات کا کیوں شکار ہیں۔ اور انہیں قائل کرے اور بتائے کہ ماں سے زیادہ بڑھ کر کوئی اور بچے کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی ماں سے بڑھ کر کوئی اور بچوں کا خیال رکھ سکتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر احسن اسما کو لے کر چلے گئے تھے کاش ایک بار پھر ڈاکٹر احسن سے ملاقات ہو تو وہ بتائے

انہیں، اپنی مامی کے متعلق، کیسے انہوں نے اپنے انبار مل بچوں کی خاطر اپنی ہر خواہش تج دی ہے اور وہ خواہ مخواہ ماں پر الزام تراشی کر رہے ہیں۔

اس نے اپنے بیڈ پر لیٹتے ہوئے سوچا تھا اور نہیں جانتی تھی کہ اس کی یہ خواہش اگلے روز ہی پوری ہو جائے گی یہ الگ بات کہ وہ ماں کی وکالت نہ کر سکے گی۔ صبح شفیق احمد کے جانے سے پہلے ہی موحد اسے لینے آگیا تھا۔

"میں کچھ دیر بیٹھوں گا۔ کم از کم دو گھنٹے تم بور تو نہیں ہو جاؤ گی نا۔" راستے میں موحد نے پوچھا تھا تو اس نے بے حد حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"کیا ماؤں کے پاس بیٹھ کر بھی کوئی بور ہوتا ہے موحد۔"

راستے میں سے امل نے ان کے لیے پھولوں کا بکے خریدا تھا۔

"ماما کوئین الزبتھ اسپتال میں ہیں۔" راستے میں موحد نے اسے بتایا تھا۔

"بہت بڑا اسپتال ہے کوئین الزبتھ اسپتال برمنگھم۔ اس میں لیور، ہارٹ اور لنگز کی ٹرانسپلانٹیشن بھی ہوتی ہے۔ اور ایک کریٹیکل ایریا یونٹ ہے سویڈز کا اس نے تفصیل بتائی تھی۔"

"اور میرے پاپا بھی یہاں اسی اسپتال میں جاب کرتے ہیں۔ اور ماما جب ٹھیک تھیں تو وہ۔ بی۔ ایم۔ آئی پرائیویٹ ہیلتھ کیئر میں جاب کرتی تھیں۔" موحد کے ساتھ اسپتال جاتے ہوئے وہ مسلسل موحد کی ماما کے متعلق سوچتی رہی تھی اور موحد کے لیے اس کا دل گداز ہوتا رہا تھا۔

"ماں جیسی ہستی کو اس طرح دیکھنا کتنا تکلیف دہ ہے نا موحد۔" ان کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے موحد سے کہا اور پھول بیڈ کے قریب پڑی چھوٹی سی ٹیبل پر رکھ دیے۔ موحد ان کے بیڈ کے پاس کھڑا تھا ساکت اس نے امل کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ اور یہ امید و بیم کی کیفیت اور زیادہ اذیت ناک ہے۔ اس نے سوچا تھا اور انہیں دیکھنے لگی تھی۔ وہ موحد جیسی نہیں تھیں موحد یقیناً" اپنے بابا پر گیا تھا لیکن بالکل ساکت وجود کے ساتھ بھی وہ اسے "ماں" جیسی لگیں۔ یقیناً" وہ شفقت و محبت کا پیکر ہوں گی موحد جیسے اس کی موجودگی سے بے خبر انہیں دیکھے جا رہا تھا۔

"ماما۔" اس نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"سوری مام میں بہت دن نہیں آسکا۔ مجھے پتا ہے آپ نے میرا انتظار کیا ہو گا۔ آپ مایوس ہوئی ہوں گی۔ آپ کو دکھ بھی ہوا ہو گا۔" وہ ہولے ہولے کہہ رہا تھا اور وہ ساکت پتھر کی طرح لیٹی تھیں۔ مختلف نلکیوں کے ذریعے دوائیں اور خوراک ان کے اندر جا رہی تھی پتا نہیں کتنا وقت گزر گیا اسے احساس نہیں ہوا موحد نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ رو رہی تھی موحد کی باتیں سن کر آنسو خود بخود ہی اس کی آنکھوں سے نکل آئے تھے اور اس کے رخسار بھیگتے جا رہے تھے۔ امل اس کی مام کے لیے رو رہی تھی۔۔۔۔ موحد کا دل گداز ہوا۔

"امل چلیں۔" اس نے چونک کر اپنے رخسار صاف کیے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اللہ حافظ ماما۔" امل نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"مجھے یقین ہے آپ ہمیں محسوس کر رہی ہیں۔ آپ ان پھولوں کی خوشبو بھی محسوس کر رہی ہیں اور آپ موحد کے آنے سے بہت خوش ہیں۔" موحد کی خوب صورت آنکھوں میں امل کے لیے ستائش تھی اور حیرت۔

"دیر تو نہیں ہو گئی امل۔" کوریڈور میں چلتے ہوئے موحد نے معذرت طلب نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیا کوئی معجزہ ہو گا موحد کیا کبھی مما اٹھ کر بیٹھ جائیں گی۔ وہ تمہیں دیکھیں گی تم سے بات کریں گی۔" اور اس کی آواز بھرا گئی۔

"پتا نہیں۔" وہ مایوس سا تھا۔

وہ جب بھی مما سے مل کر آتا تھا یوں ہی مایوس سا ہو جاتا تھا لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد امید پھر دل کی زمین پر سے سر اٹھا لیتی تھی اور ہولے ہولے امید کے اس پودے پر پہلے کونپلیں پھوٹتیں اور پھر پھول لہلہانے لگتے۔ وہ پھر سے امید کا دامن تھام لیتا تھا۔ بابا

نے اسے بتایا تھا کہ میڈیکل کی تاریخ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جب سات سال آٹھ سال کومے میں رہنے کے بعد مریض ہوش میں آگیا ہو۔

"تمہارے بابا بھی تو اسی اسپتال میں ہیں نا۔ کیا ان سے نہیں ملواؤ گے موحد۔" امل نے اس کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھا اور اس کا خیال بٹانے کے لیے کہا۔

"ہاں لیکن آج ان کا آپریشن ڈے ہے وہ اس وقت تھیٹر میں ہوں گے۔ تم ابھی رکو گی نا یہاں تو پھر کسی دن بابا سے ملوادوں گا۔"

"پتا نہیں بابا کہہ رہے تھے آج ان کا کام ختم ہو گیا تو شاید کل نکل جائیں۔"

"میں بھی سوچ رہا ہوں کل چلا جاؤں۔ سعد دوبار فون کر چکا ہے۔ ہم نے اسی ہفتے اپنا پراجیکٹ مکمل کرنا ہے ابھی اسپرنگ لیوز (بہار کی چھٹیاں) ہوں گی تو تم آنا اپنے پپا کے ساتھ پھر تمہیں برمنگھم دکھاؤں گا سارا اور بابا سے بھی ملواؤں گا۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"شیور۔ انکل فاروق اور ان کی مسز نے بھی بہت اصرار کیا ہے کہ موسم بہار کی چھٹیاں ان کے ساتھ گزاروں۔" امل نے کہا۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے پارکنگ میں آگئے تھے اچانک ہی امل کی نظر ڈاکٹر احسن پر پڑی جو ایک گاڑی سے اترے تھے۔ اور ایک خاتون ان کے قریب آکر کھڑی ہو گئی تھیں۔

"وہ دیکھو موحد ڈاکٹر احسن ہیں، انکل فاروق کے ہاں ڈنر میں آئے ہوئے تھے۔ ان کی بیٹی بھی تھی ان کے ساتھ سولہ سترہ سال کی۔ لیکن بہت میچور۔" وہ موحد کو ڈاکٹر احسن کے متعلق بتاتے ہوئے ان کے قریب آئی تھی۔

"السلام علیکم انکل۔" ڈاکٹر احسن نے جو اس خاتون سے بات کر رہے تھے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ نے مجھے شاید پہچانا نہیں۔ میں امل شفیق ہوں۔ کل انکل فاروق کے گھر ملاقات ہوئی تھی۔"

"اوہ ہاں یہاں کیسے آنا ہوا۔ اسمی بہت ذکر کرتی رہی ہے آپ کا۔" ڈاکٹر احسن کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"میں موحد کی ماما سے ملنے آئی تھی وہ یہاں ایڈمٹ ہیں۔"

"موحد۔" انہوں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں.... یہ موحد بولٹن میں پڑھتے ہیں اور ان کے بابا ڈاکٹر ہیں یہاں اسی اسپتال میں۔" امل کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ موحد کا تعارف کیسے کرائے اور ڈاکٹر احسن بے خیالی میں موحد کو دیکھے جا رہے تھے۔ دل ہی دل میں انہوں نے اس وجیہہ لڑکے کو سراہا تھا۔ موحد نے مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ جسے ڈاکٹر احسن نے گرم جوشی سے تھام لیا۔

"آپکے بابا کا کیا نام ہے؟"

"ڈاکٹر عثمان ملک۔"

"ارے آپ سرجن عثمان ملک کے بیٹے ہیں۔"

"جی۔" موحد مسکرایا۔

"کئی بار ان سے ملاقات ہوئی ہے۔ بہت ذکر کرتے ہیں وہ آپ کا۔" ڈاکٹر احسن نے ساتھ کھڑی خاتون کی طرف دیکھا۔

"یہ میری مسز ہیں محسنہ۔" امل نے بے یقینی سے انہیں سلام کیا اور باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر احسن بے حد وجیہہ اور پرکشش انسان تھے جبکہ محسنہ بہت عام سی شکل و صورت کی تھیں۔ اسما یقیناً اپنے پاپا پر گئی تھی۔

"بیٹا گھر پر آؤ نا کسی دن اسمی تمہارا بہت ذکر کرتی رہی۔ رات واپس آنے کے بعد۔"

"جی ابھی تو شاید کل واپس چلی جاؤں۔ پھر آئی تو ضرور آؤں گی مجھے خود اسمی بہت اچھی لگی ہے۔" پتا نہیں ڈاکٹر احسن یہاں جاب کرتے تھے یا کسی کام سے آئے تھے اس نے سوچا۔

"میں نے شفیق بھائی سے کہا تھا کہ اگر وہ رکیں تو ایک روز ہمارے ساتھ ڈنر کریں۔"

"جی ضرور۔" امل انہیں خدا حافظ کہہ کر موحد کے ساتھ اس کی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

"پتا ہے موحد رات سونے سے پہلے میں سوچ رہی تھی کہ اگر میری ڈاکٹر احسن سے دوبارا ملاقات ہوئی تو میں ان سے ضرور پوچھوں گی کہ وہ ایک ماں پر ٹرسٹ کیوں نہیں کرتے کہ وہ اپنے بچوں کی بہتر دیکھ بھال کر سکتی ہے لیکن اب یہاں پارکنگ میں تو ایسی بات پوچھنا اکورڈ (بھونڈا) سا لگتا ہے نا..... ہیں نا۔ اس نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے موحد کی طرف دیکھا۔

"مجھے بالکل اچھا نہیں لگا تھا موحد کہ "ماں" جیسی ہستی کے متعلق کوئی اتنا بے یقین ہو۔" وہ موحد کو ساری تفصیل بتانے لگی تھی۔

"تو تم ان کی رائے بدلنا چاہتی ہو۔"

"ہاں۔" اس نے سرہلایا۔

"تمہیں یقین ہے کہ تم ان کی رائے بدل دو گی ہو سکتا ہے ان کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہو کہ....."

"ہو سکتا ہے۔" امل نے اس کی بات کاٹی۔

"لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ محفل میں اپنے ایسے خیالات کا اظہار کریں جو سراسر ان کا ذاتی مشاہدہ یا تجزیہ ہو۔ ماں تو ماں ہوتی ہے موحد اور اس سے بڑھ کر بھلا کون اپنے بچوں کا خیر خواہ ہو سکتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو امل۔" موحد کو اس سے اتفاق تھا۔

"لیکن ہر آدمی اپنے تجربے کی نظر سے دیکھتا ہے۔ چیزوں اور انسانوں کو..... اب کہیں کھانے کے لیے چلیں۔"

"نہیں آج صبح بہت ہیوی ناشتا کیا تھا۔ آنٹی نے پراٹھوں اور آملیٹ کے ساتھ نہاری بھی بنا رکھی تھی۔"

"تو....." موحد نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے انکل فاروق کے گھر ہی ڈراپ کردو آج مجھے ہشام کو بھی فون کرنا ہے۔ ہمیشہ وہی فون کرتا ہے میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ برمنگھم جاکر اسے خود فون کروں گی۔"

"میں بھی حیران ہو رہا تھا کہ تم اتنی دیر سے میرے ساتھ ہو اور ابھی تک ہشام کا ذکر نہیں کیا۔" موحد کا لہجہ بے حد سادہ تھا۔

"ہاں وہ دراصل میں سارا ٹائم تمہاری مما کے متعلق سوچتی رہی کہ کچھ ایسا ہو جائے کہ تمہاری مما بالکل پہلے جیسی ہو جائیں اور پھر ڈاکٹر احسن آگئے تو ہشام کا خیال ہی نہیں آیا۔" امل کا لہجہ بھی بے حد سادہ اور معصوم تھا۔

"پتا ہے موحد میں کبھی کبھی اپنی ماما کے متعلق بھی سوچتی ہوں کہ کیا خبر کسی روز وہ اچانک آجائیں اور اگر کہیں میں تو زندہ ہوں وہ تو کوئی اور تھی جو مرگئی۔"

"تم خواب بہت دیکھتی ہو امل۔ جاگتے میں خواب۔"

"ہاں۔" وہ مسکرائی۔ اس کی سبزی مائل خوب صورت آنکھوں میں نمی تھی۔

"ہاں بہت خواب دیکھتی ہوں صرف ماما کے متعلق ہی نہیں عفان 'بجو اور شام کے متعلق بھی۔"

"شام کے متعلق کیا خواب دیکھتی ہو تم۔" بظاہر وہی سادہ سا انداز تھا لیکن اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھوں کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی اور دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔

"یہ کہ....." امل گود میں رکھے پرس کی زپ کھول رہی تھی اس کے فون کی بیل ہو رہی تھی اس نے فون باہر نکالا۔

"اوہ۔ شامی کا فون ہے۔ بہت ناراض ہو رہا ہو گا میں نے رات فون نہیں کیا۔"

"ہاں..... ہیلو۔" اس نے فون اٹینڈ کیا۔

"سوری ناراض مت ہونا۔ میں بس اب تمہیں فون کرنے ہی لگی تھی سچی۔ خبردار جو تم نے منہ سجایا۔ اور ناراض ہونے کی کوشش کی۔ تمہیں پتا ہے نا۔ میں تمہاری ناراضی بالکل بھی برداشت نہیں کر سکتی' ہاں نا۔" وہ بات کر رہی تھی اور موحد ہونٹ بھینچے سامنے دیکھتے ہوئے ڈرائیو کر رہا تھا۔ دو تین بار اس نے کن

انکھیوں سے امل کی طرف دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے گفتگو میں مگن تھی اور بہت خوش لگ رہی تھی۔ آنکھوں کی چمک، لبوں کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ اسے یہ شام کتنا عزیز ہے۔ موحد کے دل پر اداسی کا غبار سا پھیل گیا۔ پتا نہیں کیوں اگر وہ اپنے کزن سے بات کرتے ہوئے خوش ہو رہی تھی تو یہ فطری بات تھی۔ پھر اسے کیوں اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے خود سے پوچھا۔

"تو کیا سعد۔ صحیح کہتا ہے کہ میں موحد عثمان امل شفیق سے محبت کرنے لگا ہوں۔"

"نہیں۔" اس نے پہلے کی طرح خود کو جھٹلایا اور ایکسیلیٹر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔ امل نے چونک کر ایک لمحہ کے لیے اسے دیکھا اور پھر باتوں میں مصروف ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ مانچسٹر اسٹور سے سامان خرید کر باہر نکلی تو اسے سعد اور موحد آتے دکھائی دیے۔

"ہے تم اکیلے اکیلے شاپنگ کر رہی ہو۔ کم از کم ہمیں آواز دے دیتیں۔" سعد نے قریب آکر کہا۔

"جانتی ہو کہ ہم تمہارے مشورے سے ہی کچھ خریدنا چاہتے تھے۔"

"نہیں۔ یہ تو میں نہیں جانتی تھی کہ تمہیں میرے مشورے کی ضرورت ہے۔ پھر بھی میں نے نہ صرف یہ کہ ڈور بیل دی بلکہ فون پر بھی ٹرائی کیا لیکن تم تو گھوڑے گدھے بیچ کر سو رہے تھے۔"

"ہاں بس وہ کل اتنا تھک گئے تھے کہ فون تو ہم نے بند کر رکھے تھے اور بیل کی آواز ہمیں آئی نہیں۔ ویسے تم انتظار تو کر سکتی تھیں نا۔" سعد نے وضاحت کرنے کے ساتھ ہی گلہ بھی کر دیا۔

"سوری۔" اس نے موحد کی طرف دیکھا جو خاموش کھڑا تھا۔

"دراصل مجھے پاپا کے ساتھ کہیں جانا تھا۔"

"کہاں۔" موحد کے لبوں سے نکلا۔ "پاپا کے ایک کولیگ ہیں۔ یہاں ہی بولٹن میں ان کی طرف جانا ہے۔"

"لیکن ملی۔" سعد نے خود ہی اس کا نام مختصر کر دیا تھا۔ "میں تو سوچ رہا تھا کہ اپنے حصے کی ڈش تم سے بنواؤں گا یہ موحد تو اچھا خاصا کک ہے لیکن مجھے ککنگ نہیں آتی۔ آئی مین اچھی ککنگ۔"

"تو انٹر نیشنل ایوننگ تو کل ہے نا تو کل صبح صبح بنا لیں گے جو کچھ بنانا ہے۔ آج تو میں صرف خریداری کے لیے آئی تھی۔"

"ہم بھی اسی لیے آئے ہیں ویسے تم کیا بنا رہی ہو۔"

"شامی کباب۔"

"موحد کا ارادہ بھی کچے قیمے کے کڑاہی کباب بنانے کا ہے۔ ایک میں بے چارہ رہ گیا ہوں اور مجھے ابھی تک سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا بناؤں۔" سعد نے ہونٹ لٹکائے۔

"تمہارے لیے بھی سوچ لیں گے بھائی تم فکر مت کرو۔" امل مسکرائی۔

"پہلے جو لینا ہے وہ لے لو۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ پہلے شاپنگ کر لیں۔ موحد لسٹ تمہارے پاس تھی نا۔" وہ موحد کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں۔" موحد چونکا۔

"کیا سوچ رہے ہو۔" امل اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"کیا پریشان ہو کچھ۔ ماما اور پاپا تو ٹھیک ہیں نا۔"

"ہاں رات ہی بابا سے بات ہوئی تھی۔ سب ٹھیک ہے شاید تھکن ہو گئی ہے۔"

"ہاں تھک تو میں بھی بہت گئی تھی لیکن صبح جب اٹھی تو فریش تھی۔" "تم تو فرسٹ ٹائم گئی ہو بہت انجوائے کیا ہو گا۔" موحد نے مسکرانے کی کوشش کی۔ پتا نہیں کیوں دل اندر سے بجھا بجھا تھا یا وہ واقعی تھک گیا تھا۔ حالانکہ وہ زیادہ گھومے نہیں تھے۔ یونیورسٹی کے چند دوستوں کے ساتھ کل وہ تفریح کے لیے مانچسٹر گئے تھے۔ امل نے وہاں Factor

Chill میں بہت انجوائے کیا تھا۔ خاص طور پر بچوں والے حصے میں جاکر تو وہ بہت خوش ہوئی تھی۔ اسکائی اسنو بورڈ کیمپس بعریٹیں میں اسکیٹنگ کرتے ہوئے بچے مسلسل گرتی برف کا منظر۔ پورا برف کا شہر تھا۔

"ہاں، بہت انجوائے کیا۔" امل مسکرائی۔

وہ ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اسٹور کی طرف جارہے تھے۔

"تو کیا ڈاکٹر احسن کے ہاں بھی گئے تھے۔ آپ لوگ ہم نے بتایا نہیں۔"

"نہیں جاسکے لیکن بابا نے پھر جانا ہے۔ اگلے ماہ یونیورسٹی آف برمنگھم میں کوئی لیکچر ہے ان کا۔"

"یہ تو بالکل کوئین الزبتھ اسپتال کے نزدیک ہے۔" موحد نے بتایا تو امل نے فوراً" کہا۔

"تب پھر میں دوبارہ تمہاری ماما سے ملنے جاؤں گی تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔"

"نہیں بھلا مجھے کیوں اعتراض ہوگا۔" موحد نے حیرت سے اسے دیکھا تو وہ مسکرا رہی تھی۔ سعد نے باسکٹ میں سامان رکھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا اور پھر مڑ کر ریک سے مطلوبہ سامان اٹھانے لگا۔

"تم وہاں بھی تو ایڈمیشن لے سکتے تھے موحد۔"

"ہاں لیکن بابا کی خواہش تھی کہ میں بولٹن میں ایڈمیشن لوں یہاں مکینیکل انجینئرنگ کی ایجوکیشن بہت اچھی ہے۔"

"ویسے تمہیں تو ڈاکٹر بننا چاہیے تھا۔" امل نے پاکٹ سے چیونگم نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

"کیوں۔" چیونگم لیتے ہوئے موحد نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہارے ماما اور بابا دونوں ڈاکٹر ہیں نا اس لیے۔"

"انہوں نے مجھے فورس نہیں کیا۔ میرا رجحان نہیں تھا۔ میں نے اپنی مرضی سے انجینئرنگ کا انتخاب کیا۔" سعد اب ٹرالی میں سامان رکھے کاؤنٹر کی طرف جارہا تھا۔ "سعد نے تو اپنی شاپنگ کمپلیٹ کرلی۔ تمہیں تو کچھ نہیں لینا تھا۔" امل نے اسے کاؤنٹر کی طرف جاتے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں لسٹ میں سب لکھا تھا۔" امل کو آج موحد معمول سے زیادہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"تم مجھے بہت اپ سیٹ لگ رہے ہو موحد کیا بات ہے۔"

"نہیں کوئی بات نہیں۔"

"واقعی کوئی بات نہیں ہے یا تم بتانا نہیں چاہتے۔"

"میں نے تم سے کبھی کوئی بات چھپائی تو نہیں ہے۔" موحد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں بس فون نمبر غلط بتایا تھا۔" امل ہنسی۔

"امل تمہاری ہنسی بہت خوب صورت ہے۔" بے اختیار موحد کے لبوں سے نکلا تھا لیکن پھر فوراً" ہی اس نے معذرت کی۔

"سوری تمہیں برا تو نہیں لگا امل۔ تم ہنستے ہوئے اچھی لگتی ہو۔ بڑی پیور ہنسی ہے تمہاری تو بے اختیار کہہ بیٹھا۔"

"مجھے کیوں برا لگے گا موحد بھلا اپنی تعریف بھی کسی کو بری لگتی ہے۔" اس کی سبز آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی۔

"ویسے یہ دراصل میری نہیں تخلیق کار کی تعریف ہے جس نے مجھے تخلیق کیا۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ سارا کمال خالق کا ہے۔ میں بھی تو تمہاری تعریف کرتی رہتی ہوں۔۔۔ کیا تمہیں برا لگتا ہے۔"

"نہیں۔" وہ مسکرایا۔

"تم میری تعریف تھوڑی کرتی ہو۔ یہ تو پیدا کرنے والے کی تعریف ہے۔" اس نے اس کی بات دہرائی تو امل مسکرادی۔

"میں سمجھتی تھی اللہ نے صرف شامی کو اتنا خوب صورت بنایا ہے لیکن جب تمہیں دیکھا تو حیران رہ گئی۔ تم بالکل شامی جیسے لگتے ہو مجھے۔ کہیں کوئی مشابہت ہے تم دونوں کی۔ عام طور پر لڑکے اتنے خوب صورت نہیں ہوتے۔ شامی میرے خوب صورت کہنے پر چڑتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ لفظ خوب صورت صرف لڑکیوں کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔"

"کیا شامی بہت خوب صورت ہے۔" موحد کی مسکراہٹ معدوم ہو گئی تھی۔

"تم سے زیادہ نہیں۔" امل کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ "وہ دیکھنے میں تمہارا ہی چھوٹا بھائی لگتا ہے۔ کمال ہے یہ خیال مجھے پہلے کبھی کیوں نہیں آیا۔ میں شامی کو بھی بتاؤں گی کہ تم اس کے بڑے بھائی لگتے ہو۔ بلکہ میں تمہاری تصویر سینڈ (بھیجوں گی) کروں گی اسے۔"

نہیں کیا ضرورت ہے اسے تصویر سینڈ (بھیجے گی) کرنے کی۔

"تم کوئی لڑکی ہو جو تصویر بھیجنے سے منع کر رہے ہو۔"

"نہیں بھلا وہ اسے مجھ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اور وہ مجھے کہاں جانتا ہے۔" موحد نے سعد کو شاپنگ بیگ اٹھائے آتے دیکھا۔

"وہ تمہیں جانتا ہے میں نے تمہارے متعلق سب کچھ بتا رکھا ہے اسے اور تم میرے دوست ہو تو ظاہر ہے اس کے بھی دوست ہو۔"

امل نے اپنے ایک ہاتھ میں پکڑا شاپنگ بیگ دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا۔

"میں اسے جانتا تک نہیں تو بھلا اس کا دوست کیسے ہو سکتا ہوں۔" موحد اکثر ہی امل کی باتوں پر حیران ہوتا تھا۔

"تم نہیں جانتے شامی کو۔" امل کو از حد حیرت ہوئی تھی۔

"میں نے تمہیں سب کچھ تو بتا رکھا ہے شامی کے متعلق۔"

"ہاں وہ تو ہے لیکن......"

"لیکن ویکن کیا اور جاننا کسے کہتے ہیں۔"

"اور کیا اسے برا نہیں لگتا جب تم اسے میرے متعلق بتاتی ہو۔"

"نہیں تو۔" امل مزید حیران ہوئی تھی۔

"اسے بھلا کیوں برا لگے گا۔ جو لوگ مجھے اچھے لگتے ہیں اسے بھی اچھے لگتے ہیں۔"

"تو بھی پکڑو۔" سعد نے قریب آ کر کچھ شاپنگ بیگ موحد کو پکڑائے "سب چیزیں لے لیں۔" موحد نے بیگ پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں" سعد نے سرہلایا۔ "جو کچھ لسٹ میں تھا وہ سب تو لے لیا ہے۔"

"ویسے انٹرنیشنل ایوننگ پر اور کیا کچھ ہوتا ہے۔" امل نے پوچھا۔

"سب اپنے اپنے قومی لباس پہن کر آتے ہیں اور اپنے ملک کی کوئی ڈش بنا کر لاتے ہیں۔ اور چھوٹی موٹی ایکٹیوٹیز بھی ہوتی ہیں۔ سب لوگ اس ایونٹ کو خوب انجوائے کرتے ہیں۔" سعد نے بتایا۔

"لاسٹ ایئر سعد نے بھنگڑا ڈالا تھا۔" موحد نے یاد کیا۔

"اس بار کیا کر رہے ہو۔" امل نے دلچسپی سے پوچھا۔

"فی الحال تو ابھی کچھ نہیں سوچا۔ یہ تو کل یونیورسٹی جا کر ہی دیکھوں گا۔ کیا موڈ ہے۔" وہ تینوں اسٹور سے باہر آ گئے تھے۔

"کیا خیال ہے وِمسلو روڈ چلیں۔" سعد نے رائے پیش کی۔

"وہاں کیا ہے۔" امل نے پوچھا۔

"فوڈ اسٹریٹ ہے کچھ کھاتے پیتے ہیں۔" سعد کھانے پینے کا بہت شوقین تھا۔

"موٹے ہوتے جا رہے ہو سعد کسی لڑکی نے لفٹ نہیں کروانی پھر اگر تمہارے کھانے پینے کا یہ ہی حال رہا۔" امل نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"میرے نمبر ہمیشہ اس کی وجہ سے مارے جاتے ہیں یہ ساتھ نہ ہو تو پھر دیکھو لڑکیاں کیسے آگے پیچھے پھرتی ہیں۔ دیکھا نہیں تھا وہاں چل فیکٹر میں وہ سرخ بالوں والی لڑکی کیسے گھور رہی تھی مجھے۔ بڑی دیر بعد مجھے یاد آیا کہ وہ وہاں دبئی میں بھی ملی تھی مجھے۔ وہاں ہمارے دبئی میں بھی ایسا ہی ایک برف کا شہر ہے۔"

"میں بھی حیران تھا کہ تم نے ابھی تک امل کو اپنے دبئی کے برف کے شہر کے متعلق کیوں نہیں بتایا....

وہاں مانچسٹر میں۔"

"ایک چوتھی میں وہاں اس لڑکی کو پہچاننے کی کوشش کررہا تھا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا ہے۔ دراصل وہ دبئی سے ہی میرا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچی ہے۔" کبھی کبھی سعد مبالغے کی حد کردیتا تھا۔ امل ہنس رہی تھی جب موحد کا فون بجا۔ اس نے پاکٹ سے فون نکالا۔

"بابا کا ہے۔" نمبر دیکھ کر اس نے شاپنگ بیگ سعد کو پکڑا دیا۔

"جی بابا۔"

"رئیلی بابا آئی کانٹ بلیو اٹ (سچ میں بابا میں یقین نہیں کرسکتا)۔ اوکے بابا میں ابھی آرہا ہوں۔"

اس کے چہرے پر سرخی بھی اور آنکھوں میں نمی تھی۔ اس نے جیسے ہی فون آف کیا۔ امل نے بے تابی سے پوچھا۔

"کیا ہوا موحد۔"

"ماما...... امل ماما نے حرکت کی۔ انہوں نے ایک انگلی اوپر اٹھائی۔ ان کے پپوٹوں میں لرزش ہوئی بابا اس وقت وہاں ہی تھے۔ ان کے ڈاکٹرز وہاں جمع ہیں اور ان کے مکمل ہوش میں آنے کا انتظار کررہے ہیں۔ بابا نے مجھے بلایا ہے۔ وہ بہت ایکسائٹڈ ہورہے ہیں اور چاہتے ہیں میں بھی وہاں ہوں ان کے پاس جب ماما آنکھ کھولیں۔" اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنکھوں کی نمی صاف کی۔

"تو کیا معجزہ ہوگیا ہے موحد۔" امل نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ موحد نے سرہلایا۔ وہ آنسو پینے کی کوشش کررہا تھا۔

"بابا کہہ رہے تھے انہوں نے دایاں بازو بھی اوپر اٹھانے کی کوشش کی ہے۔" اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"ریلیکس موحد۔" سعد نے اس کا بازو تھپتھپایا۔ "چلو پہلے گھر چلتے ہیں۔ پھر میں تمہیں ڈراپ کردیتا ہوں۔ فلائٹ شیڈول دیکھ لوں گھر جاکر تو۔ کوئی فلائٹ مل گئی نہیں تو اسٹیشن پر چھوڑ دیتا ہوں۔" موحد نے سرہلادیا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے سات سال پہلے کے سارے مناظر آرہے تھے۔ ہنستی کھیلتی، اس کے لیے اس کی پسند کے کھانے تیار کرتی ماما۔

اور وہ سر جھکائے ان کے ساتھ چل رہا تھا۔

☆ ☆

عزہ خالد

ڈرامہ کے

"دنیا گول ہے۔" ہمارا دل چاہ رہا تھا کہ ہم چیخ چیخ کر چلا چلا کر لوگوں کو بتائیں کہ دنیا گول ہے.... ہم نے پہلے صرف "دنیا گول ہے" سنا تھا پر آج ہمیں یقین آگیا تھا.... جو شخص یہاں ایک مرتبہ مل جائے وہ گھوم پھر کر پھر آپ کے سامنے آسکتا ہے.... چاہے آپ اس سامنے کے لیے تیار ہوں یا نہ ہوں.... ہم نے کبھی نہ سوچا تھا کہ یہ حضرت ہمیں دوبارہ ٹکرا جائیں گے.... اور وہ بھی اس رشتے سے.... ہمارے خواب چکنا چور ہو گئے تھے۔ دل چاہا تھا کانوں پر ہاتھ رکھ کر چلا کر کہیں "نہیں.... یہ نہیں ہو سکتا۔"

"سنیے...." ہم نے انہیں پکارا تھا ابھی بھی دل میں یہ امید تھی کہ ہماری آنکھوں نے دھوکا کھایا ہے۔

"ہمارا نام لکھ کر دکھائیے گا۔" وہ اس فرمائش پر حیران ہوئے تھے۔ ہمارا اصرار بڑھا تو انہوں نے دراز سے پین نکالا اور سائڈ ٹیبل پر پڑا ہفت روزہ انگریزی میگزین اٹھایا جس کے سرورق پر موجود حسینہ ہیرو سے چپکی کھڑی تھی۔ دونوں نے ایک ہی رنگ کے ملبوسات زیب تن کیے ہوئے تھے بلکہ یہ کہنا ٹھیک رہے گا کہ ہیرو کے کپڑوں سے بچی کچی کترنیں حسینہ نے لپیٹی ہوئی تھیں اس حسینہ کو شرم آئی نہ آئی پر ہم نے شرم سے سر جھکا لیا تھا۔

"اردو میں لکھے۔" انہیں رومن میں لکھتا دیکھ کر ہم نے فوراً ٹوکا تھا۔ "کمر" انہوں نے فوراً اردو میں لکھ دیا تھا ہمارا دل چاہا تھا کمرے کی ہر دیوار سے ٹکر مار مار کر روئیں۔ لوگوں کو بتائیں کہ ہمارے ساتھ کیا ڈراما ہوا۔

"کیا ہوا؟" ہماری غیر ہوتی حالت دیکھ کر انہیں تشویش لاحق ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں...." ہم نے آنسو پیتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا تھا مطلب ہماری آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا.... یہ وہی صاحب ہیں جن سے ہم چار پانچ سال پہلے ملے تھے۔

ہمارے کالج میں "اسٹوڈنٹ ویک" منایا جا رہا تھا ہم بھی سر عادل کے کہنے پر ان غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لینے چل دیے تھے۔ طالب علموں کی جم غفیر دیکھ کر سر شیرازی نے انگلش ڈرامے کے ریہرسل کرتے اسٹوڈنٹ کو پکارا تھا۔

"مجھے ذرا ضروری کام ہے تم اتنی دیر ان سب کے نام لکھو...." سر شیرازی نے پین اس نوجوان کو تھمایا اور وہاں سے چلے گئے۔ اللہ اللہ کر کے ہماری باری آئی۔

"جی آپ کا نام.... اور کون سے کامپٹیشن میں حصہ لینا ہے آپ کو؟"

"ہمارا نام قمر ہے اور ہم اردو افسانہ نگاری کے مقابلے میں حصہ لینا چاہتے ہیں...."

"کمر...." اپنے نام کی اس حالت پر ہم تلملائے تھے۔

"شمس و قمر والی قمر.... کمر درد والی "کمر" نہیں...." وہ حیرت کی تصویر بنے ہمیں دیکھ رہے تھے۔

"قمر.... موٹے قاف سے قمر.... بے والے کاف سے نہیں قینچی والے قاف سے۔" انہیں ہماری بات سمجھ آگئی تھی انہوں نے ہمارا نام درست لکھ دیا تھا۔

”لگتا ہے اسکول کی شکل نہیں دیکھی۔۔۔“ ہم نے چڑتے ہوئے کہا تھا۔

”دیکھی ہے محترمہ۔۔۔ پر انگلش میڈیم کی۔۔۔“ انہوں نے ہمیں متاثر کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

”ہنہ غلام ذہن۔۔۔ آپ جیسے لوگ ہوتے ہیں جو بڑے فخر سے ”شعر“ کو ”شیر“ لکھ دیتے ہیں اور پھر بڑے فخر سے بتاتے ہیں کہ انگریزی میں سو میں سے اسی، نوے نمبر لیے ہیں اور ”اردو“ میں مشکل سے پاسنگ مارکس۔۔۔ ارے آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔۔۔ برطانیہ جائیے۔۔۔ انگریزوں کے کتے نہلائیے۔۔۔“ ہم کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گئے تھے۔

”آپ حد سے بڑھ رہی ہیں۔۔۔ اپنی زبان کو۔۔۔“

”ہمیں بھی کوئی شوق نہیں آپ جیسے احمق سے بات کرنے۔۔۔“ ابھی جملہ مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ اس نوجوان نے پین پٹختے ہوئے خونخوار نظروں سے ہمیں دیکھا۔

”گالی کسے دی....؟“

”گا....لی....“ (کہاں ہماری نفیس طبیعت اور کہاں گالی)

”احمق گالی نہیں....“ وہ تیوریاں چڑھائے شعلے برساتی آنکھوں سے ہمیں گھور رہے تھے۔ لفظ ہمارے حلق میں اٹک گئے۔ ان کے تاثرات سے معلوم ہوتا تھا کہ ”احمق“ ان کے ہاں کوئی سنگین گالی ہے۔

ہم تو بچپن سے حساس تھے کوئی ذرا سا گھور لیتا تھا تو دو دن تک ہچکیاں لے لے کر روتے رہتے تھے آج جانے کہاں سے اتنی بہادری آگئی تھی ہمارے اندر کہ اس غصیلے نوجوان سے الجھ بیٹھے۔ اس کی یوں قہر برساتی نظروں کو دیکھ کر ہماری ساری بہادری خدا حافظ کہتے وہاں سے نکل لی تھی۔

”ہم معذرت خواں ہیں....“ ہم نے اسے احمق کا مطلب بتانے کے بجائے فوراً ”معذرت کی اور صرف اس نوجوان سے ہی نہیں سر عادل سے بھی معذرت کی جن کا خیال تھا کہ مستقبل میں ہم اردو ادب کی خدمت کریں گے۔

اس وقت تو ہم نے معذرت کرلی تھی، مگر تعلیم مکمل ہوتے ہی ہم نے قلم تھام لیا۔ مختلف اخباروں رسالوں میں چھوٹے بڑے مضمون لکھے اور پھر افسانہ نگاری اور ناول نگاری کی طرف چل نکلے۔ ہمیں الجھے بالوں اور درویشانہ حلیے میں صفحے سیاہ کرتے دیکھ کر ہماری والدہ کو ہماری عمر نکلنے کا خدشہ ستانے لگا۔ انہوں نے فوراً ”مختلف بیبیوں کو ہمارے لیے معقول رشتے کی تلاش میں لگادیا۔

ایم بی اے کے بعد ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرنے والے آفان صاحب انہیں ایسے بھائے کہ چٹ منگنی پٹ بیاہ کا فیصلہ کیا۔

ہم پر تو لکھنے کا جنون سوار تھا ہم نے بس آفان صاحب کی تصویر سرسری سی دیکھی تھی اور ”بس ٹھیک ہے“ کہہ کر واپس کردی تھی اور آج آفان صاحب کو روبرو دیکھ کر ہمیں پانچ چھ سال پرانی ملاقات یاد آگئی تھی۔

ہمیں تو نامور لکھاریوں کی صف میں شامل ہونا تھا اور ہمارے ”مجازی خدا“ کو حروف تہجی بھی نہیں آتے تھے۔ ہماری خواہش تھی کوئی ایسا ہوتا جو ہماری قدر کرتا، ہماری لکھی تحریروں کی تعریف میں زمین آسمان کی قلابیں ملاتا.... پر.... ہمارے خواب چکنا چور ہوگئے تھے۔ دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا....

☆ ☆ ☆

آفان جاب کی وجہ سے دوسرے شہر رہتے تھے ان کی چھٹیاں ختم ہوئی تو ہمیں بھی اپنے ساتھ لے کر آگئے تھے۔ یہاں آکر ہم بہت خوش تھے آفان صبح گئے شام کو واپس آتے تھے تنہائی پاتے ہی ہمارے اندر کے لکھاری نے پھر سے قلم اٹھالیا تھا۔ آفان اب تک لاعلم تھے۔

آفان بالکل کسی ناول کے ہیرو جیسے تھے خوبرو، دراز قد.... اعلا تعلیم یافتہ.... ہمارا پورا خاندان ہماری قسمت پر رشک کررہا تھا۔ جب کہ ہم کئی دن تک اپنی قسمت پر رونے کے بعد اب صبر کر بیٹھے تھے۔ ہم اپنے نئے ناول کے ہیرو کے نام کی وجہ سے پریشان تھے۔ ہمارے ناول کا ہیرو جتنا خوبرو تھا اس حساب سے ہمیں کسی خوب صورت سے نام کی تلاش تھی۔

”تم میرے جانے کی وجہ سے اداس ہورہی ہو....؟“ ہمیں یوں گم صم دیکھ آفان کو ہماری فکر ستائی تھی۔

”نہیں.... ہاں....“ ہم نے پہلے سر کو نفی میں اور پھر اثبات میں ہلایا تھا۔ انہوں نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے سے ہمیں دیکھا۔

”کہتی ہو تو رک جاتا ہوں....“

”نہیں.... نہیں.... آپ کو اتنے دنوں بعد پرانے دوستوں سے ملنے کا موقع مل رہا ہے.... وہاں سب ہوں گے....“ ان کے دوستوں نے مل کر ایک تقریب کا اہتمام کیا تھا جہاں تمام نئے پرانے دوست مدعو تھے۔

”ٹھیک ہے جلدی آنے کی کوشش کروں گا....“

”تم اکیلی اداس ہوتی ہوگی میرے بعد....“ انہیں

یوں اپنے لیے فکر مند ہوتے دیکھ کر ہمارا دل باغ باغ ہو گیا پر ہم انہیں حقیقت نہیں بتا پائے تھے کہ ان کے جانے کے بعد گھر کے کام تو بعد میں کرتے پہلے کاغذوں کا پلندہ نکال لاتی ہوں۔

کل انہیں آفس بھیج کر ہم نے فوراً" ناول کا مسودہ نکال لیا تھا تب ہی پڑوس میں رہنے والی خاتون پہنچ گئیں اور افسوس سے کبھی گھر کو اور کبھی ہمیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ ہمیں شوہر کے دل میں جگہ بنانے اور شوہر کو قابو رکھنے کے نسخے بتاتی رہیں اور ہمیں سمجھایا اگر ہم اسی حلیے میں رہیں گے تو کچھ ہی دنوں میں وہ دوسری کرلیں گے۔ ہم بس "ہوں ہاں" کرتے رہے۔۔۔ ان کی باتوں کا یہ اثر ہوا تھا کہ ہم آفان صاحب کے لیے تو نہیں ان کے لیے تیار ہونے لگے تھے کیوں کہ کچھ معلوم نہیں تھا کب وہ اچانک وارد ہو جاتیں۔

آفان صاحب دوستوں سے ملنے چلے گئے تھے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد ہمیں خیال آیا کیوں نہ ہم اپنے ناول کے نئے ہیرو کا نام آفان رکھ دیں۔۔۔ ہمارے ناول کا ہیرو آفان ہی کی طرح خوبرو اور پرکشش شخصیت کا مالک تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ آفان دو تین گھنٹے سے پہلے نہیں آئیں گے۔ پر وہ ایک گھنٹے بعد ہی لوٹ آئے تھے ان کے پاس ڈپلیکیٹ کی موجود تھی ہم ناول میں گم تھے جب اچانک بستر کمرے کا دروازہ کھلا اور آفان کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کو یوں اچانک دیکھ کر پہلے تو ہم ڈر گئے اور پھر سنبھلے۔۔۔ گھبرا کر فوراً" کاغذ سمیٹنے لگے۔

"کیا ہوا؟" ہمیں یوں حواس باختہ دیکھ کر انہوں نے سوال کیا۔

"ک۔۔۔ کچھ۔۔۔ نہیں' بس۔۔۔ آپ کو اچانک دیکھ کر ڈر گئی تھی۔۔۔" جلدی جلدی کاغذ سمیٹتے ہوئے ہم نے جواب دیا تھا۔ وہ ہماری طرف آئے۔۔۔ ایک کاغذ اٹھایا۔۔۔ اور پڑھنے لگے وہ بھی با آواز بلند۔۔۔

"بڑی اماں کافی دنوں سے علیل تھیں۔۔۔" جملہ پڑھ کر حیرت سے نظر ہمیں دیکھا۔

نصرت بانو ساس کی خدمت کر رہی۔۔۔ "یہ نصرت بانو کون ہیں۔۔۔؟" واجد صاحب۔۔۔ اور یہ معراج ماما۔۔۔

"یہ سب کون ہیں؟"

ان کے اپنے در پے سوالات۔۔۔ ہم گھبراہٹ سے انگلیاں چٹخا رہے تھے وہ ہمارے جواب کے منتظر تھے۔

"یہ سب ہماری کہانی کے کردار ہیں۔۔۔ ہم لکھاری ہیں۔۔۔"

"کیا ہو؟" ہمیں فوراً" یاد آیا تھا "انگلش میڈیم" "رائٹر۔۔۔ ناولز لکھتے ہیں۔۔۔"

"اچھا۔۔۔ یہ دکھاؤ ذرا۔۔۔" اور پھر وہ ہمارا ناول پڑھنے بیٹھ گئے تھے۔ ہم بڑے غور سے ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہے تھے۔ کبھی حیرت' کبھی مسکراہٹ۔۔۔ کبھی تجسس۔۔۔ ان کے تاثرات کے ساتھ ہی ہمارے دل کی رفتار کبھی کم اور کبھی زیادہ ہو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج اتوار تھا آفان دیر سے اٹھے تھے ان کے اٹھنے تک ہم گھر کے تمام کام کر چکے تھے' وہ اٹھے تو انہیں ناشتا بنا کر دیا۔ وہ ناشتے کے بعد ٹی وی کے آگے بیٹھ چکے تھے۔ اور ہم اپنا ناول لکھنے چل پڑے۔ ناول کل شام جہاں سے ادھورا چھوڑا تھا وہیں سے لکھنے لگے۔

ہیروئن نے آفان (ہیرو) کے بہت اہم ڈاکومنٹس گما دیے تھے اور اب پورے گھر میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو رہی تھی۔ ہیروئن کو یوں پریشان دیکھ کر ہیرو نے فوراً" اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے تسلی دی تھی۔

"پریشان مت ہو زینی' مل جائیں گے۔" (ہیرو) آفان نے نرمی سے کہا تھا۔

اسی لمحے آفان کی تیز آواز ہماری سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"کہاں مر گئیں۔۔۔" جملہ ایسا تھا کہ قلم ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ گیا تھا ہم تقریباً" بھاگتے ہوئے بیڈ روم میں داخل ہوئے تھے۔ آفان وارڈ روب کھولے

کھڑے تھے۔

"جی۔۔۔ کیا ہوا؟"

"میری بلیو شرٹ کہاں ہے؟"

"کون سی شرٹ۔۔۔؟" ہم نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے پوچھا تھا۔

"لائننگ والی۔۔۔ کچھ ہوش بھی ہے تمہیں میری چیزوں کا۔۔۔ پتا نہیں کہاں پھینک دیتی ہو۔۔۔" ان کے اس الزام پر ہم حیرت سے کچھ بول نہ پائے تھے۔ خدانا خواستہ ہم ذہنی طور پر بچے تھے جو چیزیں پھینکتے۔۔۔

"ایسے میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔۔۔ جلدی ڈھونڈ کر دو۔۔۔ مجھے فیصل کی طرف جانا ہے۔۔۔" ہم نے فوراً شرٹ کی تلاش شروع کی۔۔۔ وہ ہمیں کام پر لگا کر پھر ٹی وی دیکھنے لگے۔ ہم نے گھر کا کونا کونا چھان مارا پر کہیں بھی وہ بلیو شرٹ نظر نہ آئی۔ ایک نظر آئی تو ہم فوراً انہیں دینے پہنچ گئے۔

"یہ نہیں۔۔۔ دوسری۔۔۔ لائننگ والی۔۔۔" انہوں نے دو چار نشانیاں بتائیں۔ ہم پھر گمشدہ شرٹ ڈھونڈنے لگے۔ ہمیں اس لمحے اپنے ناول کے ہیرو "آفان" یاد آئے جو اتنے اہم ڈاکومنٹس گم جانے کے باوجود اپنی بیوی (ہیروئن) کو تسلیاں دیتے نہیں تھک رہے تھے اور یہاں اصلی "آفان" کو جانے کیا ضد تھی کہ دوست کے گھر اسی بلیو شرٹ میں جائیں گے۔۔۔ جیسے شرٹ نہ پہنی تو فیصل صاحب انہیں گھر میں گھسنے نہیں دیں گے۔۔۔ ہم نے پورا گھر چھان مارا تھا کہیں کوئی بلیو شرٹ نظر نہ آئی ہم نے آفان کی تمام شرٹس کا ایک طرف ڈھیر لگا دیا تھا۔ اور ایک مرتبہ پھر ساری شرٹیں دھیان سے دیکھیں۔

"دھلی۔۔۔ شرٹ؟" اسی لمحے آفان نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

"نہیں۔۔۔ یہ آپ کی تمام شرٹوں کا ڈھیر۔۔۔" ابھی ہماری بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ انہوں نے ڈھیر سے ایک شرٹ اٹھائی۔

"یہ رہی۔۔۔"

"یہ۔۔۔" ہم حیرت اور صدمے سے کبھی شرٹ کو اور کبھی انہیں دیکھ رہے تھے۔

"یہ بلیو۔۔۔ ہے۔۔۔؟" ہم نے گرے شرٹ کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہاں۔۔۔ بس اسے جلدی سے استری کردو۔۔۔" وہ شرٹ ہمارے ہاتھ میں تھما کر ہمیں حیران پریشان چھوڑ کر واپس چلے گئے تھے۔

ہمیں اپنے ناول والے "آفان" یاد آئے تھے جو جس وقت ہیروئن پر مرے تھے۔۔۔ آہم ہمارا مطلب ہے ہیروئن کے عشق میں گرفتار ہوئے تھے تو ہیروئن کے ڈریس میں موجود مختلف رنگوں کے حسین امتزاج سے لے کر اس کی آنکھوں پر آئی شیڈ' ناخنوں پر لگی نیل پالش اور نفاست سے لگا آئی لائنر۔۔۔ یہ سب پہلی نظر میں نظر آگئے تھے۔ اور یہاں۔۔۔ ہمیں کچھ دن پہلے کا واقعہ یاد آیا تھا۔ جب ہم اپنی امی سے ملنے جا رہے تھے ہم نے لائٹ پرپل سوٹ پہنا ہوا تھا۔

"تم اس پنک سوٹ میں بہت اچھی لگ رہی ہو۔" لاؤنج سے آتی ٹی وی کی آواز بند ہو گئی تھی۔ ہم نے فوراً چھت کی طرف دیکھا تھا پنکھا بند ہو گیا تھا۔

"لائٹ گئی۔۔۔" ہمارا دل بیٹھ گیا تھا۔ وہ کوئی ناول والے آفان تو تھے نہیں جو ہمیں پریشان دیکھ کر تسلیاں دیتے۔

ناول میں ہیروئن نے ہیرو کی شرٹ استری کرتے ہوئے جلادی تھی اور ان موصوف کے ماتھے پر شکن تک نہ آئی تھی۔ فوراً پنکھا چل پڑا تھا لاؤنج سے ٹی وی کی آواز پھر سے آنے لگی تھی ہماری آنکھیں چمکی تھیں ہم دل ہی دل میں واپڈا والوں کا ڈھیروں شکریہ ادا کرتے استری اسٹینڈ کی طرف بھاگے تھے۔ ایسا محسوس ہوا تھا کوئی ہمیں منہ چڑا رہا ہے۔

✡ ✡

عائشہ وحید

ادارہ

☆ "آپ کا پورا نام گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟"

○ "عائشہ وحید' گھر میں ابو "عاشو" کہتے ہیں دوست ایش (Ash) کہتے ہیں' جبکہ پورے ننھیال میں سب 'یمنیٰ' کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ میرا دوسرا نام ہے۔"

☆ "آئینے نے آپ سے یا آپ نے کبھی آئینے سے کچھ کہا؟"

○ "سب کہتے ہیں میں ہو بہو اپنی مما جیسی ہوں آئینے سے یہی کہتی ہوں "بتاؤ کہاں سے اپنی مما جیسی ہوں؟ اصل میں میری مما بہت خوب صورت ہیں نا (ماشاءاللہ)"۔

☆ "آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟"

○ "میری فیملی' میری خالہ کے دو پیارے سے بچے عمر اور ایمان' اور دل میں بسنے والے کچھ خاص لوگ جنہیں کھونے سے ڈر لگتا ہے۔"

☆ "اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟"

○ "مارچ 2013ء اللہ نہ کبھی وہ وقت لائے دوبارہ ابو کے دماغ کا آپریشن' یہ ایک اچانک آزمائش تھی جس کے لیے ہم بالکل تیار نہیں تھے۔ لمحہ لمحہ اذیت میں گزرا۔ مگر بہت سے لوگوں کی بہت سے رشتوں کی اصلیت بتا گیا۔ لوگوں کے بدلتے رویے' ہمارے کرائسز' ڈاکٹر کا آپریشن سے پہلے ۴۰ فیصد زندگی کے چانسز دینا۔ اف کیا کیا نہیں دکھایا مارچ 2013ء نے ہمیں ابو کے آپریشن سے پہلے کی ہر وہ رات جو میں' میرے بہن بھائی اور میری مما ڈر کے گزارتے تھے' وقفے وقفے سے ابو کو دیکھنا کہ سانسیں چل رہی ہیں نا؟ یہ وہ اذیت والے لمحے تھے جو اللہ کبھی میرے دشمنوں پر بھی نہ لائے (آمین)"

☆ "آپ کے لیے محبت کیا ہے؟"

یہ محبت تجھے ولی کر دے
گر تو سیکھ لے وفا کرنا

☆ "مستقبل قریب کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہو؟"

○ "تعلیم کے میدان میں سب سے آگے جانا چاہتی ہوں۔ وہ خواہش جو میری مما کی ادھوری رہ گئی کچھ بننے کی' وہ پورا کرنا چاہتی ہوں۔"

☆ "پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مسرور کیا؟"

○ "ابھی ان مراحل سے گزر رہی ہو جن میں بہت سی کامیابیاں میری منتظر ہیں ان شاءاللہ۔"

☆ "آپ اپنے گزرے کل' آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟"

○ "الحمدللہ۔ کیونکہ اللہ نے جس حال میں بھی رکھا اپنے سوا کسی کا محتاج نہیں رکھا۔ (شکر الحمدللہ)"

☆ "اپنے آپ کو بیان کریں؟"

○ "احساس اور محبت سے گندھی ہوئی لڑکی ہوں۔ بہت ہی بے وقوف ہوں' اس لیے اکثر سمجھ نہیں پاتی کہ لوگ آخر چاہتے کیا ہیں؟ میرے سامنے کچھ اور میرے پیچھے کچھ پھر بھی میں ان پر بھروسا کرتی ہوں۔"

☆ "کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوئے ہیں؟"

○ "۲۰ مارچ ۲۰۱۳ء ابو کی سرجری کے دن جتنا خوف تھا وہ آج بھی دل سے نہیں جاتا۔"

☆ "آپ کی کمزوری اور طاقت کیا ہے؟"

○ "میری مما کی آنکھ سے نکلا ہر آنسو میری کمزوری ہے کہ جب جب وہ جس جس کی وجہ سے نکلے ہیں نے خود کو بہت بے بس پایا۔ میری طاقت میرے ماں باپ کی دعائیں۔"

☆ "اپنے خوش گوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟"

○ "ہنس کے' باتیں کر کے۔ میرا چہرہ میرے ہر موڈ کی عکاسی کرتا ہے۔ میری خواہش ہوتی ہے کہ خوشگوار لمحے تھم جائیں۔ مگر پھر وہی بات کہ 'ہزاروں خواہشیں

ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔"

☆ "آپ کے نزدیک دولت کی اہمیت؟"

○ "بس اتنی کے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے پڑیں۔"

س "گھر آپ کی نظر میں؟"

○ "دنیا میں جنت۔ محفوظ پناہ گاہ۔"

☆ "کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کر دیتی ہیں؟"

○ "بھولتی نہیں ہوں مگر معاف کر دیتی ہوں "دل سے"۔"

☆ "اپنی کامیابیوں میں کسے حصے دار ٹھہراتی ہیں؟"

○ "صرف اور صرف اپنے ماں باپ کو۔ جو کامیابیاں بھی ملتی ہیں انہی کی بدولت ملتی ہیں۔"

☆ "کامیابی کیا ہے آپ کے لیے؟"

○ "دوسروں کو مجھ پر رشک کرنے (اور شاید حسد کرنے) پر مجبور کر دینے کا نام"

☆ "سائنس نے ہمیں مشینوں کا محتاج کر دیا ہے یا واقعی یہ ترقی ہے؟"

○ "میرے نزدیک یہ ترقی ہے۔"

☆ "کوئی عجیب خواہش یا خواب؟"

○ "بہت سی خواہشیں اور خواب ہیں۔ کتنے لکھوں گی اور آپ کتنا پڑھیں گی۔"

☆ "برکھا رت کو کیسے انجوائے کرتی ہیں؟"

○ "بارش تو میری کمزوری ہے۔ اس میں نہا کے۔ ہاتھ پھیلا کے گول گول گھوم کے۔ مما کی ڈانٹ کھا کے (ہاہاہا)۔"

☆ "آپ جو ہیں وہ نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟"

○ "میں جو ہوں اس میں مطمئن ہوں۔"

س "آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب؟"

○ "جب بھی، میرے ماں باپ کی مسکراہٹ کی وجہ بنوں، ان کے لیے فخر کا باعث بنوں۔ جب وہ گلے لگائیں خوشی سے۔ اس وقت میں جو محسوس کرتی ہوں وہ بتا نہیں سکتی۔"

☆ "آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟"

○ "لہجے، اخلاق۔ جس کے جتنے اچھے اخلاق ہوں گے میں اس سے اتنا متاثر ہوتی ہوں۔"

☆ "کیا آپ نے زندگی میں وہ سب پا لیا جو آپ پانا چاہتی ہیں؟"

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

"ابھی تو بہت آگے جانا ہے زندگی میں۔ بہت کچھ کرنا ہے، پانا ہے، ابھی تو انٹر کی اسٹوڈنٹ ہوں۔"

☆ "اپنی ایک خوبی اور خامی جو آپ کو مطمئن یا مایوس کرتی ہے؟"

○ "میری خامی دوسروں پر بھروسا کرنا ہے، یہ مجھے ہمیشہ مایوس ہی کرتی ہے۔ میری خوبی ہے کہ میں کبھی کسی کے ساتھ برا نہیں کرتی۔ برائی کے بدلے بھی ہمیشہ اچھائی دی ہے۔ (اس بات کا اعتراف میرے ارد گرد رہنے والے لوگ بھی کرتے ہیں۔)"

☆ "کوئی ایسا واقعہ جو آج بھی آپ کو شرمندہ کر دیتا ہے؟"

○ "اللہ کا شکر ہے کوئی نہیں۔"

☆ "کیا آپ مقابلے کو انجوائے کرتی ہیں یا خوف زدہ ہو جاتی ہیں؟"

○ "انجوائے کرتی ہوں۔ اللہ کا شکر ہے اگر مقابلہ میرا ہو تو زیادہ تر فتح سے ہی ہمکنار ہوتی ہوں۔ (الحمد للہ)۔"

☆ "متاثر کن کتاب، مصنف، مووی؟"

○ "جو چلے تو جاں سے گزر گئے، نمرہ احمد، شعلے۔"

☆ "آپ کا غرور؟"

○ "غرور صرف اللہ کو بجتا ہے۔" میں اس جملے پر یقین رکھتی ہوں۔"

☆ "کوئی ایسی شکست جو آج بھی آپ کو اداس کر دیتی ہے؟"

○ "اللہ کا شکر ہے کوئی بھی نہیں۔"

☆ "آپ کی پسندیدہ شخصیت؟"

○ "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، میرے ابو۔"

ماہ رمضان کی فضیلت

ارشاد خداوندی ہے۔
"ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا' جس کا وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لیے (ذریعہ) ہدایت ہے اور واضح الدلالت' منجملہ ان کتب کے جو (ذریعہ) ہدایت (بھی) ہیں اور (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والی بھی ہیں۔ سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو' اس کو ضرور اس (ماہ) میں روزہ رکھنا چاہیے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار (کر کے ان میں روزہ رکھنا (اس پر واجب) ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ (احکام و قوانین مقرر کرنے میں) دشواری منظوری نہیں' اور تاکہ تم لوگ (ایام ادا یا قضا کے) شمار کی تکمیل کر لیا کرو (تاکہ ثواب میں کمی نہ رہے) للہٰذا تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بندگی (وثنا) بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو (ایک ایسا) طریقہ بتلا دیا۔ (جس سے تم برکات و ثمرات رمضان سے محروم نہ رہو گے) اور (عذر سے خاص رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس لیے دے دی) تاکہ تم لوگ (اس نعمت آسانی پر اللہ کا) شکر ادا کیا کرو۔"
(البقرہ 185)

روزہ

حضرت عبداللہ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "روزے اور قرآن قیامت کے دن بندہ کے لیے سفارش کریں گے' روزے کہیں گے کہ اے پروردگار میں نے اس (بندے) کو کھانے سے اور نفسانی خواہشات پوری کرنے سے روکا' اس لیے اس کے بارے میں میری سفارش قبول کیجیے' اور قرآن کہے گا میں نے اسے رات کے وقت سونے سے روکا' اس لیے اس کے بارے میں سفارش قبول کیجیے' چنانچہ ان دونوں کی سفارش قبول کر لی جائے گی۔
(احمد' ترغیب میں 60ج2)

سات ستارے کہکشاں کے

☆ تمام چیزوں کا حل نمکین پانی میں مضمر ہے آنسو' پسینہ' سمندر۔
(آئزک ڈتی سن)

☆ اپنی خوشی کے لیے دوسروں کی حسرت کو خاک میں نہ ملاؤ۔
(ڈینڈرسل)

☆ مجھے بتاؤ کہ تمہارے دوست کون ہیں میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کون ہو۔
(سروانٹس)

☆ جو اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتے وہ دراصل محبت ہی نہیں کرتے۔
(شکسپیئر)

☆ خاموشی' عالم کے لیے زیور اور جاہل کی جہالت کے لیے پردہ ہے۔
(حضرت علی)

☆ لوگ اپنی ضروریات پر غور کرتے ہیں قابلیت پر نہیں۔
(نپولین)

☆ جو کسی مقصد کو سامنے رکھ کر محنت کرتا ہے اس کو اس کا پھل ضرور ملتا ہے۔

(گوئٹے)

طاہرہ ملک۔۔۔ جلال پور پیر والا

واپڈا

شکایت ہے مری اک واپڈا سے
کوئی جا کر اب انہیں یہ سنا دے
نہیں سنتے میری فریاد تو پھر
فلک سے ہی خدا بجلی گرا دے

فرزانہ سرور۔۔۔ کراچی

چار لاکھ کتابوں کا خلاصہ

حضرت شیخ منیری رضی اللہ تعالیٰ نے اپنی اسناد میں تحریر فرمایا کہ میں نے چار لاکھ کتابوں کا مطالعہ کر کے ان میں سے چار باتیں اختیار کیں۔

1 ۔ اپنے نفس سے کہتا ہوں کہ اے نفس! اگر تو عبادت کرتا ہے تو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کرو ورنہ اس کا دیا ہوا رزق کھانا چھوڑ دے۔

2 ۔ اے نفس! جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو منع فرمایا ہے اس سے باز رہ' ورنہ اس کے ملک سے باہر نکل جا۔

3 ۔ اے نفس! جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قسمت میں لکھ دیا ہے اس پر راضی ہو' ورنہ اللہ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا پروردگار ڈھونڈ لے۔

4 ۔ اے نفس! اگر تو کسی گناہ کا ارادہ کرے تو پہلے ایسی جگہ تجویز کر جہاں تجھ خدائے پاک نہ دیکھے۔ ورنہ اگر نجات کی خواہش ہے تو ہرگز گناہ کا نام نہ لے۔

نورین ظفر۔۔۔ مٹھن کوٹ

زندگی

زندگی ایک طویل اکتا دینے والی کہانی ہے۔ اس کہانی کو صرف وہی شخص کامیابی کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ جس کی توجہ ہمیشہ کہانی کے اگلے پیراگراف پر لگی رہے۔ زندگی۔۔۔ ایک تلخ تجربے کا نام ہے۔ کھوئے ہوئے مواقع کا افسوس' گزرے ہوئے حادثات کی تلخیاں' لوگوں کی طرف سے پیش آنے والے برے سلوک کی یاد' اپنی کمیوں اور تنگیوں کی شکایت غرض بے شمار چیزیں ہیں جو آدمی کی سوچ کو منفی رخ کی طرف لے جاتی ہیں۔ آدمی اگر ان باتوں کا اثر لے تو اس کی زندگی ٹھٹھر کر رہ جائے گی۔

(مولانا وحید الدین خان)

سدرہ مرتضیٰ۔۔۔ کراچی

شعری ڈکشنری

بجلی۔۔۔ تو جو نہیں تو کچھ بھی نہیں۔
امن۔۔۔ ہم تم کو ڈھونڈتے ہیں تم بھی ہمیں پکارو۔
وفا۔۔۔ وہ آج بھی صدیوں کی مسافت پہ کھڑا ہے۔
وعدہ۔۔۔ جس کے چہرے پر سبھی جھوٹ کی تحریریں ہیں۔
مہنگائی۔۔۔ ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے۔
سانس۔۔۔ سو بھی جاؤں تو میرے خواب جگا دیتے ہیں۔
بیگم۔۔۔ تیری جبیں کہ یہ بل آج بھی سلامت ہیں۔
بچے۔۔۔ چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے' داستاں میری۔
شاعر۔۔۔ چیخ رہی ہیں چھتیں گر رہی ہیں دیواریں۔
طالب علم۔۔۔ زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے۔
عشق۔۔۔ جتنے حسین مریض ہیں سب لاعلاج ہیں۔
کنوارہ۔۔۔ بیٹھوں کہاں کہ کہیں سایہ دیوار بھی نہیں۔
دل۔۔۔ اور تم بھی لے آئے سائبان شیشے کا۔
دوست۔۔۔ ان حسرتوں سے کہہ دو کہیں اور جا بسیں۔
آٹا۔۔۔ تو میری سانسوں میں تحلیل ہے خوشبو کی طرح۔

حمد اواجد۔۔۔ کراچی

قرض کی لعنت

حضرت شیخ سعدی بیان فرماتے ہیں کہ ایک کسان نے گنے کی فصل اگائی جو بہت اچھی ہوئی۔ وہ اپنا گنا فروخت کرنے کے لیے ایک شخص کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ وہ اس کی فصل خرید لے۔ اگر وہ نقد قیمت ادا کرنے کی سکت نہیں رکھتا تو کوئی بات نہیں وہ ادھار کرنے کو تیار ہے۔ کسان کی بات سننے کے بعد وہ شخص بولا کہ اے بھائی! تو مجھے اس سے معاف ہی رکھ کیونکہ ان کے بغیر میرا گزارہ ہو جائے گا۔ اگر میں نے تیرے سے ادھار لیا تو، تو صبر نہیں کر سکے گا اور مجھ سے تقاضا کرے گا۔ پس تو مجھے قرض کی لعنت سے دور ہی رہنے دے۔"

حضرت شیخ سعدی اسی حکایت میں قرض کی لعنت کے متعلق بیان کر رہے ہیں کہ جب انسان بوقت ضرورت قرض لے لیتا ہے تو جس کا وہ مقروض ہے وہ کچھ ہی دنوں میں اس سے قرض کی واپسی کا مطالبہ شروع کر دیتا ہے۔ قرض کے بجائے اگر انسان اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلائے اور اپنے اخراجات میں میانہ روی رکھے اور انہیں اپنی آمدن کے مطابق کرے تو وہ آسودہ حال ہو سکتا ہے۔

(حکایات سعدی..... گلستان)

رشید فیض..... ملتان

تعلق

کوئی تعلق نہ ہونا بھی ایک تعلق ہوتا ہے
اک مدت سے میں اور وہ
ایک ہی راستے کے راہی ہیں
پھر بھی اب تک اک دوجے سے بیگانے ہیں
لیکن اتنا جانتے ہیں
کوئی تعلق نہ ہونا بھی ایک تعلق ہے

اسما کنول..... خنک

زبان

☆ وہ جس کے دل میں برائی ہے بھلائی نہ پائے گا اور جس کی زبان میں نکتہ چینی ہے وہ آفت میں گرے گا۔ (حضرت سلیمان علیہ السلام)

☆ زبان کی لغزش قدموں کی لغزش سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

(حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

☆ انسان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اپنے دل اور زبان پر قابو رکھے۔

(امام غزالی)

☆ درویش وہ ہے جو زبان، آنکھ اور کانوں کو بند رکھے یعنی بری بات نہ سنے، نہ کہے اور نہ ہی دیکھے۔

(بابا فرید گنج شکر)

نشا نورین - لوتالہ جھنڈا سنگھ

راہ کے دیپ

☆ سچے انسان کی زندگی اصولوں کے تابع ہوتی ہے اور جھوٹے کی زندگی مفادات کے تابع۔

☆ ممکن ہے کہ آپ کسی چیز پر بلا استحقاق قبضہ کر لیں مگر یہ ناممکن ہے کہ آپ کسی چیز پر اپنے بلا استحقاق قبضہ کو باقی رکھ سکیں۔

☆ غلطی کے بعد سرکشی مت کیجیے کیونکہ خداوند کریم کے ہاں غلطی کی معافی ہے سرکشی کی نہیں۔

☆ حسد اور غرور جب آدمی کے اندر داخل ہوتے ہیں تو وہ عقل کو باہر کر دیتے ہیں۔

☆ اتحاد کیا ہے، اختلاف کے باوجود "متحد" ہو کر رہنا۔

☆ نفسانی خواہشات کا جنون بہت تھوڑی دیر رہتا

سحر ناز - کوٹری

بشریٰ محمود

شاہدہ عامر، کی ڈائری میں تحریر

امجد اسلام امجد کی نظم

سیلف میڈ لوگوں کا المیہ،

روشنی مزاجوں کا کیا عجب مقدر ہے
زندگی کے رستے میں، بچھنے والے کانٹوں کو
راہ سے ہٹاتے ہیں
ایک ایک تنکے سے آشیاں بنانے میں
خوشبوئیں پکڑنے میں ... گلستاں سجانے میں
عمر کاٹ دیتے ہیں
اور اپنے حصے کے پھول بانٹ دیتے ہیں
کیسی کیسی خواہش کو قتل کرتے جاتے ہیں
درگزر کے گلشن میں ابر بن کے رہتے ہیں
صبر کے سمندر میں ۔ کشتیاں چلاتے ہیں
یہ نہیں کہ ان کو اس روز و شب کی کاوش کا
کچھ صلہ نہیں ملتا
مرنے والی آسوں کا ۔ خون بہا نہیں ملتا
زندگی کے دامن میں ۔ جس قدر بھی خوشیاں ہیں
سب ہی ہاتھ آتی ہیں
سب ہی مل بھی جاتی ہیں
وقت پر نہیں ملتیں ... وقت پر نہیں آتیں
یعنی ان کو محنت کا اجر مل تو جاتا ہے
لیکن اس طرح جیسے
قرض کی رقم کوئی قسط قسط ہو جائے
اصل جو عبارت ہو ۔ پس نوشت ہو جائے
فصل گل کے آخر میں پھول ان کے کھلتے ہیں
ان کے صحن میں سورج ۔ دیر سے نکلتے ہیں

روبینہ یاسمین، کی ڈائری میں تحریر

محسن نقوی کی غزل

اُداسیوں کا یہ موسم بدل بھی سکتا تھا
وہ چاہتا تو مرے ساتھ چل بھی سکتا تھا

وہ شخص! تو نے جسے چھوڑنے میں جلدی کی
ترے مزاج کے سانچے میں ڈھل بھی سکتا تھا

وہ جلد باز خفا ہو کے چل دیا، ورنہ
تنازعات کا کچھ حل نکل بھی سکتا تھا

اَنا نے ہاتھ اُٹھانے نہیں دیا ورنہ
مری دُعا سے وہ پتھر پگھل بھی سکتا تھا

تمام عمر ترا منتظر رہا محسنؔ
یہ اور بات کہ رستہ بدل بھی سکتا تھا

مسز نگہت غفار، کی ڈائری میں تحریر

امجد اسلام امجد کی نظم

میں گیا تھا اس گلی میں کتنی خواہشیں پہن کر
جو یقیں بہت شناسا
انہی کھڑکیوں سے اب کے
کسی رُخ کی روشنی سے
نہ چراغ کوئی لرزا
نہ ستارہ کوئی چمکا
نہ پھول کوئی آیا

دل منتظر کی جانب
کسی دستِ پر حنا نے
نہ صبا کی دستکوں سے
کوئی پردہ سرسرایا
کسی خواب سے اُلجھ کر
نہ چوڑیاں ہی کھنکیں
نہ ہی چاند مسکرایا

فائزہ بھٹی، کی ڈائری میں تحریر

احمد فراز کی غزل

اپنے ماضی کے تصوّر سے ہراساں ہوں میں
اپنے گزرے ہوئے ایام سے نفرت ہے مجھے

اپنی بے کار تمناؤں پہ شرمندہ ہوں
اپنی بے سود امیدوں پہ ندامت ہے مجھے

میرے ماضی کو اندھیروں میں دبا رہنے دو
میرا ماضی میری ذلت کے سوا کچھ بھی نہیں

میری امیدوں کا حاصل میری کاوش کا صلہ
ایک بے نام اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں

کتنی بے کار امیدوں کا سہارا لے کر
میں نے ایوان سجائے تھے کسی کی خاطر

کتنی بے ربط تمناؤں کے مبہم خاکے
اپنے خوابوں میں بسائے تھے کسی کی خاطر

مجھ سے اب میری محبت کے فسانے نہ کہو
مجھ کو کہنے دو کہ میں نے انہیں چاہا ہی نہیں

اور وہ مست نگاہیں جو مجھے بھول گئیں
میں نے ان مست نگاہوں کو سراہا ہی نہیں

مجھ کو کہنے دو کہ میں آج بھی جی سکتا ہوں
عشق ناکام سہی، زندگی ناکام نہیں

ان کو اپنانے کی خواہش انہیں پانے کی طلب
شوق بیکار سہی سعیِ غم انجام نہیں

صدف خان، کی ڈائری میں تحریر

پروین شاکر کی غزل

پانیوں پانیوں میں جب چاند کا ہالہ اُترا
نیند کی جھیل پہ اک خواب پرانا اُترا

آزمائش میں کہاں عشق بھی پورا اُترا
حسن کے آگے تو تقدیر کا لکھا اُترا

دُھوپ ڈھلنے لگی، دیوار سے سایہ اُترا
سطح ہموار ہوئی، پیار کا دریا اُترا

یاد سے نام مٹا، ذہن سے چہرہ اُترا
چند لمحوں میں نظر سے تری کیا کیا اُترا

آج کی شب پریشان ہوں تو یوں لگتا ہے
آج مہتاب کا چہرہ بھی ہے اُترا اُترا

میری وحشت رم ہوا سے کہیں بڑھ کر تھی
جب میری ذات میں تنہائی کا صحرا اُترا

اک شب غم کے اندھیرے پہ تیں ہے موقوف
تو نے زخم لگایا ہے وہ گہرا اُترا!

ثمرہ، اقراء ——— کراچی
میرا ہر قول گر آئینہ ہے اوروں کے لیے
میرا ہر فعل مجھے آئینہ دکھلاتا ہے

روبی ——— کراچی
وہ سب سوال جو میری سمجھ سے باہر ہیں
میں جاگ جاگ کے ان کے جواب سوچتی ہوں
پلٹ کے دیکھتی ہوں جب راہِ وفا کی طرف
تو عمر بھر کے دکھوں کا حساب سوچتی ہوں

فرحین ظفر، صائمہ ظفر ——— کراچی
اکیلے کس نے اٹھایا ہے تعلقات کا بوجھ
وہ تم کو یاد نہ رکھے تو بھول جانا اسے
میں کہہ رہا تھا کہ راہِ وفا کٹھن ہے بہت
مگر بچھڑنے کا ہاتھ آ گیا بہانہ اسے

حنا کرن ——— پتوکی
میں تجھ سے کیسے کہوں یار مہرباں میرے
کہ تو علاج نہیں میری ہر اداسی کا

سلمیٰ زبیر ——— لاہور
دل کو اس راہ پہ چلنا ہی نہیں
جو مجھے تجھ سے جدا کرتی ہے

ریما فہیم ——— کراچی
سیراب ہو رہا تھا زمانہ مگر ہمیں
اک بوند کے سوال پہ رسوائیاں ملیں

ندا طارق ——— فیصل آباد
منزل کے آثار نہیں ہیں
پاؤں تھکتے ہیں چلتے چلتے

بریرہ اکرام ——— اورنگی ٹاؤن
جنہیں سلیقہ ہے تہذیبِ غم سمجھنے کا
ان ہی کے رونے میں آنسو نظر نہیں آتے
خوشی کی آنکھ میں آنسو کی بھی جگہ رکھنا
برے زمانے کبھی پوچھ کر نہیں آتے

صائمہ جیمی ——— کنے ڈیرے اسے
میری وسعت کی طلب نے مجھے محدود کیا
میں وہ دریا ہوں جو موجوں سے بھی ساحل مانگے
سانس میری تھی مگر اسی سے طلب کی محسن
جیسے خیرات سخی سے کوئی سائل مانگے

مدیحہ، ایمان فہید ——— کراچی
عمر اس وسوسے میں بیت گئی
یوں نہ ہوتا عدم تو یوں ہوتا

فضہ یوسف ——— فیصل آباد
ایک دن یہی عادت تجھ کو خوں رلائے گی
تو جو یوں پرکھتا ہے ہر کسی کو اپنا کر

سعدیہ، عاصمہ ندیم ——— کراچی
میں تو اس واسطے چپ ہوں کہ تماشا نہ بنے
تو سمجھتا ہے کہ مجھے تجھ سے گلہ کچھ بھی نہیں

آسیہ جاوید ——— علی پور چٹھہ
یہ علم کا سودا، یہ کتابیں، رسالے
اک شخص کی یادوں کو بھلانے کے لیے ہیں

صائمہ سلیم ——— مانسہرہ
محبتوں کی سزا بے مثال دی اس نے
اداس رہنے کی عادت سی ڈال دی اس نے
میرے بدن پہ وہ جب اپنے زخم دیکھ چکا
تو جان بوجھ کر کانٹوں کی شال دی اس نے

انیقہ انا ——— چکوال
دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

مشی خان ——— مانسہرہ
چلو بتاؤں تمہیں نشانی اداس لوگوں کی
کبھی غور کرنا یہ ہنستے بہت ہیں

سیدہ ثوبیا سجاد ____ کہروڑ پکا

بات کوئی غور سے منصف نے میری کب سُنی
طے شدہ پہلے سے ہی اک فیصلہ رکھا گیا

شاہین رضوان ____ کراچی

ڈال دو اپنی محبت کے چند سکے اس میں
پھیلا ہوا میرے ہاتھوں کا کشکول بہت ہے
شاید تجھے ہو جائے میری دربدری کا احساس
کہ میرے پاؤں پہ بھی دھول بہت ہے

شاہینہ عارف ____ اورنگی ٹاؤن

رُکا ہوا ہے میری آنکھ میں وہ اک لمحہ
بچھڑتے وقت کسی کو میرا صدا دینا
جو کر رہے ہو محبت تو یہ دھیان رہے
بہت کٹھن ہے کسی یاد کو بھلا دینا

وشال فرحان ____ کراچی

آنکھوں کی دہلیز پہ ساون ٹوٹ کے برسا رات گئے
یادوں کے گلدان میں جتنے پھول تھے اب تک گیلے ہیں

افشاں زین ____ کراچی

ہم تو وہ ہیں جن کو خود اپنی
وحشتوں کا سبب نہیں معلوم

روبینہ صدف ____ اسلام آباد

جانے وہ لوگ کیسے تھے جو زندگی کو جی گئے
ایک ہم ہیں کہ عمر بھر نہ جینا آیا
صدیوں کا سفر کر کے پہنچے تھے یار شوں میں
تھی بلا کی تشنگی کہ پانی بھی نہ پینا آیا

وریشہ زین ____ کراچی

خالی ہے دل فقیر کے کشکول کی طرح
اس شہر بے وفا سے وفا کون لے گیا

گڑیا شکیل ____ کراچی

ان لمحوں کی یادیں سنبھال کر رکھنا
ہم یاد تو آئیں گے لیکن لوٹ کر نہیں

روبینہ ____ کراچی

میری زندگی کے رازوں میں اک راز تم بھی ہو
میری بندگی کی آس میں اک آس تم بھی ہو
تم کیا ہو میرے، کچھ ہو یا کچھ بھی نہیں مگر
میری زندگی کی کاوشوں میں اک کاوش تم بھی ہو

صبا ارشد ____ کورنگی

ہمارا تذکرہ چھوڑو ہم ایسے لوگ ہیں جن کو
محبتیں کچھ نہیں کہتیں وفائیں مار دیتی ہیں

شاہدہ ظفر، ہیمی ظفر ____ کراچی

نہ جانے کون ہے جس کی تلاش میں تاعمر
ہر اک سانس میرا اب سفر میں رہتا ہے

ہما ظفر ____ حیدرآباد

برباد ہوا ہوں تو نہیں دوش کسی کا
میں نے دل کم فہم کی مانی ہی بہت ہے

صدف عمران ____ کے ڈی اے

تیرے بغیر بھی تو غنیمت ہے زندگی
خود کو گنوا کے کون تیری جستجو کرے

نوشین شاہد ____ حیدرآباد

اک دن پوچھتی پھرے گی حیات
اہل دل کس نگر میں رہتے ہیں
منزل زیست کی کشش مت پوچھ
راستے بھی سفر میں رہتے ہیں

عائشہ، تحریم ____ گوجرہ

میں بھی خوش نہیں وفا کر کے
تو نے اچھا کیا، نباہ نہ کی

فرح ____ پھول نگر

میں جب بھی ٹوٹ جاتا ہوں، کسی سے کچھ نہیں کہتا
میں چکنا چور ہو کر بھی نئے منظر بناتا ہوں

الوینہ، فضہ ____ حیدرآباد

مجھ کو اچھی نہیں لگتیں یہ شعوری باتیں
ہائے بچپن کا زمانہ وہ ادھوری باتیں
تجھ سے ملنا بھی کوئی کام ہوا کرتا تھا
روز ہوتی تھیں تیرے ساتھ ضروری باتیں

کرن، بینش ____ فیصل آباد

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد
آتا ہے بے کسی عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد

کچھ موتی چنے ہیں

ادارہ

آزمائش

ہمیں خدا پر صرف اس وقت پیار آتا ہے جب وہ ہمیں مالی طور پر آسودہ کردے اور اگر ایسا نہ ہو تو ہم اسے طاقت ور ہی نہیں سمجھتے۔ ہم نماز کے دوران اللہ اکبر کہتے ہیں' اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے اور نماز ختم کرتے ہی ہم روپے کو بڑا سمجھنا شروع کردیتے ہیں۔ مجھے ہمیشہ ایسا لگتا تھا کہ خدا مجھ سے نفرت کرتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ خدا تو ہر ایک سے محبت کرتا ہے اس لیے تو اس نے مجھے آزمائشوں میں ڈالا' اور وہ اپنے انہی بندوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے۔

(عمیرہ احمد۔۔۔ زندگی گلزار ہے)

گڑیا شاہ۔۔۔ کہروڑپکا

رفاقت کی تمنا

رفاقت کی تمنا سرشت آدم ہے۔ انسان کو ہر مقام پر رفیق کی ضرورت ہے۔ جنت بھی انسان کو تسکین نہیں دے سکتی اگر اس میں کوئی ساتھی نہ ہو' کوئی سننے والا نہ ہو۔ آسمان پر بھی انسان کو انسان کی تمنا رہی ہے اور زمین پر بھی انسان کو انسان کی طلب سے مفر ممکن نہیں۔ لامکان میں رہنے والا تنہا رہ سکتا ہے' لیکن زمین پر رہنے والا تنہا نہیں رہ سکتا۔ یہ انسان کی ضرورت بھی ہے اور اس کی فطرت بھی۔ (فاخرہ جبیں۔۔۔ رفاقتوں کے موسم)

آسما کنول۔ اوکاڑہ خٹک

فیصلہ

مڈل میں 33 نمبر سے حساب میں فیل ہونے کے بعد' ہم نے ذریعہ معاش کے بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ والدہ اجازت دیں تو Pirate (بحری قزاق) بن جائیں' لیکن جب سن شعور کو پہنچے اور انگریز حکمرانوں سے نفرت کے ساتھ ساتھ نیک و بد کی تمیز بھی پیدا ہوئی تو زندگی کے نصب العین میں' مرزا ہی کے مشورے سے' اتنی اصلاح کرنی پڑی کہ صرف انگریزوں کے جہاز لوٹیں گے۔ مگر ان کی میموں کے ساتھ بدسلوکی نہیں کریں گے۔ نکاح کریں گے۔

(مشتاق احمد یوسفی۔۔۔ خاکم بدہن)

حورین زینب۔۔۔ کہروڑپکا

محبت اور نفرت

محبت کا جذبہ نہایت مضبوط ہے' لیکن نفرت کا جذبہ کہیں گہرا اور دیرپا ہے۔ محبت میں روح کے محض چند حصے مصروف ہوتے ہیں مگر نفرت میں روح اور جسم دونوں۔ نفرت دل میں کچھ اس طرح سما جاتی ہے اور خیالات میں یوں رچ جاتی ہے کہ ان کا اہم جزو بن کر رہ جاتی ہے۔

(شفیق الرحمٰن۔۔۔ مدوجزر)

طاہرہ ملک۔ جلال پور

غربت

ہر چند کہ ہمارے گھر میں غربت کا خاصا آنا جانا تھا۔ پھر بھی ابا نے دل پر جبر کر کے مجھے ایف اے کرا ہی دیا۔۔۔ میری خواہش تھی کہ میں ایم اے کرتا' لیکن ابا ایم اے کے بجائے ''ایویں'' میں زیادہ خوش تھے۔ میں نے کئی دفعہ ابا سے کہا کہ مجھے کوئی نوکری کر لینے دیں' لیکن ابا کا تو پلان ہی کچھ اور تھا' ہر دفعہ جیسے ہی میں نوکری کا ذکر چھیڑتا ابا کا منہ عالم لوہار جیسا بن جاتا اور آنکھیں حسن جہانگیر جیسی' پھر وہ مسلسل ساڑھے تین منٹ مجھے پرانے ماڈل کی نئی گالیاں نکالتے اور بعد میں بڑی عزت سے سمجھاتے کہ۔

''منحوس! یہ نوکری وغیرہ کی سوچے گا تو نہ خود کھا

سکے گانہ ہمیں کھلائے گا۔ آگے کی سوچ۔ آگے میں تیری شادی کسی امیر کبیر لڑکی سے کرنا چاہتا ہوں 'تاکہ تیرے سسرال والے تجھے کاروبار بھی سیٹ کر کے دیں اس طرح ان کی بیٹی اور تیرے والدین دونوں سکھی رہیں گے۔" ابا کا پلان سن کر میر گھٹنوں میں ہارٹ اٹیک ہوتے ہوتے بچا۔

"اے ابا! اتنی امیر لڑکی آخر مجھے ملے گی کیسے" میں نے طلعت حسین کے انداز میں بڑا سیریس سوال کیا۔

"اے بھری پڑی ہے دنیا ایسی لڑکیوں سے بس تو دیکھتا جا' میرا دل کہتا ہے قسمت ہمارے دروازے پر دستک دینے ہی والی ہے۔" اچانک دروازے پر دستک ہوئی! میں نے اٹھ کر دیکھا تو ہمیشہ کی طرح ابا کا کہا سچ پایا۔ رشتے کرانے والی "ماسی قسمت" اندر داخل ہو رہی تھی۔

(گل نوخیز اختر..... ٹائیں ٹائیں فش)

سیدہ لوبا سجاد..... کہروڑ پکا

چاند

انسان کتنی عجیب چیز ہے۔ اگر چاند دور نہ ہوتا تو اس کو تسخیر کرنے کے اتنے جتن بھی نہ کرتا۔ اس کو تسخیر کرنے کے بعد جیسے دنیا اسے آسمان پر رکھ کر بھول چکی تھی۔ اس میں ہزاروں نقص تھے گڑھے تھے 'پانی نہیں تھا آکسیجن نہیں تھی.... خالی پن کا احساس تھا۔

(رفعت ناہید سجاد..... ستارے 'چاندنی 'پھول 'خوشبو)

ثمینہ اکرم... لیاری

جیل

گزشتہ دنوں میرے ایک دوست کو غلطی سے پولیس پکڑ کر لے گئی۔ یاد رہے یہ غلطی میرے دوست کی نہیں پولیس کی تھی 'لہٰذا اسے فوراً" تین دن بعد چھوڑ دیا گیا۔ مجھے اس کی خوش قسمتی پر رشک آ رہا تھا جسے بلاوجہ جیل میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی ورنہ یہاں جانے کے لیے تو بڑے بڑے لوگوں کو بھی گھنٹوں تقریریں 'توڑ پھوڑ' مار کٹائی اور نہ جانے کیا کیا ناپسندیدہ فعل کرنے پڑتے ہیں 'پھر کہیں جا کر انہیں جیل جانے کا موقع ملتا ہے 'لیکن مجھے حیرانی ہوئی کہ لوگ اسے رہا ہونے کی مبارک باد دے رہے ہیں حالانکہ مبارک باد تو اسے اس بات کی دینی چاہیے تھی کہ اب وہ عام آدمی نہیں رہا کیونکہ جیل جانے والا انسانوں کے جم غفیر سے یکدم الگ ہو کر اپنی انفرادیت کا احساس دلاتا ہے۔ جیل جاتے ہی وہ اس قدر اہم ہو جاتا ہے۔ کہ اس کی ملاقات کے لیے کئی کئی سفارشی رقعے لانا پڑتے ہیں ' گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں وہ جھروکوں سے جھلک دکھاتا ہے۔ جسے کبھی کسی نے آنکھ بھر کر نہیں دیکھا ہوتا اسے دیکھتے ہی آنکھیں بھر آتی ہیں۔ جیل جانا دراصل شریف ہونا ہے 'کہ شریف وہ ہوتا ہے جو جرم نہ کرے اور جرم ہمیشہ وہ کرتے ہیں جو جیل سے باہر ہوتے ہیں بلکہ جیل دنیا کا وہ خطہ ہے جہاں سب سے کم چوریاں 'ڈاکے اور قتل ہوتے ہیں۔ یوں بھی اب ہمارے ہاں جیلوں میں اتنی جگہ نہیں 'جتنے اس کے مستحق افراد۔ سو اب یہی حل ہے جو چند شریف شہری ہیں انہیں جیلوں میں بند کر دیا جائے۔

(ڈاکٹر محمد یونس بٹ..... شیطانیاں)

فوزیہ ثمریٹ... گجرات

عورت

ہے نہ پاگل.... ہے نہ بیوقوف.... عورت کا کیا کام جنت میں.... عورت تو یہاں بھی اولاد کی دوزخ میں جلتی ہے 'وہاں بھی اولاد کی قسمت سے بندھ جائے گی۔ جو کسی کے سات بیٹے ہوئے عبدالکریم 'اور چھ جنت میں گئے تو ماں کو جنت میں تلاش نہ کرنا وہ تجھے ساتویں بیٹے کے ساتھ دوزخ میں ملے گی۔ عورت عارف دنیا ہے عبدالکریم 'اس سے دنیا کا حال پوچھ جو دنیا سے بندھا ہوا اس سے مولا کی بات کیا کرنی۔

(بانو قدسیہ..... دست بستہ)

زینب...... کوٹ چھٹہ

غیر شادی شدہ

نیویارک کے ایک ہوٹل میں ہوٹل کا سراغ رساں ایک کمرے میں داخل ہوا' جہاں ایک نوجوان جوڑا مقیم تھا۔ اس نے جوڑے پر الزام لگایا کہ وہ غیر شادی شدہ ہیں۔ ان کا ہوٹل ایسے جوڑوں کو قیام کی اجازت نہیں دیتا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم۔" لڑکی غصے سے چلائی۔ "تم مجھے غیر شادی شدہ کہہ رہے ہو' اگر میرا شوہر یہاں موجود ہوتا تو تمہارے دانت توڑ دیتا۔"

فوزیہ ثمرین بٹ۔۔۔ گجرات

وقت

صاحب ملازمہ سے۔۔۔ "تم نے بیگم صاحبہ کو کیوں بتایا کہ میں گزشتہ رات کس وقت گھر آیا تھا۔ بلکہ میں نے تمہیں بتانے سے منع کیا تھا۔"

ملازمہ۔۔۔ "میں نے ہرگز نہیں بتایا صاحب! انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ آپ کس وقت گھر آئے تھے۔ میں نے جواب دیا کہ میں ناشتا بنانے میں محو تھی۔ میں نے گھڑی کی طرف نہیں دیکھا۔"

صباحت مغل۔۔۔ میرپور خاص

لفٹ

جب پروفیسر صاحب گھر کے برآمدے میں داخل ہوئے تو ان کی بیوی نے باہر سڑک پر جھانک کر کہا۔

"شاہ جی کار کہاں چھوڑ آئے؟"

"کار۔۔۔؟" شاہ جی نے غور کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے راستے میں ایک صاحب کو لفٹ دی تھی۔ یہاں پہنچ کر میں نے ان کا شکریہ ادا کیا' پتا نہیں وہ کار کہاں لے گئے ہیں۔"

حنا کرن۔۔۔ چوکی

جنگ

ایک بچے نے برطانوی باپ سے پوچھا۔ "ابا جان۔۔۔ جنگ کیسے شروع ہوتی ہے؟"

باپ نے سوچتے ہوئے بتایا۔ "بس یوں سمجھ لو کہ اگر فرانس' برطانیہ پر حملہ کردے تو جنگ شروع ہو جائے گی۔"

یہ سنتے ہی بچے کی فرانسیسی ماں نے احتجاج کیا۔ "سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کبھی فرانس' برطانیہ پر حملہ کرے۔"

"میں تو صرف مثال دے رہا تھا۔"

"تم ہمیشہ غلط مثالیں دیتے ہو اور میرے بیٹے کے ذہن میں غلط باتیں بٹھاتے ہو۔"

"میں نے تو ایسا کبھی نہیں کیا' تم ایسا کرتی رہتی ہو اور اگر تم درمیان میں نہ آؤ تو بچے کی تربیت بہت اچھی ہو۔"

اس موقع پر بچہ چلایا۔ "بس۔۔۔ بس۔۔۔ اب مجھے پتا چل گیا جنگ کیسے شروع ہوتی ہے۔"

عظمیٰ سحر۔۔۔ جہلم

ختم

ایک کانسٹیبل کی بیوی نے اپنے شوہر کے بٹوے سے کچھ نوٹ نکالے ہی تھے کہ کانسٹیبل کی نظر پڑ گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر بیوی کی کلائی تھام لی اور غصے سے کہا۔

"میں تمہارا شوہر ہی نہیں' پولیس کانسٹیبل بھی ہوں' اس حرکت پہ تمہیں گرفتار بھی کر سکتا ہوں۔"

یہ سن کر بیوی بالکل پریشان نہ ہوئی' بلکہ ان نکالے ہوئے روپوں میں سے ایک سو روپے کا نوٹ نکال کر شوہر کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے بولی۔
"چلو چھوڑو بھی... بات یہیں پر ختم کرو۔"
شگفتہ... سکھر

جنت

ایک آدمی زور' زور سے جنت کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ اندر سے آواز آئی۔
"کیا تم شادی شدہ ہو؟"
آدمی نے کہا۔ "ہاں... میں شادی شدہ ہوں۔"
اندر سے آواز آئی۔ "ٹھیک ہے' تم نے پہلے بہت سزا پائی ہے۔ لہٰذا تم اندر آجاؤ۔"
اتنے میں ایک دوسرا آدمی بھاگتا ہوا آیا اور زور' زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ اندر سے آواز آئی۔
"کیا تم شادی شدہ ہو؟"
آدمی نے کہا۔ "ہاں میں نے دو شادیاں کی ہیں۔"
اندر سے آواز آئی۔ "تم نے ساری زندگی عذاب سہے ہیں۔ یہ جنت تم جیسے دنیا کے ستائے ہوئے لوگوں کے لیے ہے۔ لہٰذا تم بھی فوراً" اندر آجاؤ۔
پھر تیسرے آدمی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی۔
"کیا تم بھی شادی شدہ ہو؟"
آدمی نے کہا۔ "نہ صرف ایک بلکہ میں نے تین شادیاں کی ہیں۔"
اندر سے آواز آئی۔
"تم جاسکتے ہو' کیونکہ یہ جنت ہے' پاگل خانہ نہیں۔"

فرزانہ سرور... کراچی

علاج

ایک عورت نے اپنی سہیلی سے سر درد کی شکایت کی تو سہیلی نے مشورہ دیا۔ جب میرے سر میں درد ہوتا ہے تو میرا شوہر بڑے پیار سے میرا سر دباتا ہے اور اتنی محبت کا اظہار کرتا ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے درد غائب ہوجاتا ہے۔ میرے خیال میں تم بھی یہ نسخہ آزما کر دیکھو۔
"ہاں... ہاں... ضرور... تمہارا شوہر کب تک گھر آئے گا؟" عورت نے اشتیاق سے پوچھا۔
ہانیہ... گجرات

کارآمد

امریکی ڈاکٹر... ٹوتھ برش کتنے عرصے بعد ایکسپائر ہوجاتا ہے؟
چائنیز...! "ایک ہفتے کے بعد۔"
برٹش... "ایک مہینے کے بعد۔"
یو ایس اے... "تین مہینے کے بعد۔"
پاکستانی... "پاکستان میں ٹوتھ برش کبھی بھی ایکسپائر نہیں ہوتا۔"
امریکی ڈاکٹر... "وہ کیسے۔"
پاکستانی... "پاکستان میں ٹوتھ برش سب سے پہلے دانت صاف کرنے کے کام آتا ہے۔ پھر اس کے بعد بال کلر کرنے کے کام آتا ہے۔ اس کے بعد مشینوں کی صفائی کے کام آتا ہے اور جب اس کے بال گر جاتے ہیں تو شلوار میں ازار بند ڈالنے کے کام آتا ہے۔"
دانیہ عامر... کراچی

پیسہ بولتا ہے

گرمیوں کے موسم میں ایک کروڑ پتی شخص ایسے سامان سے لدا پھندا مری پہنچا۔ جو جاڑوں میں برف باری کے بعد کھیل میں استعمال کیا جاتا تھا۔
ہوٹل کے منیجر نے حیرت سے کہا۔ "یہ گرمیوں کا موسم ہے سر آج کل یہاں برف نہیں گر رہی۔"
"میں جانتا ہوں" کروڑ پتی نے سہلاتے ہوئے جواب دیا۔
"میرے سامان کے ساتھ برف کے ٹرک بھی آرہے ہیں۔"
سونیہ عامر... کراچی

طاہرہ ملک...... جلال پور پیروالا

کرن اس بار معمول سے ہٹ کر 12 کو ملا یقین مانیے دل خوشی سے بھر گیا اور یہ خوشی کا احساس اس وقت دوچند ہو گیا جب "نامے میرے نام" میں اپنے لیٹر کو موجود پایا۔ ویری تھینکس کہ آپ نے ہماری کمی کو محسوس کیا۔ نائس سی ٹائٹل گرل بہت اچھی لگی جب پہنچے اداریہ میں تو ہمیں امید ہی نہیں تھی کہ وہاں ہمارے لیے بیڈ نیوز Badnews منتظر ہو گی سردار محمود صاحب کے بارے میں پڑھ کر بہت افسوس ہوا ہماری دعا ہے کہ اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

آسیہ مرزا کے ناول کی پہلی قسط نے ہی دل میں جگہ بنالی تھی عباد گیلانی اور مومنہ کی حالت زار پہ افسوس ہوتا ہے حوریہ اور حازم کیا شاندار جوڑی ہو گی اور پتا نہیں اب کیا گل کھلاتا ہے۔ فضا کی تو پوری لائف ہی ڈسٹرب ہو گی اس لیے کہتے ہیں لڑکیوں کو سوچ سمجھ کے قدم اٹھانا چاہیے "محبت کے موسم" ویسے افسانوں میں ایسا بہت زیادہ دیکھنے میں آیا ہے کہ عین وقت پہ راز فاش ہو جاتا ہے۔ جیسے رضا کی ماں کا وہاں پہنچنا اور رمشا اور اس کی ماں کا اتنی تفصیل سے بات کرنا اور ہے نا کمال کی بات ایسے گپ شپ کی جارہی ہوتی ہے کہ اگلی پچھلی ساری سازشیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔ ویسے سمیرا غزل نے بہت اچھا لکھا رضا اور آئمہ کا ملن کروایا اور آئمہ جیسی معصوم لڑکی کو بالآخر نجات مل گئی سازشوں سے "تم زیست کا حاصل ہو" عدیل سونیا کی نوک جھونک بہت دلچسپ تھی پنکی اور نبیل کی جوڑی بھی بہت شاندار تھی اور محترمہ سونیا کا اپنی برتھ ڈے والے دن انتظار کرانا بڑا دلچسپ لگا اور زویا پہ شروع میں بہت افسوس ہوا اور غصہ بھی آیا کیونکہ وہ کباب میں ہڈی بننے کی کوشش جو کرتی تھی۔ علی نے کیا کمال کیا یکطرفہ محبت کا جوگ جو لے لیا چلیں فرح طاہر نے اینڈ اچھا کیا سب کا ملن کرا دیا۔

"یہ زندگی ہے" شبینہ گل نے شادی شدہ لوگوں کے لیے رومانس کا نیا انداز متعارف کرایا "میرے حصے کی زمین میرا آسمان" حمدان رضا اور صلہ کی دوستی نے بالآخر محبت کا رنگ اختیار کر لیا، لیکن یہ پڑھ کر افسوس ہوا کہ بے چارے حمدان کو جدائی سہنا پڑی۔ پتا نہیں ایسا کیوں ہوتا ہے کہ دعاؤں میں جسے شدت سے مانگتا کوئی اور ہے اور بن مانگے ملتا کسی اور کو ہے اور صلہ بے چاری کو اپنی بہن کی خاطر اپنی خوشیوں کی قربانی دینی پڑی۔

"قدر" ایبہا نے دوسروں کی حالت زار دیکھ کر بالآخر اپنے شوہر کی قدر جانی "راپنزل" پتا نہیں یہ کاشف جیسے لوگ سدھرتے کیوں نہیں ہیں۔ حبیبہ جیسی خوب صورت بلا پھر صوفیہ کے گلے پڑ گئی۔ نہنا ہے تو جذباتی کہیں جذبات میں آکے مہر کے چاچو سے شادی کا فیصلہ نہ کرے اور زری آئی تھنک کسی اور کو پسند کرتی ہے اتنے اچھے رشتے پہ خوش جو نہیں ہے شہرین کو پتا چل ہی گیا اپنی بیماری کا۔

"اک دعا جو سرخرو ٹھہری" ویسے آج کل تو ٹرینڈ چل پڑا ہے فیشن کی دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کا اور جو نہیں ساتھ دے سکتی انہیں طنزو تحقیر کا نشانہ بننا پڑتا ہے جیسے عاشیہ کو، لیکن عاشیہ کو جاسر کی صورت میں اللہ نے نیکی کا پھل دے دیا۔ "عشق، چاند، چکور جیسا" رخسانہ نے سلطان کی جدائی میں بہت کٹھن وقت گزارا سلطان نے چلیں اپنی ماں کو منا

ہی لیا اور وصل دونوں کا مقدر بنا۔

"محبتوں کے دیپ جلنے لگے" پتا نہیں آج کے رشتوں میں کوئی سچائی کوئی خلوص کیوں نہیں باقی رہا' اکثر یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ دوستی کے نام پہ صرف اپنا مطلب نکالتے ہیں فصیحہ...... نے تو اپنی طرف سے وردہ کی زندگی خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔

"دست مسیحا" واہ کیا زبردست ناول ہے ہشام کی ماں نے ثابت کر دیا کہ ماں اپنی اولاد سے والہانہ پیار کرتی ہے چاہے اولاد جیسی بھی ہو امل تو کیوٹ سی گڑیا لگتی ہے ہشام اور امل کی تو بہت بنتی ہے اور موحد' تو وہ بھی پسند کرنے لگا ہے۔ دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے آگے۔ ثمرین احسن کے لیے افسوس ہوا کہ اس کے یکدم سارے سپنے ٹوٹ گئے۔ ہاں میری طرف سے آپ سب کو ماہ رمضان المبارک۔

ج : پیاری بہن طاہرہ اتنا اچھا تبصرہ کرنے کا بہت شکریہ۔

ثناء شہزاد...... کراچی

مئی کا شمارہ 12 کو ملا میری برتھ ڈے سے چار دن پہلے میں نے نوشین سے کہا یہ کرن میرا برتھ ڈے گفٹ ہے۔ ماڈل زیادہ پسند نہیں آئی بس ٹھیک تھی۔ اداریہ حمد و نعت سب سے پہلے پڑھتی ہوں۔ محمود ریاض صاحب کے لیے خصوصی دعائے مغفرت کی کیونکہ ان کی بدولت ہمیں اتنا اچھا کرن ملا' اللہ پاک کرن کو ہمیشہ تابندہ رکھے۔ (آمین) مدرز ڈے کے حوالے سے سروے شاندار رہا سب کے جواب اچھے لگے ' رباب ہاشمی کا ایک جواب ہضم نہیں ہوا' 16 سال کی عمر میں گریجویٹ باقی جوابات پسند آئے۔ اس ماہ "نگہت سیما" کا سلسلے وار ناول شروع ہوا ہے۔ بہت زبردست موضوع چنا ہے انہوں نے پہلی قسط ہی اعلا تھی۔ "شفق افتخار" کا ناولٹ بھی اچھا جائے گا امید ہے مجھے کیونکہ اسٹارٹ میں ہی کہانی اچھی ہے۔ آسیہ مرزا کے "من مورکھ کی بات" میں اب زیادہ مزا نہیں لگ رہا اس کہانی کا اینڈ جلدی کر دیجیے گا اور بابر جیسے لوگ مجھے زہر لگتے ہیں جن کی نظر میں لڑکیاں محض کھلونا ہوتی ہیں۔ تنزیلہ ریاض کا "راہنزل" کرن کی جان ہے اس میں مجھے سمیع کی شہرین سے ٹوٹ کر محبت پسند ہے اور نینا سلیم کی نوک جھونک بھی اچھی لگتی ہے۔ کاشف کی لائف میں یہ حبیبہ پھر سے آ گئی دیکھتے ہیں اب کہانی کیا نیا رخ لیتی ہے۔ اس کے علاوہ پپو صاحب کا نینا کو پرپوز کرنے کا اسٹائل اچھا لگا "زیست کا حاصل" فرح طاہر کی تحریر بھی سپرب تھی۔ سونی کو عادل کو غلط نہیں سمجھنا چاہیے تھا' شوہر تھا وہ اس کا اور شکر ہے زویا نے علی کی محبت کو قبول کر لیا سونیا عادل کو جدا نہیں کیا۔ ویلڈن فرح جی۔ بنت سحر اس بار بازی مار گئیں۔ کہانی کا نام جتنا پیارا تھا کہانی اس سے زیادہ پیاری تھی۔ "عشق چاند چکور جیسا" رخسانہ کی سلطان شاہ سے محبت لازوال تھی محبت کی ایسی داستانیں دل میں گھر کر لیتی ہیں۔ افسانے پانچوں اچھے تھے مگر نزہت جی کا زیادہ اچھا لگا حجاب اور پردے کے حوالے سے اچھا میسج دیا۔ شبینہ گل' حمیرا نوشین' کائنات غزل اور سمیرا غزل نے بھی اچھے ٹاپک پر لکھا مستقل سلسلے ہر بار کی طرح اچھے تھے اور کرن کتاب اس بار بیسٹ تھی۔

ج : پیاری ثنا بہت اچھا لگتا ہے کہ آپ ہر ماہ اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں۔ بے حد شکریہ۔ ثنا آپ ابھی انتظار کیجیے ابھی تو آسیہ مرزا کا ناول شروع ہوا ہے کہانی میں ابھی بہت سے موڑ آئیں گے' ہمیں امید ہے کہ آپ کو ناول کی آئندہ قسط میں یقیناً مزا آئے گا۔

سدرہ مرتضیٰ...... کراچی

سب سے پہلے تو "نگہت سیما" کا نام فہرست میں دیکھ کر دلی خوشی ہوئی۔ ان کی ہر تحریر ہی لاجواب ہوتی ہے اور "دست مسیحا" کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے میرے اللہ ہمیں اسی آزمائش سے بچائیے۔

"راہنزل" میں کاشف ابھی بھی نہیں سنبھلا' حبیبہ پھر اس کی زندگی میں آ گئی۔ کاشف کا انجام بہت

برا دکھائیے گا تنزیلہ جی اور شہرین کو مت ماریئے گا۔
بہت مزا آتا ہے اس کی ہر قسط کے پڑھنے میں۔
"من مورکھ میں" فضا پر بہت غصہ آتا ہے۔ حازم کا کردار بہت اسٹرونگ ہے۔
"فرح طاہر" کو کرن میں بہت عرصے بعد دیکھا۔ اچھی تحریر تھی فرح آپ کرن میں آتی رہا کریں۔ ایسی مس انڈر اسٹینڈنگ ہو جاتی ہے زندگی میں اچھا یہی ہے کہ ایسی بدگمانیوں کو اپنی زندگی میں آنے ہی نہ دیں۔ "شفق افتخار" بھی بہت اچھی کہانی کے ساتھ آئیں۔ مجھے صلہ جیسا کردار بہت اچھا لگتا ہے جو والدین کی ہر بات پر سمجھوتا کرلیتا ہے۔
دوسری قسط کا شدت سے انتظار ہے۔
افسانوں میں "شبینہ گل" اور "کائنات غزل" کے افسانے بہت پسند آئے کیونکہ حقیقت کے قریب تھے میں ہر لڑکی کو بولوں گی کہ ان دونوں افسانوں میں جو سبق دیا گیا ہے غور سے پڑھیں۔ باقی سلسلوں کو کیسے بھول سکتی ہوں۔ سب سلسلے بہترین تھے "کھولے پنکھ یادوں نے" اپنی پیاری رائٹرز کو جاننا بہت اچھا لگا خاص طور پر صدف آصف کی تصویر دیکھی تو ان پر بہت پیار آیا۔ رابعہ افتخار بھی اچھی ہیں ماشاءاللہ۔
ج : پیاری سدرہ! خط لکھنے کا بے حد شکریہ۔ بہت اچھا لگتا ہے کہ آپ ہر ماہ تبصرہ کرتی ہیں۔

فوزیہ ثمرٹ......ہانیہ عمران گجرات

سوبر سی ماڈل اچھی لگی۔ ہمیشہ کی طرح "حمد باری تعالیٰ" اور "نعت" رسول مقبول سے ذہن و دل کو معطر کیا۔ "کچھ یادیں کچھ باتیں" ادب کی دنیا کا قیمتی سرمایہ ہیں یہ ہستیاں۔ ان کی تو جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔
"آواز کی دنیا" سے اکھیاں میچ کر اگلے صفحے میں تانکا جھانکا کی۔ سب سے پہلے "من مورکھ کی بات" ہو جائے ہر قسط اچھی لگتی ہیں۔ لگتا ہے آنے والی زندگی میں بابر حوریہ کو خوب تنگ کرے گا۔ یہ ہے ہی دلن۔
فضا جیسی کردار کی لڑکیاں جو بے مول خود کو سیل کر دیتی ہیں ان کا انجام پھر یہی ہونا ہوتا ہے۔
یہ پانچویں قسط ہیں۔ پلیز حوریہ کو جلدی جلدی حازم کی زندگی میں لائیں تحریر میں کچھ تو رومینس آئے۔ پھر "راپنزل" کو پڑھا۔ کہانی کے اینڈ نے تو چونکا ہی دیا۔ یہ حبیبہ اور کاشف پھر سے ایک ہو گئے ایک سوال پوچھا تھا۔ قسم سے مجھے راپنزل کا مطلب نہیں آتا ہے۔
فرح طاہر کا مکمل ناول "تم زیست کا حاصل" اچھا ناول تھا۔
عدیل اچھا تھا جو سونیا کے بدگمان ہونے کے باوجود اس سے محبت کرتا رہا۔ قصور زدیا کا بھی نہیں۔ اسے عدیل سے محبت ہوئی اور محبت کب دیکھتی ہے کہ اگلا بندہ بھی محبت کا جواب محبت سے دے یہ لازم تو نہیں۔
"دست مسیحا" شروع سے ہی تحریر الجھاؤ والی لگ رہی ہیں۔ بہت دل لگا کر پڑھا ہے اس کو مگر یہ کیا۔ "آئندہ ماہ" ہمارا منہ چڑا رہا تھا۔
چلیے دیکھتے ہیں نگہت جی کا یہ ناول کتنا سپرہٹ ہوتا ہے۔
"محبتوں کے دیپ جلنے لگے" وردہ جیسے لوگ جو اپنوں کو چھوڑ کر غیروں پر بھروسا کرتے ہیں پھر اپنا نقصان اٹھاتے ہیں مالی بھی اور جذباتی بھی... ورد کی آنکھیں شکر ہے جلدی کھل گئیں ورنہ تو فصیح نے یونہی اسے لوٹتے رہنا تھا اور عیش کرنا تھا۔
"عشق چاند چکور جیسا" بنت سحر نے بہت مشکل تحریر لکھی ہے مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی۔ تحریر اچھی تھی۔ فلسفہ زیادہ لگا مجھے افسانوں میں سب نے ایک سے بڑھ کر ایک لکھا۔
"کھولے پنکھ یادوں نے" ہائے ہماری رائٹرز کتنی خوب صورت ہیں اور ان کی تحریر ان سے بڑھ کر ہیں۔ تمام مستقل سلسلے اچھے تھے۔
ایک بات کہنی تھی "مقابل ہے آئینہ" کے بجائے اب کوئی اور سلسلہ شروع کریں۔ جس میں ہم قارئین بھی شرکت کر سکیں۔
ج : پیاری بہن فوزیہ! "مقابل ہے آئینہ" سلسلہ

آپ بہنوں کے لیے ہی ہے اور آپ بہنیں اس میں شرکت کرتی ہیں آپ بھی اس میں شامل ہو سکتی ہے۔
"راپنزل" ایک کردار کا نام ہے مگر جرمن میں ہلکے جامنی رنگ کا ایک پھول کو بھی کہتے ہیں۔

مسز تقی نقوی..... علی پور

"نامے میرے نام" میں یہ میرا دوسرا خط ہے اس سے پہلے میرا پہلا خط اکتوبر کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ درمیان کے 3-4 ماہ میں نے نہ ڈائجسٹ پڑھے نہ ہی خط لکھا وجہ میرے جواں سال بیٹے کی اچانک سے 26 نومبر 2015ء کو ڈیتھ ہو گئی۔ (بیٹے کی عمر 20 سال تھی)

اب خود کو بڑی مشکل سے راضی کیا۔ کہ دوبارہ سے کرن میں حاضر ہوں شاید قسمت زور آور ہو جائے اور میرا خط پھر سے کرن کے "نامے میرے نام" کی زینت بن جائے۔ ڈائجسٹ مکمل ابھی نہیں پڑھا۔ کچھ اسٹوریز رہ گئی ہیں۔ جو پڑھ لیں ان پہ تبصرہ حاضر خدمت ہے۔ سب سے پہلے اداریہ پڑھا۔ چوہدری سردار محمود صاحب کی وفات کے بارے میں پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ (اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے آمین)

اپنی پسندیدہ لکھاری "نگہت سیماجی" کا ناول دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ان کی تحریر ابھی پڑھی نہیں اس لیے تبصرہ بھی محفوظ ہے۔ اس کے بعد "حمد باری تعالیٰ" اور "نعت رسول مقبول" سے آنکھوں اور دل کو ٹھنڈا کیا۔ آگے پھر صفحہ پلٹا تو "کچھ یادیں کچھ باتیں۔" محمود ریاض صاحب کے بارے میں پڑھ کے دل بہت دکھی ہوا۔ مدر زڈے پر ایک سروے۔ نظر ڈالی تو وہاں اتنے پیارے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ ان سب کے خیالات جان کے بہت خوشی ہوئی۔ رباب ہاشمی کے بارے میں بھی جان کر اچھا لگا۔ "آواز کی دنیا سے" سے ربیعہ اکرم کے بارے میں پڑھا اچھا لگا۔ ورکنگ وومن مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ اب آتے ہیں۔ آسیہ مرزا صاحبہ کے "من مورکھ کی بات نہ مانو" کی طرف۔ زبردست طریقے سے آسیہ جی اسٹوری کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ سمیرا غزل کے "محبت کے

موسم" کی کیا ہی بات، آخر رضا نے اپنی مضبوط قوت ارادی سے اور سچی محبت سے اپنی محبت کو پالیا۔ ورنہ بڑے بڑے محبت کے دعوے داروں کو محبت کی شادی کے بعد ماں اور بیوی کے درمیان پستے ہوئے دیکھا ہے۔ ——— فرح طاہر "تم زیست کا حاصل" سوئی پاگل سی، محبت میں اتنی بے اعتباری نہیں ہونی چاہیے۔ خیر اینڈ اچھا ہو گیا۔ شبینہ گل کی "یہ زندگی ہے" بہت اچھی کاوش تھی۔

ج : آپ کے بیٹے کا پڑھ کر بے حد افسوس ہوا۔ اللہ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مگر اس بات کی خوشی ہوئی کہ آپ اللہ کی رضا پر راضی ہو گئیں اور کرن کی کہانیوں پر تبصرہ کیا۔ امید ہے آپ ہر ماہ "نامے میرے نام" ضرور شرکت کریں گی۔

آسما کنول...... اکوڑہ خٹک

"حمد" اور "نعت" تو پڑھ کر روح کو ایسا سکون ملتا ہے کہ بتا نہیں سکتے اس کے بعد اپنی فیورٹ کہانی "من مورکھ کی بات" کرتے ہیں زبردست آسیہ جی عباد گیلانی کو تھوڑا اور ٹھیک کردیں تاکہ وہ مومنہ سے معافی مانگ کر خوشی سے اور جی سکے۔ اور حازم کی شادی تک تو عباد گیلانی کو کچھ مت ہونے دیجیے گا۔ "راپنزل" صرف شہرین اور سمیع کی وجہ سے پڑھتی ہوں زبردست کپل ہے لیکن اگر شیرین کو کچھ ہوا تو سمیع کیا کرے گا اور مجھے تو کاشف جیسے مردوں سے سخت نفرت ہے۔ تنزیلہ جی کہانی زبردست ہے واہ فرح طاہر نے تو اس دفعہ کمال کر دیا "زیست کا حاصل" واقعی زبردست تھا "دست مسیحا" تو سبق تھا کہ ابنارمل بچوں کے ساتھ زیادتی نہیں کرنی چاہیے وہ زیادہ پیار کے قابل ہوتے ہیں جیسے عفان اور عذرا کو ان کی والدہ سے پیار ملا باقی ناولٹ اور افسانے ہمیشہ کی طرح دل موہ لینے والے تھے۔

ج ۔ اسما آپ نے کرن کی محفل میں شرکت کی بہت اچھا لگا۔ امید ہے آپ ائندہ بھی اور بھرپور انداز میں اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیں گی۔